digestpk.blogspot.com

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

چینی نظنیہ چینی — مدبر علی — 11
قارئین کی کارستانیاں، کج ادائیاں
ہلکی پھلکی، چٹکیاں، شرارتیں

لٹیرا — ایچ اقبال — 18
مال و زر، عزت و آبرو، جذبات و احساسات کے
لٹیروں میں ایک بے ضمیر کی دلچسپ داستان تحیر

انتقام — رضوانہ منظر — 75
ایک کامیاب شخص کا کٹھن انتظار جس
کے لیے کوئی شدت سے منتظر تھا

قانون شکن — مریم کے خان — 83
ایک نوجوان کی عملی کارروائیاں جس نے
معاشرے کی بھلائی کا بیڑا اٹھایا تھا

للکار — طاہر جاوید مغل — 98
محبت کے محاذ پر لڑ رہے شخص کی جدوجہد...
اسے اپنے تحفظ کی جنگ کا سامنا تھا

پرہیز — بابر نعیم — 143
اس مجرم کا قصہ جو نظروں کے سامنے
ہو کے بھی قانون سے اوجھل تھا

آبلہ پا — آصف ملک — 151
یادداشت میں رہ جانے والے
ایک آتش انگیز واقعے کا نتیجہ

جلد40 • شمارہ03 • مارچ 2011 • زرسالانہ 600 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 50 روپے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

نشانی — تنویر ریاض — 161
سب کہہ دو... یا نہ کہو... اسی
الجھن میں گرفتار ہستی کا دلچسپ ماجرا

گرداب — اسما قادری — 170
تقدیر کی ستم گری، قسمت کی چالبازی، مقدر
کا کھیل، ملنے اور بچھڑ جانے والوں کی کہانی

اجل پیشہ — ڈاکٹر عبد الرب بھٹی — 203
آخری لمحوں میں پلٹ جانے والی
بازی کا چونکا دینے والا کلائمیکس

قیمتی تصویر — سبرینا راض — 211
شوبز کی دنیا کے چمکتے دمکتے ستاروں
کی زندگی کے جھلملاتے عکس

رازدوست — محمد عفان آزاد — 223
ان کہی باتوں کا دکھ جو لمحہ بہ لمحہ
زندگی کو دشوار بنا رہا تھا

زہریلے پنجے — اسلام حسین — 237
شرلاک ہومز کی یاد تازہ کر دینے والا
سراغرسانی سے بھرپور شاہکار سرورق

الجھی ڈور — سلیم انور — 266
سب کچھ حاصل کرنے کی ہوس میں
مبتلا شخص کی پرفریب حیلہ سازیاں

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

digestpk.blogspot.com

چینی نکتہ چینی

مدیرا علی

قارئین...... السلام علیکم

مارچ 2011ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ کھیل کے میدان کارزار میں معرکہ ورلڈ کپ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اُٹھتے ہوئے بلّوں اور گھومتی ہوئی گیند کے ساتھ ساتھ صرف کھلاڑیوں کے ہی نہیں...... دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں، اربوں شائقین کرکٹ کے دل بھی دھڑکتے ڈوبتے جا رہے ہیں۔ ہر شوقین ناظر اپنی اپنی پسندیدہ ٹیم کی فتح یابی اور ورلڈ کپ کو اپنے ملک میں دیکھنے کے لیے دعا گو ہے۔ پاکستان بھی ان چند ممالک میں سے ایک خوش قسمت ملک ہے...... جہاں 1992ء میں دنیائے کرکٹ میں عالمی فاتح کی حیثیت سے ہماری ٹیم ورلڈ کپ ہاتھوں میں تھامے، پرجوش انداز میں وطن واپس لوٹی تھی۔ کئی سال اس فتح کی خوشی میں جشن مناتے مناتے گزر گئے لیکن اس کے بعد جو یہ کپ ہمارے ہاتھ سے نکلا تو پھر اب تک واپس نہ آسکا۔ اس کے بعد ورلڈ کپ کے مقابلوں میں مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا مگر ہمارے گھر میں ورلڈ کپ واپس نہیں آیا...... یہ حسرت اب تک پاکستانی شائقین کے دل کو تڑپا رہی ہے۔ ایسے میں ایک بار پھر میدان گرم ہوا ہے، بلّوں کی بہار اور گیند کی برسات شروع ہو چکی ہے۔ چوکے، چھکے...... واہ واہ اور آہ آہ...... کھیل شروع ہے مگر ابھی تو بازوؤں کو گرمی سے آشنا کیا جا رہا ہے، جوش کو اور دو آتشہ کیا جا رہا ہے...... معرکے کو اپنے جوبن پر پہنچنے کے لیے تھوڑا سا وقت اور درکار ہے...... جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اس وقت تک کوئی بات حتمی نہیں کہ کس کے گھر جائے گا اس بار یہ ورلڈ کپ...... کئی اور قوموں کی طرح پاکستانی قوم کی بھی دلی تمنا اور لبوں پر مچلتی ہوئی بس یہی دعا ہے کہ ہم سے روٹھ کر جانے والا ورلڈ کپ اس بار تو واپس ہمارے ہی گھر لوٹ آئے۔ دعا کیجیے کہ ہماری یہ تمنا پوری ہو۔ ضرور دعا کیجیے کہ دعاؤں سے حوصلوں کو ایسی تقویت ملتی ہے کہ کھیل کے معرکے تو کیا، جنگوں تک کے پانسے پلٹ جاتے ہیں......

چلیے اب آپ کی محفل میں جہاں پاکستان کے چھوٹے بڑے شہروں سے آئے ہوئے آپ ہی کے خطوط کی بزم سجی ہوئی ہے...... دیکھتے ہیں کہ اس دفعہ کس قیامت کے نامے ہمارے نام آئے ہیں۔

جوہر آباد سے اعجاز احمد عاجز کی لفاظی "چینی نکتہ چینی" کے سب دوستوں کو سلام کہ اس دورِ ناشناس میں جب کتاب سے رشتہ بہت کمزور پڑ گیا ہے، یہ ایک ایسا ادبی کلب ہے جس کی قدر مشترک کتاب سے محبت ہے اور آپ جو اس شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں ہم سب کی دعائیں اور محبتیں آپ کے نام (شمع کے پروانے تو آپ ہیں نا) سب سے پہلے افکار کے مطالعے سے آغاز۔ جیسا کہ توقع تھی، عمران کی دھواں دھار آمد نے ہلچل مچا دی۔ عمران پر چھپا اسرار تو اسی قسط میں واضح ہو گیا یعنی جیکی سے تابش کا اکتساب فیض اور تابش کے اندر آنے والی تبدیلیاں۔ امید ہے اگلی قسط میں اس کی مزید صلاحیتیں بھی کھل کر سامنے آجائیں گی اور ہمارا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوگا کہ تابش پھر سے پس منظر میں نہ چلا جائے۔ تحریر ریاض کی کہانی ماں قیمت ہمیں غنیمت لگی، مطالعہ شروع کیا۔ فرنگ کی نرم کا نام خوب تھا۔ ایک کار کی چوری نے کیا کیا گل کھلائے۔ مریم کے خان کی کہانی شروع کی۔ نرگس کا نام پڑھتے زبان اٹک جاتی تھی۔ میں نے ب کا نقطہ اوپر لگا کر اسے نرگس بنا دیا۔ (یعنی انہیں بھی خوش کر دیا) اور روانی سے پڑھنے لگا۔ نرگس کی خوب صورتی اپنی جگہ، اس کی شخصیت کی دلکشی نے کہانی کو اور بھی دلکش بنا دیا۔ اب انتظار کی باری جسے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ سمجھا جاتا ہے۔ کلیسن تو اپنے انجام کو پہنچا، اب کربی کو انتظار کی اذیت کا سامنا تھا اور یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی سزا تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا، اہم تھے اور گرداب کا بیسواں چکر۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مہذب شخص کے کردار کے اس عجیب پہلو نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ ایک شخص جو اپنے پیاروں پر فائرنگ کی خبریں کر اور جنسی میں جا رہا ہو اور اس سے بھی بڑھ کر روتے بے حال نیم بے ہوش خاتون کے ساتھ یہ سلوک بلکہ حسن سلوک دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ آدمی جب سیلف کنٹرول کھو دیتا ہے تو انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے (یہ کہنے کی بھی اور سمجھانے کی بھی) یہ گھر میرا گلشن ہے ایک مختصر تحریر۔ لکھنا میرا اپنا شعبہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ ایک سطر لکھنے میں کتنا پتا مارنا پڑتا ہے۔ ایسی تحریریں بس پڑھ لی جائیں اور تبصرہ محفوظ رکھا جائے۔ دوسرا پاگل حرے کی کہانی تھی۔ اب گڑیا گھر کی سیر شروع کی۔ میں اس کہانی کو اسٹوری آف دی منتھ کہوں گا۔ اس کہانی نے دل کو چھو لیا ہے۔ مصنفہ ہماری تعریف اور مبارک باد کی مستحق ہیں۔ مقروض چوروں کو پڑھ کے سورۃ کی عملی تفسیر تھی مگر سود بھی برے انجام سے نہ بچ سکے۔ سچ ہے، برائی کو برائی سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ چانس اپنی نوعیت کی اچھی کہانی تھی۔ اس کا وقت مطالعہ تریا میں مت پر مشتمل تھا جو اچھے گزرے۔ منظر امام کا پہلا رنگ، ابتدا سنسنی خیز تھی۔ جو کہانی آپ کو کچھ سوچنے پر مجبور کرے، میرے نزدیک اچھی کہانی ہوتی ہے۔ ہم غیر مسلموں کے متعلق عموماً اور اہل یہود کے متعلق لکھتے ہوئے خصوصاً اپنی طرف سے انہیں ولن بناتے ہیں مگر گہرائی میں جا کر دیکھیں تو انہیں ہیرو بنا رہے ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی قوم سے غداری نہیں کرتے۔ کالڈ سے انتہائی مخلص ہوتے ہیں، قوم کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ شاید اسی طرح لکھاری اپنی قوم کے ضمیر کو بیدار کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ بہرحال اچھے اور برے لوگ ہر ملک اور معاشرے میں ہوتے ہیں اور اپنی قوم کے متعلق میرا ایمان ہے کہ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

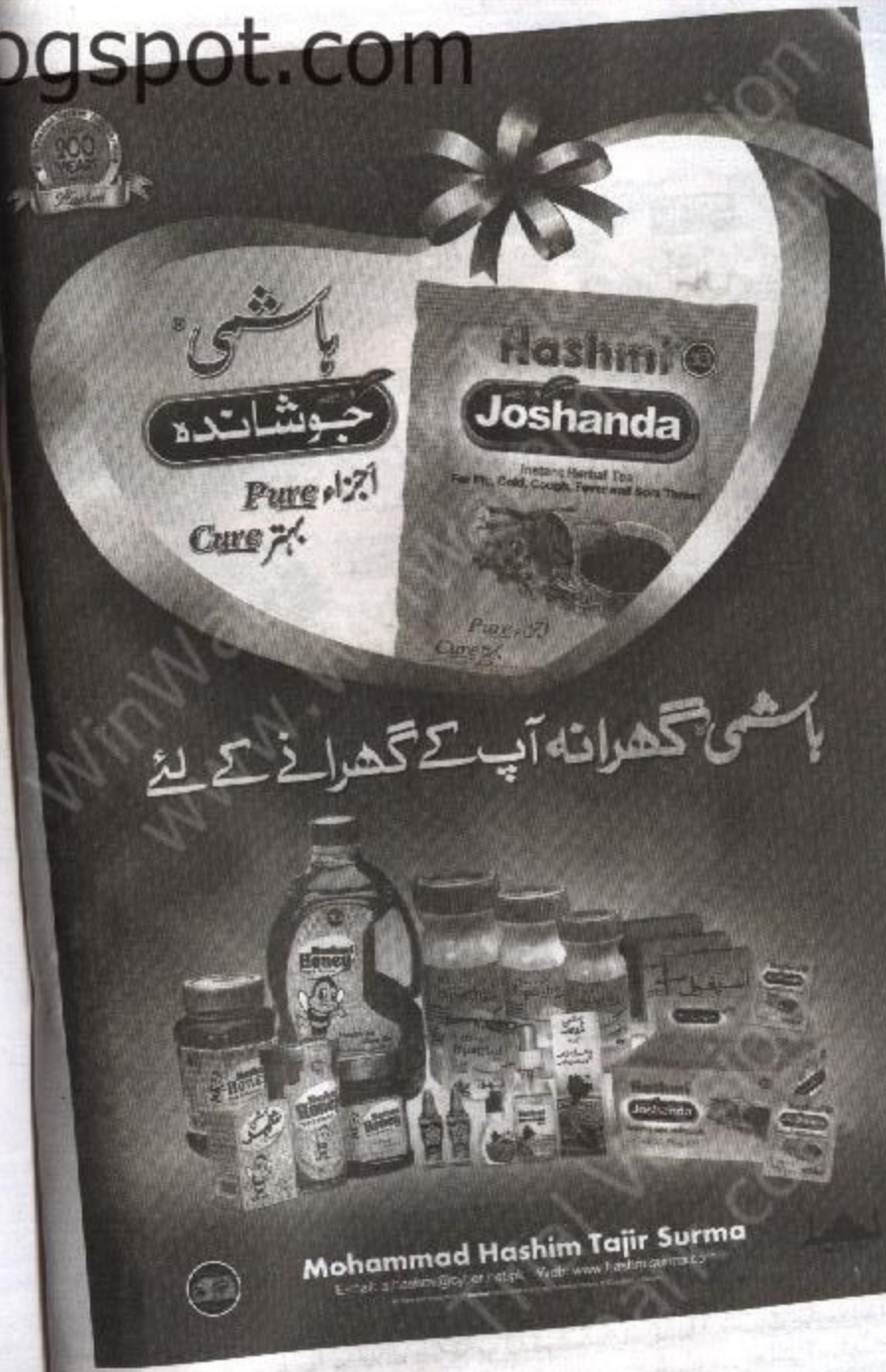

digestpk.blogspot.com

راجن پور سے ماہ تاب گل رانا کے شکوے ”جاسوسی کم فروری کو ملا۔ ٹائٹل گرل پر میں دیوان محمد تقی جا کر وہ کسی کام کی ہوتی۔ (حسینہ ماہ جبین کام کے لیے تھوڑی ہوتی ہیں) حسینہ کے سائڈ پر قمری کو چشمہ لگائے غور و خوض میں مصروف پایا اور اس کی بے دھیانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نوبی کو رقم والا بریف کیس بغل میں دبائے بھاگتے پایا۔ (او ہو تو وہ نوبی تھے...) ارے... ایک زبردست خبر تو میں بھول ہی گئی... ہوا یوں کہ میرے نانا ابو جن کی عمر 90 سال (ماشاء اللہ) ہے نے پچھلے مہینے میرا خط پڑھا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ جاسوسی کا پہلا شمارہ جنوری 1971 کو مارکیٹ میں آیا تھا۔ انہوں نے جب سے پڑھنا شروع کیا' وہی میری والدہ کو نیوز پیپر میں نانی اماں سے چھپا کر جاسوسی لا کر دیا کرتے تھے۔ میں ہی نہیں بلکہ میرے بڑے دو بھائی، آپی اور مجھ سے چھوٹا بھائی بھی جاسوسی پڑھتے ہیں۔ ہم تیسری نسل ہیں پڑھنے والوں کی... واؤ، مجھے بڑا مزہ آیا یہ سب جان کے۔ آخر محفل میں شو بھی مارنی تھی۔ اب ذرا تبصرہ نگاروں پر تبصرہ۔ بابا! ڈبل ڈبل مبارک باد اور مٹھائی کہاں ہے ڈیئر؟ آمنہ! میں بھی آپ کی طرح جذباتی ڈائیلاگ مارتی اپنا خط غائب پا کے اگر جو ایک دن پہلے اپنا خط لفافے سمیت الماری میں نہ پا چکی ہوتی۔ کہیں آپ بھی تو... خیر یہ تو مذاق کی بات ہے، اصل تو امی جان کے آپریشن کی پریشانی تھی پچھلے ماہ غیر حاضری کی وجہ... اب تو اللہ کا شکر ہے وہ ٹھیک ہیں۔ نوبی اے! اب آپ کو کیا کہوں؟ ثنا اینڈ مہرین کا معصوم سا تبصرہ بہت اچھا لگا۔ تصویر العین کے پیارے سے اور اعجاز احمد کے کچھ شعریہ اور کچھ وہ اس سے تبصرے کو بہت مس کیا۔ عذرا! ابھی ایک مرتبہ ہی بلیک لسٹ ہونے سے دل برداشتہ ہو کر غائب۔ امیزنگ یار! ابھی تو لگاتار دو مرتبہ ہوئی۔ اب آتے ہیں للکار کی طرف۔ آخر کہانی کی جان، اپنا گبرو جوان یعنی عمران جو واپس آ گیا۔ مزہ ہی آ گیا اس مرتبہ۔ آخر کار تابش نے سلطانہ کو اپنی بیوی مان ہی لیا۔ گرداب نے اس مرتبہ بہت اپ سیٹ کیا۔ ایک تو شہریار عادل کا ماہ بانو سے غصے سے بولنا اور پھر اس کا بہکنا... بہت دکھ دے گیا اور آخر میں پتا نہیں ماہ بانو کس کے چنگل میں پھنسنے والی ہے۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوگا، اس کا قصوروار میرے خیال میں تو شہریار ہی ہوگا۔ ساتھ ساتھ ڈاکٹر نقوی پر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے اللہ پر توکل کیوں نہیں کیا۔ ابتدائی صفحات کی تمام زادہ بھی زبردست رہی۔ کامران کے کردار خاص طور پر اس کے یقین نے بہت متاثر کیا۔ پہلا رنگ انجمن دوراں اف اتنی گھناؤنی سازشیں! یہ واحد تحریر ہے جس پر تبصرے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ حالانکہ اسرائیلی سازشوں کے آئیڈیاز پر سیکڑوں کہانیاں پڑھ چکے ہیں۔ لیکن اس تحریر پر قلم رک سا گیا ہے۔ بس انتا ہی کافی ہے۔ بہت مکمل لکھا منظر امام نے اور قلم کا حق ادا کر دیا۔ حق کی راہ کی کٹھنائیاں اٹھانے کے بعد طیرہ اور عظمر کا ملاپ زبردست رہا۔ دوسرا رنگ بزدل سلیم فاروقی کی تحریروں کا کیچر تھا کہ کافی سین پرانے تھے اس لیے سو سو رہا۔ رضوانہ سنگری کر پایا مگر بھی اچھی رہی۔ اب کچھ فرمائش اور کچھ شکوے۔ انکل جی! احمد یار شاہ کو جاسوسی میں واپس لائیں اور احمد اقبال کی غیر حاضری طویل ہو گئی۔ اب شکایت۔ پچھلی مرتبہ جو آپ نے بلکہ آپ کی بے رحم قینچی نے میرے خط کو جو کاٹ چھانٹ کے بچہ سا کر دیا تھا اس نے مجھے چار + چار = آٹھ آنسو رلائے۔“ (اس مرتبہ چلیں چار نہیں آٹھ + آٹھ =16 کر لیں)

خان عبدالرؤف عالی کی پسندیدگی کراچی سے ”جاسوسی ڈائجسٹ سے وابستگی بہت پرانی ہے۔ پچیس برس بہرحال ایک بڑا عرصہ ہوتا ہے اور ہم گزشتہ پچیس سال سے جاسوسی کے دیوانے ہیں۔ اس سے پہلے بھی محفل میں متعدد بار حاضر ہو چکے ہیں لیکن ہمیں لکھنے سے زیادہ پڑھنے سے دلچسپی ہے۔ حسبِ معمول جاسوسی کے دونوں مستقل سلسلے اچھے ہیں اور ایک قسط کے بعد اگلی قسط کا انتظار شروع ہو جاتا ہے لیکن اسما قادری سے ہمیں یہ شکایت ہے کہ انہوں نے گرداب میں رومانس کا تڑکا بہت کم رکھا ہے اور انہوں نے ماہ بانو اور شہریار صاحب کو ایک دوسرے سے مسلسل دور رکھا ہوا ہے اور آفتاب، کشور پورشن میں بھی رومانس سے زیادہ خوف شامل ہوتا ہے لہٰذا اس معاملے میں کہانی کافی پھیکی ہے۔ پہلی کہانی میں محی الدین نواب صاحب ایک بار پھر پوری فارم میں ہیں اور یہ کہانی بھی ان کا شاہکار ہے۔ سرورق کے رنگ میں انجمن دوراں اور بزدل بالترتیب اچھی رہیں۔ خاص طور پر انجمن دوراں موجودہ دور کی عکاس ہے۔ مختصر کہانیوں میں یہ گھر میرا گلشن ہے اچھی کہانی تھی۔ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان کے ہر محلے میں ایک زبیدہ پیدا ہو جائے جو ہر محلے کو گلشن کی طرح خوب صورت بنا دے۔ دیگر کہانیوں میں مقروض، انتظار، چانس، مال غنیمت، مشکوک قاتل وغیرہ بہتر رہیں۔“

کراچی سے سفیان ہاشمی کے خیالات ”عرصہ دراز پہلے ہم بھی کبھی کبھار چھپی، نکتہ چینی میں پائے جاتے تھے مگر پھر گردش زمانہ نے ہمیں بھولی بسری یاد کی طرح بنا دیا۔ (ایسی بھی کیا گردشیں...) مگر اس بار جب خوش قسمتی نے ہمارے دروازے پر دستک دی اور ہمیں کم فروری کو ہی جاسوسی مل گیا تو ارادہ کیا کہ اٹھو باندھو کمر اور خط لکھو۔ (واقعی کمر کس کر بہت بڑھیا کام کیا ہے) فروری کے سرورق پر گلابی رومال لپیٹے، شانوں پر زلفِ پریشاں بکھرائے ایک حسینہ موجود ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ہماری چھپی نکتہ چینی میں آمد کا انتظار کر رہی ہے۔ (جی ہاں خصوصی طور پر آپ کی خاطر ایسا ٹائٹل بنوایا ہے تا کہ آپ کھچے چلے آئیں) دیکھتے ہیں مدیر اعلیٰ صاحب اس حسینہ ماہ جبیں کی یہ ننھی سی خواہش پوری کرتے ہیں یا نہیں۔ (ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ کسی کی خواہش رد نہ ہو) چھپی نکتہ چینی میں صدارتی بانس پر ایمان کو دیکھا جو خود کو پکی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آئیں۔ ویسے گرداب پر کیے گئے تبصرے سے بھی لگا کہ وہ واقعی عقل میں بچوں سے پیچھے ہی ہیں۔ بہاول پور سے سعید عباسی صاحب خط تو آپ کا اس شمارے میں بھی آ گیا ہے، پتا نہیں اب کی بار آپ نے خواب کو حقیقت میں کیسے بدلا ہوگا۔ ویسے نہر کے ٹھنڈے پانی میں چھلانگ لگانے کے بجائے گرم استری کان پر لگانے کا نسخہ بھی آپ کے لیے اکسیر ہوگا۔ اقبال مرزا اور صبا مرزا! آپ اپنی آنکھوں سے سو واٹ کے بلب اتروا کے اگر انرجی سیور لگوا لیں تو قوم کو درپیش بجلی کا بحران حل ہو جائے گا۔ حضور بخش کنول کے نام نے ہمیں پہلے سے تپایا ہوا تھا اوپر سے اس بار شاہ کنول اور مہرین کنول کے نعرے نے ہمارے دماغ کی دہی کر دی۔ سید محی الدین صاحب ٹائٹل گرل آپ کو تو بھی نظر سے اس لیے دیکھ

ذہنی کیفیت اور... آپ نے للکار بجلی کی تیز روشنی میں کیسے پڑھی؟ کہیں اسٹریٹ لائٹ سے تو نہیں لگ لیے؟ قمری صاحب! آپ پر حیرت ہے بھئی، اسما بہن آپ کو جاسوسی پڑھتے ہوئے ہوا ہے کہ آپ نے کسی خاتون سراغ رساں کی کہانی پڑھی ہے؟ آپ نے ایویں ہی تینوں لڑکیوں کو سراغ رساں قرار دے دیا۔ برائے مہربانی تصحیح کر لیں۔ کہانیوں میں سب سے پہلے للکار کی بات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جاوید کی گرفت کہانی پر مضبوط دکھائی نہیں دیتی اور تیرہ قسطیں گزر جانے کے باوجود تابش ابھی تک اپنے بیوی کو تسلیم نہیں کر سکا ہے۔ اسما قادری کی گرداب جاسوسی کی سب سے دلچسپ کہانی ہے۔ آج کل اس کی کچھ خوب دو شاخیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ گھر میرا گلشن ہے کو ہم کہیں گے کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ میرے خیال میں زبیدہ کے کردار کو بنا دیتا کر ہر دوسرے تیسرے ماہ کہانی لکھی جا سکتی تھی مگر مصنف نے دو سطروں میں سب کچھ لپیٹ لیا۔ آصف ملک صاحب کی چانس دلچسپ تھی۔ سرورق کے دونوں رنگ پھیکے رہے۔ سلیم فاروقی صاحب کی کہانی میں جذباتیت، اتفاقات اور اشتعال کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ دین اسلام یا دنیا کو کوئی قانون فرد کے بجائے قاضی اور کورٹ کو فیصلہ سنانے کی اجازت دیتا ہے۔“ (لیکن عقل کا دشمن غصہ ہوتا ہے ہر شخص کو یہ بات اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا ہوتا ہے)

سیدہ حرا گیلانی کی رائے لاہور سے ”میں جاسوسی ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے یہ میرا پہلا خط ہے۔ فروری کے شمارے کی تمام ہی کہانیاں اچھی رہیں لیکن میں نے سب سے پہلے للکار پڑھی۔ یہ کہانی بہت مزیدار ہے اور اب عمران کے آنے کی خوشی میں اور بھی زیادہ مزیدار ہو گئی ہے۔ اس کے بعد گرداب پڑھی تو اس پر پہلے سے زیادہ غصہ آیا۔ بہت بور اس کہانی ہے۔ میری تو رائے ہے کہ اب ماہ بانو اور شہریار کو بھی مار ہی دیجیے کیونکہ آدھے سے زیادہ لوگ تو مر ہی چکے ہیں۔“ (ارے ارے... کیا ہو گیا... اتنا غصہ...)

ام ثمامہ جھلم، سعودیہ سے لکھتی ہیں ”بچھڑے بچھڑے بچھڑے اور سرد موسم میں جب پرندے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹنے کی تیاری کرتے ہیں، پیپل اور برگد کے پتے سرد اور تند ہواؤں کا مقابلہ کرتے کرتے تھک کر پیڑوں کے قدموں میں آ گرتے ہیں، دوپہریں طویل اور شامیں اداس ہونے لگتی ہیں... ایسے میں جاسوسی میں چھپی نرم گرم کہانیاں پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ جاسوسی اور ہمارا ساتھ نو سال پرانا ہے۔ اس دفعہ جاسوسی پہلی تاریخ کو مل گیا۔ سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اور بچے کو سلانے کے بعد اطمینان سے رسالہ لے کر بیٹھے۔ ٹائٹل اس دفعہ کوئی خاص قابل توجہ نہ تھا۔ سرسری سی نظر ڈالی۔ ٹائٹل گرل کی مکاری چالیں عیاری تمام تر معصومیت کے باوجود بھی جھلک رہی تھی۔ مسٹر ہیرو کے بریف کیس میں نوٹوں کی جگہ شاید پتھر بھرے تھے جو وہ چوٹ کھاتے ہوئے کے باوجود بھی ایک بریف کیس کو اٹھانے کے سبب لڑکھڑاتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ چھپی نکتہ چینی پر پہنچے... واہ کیا نام ہے، پڑھ کر منہ میں مٹھاس گھل جاتی ہے۔ آج کل کے دور میں جب چھپی اتنی مہنگی ہے تو وہ بار بار پڑھ کر منہ میٹھا ہو گا نا (بجا فرمایا آپ نے اور ایسے میں بالکل سچ تھا۔ اس دفعہ خطوط سارے ہی اچھے تھے۔ ماہا ایمان جی کو کرسی صدارت کی مبارک باد۔ سب سے پہلے صفحہ نمبر اٹھائیس پر پہنچے، جی ہاں للکار پر اور پھر ہم نے سوچ رکھا تھا کہ ہمیں جس کا تھا انتظار وہ شاہکار جان دار شان دار ہیرو بھائی لوٹ آئیں گے تو خط لکھیں گے۔ عمران کے کردار کو پڑھتے ہوئے جو ایک شوخ سی مسکراہٹ چہرے کا احاطہ کیے رکھتی ہے، وہ لوٹ آئی ہے۔ تابش بھی اب اسٹائل میں آ رہا ہے مگر وہ ابھی بھی طفل مکتب ہے۔ اسما جی کی گرداب پہلے تو زیادہ بہتر تھی، اب کہانی میں وہ طلسم نہیں رہا۔ سب سے بہترین کہانی سلیم فاروقی کی بزدل تھی۔ واقعی کبھی کبھی کوئی بات انسان کی زندگی کا رخ بدل دیتی ہے۔ ایسا ہی کچھ بزدل میں بھی نمایاں تھا۔ اس دفعہ پہلی کہانی بہت اچھی تھی۔ انسان خدا پر بھروسا کرے اور دعا کی طاقت کو اپنے ہاتھوں میں تھام لے تو کچھ بھی ناممکن نہیں رہتا۔ تم زادہ کی آخری لائنیں کہانی کی جان تھیں۔ باقی رسالہ ابھی میرے نخے منے شہزادے نے مجھے پڑھنے نہیں دیا ورنہ باقی رائٹرز اور کہانیاں بھی میرے فہم و فراست سے بھرے تبصرے سے ضرور مستفید ہوتے۔ آخر میں ان سب بہنوں اور بھائیوں کا شکریہ جو اگلے ماہ خط کی تعریف کریں گے۔“ (اگلے ماہ دیکھتے ہیں آپ کے لیے کیا لکھا ہے)

محمد سلیم تحصیل وضلع ملتان سے لکھتے ہیں ”ٹائٹل گرل نے جو سرخ ٹوپی پہنی ہوئی تھی، وہ ہمیں ایک آنکھ نہ بھائی۔ پہلے تو ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا مگر غور سے جب دوبارہ دیکھا تو اس کی قاتل آنکھیں... ہم اس کی گہری جھیل سی آنکھوں میں دوبارہ ڈوب ہی جاتے مگر یاد آیا کہ سردی بہت ہے، کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے اور اس کا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ کر دیکھنے کا انداز بہت ہی لاجواب تھا جبکہ نوجوان آدمی ہاتھ میں بیگ تھامے کسی کی تلاش میں نظر آ رہا تھا جبکہ موٹی عینک لگائے گہری سوچ میں گم بوڑھا آدمی شاید اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر رہا تھا۔ سرورق گزارے لائق تھا۔ ہمارا گلا کچھ خراب تھا شربت توت سیاہ پی کر محفل میں انٹری دی۔ ماہا ایمان مقدس تریشے سے واپس آتے ہی کرسی پر قبضہ کیے ہوئے تھیں۔ تبصرہ واقعی شان دار تھا۔ آمنہ پٹھانی کا تو پایا اچھا ہوا ہے۔ بھئی کوئی ہماری خدمت ہو تو بے ایمان بندہ حاضر ہے۔ ہمایوں سعید آپ پیچھے مڑ کر دیکھتے تو ہم بھی تاریک کوٹھری میں موجود تھے۔ ماہ تاب گل کو اندھیرا ہونے کی وجہ سے صاف نظر نہیں آئے۔ تصویر العین کی کمی محسوس ہوئی۔ کہانیوں میں اب کی بار پہلے صفحات سے شروعات کیں۔ شکر ہے نواب صاحب بھی تشریف لائے۔ کامران اور فروا کی محبت نے بہت متاثر کیا۔ آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ توقعات سے بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ گرداب کی ہر قسط مزید گرداب میں پھنستی جا رہی ہے۔ کردار کچھ زیادہ ہی ہو گئے ہیں۔ اب ہر کردار کے ساتھ برابر انصاف نہیں ہو پا رہا۔ شہریار نے بے چاری ماہ بانو کا دل دکھایا، بہت برا لگا۔ ڈاکٹر بابا بھی اب شہریار کو اپنے دام میں پھنسا چکی ہے۔ پلیز اسما قادری! شہریار اور ماہ بانو میں رومانس کو بڑھائیں۔ للکار میں عمران اور تابش نے ساتھیوں سے مل کر سلطانہ کو نکال لیا۔ عمران کے مزیدار ڈائیلاگ بہت پسند آئے۔ عمران کے آنے سے اب مزید مار دھاڑ کے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

گی۔ ابلیس دوراں میں منتظر امام نے ہماری کچھ معزز ہستیوں کے اصل کردار کو بے نقاب کیا ہے۔"

طویل غیر حاضری کے بعد بشریٰ افضل کی آمد بہاولپور سے "30 جنوری کو ہی ہاکر جاسوسی ہمارے دروازے پر ڈال گیا۔ ٹائٹل کا بغور جائزہ لیا تو کچھ کچھ فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے تھا اور جاسوسی کا مِس کچھ دے رہا تھا۔ منتظر نازک پُراسرار انداز میں آگے بڑھتی نظر آئی۔ جاسوسی کا مکمل طور پر ہر لحاظ سے منفرد ٹائٹل لگا۔ اپنی میٹھی میٹھی محفل میں داخل ہو کر انکل کا لکھا پڑھا۔ کاش آپ کے لفظوں کا اثر ان لوگوں پر ہو جو اپنا ایمان بیچ کر اپنے لوگوں کی موت کا سامان کرتے ہیں۔ کافی غیر حاضری کے بعد اپنی محفل کو رونق بخش رہے ہیں کیونکہ ہمارے بغیر تو یہ محفل سونی سونی ہے۔ (یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ اتنے عرصے سے کہاں غائب رہیں) اب ہم آگئے ہیں، سب کی اداسی دور ہو جائے گی۔ ماہا ایمان کو کرسیِ صدارت پر کروفر سے براجمان پایا۔ ماہا حج کی سعادت تو قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہے اب آپ ڈبل مبارک کی حق دار قرار پائیں۔ ایک حج کی مبارک اور دوسری ڈگری اسٹینڈ حج کرنے پر۔ آپ کا تبصرہ واقعی قابل ستائش تھا۔ آسنہ پٹھانی! انکل کی بات سولہ آنے درست ہے کہ وہ تنقیدی خطوط لگاتے ہوئے عقل سے کام نہیں لیتے۔ سعید عباسی! اپنے بازو پر چٹکی کاٹ لیتے تو بھی یقین آجاتا۔ پرانے لکھنے والوں ایک بار اپنی جھلک دکھا دیں کہ ہم نے محفل کو دوبارہ جوائن کر لیا ہے۔ نوری اے! اپنے دل کی نہ سنیں ورنہ پچھتائیں گے کیونکہ دل تو ایک ضدی بچہ ہے جو اس کی سنتا ہے دکھ ہی اٹھاتا ہے۔ وقت اور حالات نے شاہد کو (بزدل) سے شیر بنا دیا۔"

آسنہ پٹھانی فتح پور لیہ سے "فروری کا شمارہ خلاف توقع 31 جنوری کو ہی مارکیٹ میں دستیاب تھا۔ ڈاکر انکل کا بڑی محنت سے بنایا گیا ٹائٹل دل کو بھا گیا۔ محفل دوستاں میں پہنچے تو اپنا کڑوا کسیلا خط پا کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ انکل جی! آپ واقعی وسیع القلب اور عظیم انسان ہیں۔ جب ہی تو ہمارے الٹے سیدھے خطوط شاملِ اشاعت کر لیتے ہیں، یو آر گریٹ۔ (کبھی کبھی سیدھے سادے خطوط کا الٹ بھی شائع کرنا چاہیے...... کیوں، کیا کہتی ہیں؟) ماہا ایمان جی! آپ کی بہن آسنہ پٹھانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے 2009ء میں کم عمری میں ہی ارضِ مقدس پر حاضری کی سعادت عطا فرما رکھی ہے۔ ڈیئر! میری بھی وہی کیفیات تھیں جو آپ نے بیان کی ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کو قبول فرمائے (آمین)۔ محی الدین اشفاق! ٹائٹل پر نوجوان کی تصویر والی بات سے ہم بھی متفق ہیں، پر خوب صورتی کہاں سے لائی جائے۔ (مسلہ فیتہ فورث......) ایم اے انجم! خط لکھنے کے لیے آخر کتنی ہمت چاہیے ہوتی ہے جسے آپ ڈیڑھ دو سال سے جمع کرتے رہے۔ عبدالجبار خان آزاد کشمیر، خیر سے اب آپ کی عمر عزیز کتنی ہے؟ محمد سلیم شبلی! ارے ارے، اتنی عجلت...... آخر کیوں؟ شما کنول...... مہرین کنول! آپ کے پشتو کی مخصوص ادائیگی پر مشتمل خط نے بہت محظوظ کیا۔ ایم احمد ہاشمی! آپ کا خط پڑھ کر یقین آجاتا ہے کہ آپ واقعی پٹھان ہیں۔ اب جواباً عرض ہے کہ میں بھی تو پٹھانی ہوں۔ دیگر تبصروں میں ہمایوں سعید راج، نعمان پیارے اور قمر تقی کے خطوط پسند آئے۔ اب ذرا بات ہو جائے کہانیوں پر۔ ابتدائی صفحات پر محی الدین نواب کو پا کر انتہائی مسرت ہوئی۔ سوالیہ ستم زادہ سے کی۔ کامران نیک فطرت اور شریف الطبع انسان تھا اس لیے خدا نے جہاں اسے کال کوٹھری سے نجات دی وہیں اسے والدین کی شفقت، فروا کی محبت اور کروڑوں کی جائیداد ملی۔ للکار میں ہیرو بھائی کا ڈرامائی انداز میں انٹری ہونا اور آتے ہی کہانی پر چھا جانا مسرور کر گیا۔ عمران اور تابانی کا جنونی ہندوؤں کے ساتھ ٹکرا بھی مزہ دے گیا۔ البتہ الیکٹرانک چپ کی وجہ سے تابانی ایک بار پھر مشکلات میں نظر آرہا ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ یہود و نصاریٰ کی عالمی سطح پر امتِ مسلمہ کے خلاف ہونے والی سازشیں کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ منتظر امام کی ابلیس دوراں یہودیوں کی سازشوں کو بے نقاب کرتی کہانی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ کہانی میں طلیو اور ظفر کا کردار پسند آیا۔ دوسرا رنگ سلیم فاروقی کی بزدل ابتدا میں تو پھیکی لگی مگر آگے چل کر دلچسپ ہوگئی۔ مختصر کہانیوں میں دوسرا پاگل اور مالِ غنیمت بہت اچھی لگیں۔"

عمر دراز نوناری کی انتظار پسندی ملتان سے "فروری کا تازہ شمارہ 5 تاریخ کو موصول ہوا۔ سرورق پر ایک لڑکی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔ ماہا ایمان کو صدارت ملی، مبارک باد۔ سید محی الدین اشفاق اور قمر تقی صاحب ٹائٹل پر نوجوان کی تصویر نہیں آسکتی۔ (آپ نے کچھ غلط لکھ دیا۔ نوجوانوں کی تصویر آسکتی ہے...... ضعیف العمر جوانوں کی نہیں) کیونکہ آج کل لیڈیز فرسٹ۔ شما کنول، مہرین کنول آپ کا تبصرہ پڑھ کر ہنسی آئی۔ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ لوگ لڑکی کو لڑکا اور لڑکے کو لڑکی بنا کر کیوں بولتے ہیں۔ قمر تقی صاحب! اس پستول کا نام جس سے شربت ملتا ہے، وہ آپ کو ڈاکٹر اصل باز آفریدی صاحب بتائیں گے۔ کہانیوں میں گرداب، اسما قادری، للکار اور چانس اچھی تھیں۔" (شکریہ)

سمعیہ لیاقت علی سندھو کی باتیں قصور سے "مانا کہ ہم کوئی ایسے ماہر لکھاری یا افسانہ نگار نہیں کہ الفاظ و تشبیہات کا جادو جگا کر ہی آپ کی نظر کرم کو اپنی طرف مائل کر سکیں۔ ہم شاعر بھی نہیں کہ ہمارے قلم سے حروف دُرِ نایاب کی صورت اشعار کے قالب میں ڈھل کر آپ کی بے ساختہ داد کے مستحق ٹھہریں مگر پھر بھی صرف اتنا عرض کریں گے کہ جاسوسی سے تعلق کی ڈور میں کئی برسوں کی محبت شامل ہوئی ہے اسی وجہ سے ہم ہاتھ ذرا ہولا ہی رکھتے ہیں ورنہ...... (اس مہربانی کے لیے ہم تہ دل سے شکر کے شادیانے بجالاتے ہیں) ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ ڈھٹائی میں ہمارا کوئی ثانی نہیں، ہٹ دھرمی میں ہم کسی کو بھی مات دے سکتے ہیں...... جاسوسی صاحب جب ہمارے خوب صورت ہاتھوں میں تھے تب ہم نے معائنہ فرمایا۔ اپنے ہاتھوں کا نہیں جاسوسی بہادر کا۔ جس دن ڈاکر انکل نے ٹائٹل حسینہ کے دل پر اپنا نام چسپاں کیا اسی دن ٹائٹل اٹریکٹو ہوگا، ابھی تک تو بالوں پر لگے ہوئے ہیں۔ منتقب کرخت پرو نشنس، ہم نے کسی جن بھوت کو اپنے گلے نہیں پڑوانا۔ چنی منی محفل میں داخل ہوئے تو کرسیِ صدارت پر باجی ماہا خوشی کے ساتھ الٹی سیدھی قلابازیاں لگانے میں مصروف تھیں۔ باجی جی! آرام سے، یہ کرسی بڑی خطرناک چیز ہے لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ (آپ کچھ دینے کے موڈ میں ہیں؟) باجیوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھائیوں کی دوڑیں لگوا رکھی ہیں جس کا ثبوت ٹائٹل پر بھی ملتا ہے۔ چنی، منگ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

تکنیکی میں تو سارے بھائی بڑے پھنّے خاں بنتے ہیں کہ بہنوں کو مکھی کی طرح گھول کر پی جانا چاہتے ہیں لیکن برادران...... ہمیں کمزور سمجھنے کی غلطی نہیں کرنا۔ تبصروں کی فائرنگ ذرا دھیان سے کرنی ہے، ہم لوہے کے چنے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ انگلش تو دور کی بات ہمیں ہاتھ میں آ جائے گی۔ گرداب نے تو اس دفعہ ہمارے ذہین و فطین دماغ میں چکر بلکہ چکّر چلا دیے ہیں۔ اے بی صاحب اور بی ماریا ان دونوں کے کارنامے نے تو ساری اسٹوری کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ دل تو کرتا ہے کہ اے بی صاحب میرے سامنے ہوں اور میں ان کا وہی حشر کروں جو انہوں نے ورما کا کیا ہے۔ پھر یہ خیال آئے ای تمہیں پوری اے بی کی بن جائیں گے۔ للکار میں ہیرو بھائی کی انٹری کوئی انہونی بات نہیں، ہم نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا۔ ہیرو بھائی کے تماشوں نے مزہ دوبالا کر دیا۔ آزاد محی الدین نواب نے لکھی۔ محبت تو بہت سارے لوگ کرتے ہیں لیکن محبت بانٹنے کا سلیقہ کسی کسی کے پاس ہوتا ہے اور یہ سلیقہ کامران اور فروا کے پاس تھا۔ (سلیقہ...... ہاں سمعیہ کے پاس بھی سلیقہ ہے؟) گڑیا گھر سے بھی کچھ اسی طرح کا ہی سبق ملتا ہے۔ مقروض، پاپا تنگ تو بہت اچھی تھی لیکن بے وقوف تو بے وقوف ہوتا ہے نا۔ سرورق کے دونوں رنگ شاندار تھے۔ بزدل میں کچھ کچھ حالات حاضرہ کی طرف بھی اشارہ تھا۔ شاہد کی بزدلی نے بالکل اچھے وقت پر پلٹا کھایا۔ شاباش۔ ابلیس دوراں یہودی عناصر کی سازشوں کو بے نقاب کرتی ہوئی متاثر کن تحریر تھی۔"

ایس اے تبسم مجوون یہوفی، باغ آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں "اس دفعہ جاسوسی کا شمارہ 5 فروری کو ملا۔ اس دفعہ بھی جاسوسی کا ٹائٹل قابل تعریف تھا۔ محفل خطوط پر نظر پڑی تو سب سے پہلے نمبر پر ماہا ایمان پنجاب سے وارد نظر آئیں۔ اس کے بعد کہانیوں کی طرف آتے ہیں۔ سب سے پہلے میں نے رنگ پڑھے۔ دوسرا رنگ پہلے نمبر پر رہا۔ پہلا رنگ بھی کافی دلچسپ تھا۔ اس کے بعد قسط وار کہانیاں پڑھیں۔ للکار میں عمران کی دوبارہ آمد پر بڑی خوشی ہوئی لیکن شکیلہ کی موت پر افسردہ بھی ہوئے۔ اس کے بعد سلطانہ کی رہائی پر بھی کافی اطمینان ہوا۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ گرداب بھی بڑی ہنگامہ خیز رہی۔ یہ گلشن نے پڑھی۔ اچھی سبق آموز کہانی تھی۔ چانس بھی اچھی کہانی تھی۔ رائٹر کاشف زبیر صاحب کی کہانیوں کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ آخر میں گزارش کروں گا کہ میرا تبصرہ ہر حال میں شائع کیا جائے تاکہ آگے بھی باقاعدگی سے تبصرہ لکھ سکوں۔" (لیجیے آپ کی باقاعدگی کا آغاز ہوا چاہتا ہے)

عائشہ درانی کی گفتار ملتان سے "31 تاریخ کو جاسوسی کے درشن ہوئے۔ فوراً ہی تحفۂ دوستاں میں پہنچے، سب کے تبصرے پڑھے، اچھے لگے۔ کرسیِ صدارت اس مرتبہ مس ماہا ایمان کے حصے میں آئی، مبارک باد۔ آتے ہیں ٹائٹل گرل کی طرف۔ لڑکی خوب صورت تھی ہمیشہ کی طرح لیکن مجھے ایک شکوہ ہے کہ کبھی لڑکی کو سیدھا بھی بنا دیا کریں۔ بے چاری کی گردن نہیں دکھتی کیا؟ بزرگ کافی گہری سوچ میں غرق ہیں جیسے دونوں جوان ان کا ہی قیمتی اثاثہ چرا کر بیگ میں ہے اٹھا کر بھاگ رہا ہو۔ کہانیوں میں سب سے پہلے للکار پڑھی۔ ضروری نہیں ماہا صاحبہ کہ ہم یا انکل یا باقی قاری آپ کی بات پر اکتفا کریں۔ آپ تابش کو بزدلوں کا طعنہ مت دیں، وہ سیکنڈ ہیرو ہے۔ ہر کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ سردیوں میں ایک لالن کی قمیص پر گزارہ کرے۔ گرداب پڑھی۔ اسما صاحب! آپ کو شہریار اور مہرین کے رومانس کا فرمایا تھا مگر آپ نے مرد ذات کی فطرت کو کھل کر بیان کیا۔ جس کی فطرت بھی چودھری جیسی ہی ہے۔ گلشن زبیدہ واقعی ایک مثالی کالونی بن گئی۔ اگر ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک اچھا تاثر چھوڑیں معاشرے پر تو سب کے لیے مثالی بنانی۔ دونوں رنگ اچھے تھے۔ پہلا رنگ واقعی چونکا دینے والا تھا۔ ایک یہودی اور وہ بھی مسلم اسکالر بن کر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور وہ خطرناک عقل زائل کرنے والا سفوف۔ بزدل کہانی۔ ایک بزدلی کی وجہ سے خاندانی دشمنی اور دونوں بھائیوں کی اموات، خوفناک جھرجھری آگئی۔ ستم زادہ پڑھی، واقعی خدا بہت کفیل، حق، وکیل، مجیب ہے۔ ہر حال میں انسان ہی ناشکرا ہے۔ اس کہانی کے بارے میں محاورہ کہ خدا جب بھی دیتا ہے چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔ میری والدہ کے لیے بھی خصوصی دعا کیجیے کہ فالج کا دوسرا اٹیک ہوا ہے۔ خدا میری والدہ کی عمر دراز کرے اور ان کا سایہ تاحیات ہم پر قائم رکھے، آمین۔" (ہم سب دعاگو ہیں)

عبرا سیال، پریشے سیال کی للکار منڈی بہاؤالدین سے "انکل جی! آپ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ (کیا کر دیا کچھ خبر تو ہو......)

ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بھی کیا بے رخی کہ سلام تک نہ پہنچے

یہ ہمارا پانچواں خط ہے۔ (اچھا!) مگر آپ مسلسل ہمیں نظرانداز کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں شوگر نہ سہی پوائزن ہی دے دیجیے۔ (یعنی بلیک لسٹ میں جگہ) آخر ہم بہت پرانی ریڈرز ہیں۔ جاسوسی کو تو ہم چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ ماہا جی! مبارکاں۔ مسلسل دو مرتبہ ڈگری اسٹینڈ پر۔ راج صاحب آپ کی زبان گنگ، منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی ہوئی۔ اوئی! کیا وحشت ناک منظر ہے؟ شکر کریں آپ آنجہانی نہیں ہوگئے۔ ڈاکٹر باز! آپ کہاں کے صدر ہیں؟ خواب کم دیکھا کریں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ علی آتش حسن اتفاق دیکھیے کہ ہم بھی چھ سال سے پڑھ رہے ہیں۔ للکار میں تینوں کو اکٹھا دیکھ کر اور خاص طور پر عمران کی جگتیں پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ گرداب میں اے بی پر بہت غصہ آیا۔ اسمانی! ہیرو کا کردار تو اسٹرانگ ہونا چاہیے۔ گڑیا گھر میں ناس کی بے غرض دوستی بہت اچھی لگی۔ ستم زادہ بھی پسند آئی۔ پہلے رنگ میں شمعون کا کردار بہت بھیانک تھا۔ ہم تو جھرجھری لے کر رہ گئے۔ باقی کہانیاں بعد میں کیونکہ کالج سے تین بجے واپسی کے بعد اتنا ٹائم نہیں ملتا۔ انکل جی! آپ انصاف کیجیے گا۔ اس دفعہ ہمارا خط ضرور شائع ہونا چاہیے۔"

نوری اے...... مسلم ٹاؤن کی بہاولپور سے معروفیت "2 فروری کو صبح ہی صبح جاسوسی کے درشن سے دن کا آغاز کیا۔ ڈاکر انکل نے شاید کشمیری اسٹائل ٹائٹل گرل کو سرورق پر ابھارا لیکن نین نقش تھوڑے ماڈرن نظر آئے۔ چٹکی اداس محفل میں ماہا ایمان کو دلی مبارک باد۔ آسنہ پٹھانی! ایک بار خط شائع نہیں ہوا تو اتنا مختصر تبصرہ کیا! اقبال اینڈ صبا مرزا! اب بیرہ ماتو نہیں بتایا جا سکتا۔ ایم اے انجم! اگر آپ کو نظر کی عینک لگی ہے تو لگا کے سرورق دیکھ لیا کریں۔ ایم عمران! زندگی ہے ہی پہیلی، کبھی پُر مزاح تو کبھی سنجیدہ۔ للکار اپنی

digestpk.blogspot.com

پرانی ڈگر پر چل رہی ہے۔ فرق صرف اتنا کہ مزاحیہ کلمات کا اضافہ ہو گیا ہے۔ [illegible] لگا۔ معذرت کرنی چاہیے تھی۔ ستم زادہ نے ابتدائی صفحات کا حق ادا کیا۔ [illegible] ایک بزدل شخص کا بہادری سے سچ کا ساتھ دینا اچھا لگا۔ تمام نئے دوستوں کو خوش آمدید۔ بے حد زیادہ مصروفیت کے باعث فی الحال تبصرہ یہیں ختم۔

نادیہ خان وسیم کی وہاڑی سے پُرامن آمد بہار'' آنٹی عذرا رسول صاحبہ، انکل معراج رسول اور محفل میں موجود اور غیر موجود تمام دوستوں کو نادیہ خان کی طرف سے السلام علیکم۔ ہم جاسوسی گزشتہ چھ سال سے پڑھ رہے ہیں جب ہم نویں جماعت میں تھے لیکن خط لکھنے کی جسارت پہلی مرتبہ کر رہے ہیں، خط نہ لکھنے کی وجہ رسالے کی دیر سے دستیابی ہوتی ہے۔ اس ماہ ملک وال سے میری پیاری دوست جناب کنول خان کی طرف سے گفٹ کی صورت میں جاسوسی ٹائم پر جو ملا تو فوراً خط لکھنے بیٹھ گئے۔ اس امید کے ساتھ کہ دل سے خوش آمدید کہا جائے گا۔ (دل و دماغ، گردے اور جگر سے خوش آمدید) اس بار ڈاکٹر انکل نے حسینہ کو نئے اسٹائل میں پیش کیا ہے جو یقیناً میری طرح سب کو پسند آیا ہوگا، پس منظر میں ایک بوڑھا جانے کن سوچوں میں گم ہے جبکہ ایک طرف نوجوان کو بیگ لیے بھاگتے دکھایا گیا ہے۔ چھچی بحث چھچی میں آپ نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ دہشت گردی، دھماکے، لوٹ مار تمام واقعات روز کے معمول بن گئے ہیں، یہ سب سن سن کے اور دیکھ دیکھ کے ہم ان کے عادی ہو چکے ہیں، باقی کسر ملک میں روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی نے پوری کی ہے جس نے غریب عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ایسے موسم میں جاسوسی کی آمد کسی انمول تحفے سے کم نہیں ہوتی۔ کرسیٔ صدارت ہماری پیاری دوست ماہا ایمان کے نصیب میں آئی اور کیوں نہیں آتی، ماہا کے تو نصیب ہمیشہ ہی اچھے رہے ہیں کہ اس چھوٹی سی عمر میں حج بیت اللہ نصیب ہوا۔ ماہا ڈیئر! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اس کے علاوہ صنف نازک میں آمنہ پٹھانی، صبا چند، عائشہ رانی، ثنا کنول اور مہرین کنول نے اپنے بہترین تبصروں کے ساتھ شرکت کی۔ پہلے ہم دیکھتے تھے کہ محفل میں گرما گرمی ہوتی ہے لیکن ہمارے آنے کی خبر نے جنگجو بھائیوں کو چھپنے پر مجبور کر دیا۔ چونکہ ہماری یہ پہلی انٹری ہے اس لیے بغیر پنگا لیے امن وامان کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور اپنی تمام بہنوں سے درخواست کرتے ہیں کہ محفل میں واپس آجائیں۔ ہم انکل محی الدین نواب کے بہت بڑے فین ہیں۔ نواب انکل کی تحریریں ہم دل سے پڑھتے ہیں اور اس مرتبہ سب سے پہلے ہمارے ذوق طبع نذر جو کہانی تھی وہ ہمارے نواب انکل کی ستم زادہ تھی۔ سطر سطر کہانی کے سفر میں ایسے محو ہوئے کہ پتا ہی نہ چلا اور منزل کی خبر لائے۔''

سید محی الدین اشفاق کی شیخ پورہ سے دستک'' ٹائٹل گرل ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھی مگر صنف وجاہت کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ناانصافی کی گئی۔ سب سے پہلے اپنی فیورٹ کہانی للکار پڑھی۔ عمران کے آنے سے کہانی میں تیزی آگئی ہے۔ سلطانہ کے ساتھ ناچنے کا رونا اچھا لگا۔ اب یقیناً دونوں دوست مل کر رجیت پانڈے اور جارج سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اس کے بعد سرورق کا پہلا رنگ الجھی ڈوراں پڑھا۔ بات تو سیدھی سی تھی مگر منظر امام نے اسے خوب گھما کر پیش کیا۔ پھر بھی کہانی کا اختتام اچھا تھا، ظفر اور علیزا کا ملنا اچھا لگا۔ دوسرا رنگ بزدل سلیم فاروقی کا تھا۔ لگتا ہے کہ سلیم فاروقی صاحب پر دہشت گردی کا کافی اثر ہے اسی لیے انہوں نے کہانی میں خوب دہشت گردی دکھائی۔ اس کے بعد گرداب کی طرف آئے۔ شہریار نے ماہانو کے ساتھ برا رویہ اپنایا جو ہمیں بھی برا لگا۔ سب سے زیادہ برا تو یہ لگا جب شہریار بھی ماریا کے جال میں پھنس گیا۔ پہلے صفحات پر ستم زادہ نہایت اچھی تحریر تھی۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اب آتے ہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز محفل کی طرف۔ ماہا ایمان صاحبہ بہت زیادہ مبارک باد۔ اتنا اچھا تبصرہ لکھنے پر اور اتنا مقدس فریضہ سرانجام دینے پر۔ صنف وجاہت کی خوب صورتی دیکھنی ہے تو انکل سے کہیں کہ وہ اگلے ماہ سے ہماری تصویر... ٹائٹل پر لگائیں پھر آپ دیکھیں کہ ہم صنف کرخت ہیں یا صنف وجاہت۔ انکل! آمنہ پٹھانی کے ساتھ میں متفق ہوں اور ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں بہت دور سے آپ کو خط لکھتے ہیں اس لیے ہمارا خط ضرور شائع کیا کریں۔ (آپ کے ساتھ تمام قارئین ہمارے لیے اہم ہیں جو ہمیں خط لکھتے ہیں... دانستہ کسی کے ساتھ حق تلفی نہیں کرتے) نوید اے فرام مسلم ٹاؤن، خالص چیزیں ڈھونڈنے سے ملتی ہیں۔ قرتی اور محمد حسان کے تبصرے بہت پسند آئے۔ ایم عمران صافی اینڈ رابعہ خان تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی ملاقات رہے گی۔ ثنا کنول، مہرین کنول، وعلیکم اس پیاری سی محفل میں۔ اس ماہ کا شمارہ زبردست تھا۔''

ضیاء الرحمٰن کی آمد کرک سے'' فروری کا شمارہ 4 تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل اچھا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح صنف نازک پر مشتمل تھا۔ انکل کبھی کبھی ٹائٹل پر صنف مخالف (سخت) کی بھی کوئی تصویر چھاپ لیا کریں۔ (شائع تو ہوتی ہے... غور سے دیکھیں) اپنے شہر سے ثنا اور مہرین کے تبصرے بھی دیکھے۔ جنہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے تمام پڑھنے والوں کو اپنے الفاظ سے تفریح مہیا کی ہو یا پھر شیدان کی طرف (عورتیں) اسی انداز میں بات کرتی ہوں۔ کہانیوں میں ہمیشہ کی طرح ابتدا للکار سے کی جو اس دفعہ میرے خیال سے پورے شمارے میں سب سے اچھی تھی۔ اس کے بعد منظر امام کی الجھی ڈوراں پڑھی۔ جس میں وطن عزیز کے خلاف بڑے پیمانے پر سازشیں ہو گئیں اور بعد ازاں علیزا اور ظفر کی وجہ سے ایک یہودی اپنے منطقی انجام کو پہنچا ہے۔ یہ ایک سبق آموز کہانی تھی۔ باقی شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ انشاء اللہ آئندہ جب بھی موقع ملے گا خط لکھتا رہوں گا اور کہانیوں پر تبصرہ بھی دوں گا۔'' (یقیناً ہمیں آپ کے تبصرے اور رائے کا انتظار رہے گا)

اعجاز احمد کے خیالات ساہیوال سے'' دوستو، جاسوسی کے ساتھ ہمارا پرانا تعلق ہے۔ کچھ یادیں اور خواہشیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ بھی کیا بھلے دن تھے جو بیت گئے۔ مارچ 2009ء کو ناکردہ قتل میں ملوث ہوا۔ اللہ کے فضل و کرم اور اپنی ماں کی دعاؤں سے 12 دسمبر کو رہا ہوئے پھر نہ وہ گاؤں رہا نہ یار جن جن کے سنگ سہانے دن اور چاندنی راتیں بیتا کرتی تھیں، زندگی مصروفیات میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible] کی ضرورت کوشش کرتا ہوں (ضرور) محفل میں کچھ ساتھی ایسے بھی ہیں جن [illegible] سے کرسیٔ صدارت سنبھالی۔ یہ یقیناً الفاظ کا جادو تھا، اتنا اچھا تبصرہ لکھنے پر مبارک باد۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ للکار کے بجائے اس دفعہ محی الدین صاحب کی ستم زادہ پڑھی۔ نواب صاحب نے ہمیشہ کی طرح معاشرے کے دکھتے پہلوؤں کو اجاگر کیا، اس میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی سنتا ہے، قسم سے ایمان تازہ ہو گیا۔ للکار کی موجودہ قسط زبردست رہی۔ عمران آتے ہی چھا گیا ہے۔ بہرحال اب دیکھتے ہیں عمران تعاقب کرنے والوں کو کیسے چکر دیتا ہے۔ مشل صاحب! اجابش کو چاہیے کہ عمران کے ساتھ ساتھ مشکل وقت میں خدا کو بھی یاد کر لیا کرے۔ گرداب پڑھی، چودھری نے اپنے خلاف ایک اور گواہی دینے والے کو ختم کر دیا۔ بہرحال اسا قادری صاحبہ اے سی صاحب کو ڈاکٹر ماریا کی طرف مائل ہونے سے پہلے ماہ بانو کا کچھ خیال کرنا چاہیے تھا لیکن کیا کیا جائے، خوب صورت عورت کی محبت میں اچھے بھلے بہک جاتے ہیں۔ ماہ بانو لگتا ہے پھر اغوا ہونے والی ہے۔ مختصر کہانیوں میں دوسرا پاگل پڑھی۔ کسی کی غلطی کو معاف کر دینا ہی بہتر ہے لیکن جو معمولی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں ان کا انجام تیش کا دیچ جیسا ہی ہوتا ہے۔ گویا گھر اچھی تحریر تھی۔ یہ گھر میرا گلشن ہے، پُرمزاح اور سوچوں کے در وا کر دینے والی تحریر تھی۔ زبیدہ کا کردار ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ مال غنیمت پڑھی، دولت و ہوس کی خاطر انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے چاہے وہ میاں بیوی جیسا مضبوط بندھن ہو۔ بہرحال فرینک سویو کو مال غنیمت میں بہت کچھ مل گیا۔ سچ ہے نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو کئی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ایسا ہی کچھ برگس کے ساتھ تھا۔ ہم بھی برگس کی طرح آخر تک رک کو قاتل سمجھتے رہے لیکن وہ تو قانون کا رکھوالا نکلا۔ مشکوک قاتل پسند آئی۔ انتقام کے لیے واقعی بے رحم ہوتے ہیں۔ انتقام کی سولی پر لٹکے کوپر نے اپنی نواسی کی موت کا بدلا آخر لے لیا۔ بہرحال سراغ رساں ایرک کی ذہانت متاثر کر گئی۔ انتظار اچھی کہانی تھی۔ انسان اس معاشرے میں خود کو کامیاب سمجھتا ہے لیکن اس کی معمولی سی غلطی اسے موت کے منہ میں لے جاتی ہے۔ آرچی اور ہن کے ساتھ مقروض میں ایسا معاملہ پیش آیا۔ دیر آید میں میاں بیوی کے اس اعتماد و محبت کے رشتے کو جیک کی بیوی نے دھوکا دیا۔ بلاشبہ عورت ایک حسین دھوکا ہے۔ چانس بھی منفرد کہانی تھی۔ اب بات ہو جائے رنگوں کی۔ یہودی طاقت کے مذموم ہتھکنڈوں سے آشنا کراتا پہلا رنگ الجھی ڈوراں اچھا لگا۔ سلیم فاروقی صاحب بزدل کے ساتھ حاضر تھے۔ بلاشبہ انسان پیدائشی طور پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حالات اس کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جب کسی کی جان پر بنی ہو، انسان وقت کے دھارے میں خود کو بہا لیتا ہے تو زمانے کی راہیں خود ہموار ہو جاتی ہیں۔''

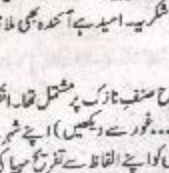

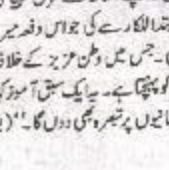

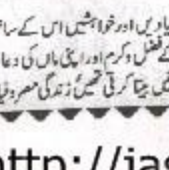

ایم اے ہاشمی کا تبصرہ ونیرے'' شمارہ فروری کو موصول ہوا۔ بولتے رنگوں سے سجا اس ماہ کا ٹائٹل بہت ہی پسند آیا۔ ایرانی اسٹائل نظر آنے والی اس دوشیزہ سے سرشیزہ بلکہ چار شیزہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کی تعریف الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس کی خوب صورتی کو صرف آنکھوں سے دیکھا اور دل سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آبشار جیسے بل کھاتے بالوں کے درمیان جہاں وہ اپنی کالی اور جاگتی آنکھوں سے دلوں میں اجالا کرتی ہے، وہاں اس کا گول مٹول چہرہ متاثر کن تھا۔ محفل میں ماہا ایمان صاحبہ بادشاہت کی نشست پر بیٹھی بلکہ کھڑی خوب چہچہا رہی تھیں۔ خوب، آپ اس لائق ہی تھیں، مبارک ہو۔ ماہا جی! للکار میں سلطانہ کا کردار آپ کو اس لیے پسند نہیں آیا کہ سلطانہ بھی ایک عورت ہے اور آپ بھی۔ اور آپ اس سے حسد کرتی ہیں کہ بھلا ایک عورت اتنی بہادر ہو سکتی ہے؟ ہم تو... قرتی بھائی، آپ نے کبھی سوپ سینڈوچ کھایا ہے؟ نہیں تو ایک بار آزما کے دکھاؤ، آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ آپ کی نظر واقعی کمزور ہے۔ اگر ٹائٹل پر کھڑے آدمی کی عینک آپ لگا لیتے تو پتا چلتا کہ کون پستول لیے کھڑا ہے؟ میں یا آپ۔ عائشہ رانی! انقلاب آپ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔ آپ کے لیے ہر گز نہیں بلکہ زور لگوائے بنا دیا کریں گے۔ جی ہاں، سب سے پہلے گرداب سے اسٹارٹ لیا۔ احاطی! آپ نے ہمیں تڑپا دیا۔ ماہانو پر دنیا تنگ ہوتی نظر آرہی ہے۔ اکو کی موت نے افسردہ کر دیا۔ شہریار کے لیے اب اور بھی خطرات پیدا ہونے والے ہیں۔ شہریار کی باتوں سے ماہ بانو کے بجائے میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ ارے ظالم! اس بے چاری کے جذبات کی بھی تو کچھ قدر کر لیا کرو۔ (آپ ہیں نا...) ڈاکٹر ماریا کے پیٹ کا درد محض ایک ناٹک تھا، وہ یقیناً شہریار کی قربت حاصل کرنا چاہتی تھی بلکہ آثار سے تو یہی لگتا ہے کہ حاصل کی۔ آخر میں پتا نہیں ماہ بانو پر پھر کون سی آفت آن پڑی ہے۔ للکار میں عمران کے آنے سے ساری غیر دلچسپی اور بوریت زائل ہو گئی۔ عمران زندہ باد۔ اب دیکھتے ہیں کہ زرگاں والوں کا رد عمل کیا ہے۔ اس کے بعد عجب پریم کی غجب کہانی پڑھی یعنی ستم زادہ۔ واقعی سچائی ہمیشہ انسان کا ساتھ دیتی ہے۔ پہلا رنگ الجھی ڈوراں ایک الجھی ہوئی کہانی تھی۔ بہرحال، دشمنوں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ دوسرا رنگ بھی زبردست تھا۔ ابرہیم کی دیر آید میں کچھ خاص لُک نہیں تھی۔ شہزاد خان کی گھر میرا گلشن ہے بھی اچھی کہانی تھی۔ زبیدہ کا عشق بڑا زبردست لگا۔ جی ہاں، ملک کو گلشن زبیدہ بنانے کے لیے ایک زبیدہ کی ضرورت ہے۔ اس قوم میں 64 سال میں شعور پیدا نہیں ہوا تو اب کیسے پیدا ہوگا۔ باقی شمارہ زیر مطالعہ ہے۔''

نوشہرہ سے تنویر احمد کا شکریہ'' سب سے پہلے آپ کو میرا خط شامل کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ اب آتے ہیں خوب صورت رسالے کی طرف۔ سرورق پر حسینہ کی ٹوپی خوب صورت ہے اور لالچی شخص بیگ میں پیسے لے جا رہا ہے۔ سب سے پہلے گرداب اور للکار پڑھیں جو سپرہٹ ہیں۔ آخر کار شہریار بھی دلدل میں گر گیا اور عمران میدان میں آگیا۔ الجھی ڈوراں، چانس، دوسرا پاگل، مقروض اچھی کہانیاں تھیں اور ستم زادہ تو سپرہٹ تھی۔ بزدل بھی اچھی تھی۔ میرے امتحان ہونے والے ہیں میرے لیے دعا کریں۔'' (اللہ تعالیٰ آپ کو نمایاں کامیابی و کامرانی عطا کرے)

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

مبارک احمد محمود، چناب نگر پنجاب۔ (تمام قارئین سے ایک التماس ہے کہ ہمیں خطوط بذریعہ ڈاک ارسال کریں، فیکس کے ذریعے آنے والی تحریر پڑھنے سے قاصر ہیں) ای میل، شہزاد احمد۔ ڈاکٹر اجمل باز آفریدی، کراچی۔

digestpk.blogspot.com

ایچ اقبال

لٹیرا

کہانی میں پینترے کی بڑی اہمیت ہے... جس طرح پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے کئی راستے ہوتے ہیں... اسی طرح کہانی کی چال، اس کے آخری موڑ اور خاتمے تک پہنچنے کے بھی کئی رخ ہوتے ہیں... اب یہ کہانی کار کا فن ہوتا ہے کہ اس کی کہانی کے کردار کیا رخ اختیار کرتے ہیں کیونکہ تمام کرداروں اور واقعات کا کوئی بھی پہلو اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا... زیرِ نظر کہانی میں بھی یہی پہلو دار نکتے کارفرما ہیں... التفات اور احساسات کے جذبات سے گندھی تحریر... جس کے کچھ کردار بلندیوں کو چھوتے ہیں تو کچھ پستیوں میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں گے... رشتوں سے بندھی نازک ڈور... بعض رشتے جو کبھی ایسی کسک اور خلش سے دوچار کر دیتے ہیں جس کا کوئی درماں ممکن نہیں ہوتا۔

اسے کبھی کبھی اپنے نام پر کچھ ایسی ہنسی آتی تھی جیسے وہ رو پڑی ہو۔ اس کی اس رو دینے والی ہنسی اس لیے تھی کہ اس کا نام بینا تھا لیکن وہ نابینا تھی۔ دنیا اس کے لیے اب اندھیرے کا دوسرا نام تھا۔ پہلا نام دس سال پہلے اس کے لیے کچھ معنی رکھتا تھا جب اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک ہوا کرتی تھی۔ لوگ کہا کرتے تھے، آنکھوں میں ایسی غیر معمولی چمک رکھنے والے دنیا میں کوئی غیر معمولی کام سرانجام دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن دس سال پہلے ایک حادثے نے اس کی آنکھوں سے وہ چمک چھین لی تھی اور صحیح معنوں میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بصارت سے محروم کر دیا تھا۔

باپ نے اس کی بصارت واپس لانے کے لیے دولت لٹانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ملک کے بڑے بڑے ڈاکٹرز سے مایوس ہونے کے بعد بینا کو علاج کے لیے امریکا اور لندن بھی لے جایا گیا۔ یہ باپ کی محبت اور تڑپ تھی کہ یہ سب کچھ ہوا تھا ورنہ ملک ہی کے ڈاکٹرز نے اس کے نابینا ہو جانے کی جو ٹیکنیکل وجہ بتائی تھی، اس کے بعد کی تگ و دو کا کچھ حاصل، ممکن ہی نہیں تھا۔ سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ جو کچھ ضائع ہو گیا تھا اس کا کوئی متبادل تلاش کر لیا جاتا۔

بینا کی ہنسی اور مسکراہٹ، مایوسی کے اس اندھیرے میں گم ہو گئی۔ برس پر برس گزر گئے، حویلی میں کسی نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ وہ شاید بھول ہی گئی تھی کہ مسکراہٹ بھی کوئی شے ہوتی ہے۔ یہ بات اسے دس سال بعد ان دنوں یاد آئی جب اس کی چھوٹی بہن شاہینہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔ برقی قمقموں سے حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

مگر انہی دنوں ایک رات ایسی آئی جس نے بینا کی زندگی کے اندھیرے کو پہلے سے زیادہ کر دیا۔ وہ رات شاہینہ کی مہندی کی رات تھی۔ اس رات بینا پر جو قیامت گزری، وہ اس سانحے سے زیادہ اذیت ناک تھی جس نے اسے بصارت سے محروم کیا تھا۔

اس رات کے اندھیرے نے بینا سے اس کی دوشیزگی چھین لی اور اسے یہ بھی علم نہیں ہو سکا کہ وہ لٹیرا کون تھا؟ کس نے اس کی عصمت کی دھجیاں بکھیری تھیں۔

کچھ دیر تک بینا سکتے کی سی حالت میں بیٹھی رہی پھر یکایک اس کے وجود میں کہیں ایک چنگاری چٹخی۔ اس چنگاری نے دھیرے دھیرے اس کے سارے وجود کو ایک دہکتا ہوا الاؤ بنا دیا اور اشتعال کا لاوا اس کے رگ و پے میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

پھیلتا ہی چلا گیا۔

”میں اس کا پتا لگاؤں گی۔ میں اس کا پتا لگاؤں گی۔“ وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑائی۔

☆☆☆

وہ محض شوق تھا کہ بینا کے والد ریٹائرڈ کرنل صہبائی نے فوج میں ملازمت کی تھی ورنہ ان کے والد کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ خاندانی رئیس تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب سترھویں صدی کے کسی نواب سے ملتا تھا۔ ان کا رہن سہن اور وضع قطع بھی ویسی ہی تھی۔ وہ جہاں رہتے تھے، اس عمارت کا طرزِ تعمیر بھی قدیم حویلیوں جیسا تھا۔

جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی حویلی، زمینیں اور منقولہ دولت ان کے بیٹوں کرنل اعجاز صہبائی اور شمشاد صہبائی کے حصے میں آئی لیکن اس تقسیم کے باوجود حویلی کسی اعتبار سے تقسیم نہیں ہوئی۔ دونوں بھائیوں میں اتنی محبت تھی کہ وہ اسی حویلی میں رہے۔ ان کی اولادیں بھی اسی حویلی میں رہتی تھیں۔ حویلی اتنی بڑی تھی کہ اس میں بہت سے افراد بآسانی رہ سکتے تھے۔

اعجاز صہبائی کو لوگ عموماً کرنل صاحب یا کرنل صہبائی کہتے تھے۔ شمشاد صہبائی کو صرف شمشاد صاحب کہا جاتا تھا۔ ان کی چار اولادیں تھیں اور چاروں ہی لڑکے تھے جن میں سے ایک کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ وہ بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حویلی میں رہتا تھا۔

کرنل صہبائی کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹا لندن میں زیرِ تعلیم تھا۔ بینا کے بعد دوسری بیٹی شاہینہ تھی جس کی شادی کی تیاریاں ان دنوں عروج پر تھیں۔ انہی دنوں میں بینا کو ہنستے مسکراتے دیکھا گیا۔ وہ بہن کی شادی کے موقع پر بہت خوش نظر آنے لگی تھی۔ اس نے شادی کی رسومات میں بھی حصہ لیا لیکن اتنا جس حد تک کسی نابینا لڑکی کے لیے ممکن تھا۔ اسے ان رسومات میں متحرک رہنے کے لیے ایک سہارے کی ضرورت تھی اور وہ سہارا اسے اپنے بچپن کی ایک سہیلی تابندہ سے ملا تھا۔ اسے اتنے دن تک حویلی میں رہنے کی اجازت اپنے باپ سے اس لیے مل گئی تھی کہ وہ بھی ایک ریٹائرڈ کرنل تھے جن کی کرنل صہبائی سے دوستی اتنی ہی پرانی تھی، جتنے عرصے وہ دونوں ریٹائر ہونے تک فوج میں رہے تھے۔

حویلی میں تابندہ کے خوشی خوشی رہنے کے دو سبب تھے۔ ایک تو بینا سے اس کی بچپن کی دوستی تھی، دوسرے اسی حویلی میں بابر بھی تھا جسے وہ بہت پسند کرتی تھی۔

بابر، شمشاد صاحب کے تین جوان اور غیر شادی شدہ [illegible] دونوں میں سے ایک تھا۔ ان [illegible] ایک سال کا فرق تھا۔ اسی لیے [illegible] دوسرے کا نام لیا کرتے تھے بلکہ بینا بھی انہیں ان کے ناموں ہی سے مخاطب کرتی تھی۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ وہ تینوں اپنے بڑے بھائی ظفر سے نو، دس اور گیارہ سال چھوٹے تھے۔

ظفر کی بیوی بہت تنک چڑھی تھی۔ دو بچوں کی ماں بن جانے کے بعد بھی اس نے ظفر سے لڑنا جھگڑنا نہیں چھوڑا تھا۔ شاہینہ کی مایوں کے دن بھی وہ کسی بات پر منہ پھلا کر اپنے کمرے میں جا بیٹھی تھی اور رسم کے اختتام کے بعد بھی اسے باہر آتے نہیں دیکھا گیا تھا۔

جو اعزا دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے، ان کا قیام حویلی ہی میں تھا۔ جو خواتین اس رسم میں شرکت کے لیے آئی تھیں اور جو اسی شہر میں رہتی تھیں، وہ اپنے اپنے گھر سدھار گئیں لیکن تابندہ تو پندرہ دن سے وہیں رہ رہی تھی۔ حویلی میں اسے ایک الگ کمرا بھی مل سکتا تھا لیکن وہ بینا کے کمرے میں اسی کے ساتھ سوتی تھی۔

”اب تو بہت ہی تھک گئی۔“ تابندہ نے بستر پر گرتے ہوئے کہا۔

”میری وجہ سے نا!“ بینا مسکرائی۔

”کیوں؟“ تابندہ تنک کر بولی۔ ”شاہینہ میری بہن نہیں ہے کیا؟“

”لیکن تمہیں روکا تو میں نے ہے۔“ بینا نے کہا۔ ”اپنا سہارا بنایا ہے تمہیں۔ تم نہیں ہوتیں تو میں ان رسومات میں اس طرح شرکت نہیں کر پاتی۔ گھر میں کون ہے جو اس طرح میرے ساتھ رہ سکتا۔ ظفر بھائی تو اس طرح پل پل میرے ساتھ رہتیں نہیں۔۔۔ اور آج تو سنا ہے کہ وہ اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلیں۔“

”یہ تو حد کر دی انہوں نے۔ انسان کو موقع محل تو دیکھنا چاہیے۔“

”سب اپنے اپنے مزاج کے قیدی ہوتے ہیں۔“

”آنٹی بھی کچھ نہیں کہتیں ان سے؟“

”چچا جان نے روکا ہے انہیں کہ وہ ان میاں بیوی کے جھگڑے میں بالکل نہ پڑا کریں۔“

بینا، شمشاد صاحب کو چچا جان کہا کرتی تھی۔ ان کی بیوی کو تابندہ نے ”آنٹی“ کہا تھا۔

”نہ جانے کس خاندان کی بہو لے آئیں آنٹی۔“

”نہیں، خاندان تو وہ اچھا ہے۔“

[illegible] اچھا [illegible] بھائی۔۔۔“ اس نے [illegible] پوچھا [illegible] کا؟“

”ہاں، کیوں؟“

”میں نے تم سے کبھی ذکر نہیں کیا۔ آج بات ایسی چھڑ گئی ہے تو بتا رہی ہوں۔ ایک بار میں تم سے ملنے آئی تھی تو اس سے آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ اپنی بہن صاحبہ سے ملنے آیا ہوگا۔ مجھے اس نے اس طرح دیکھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائے گا۔“

بینا ہنسی۔ ”اچھی لگی ہو گی تم اسے۔“

”ایسی نظریں نہیں تھیں اس کی۔۔۔ آوارگی تھی اس کے انداز میں۔ ایسا لگا تھا جیسے مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے ہی رال ٹپکنے لگی ہو۔“

بینا کچھ زور سے ہنسی۔ ”آنکھوں سے بھی رال ٹپکتی ہے؟“

”شکر ہے کہ ان دنوں تمہیں ہنسی بھی آ رہی ہے۔“

”دو دن کی بات اور ہے۔“ بینا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”کل شاہینہ کی مہندی ہے۔ پرسوں وہ اپنے گھر چلی جائے گی۔ ہنسنا، مسکرانا میں پھر بھول جاؤں گی۔“

”تم نے خود ہی ویران بنالی ہے اپنی زندگی۔ اگر شادی کر لیتیں تو۔۔۔“

بینا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ”کس سے کر لیتی شادی؟“

”دو رشتے تو آ چکے ہیں۔“

”لالچیوں کے۔“ بینا نے تلخی سے کہا۔ ”ایک اندھی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے وہ اس امید پر تیار تھے کہ بے پناہ جہیز کی توقع ہو گی۔ ابا جان تو دونوں ہی مرتبہ تیار تھے، میں نے ہی انکار کر دیا۔“

”تو کیا زندگی بھر شادی نہیں کرو گی؟“

”یہ سوال تم مجھ سے کئی مرتبہ کر چکی ہو اور ہر مرتبہ میں نے یہی جواب دیا ہے کہ میں اس سے شادی کروں گی جو خود بہت دولت مند ہو۔ اسے جہیز کا لالچ نہ ہو۔۔۔ جو میرے سہارے سے اپنی زندگی نہ بنانا چاہتا ہو۔ یہ بات میں نے امی جان سے بھی کہہ دی تھی۔“

تین سال پہلے بینا کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔

تابندہ نے بینا کی شادی کا موضوع آگے نہیں بڑھایا۔ اب کے دل میں اس کی ایک خواہش تازہ ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی عزیز سہیلی بینا کو اپنی بھابی بنا لے۔ بینا بصارت سے محروم تھی لیکن اس میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس کی رنگت سرخ و سفید اور نقش و نگار نہایت دل آویز تھے۔ جسامت بھی سڈول پائی تھی۔ اسے لاکھوں میں ایک قرار دیا جا سکتا تھا۔ وہ ذہین بھی تھی۔ بصارت سے محروم ہو جانے کے باعث اگرچہ اس نے میٹرک بھی نہیں کیا تھا لیکن اس نے اچھی خاصی انگریزی سیکھ لی تھی اور روانی سے انگریزی بولتی تھی۔ اس کی جنرل نالج بہت اچھی تھی۔

تابندہ نے ایک بات یہ بھی محسوس کی تھی کہ جب بھی اس کے بھائی فراز نے بینا کو دیکھا تھا، محبت بھری نظروں سے ہی دیکھا تھا۔ وہ یقین رکھتی تھی کہ اس کا بھائی بینا کو اپنی رفیقِ زندگی بنانے کے لیے سو فیصد تیار تھا لیکن تابندہ یہ بات اپنی زبان پر اس لیے نہیں لائی تھی کہ اس کا گھرانا دولت مند گھرانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ بس ایک آسودہ حال گھر تھا۔ والد کو پنشن ملتی تھی اور فراز ایک بینک میں وائس پریذیڈنٹ تھا لیکن وہ آسودگی کسی طرح بھی صہبائی گھرانے کی دولت و ثروت کے ہم پلہ قرار نہیں دی جا سکتی تھی۔ خود بینا ہی کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ کسی ایسے دولت مند شخص سے شادی کرے گی جو صہبائی خاندان کا ہم سر ہو۔

تابندہ نے اپنی یہ خواہش دل ہی میں دبی رہنے دی اور دوسرے دن ہونے والی مہندی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسی ذکر کے دوران میں اس نے کہا۔ ”کل تمہارے لیے دونوں جوڑوں کا انتخاب میں خود کروں گی لیکن ہوں گے دونوں ہی سبزی مائل۔ مہندی کے دن پہننے کے لیے میں بھی دو جوڑے لائی ہوں۔“

”مجھے دو جوڑوں کی کیا ضرورت ہے؟“

”ابا جان ہی کے اصرار پر یہ رسم ایک ہی دن رکھی گئی ہے۔“

بینا کی طرح تابندہ بھی کرنل صہبائی کو ”ابا جان“ کہتی تھی۔

بینا نے منہ بنایا۔ ”پتا نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔ میری سمجھ میں تو خاک نہیں آیا۔“

”دونوں طرف کی مہندی کل ہی ہو گی نا۔“ تابندہ نے وضاحت کی۔ ”شام کو اس طرف کے لوگ دلہن کے لیے مہندی لائیں گے۔ اس کے بعد ہم لوگوں کو دولہا کے لیے مہندی لے جانا ہے۔ ابا جان نے خاصی پریشانی کھڑی کر دی ہے۔ انہی لوگوں کے آنے اور واپس جانے میں کم از کم گیارہ تو بج ہی جائیں گے پھر ہم لوگوں کو جانا ہو گا تو واپسی دو تین بجے سے پہلے نہیں ہو گی۔“

بینا بہت سنجیدہ نظر آئی۔ ”میں وہاں نہیں جاؤں گی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"کیوں؟" تابندہ کو حیرت ہوئی۔ "شاہینہ تو تمہیں بہت عزیز ہے۔ تم اس کی مہندی میں شریک نہیں ہو گی؟"

"جب وہ لوگ آئیں گے تو یقیناً شریک ہوں گی لیکن وہاں نہیں جاؤں گی۔"

تابندہ نے پھر کہا۔ "کیوں؟"

"اندھی ہوں نا۔" بینا نے افسردگی سے کہا۔ "سبھی میری طرف دیکھنے لگتے ہیں۔"

"تو دیکھا کریں۔ جو یہاں آئیں گی، وہ بھی تو دیکھیں گی۔"

"ان کی تعداد کم ہو گی اور پھر ان میں سے بیشتر مجھے پہلے ہی سے جان چکی ہیں، پہچان چکی ہیں لیکن وہاں تو اور بہت سی خواتین بھی مہمان ہوں گی۔ ان سب کی نظریں بھی میری طرف اٹھیں گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم کہ اٹھیں گی؟"

"اٹھتی ہی ہیں۔" بینا نے جواب دیا۔ "اسی لیے تو میں کہیں جاتی نہیں ہوں۔ تمہیں معلوم ہے، میں فریدہ کی شادی میں بھی نہیں گئی تھی۔" اس نے اپنی ایک خاصی قریبی سہیلی کا نام لیا پھر کہا۔ "جب تم مجھے سہارا دے کر کہیں لے جاتی ہو تو اجنبی بھی سمجھ جاتے ہیں کہ میں اندھی ہوں۔"

"تمہیں یہ کیسے معلوم کہ سب تمہاری طرف دیکھنے لگتے ہیں؟" تابندہ نے بحث کی۔

بینا ٹھی سے مسکرائی۔ "یہ سوال تم اس لیے کر رہی ہو کہ میں دیکھ نہیں سکتی۔"

"یہ بات نہیں ہے بلکہ....." تابندہ نے جلدی سے اپنے سوال کا کوئی اور جواز تراشنا چاہا۔

بینا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بات بنانے کی کوشش نہ کرو چندا! اپنے سوال کا جواب سن لو۔ بے شک مجھے کچھ نظر نہیں آتا لیکن جب لوگ میری طرف دیکھتے ہیں نا تو مجھے اپنے چہرے پر ان نظروں کی چبھن محسوس ہوتی ہے۔ یقین کرو، مجھے تو یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس چبھن میں میرے لیے ہمدردی ہے، پسندیدگی ہے، یا کوئی اور جذبہ ہے۔"

تابندہ اپنی بہن کے جذبات محسوس کر کے مغموم سی ہو گئی۔

"وہمی ہو گئی ہو تم۔" وہ دھیرے سے بولی۔

بینا آہستہ سے ہنسی۔ "تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم نے میرے جواب پر یقین کر لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" تابندہ نے کہا۔ "تو پھر میں بھی نہیں جاؤں گی۔"

[illegible]

...طرح مجھ سے محبت کرتی ہے، اسی طرح تمہیں بھی چاہتی ہے کیونکہ تم میری سب سے عزیز سہیلی ہو۔"

"اسے تمہارے نہ جانے کا دکھ نہیں ہو گا؟"

"میں اس بارے میں اسے پہلے ہی سمجھا چکی ہوں۔ کل اور سمجھا دوں گی۔ میری پیاری بہن بہت ذہین ہے۔ وہ میرا دکھ اور میرے جذبات اچھی طرح سمجھتی ہے۔ اس معاملے میں بھی سمجھ لے گی۔"

"تو پھر میری بات بھی سمجھ لے گی۔"

"اب تم مجھ سے کچھ الٹی سیدھی سنو گی۔" بینا نے بگڑ کر کہا۔ "اگر تم نہیں گئیں نا تو..... تو..... میں تم سے کم از کم..... کم از کم۔" وہ بہ مشکل سے اپنی بات پوری کر سکی۔ "کم از کم تین دن تک تو بات نہیں کروں گی۔"

تابندہ کو ہنسی آ گئی۔ "یہ تین دن کی بھی خوب کہی۔"

"تو اور کیا۔" بینا نے اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔ "تین دن تک بھی تم سے روٹھنا میرے لیے کچھ آسان نہیں ہو گا۔" پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ "ذرا ہاتھ دو اپنا۔"

"کیوں؟" تابندہ نے سوال تو کیا لیکن اپنا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

بینا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے گلے سے لگاتے ہوئے اس کا گال چوم کر بولی۔ "تمہیں میری قسم ہے تابندہ..... تم ضرور جاؤ گی۔"

تابندہ نے شکست کھا جانے والے انداز میں ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اچھا بابا! لیکن یہ بتاؤ کہ تم اکیلی کیسے رہو گی؟"

"اکیلی کیوں..... شاہینہ تو نہیں جائے گی وہاں..... اور شاہینہ کے ساتھ یہاں کسی اور کو بھی رہنا پڑے گا۔"

"شاہینہ کی ہونے والی سسرال کا اصرار ہے کہ حویلی کے سارے افراد ان کے مہمان ہوں گے۔ صرف ظفر بھائی کو مستثنیٰ اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ شاہینہ کے پاس رک سکیں۔ شاہینہ بتا رہی تھی کہ اس کی ایک سہیلی بھی کل رات اس کے پاس رکے گی۔"

"بس تو پھر..... میں اکیلی کیسے رہ جاؤں گی؟"

"اتنی بڑی تو حویلی ہے تمہاری..... شاہینہ کا کمرا یہاں سے خاصا دور ہے۔"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible] بنایا۔ "اگر دھوم دھڑکا نہ ہو تو بارہ ایک بجے ہی سے نیند سوار ہو جاتی ہے تم پر..... تم کہیں آ کر اکیلی ہی پڑی رہو گی۔"

"تو کیا ہوا؟ چند گھنٹے کی تو بات ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تین ساڑھے تین بجے تک سب واپس آ جائیں گے۔"

یہ مباحثہ شاید زیادہ دیر تک چلتا لیکن بینا کو شدت سے جماہیاں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ تابندہ نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ وہ نیند کی بہت "کچی" تھی۔

☆☆☆

اگلی رات کو وہی ہوا جو تابندہ نے کہا تھا۔ بارہ بجے تو سب لوگ مہندی لے کر چلے گئے۔ بینا بس ایک بجے تک شاہینہ کے پاس اس کے کمرے میں رہ سکی۔ اس کو متواتر جماہیاں لیتے دیکھ کر خود شاہینہ بول پڑی۔

"آپ جا کر سو جائیں بجیا!" پھر اس نے اپنی سہیلی سے کہا۔ "رشیدہ! تم بجیا کو ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔"

بینا پر نیند ایسی ہی شدت سے طاری ہوئی تھی کہ اس نے شاہینہ کی بات فوراً مان لی اور کھڑی ہو گئی۔

ویسے تو حویلی کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا ہوا تھا اور بصارت زائل ہو جانے کے بعد بھی وہ اندازے سے حویلی میں گھوم سکتی تھی لیکن کسی جگہ ٹھوکر کھا جانے کا اندیشہ اسے کسی کا سہارا لینے پر مجبور کیے رکھتا تھا۔ چھڑی ہاتھ میں رکھنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔

"چھڑی ہاتھ میں رکھوں گی تو خود پر بڑھاپا طاری ہوتا محسوس کرنے لگوں گی۔" اس نے ایک بار تابندہ سے کہا تھا۔

اسی مجبوری کے باعث وہ رشیدہ کا سہارا لے کر اپنے کمرے میں پہنچی۔ رشیدہ اسے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ بینا اپنے بستر پر جا لیٹی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تابندہ کو آنا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں کرتی تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں کہیں یہ خوف تھا کہ اگر کسی وقت اسے کچھ ہو گیا تو گھر والوں کو اندر آنے کے لیے دروازہ توڑنا پڑے گا جس میں کچھ دیر بھی لگے گی۔

حویلی میں ملازم اور ملازمائیں بھی خاصی تھیں مگر ان کی طرف سے یہ اندیشہ لاحق ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ چپکے سے کمرے میں آ کر کوئی قیمتی چیز چرا لے جائیں گے۔ وہ سبھی کرنل صہبائی سے بہت ڈرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ ہلکی سی آہٹ پر بھی بینا کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ بہ قول تابندہ، وہ نیند کی کچی تھی لیکن بصارت زائل ہونے کے بعد اس میں یہ صفت یا حس بھی پیدا ہو گئی تھی کہ خفیف سی آہٹ بھی اسے نیند سے چونکا دیتی تھی۔

اس رات بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ کسی قسم کی آواز تھی جس نے اسے نیند سے جگا دیا تھا۔

"کون؟ تابندہ..... آ گئیں؟" اس نے لیٹے لیٹے پوچھا۔

کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے برخلاف بینا کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے دروازہ بند کر کے چٹخنی بھی لگائی ہو۔

"کون ہے؟" وہ دوبارہ پوچھتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

کوئی جواب اب بھی نہیں ملا۔

"کون ہے؟" اس مرتبہ خوف کے باعث بینا کی آواز کپکپا گئی۔ اس کے دماغ میں فوراً یہ بات آئی تھی کہ تابندہ یا گھر کا کوئی فرد ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور کسی ملازم یا ملازمہ کو تو اس طرح کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

کوئی ڈاکو؟ بینا کے دماغ میں گونج سی ہوئی۔

پھر خود ہی اس نے یہ خیال رد کر دیا کیونکہ ڈاکو چٹخنی نہیں لگاتے۔

لیکن وہ ڈاکو ہی تھا جو اس کمرے کی کوئی قیمتی چیز اڑانے کے لیے نہیں، اس حویلی کی سب سے انمول شے چرانے آیا تھا۔

بینا نے محسوس کیا کہ کوئی دبے قدموں اور دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ ذرا بھی آواز نہ ہو لیکن نابینا لوگوں کی حس بہت تیز ہو جاتی ہے۔ بینا کی حس تو غیر معمولی حد تک تیز تھی۔ اس نے اپنے جسم پر نگاہوں کی چبھن بھی محسوس کی۔ وہ چبھن اس کے چہرے سے اس کے پیروں تک گویا سفر کر رہی تھی۔ کوئی اس کے سراپا پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

اس صورت حال نے اس کی روح تک کو لرزا دیا۔ اس کے تنفس کی رفتار بہت بڑھ گئی۔ اس نے چاہا کہ پوری طاقت سے چیخ پڑے لیکن اس کی آواز نہیں نکل سکی۔ اس نے اٹھ کر وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن بستر سے بھی نہ اٹھ سکی۔ شدید ترین دہشت نے اس کے اعضا شل کر دیے۔ حلق خشک کر دیا۔ زبان تالو سے لگی جا رہی تھی۔

پھر یکا یک اسے دبوچ کر بستر پر گرا دیا گیا۔ ایک ہاتھ بڑی سختی سے اس کے منہ پر جما تا کہ اس کی آواز نہ نکل سکے لیکن اس کی آواز تو دہشت سے پہلے ہی کہیں دب چکی

digestpk.blogspot.com

[illegible] اس کے ملبوس کے تار و پود بکھیر دیے گئے۔ وہ لٹیرا ابھی بے نیاز پوشش ہو گیا۔ بینا یوں محسوس کر رہی تھی جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔ وہ خواب بھی واقعاتی طور پر کہیں درمیان سے تھا جب وہ کسی ننھی سی چڑیا کی طرح کسی باز کے پنجوں میں بالکل بے بس ہو چکی تھی۔ وہ اس خواب میں لٹیرے کے جسم پر اپنی دانست میں پوری طاقت سے گھونسے برسا رہی تھی لیکن طاقت اس میں باقی ہی کہاں رہ گئی تھی۔ اس کے گھونسے اس لٹیرے کو اپنے جسم پر ایک مذاق محسوس ہوئے ہوں گے۔

وہ لٹیرا تھا۔ وہ لوٹنے آیا تھا، سو وہ لوٹتا رہا۔ بینا لٹتی رہی۔

اور جب وہ لوٹ چکا تو چلا گیا۔

اپنا مال و متاع لٹا چکنے والی بینا بستر پر ساکت پڑی رہ گئی۔

"یہ کیا ہو گیا؟... یہ کیا ہو گیا؟" یہ گونج اس کے دماغ میں پھیلتی چلی گئی، پھیلتی چلی گئی اور پھر سمٹنے لگی، مدھم پڑنے لگی، مدھم پڑتے پڑتے معدوم ہو گئی۔

اور پھر وہ بھیانک خواب ٹوٹ گیا۔

اور جب وہ ٹوٹا تو بینا نے جانا کہ وہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی، ایک لرزہ خیز حقیقت! اس کی متاع دوشیزگی لوٹی جا چکی تھی اور لٹیرا جا چکا تھا۔ ایک نامعلوم لٹیرا!

بینا کے بستر کی سائیڈ ٹیبل پر ایک نہایت قیمتی، نغمہ ریز گھڑی رکھی ہوئی تھی۔ اس کی نغمگی نے اعلان کیا کہ دو بج چکے ہیں۔

لیکن بینا کا دھیان اس نغمگی کی طرف نہیں گیا۔ اس کے سارے وجود میں ایک ہولناک گونج پھیلی ہوئی تھی۔ اس گونج میں کوئی نغمگی سنی ہی نہیں جا سکتی تھی۔

☆☆☆

ساڑھے تین بج رہے تھے جب حویلی کے لوگ واپس لوٹے۔

تابندہ نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا۔ اسے یقین تھا کہ بینا سو چکی ہو گی لیکن اس کے ساتھ اسے یہ خیال بھی تھا کہ دروازہ کھولے جانے کی وہ مدھم سی آواز بھی بینا کو جگا سکتی ہے۔ وہ بینا کی اس غیر معمولی حس سے بے خبر نہیں تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی اور چونک پڑی۔

"ارے! تم ابھی سوئی نہیں؟" اس کے منہ سے نکلا۔

اس وقت بینا کا رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ اس [illegible] دروازہ کھولا گیا ہے۔ وہ تابندہ کی آواز سن کر بھی کچھ نہیں بولی۔

[illegible] جواب [illegible] لیکن پھر ایک جھٹکے سے جہاں تھی، وہیں رک گئی تھی۔ اس کا جسم اس طرح ساکت رہ گیا جیسے وہ کوئی مجسمہ بن گئی ہو۔ اس کی نظر بینا پر جمی ہوئی تھی جس کی تباہ حالی واضح تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ملبوس نچا ہوا اور ایسا تھا جیسے بے ڈھنگے انداز میں پہنا گیا ہو۔ چہرے پر ایسی ویرانی تھی جسے کسی چیز سے تشبیہ دینا تابندہ کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ بینا کو شگفتہ و شاداب چھوڑ کر گئی تھی لیکن اب سب کچھ برخلاف ہو چکا تھا۔

بینا کچھ بڑبڑائی۔ تابندہ اس کے الفاظ نہیں سن سکی لیکن چونک پڑی اور بے حس و حرکت رہ جانے والی کیفیت سے باہر نکل آئی۔ وہ تیزی سے بینا کے قریب آ گئی۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟" وہ بولی۔

"میں اس کا پتا لگاؤں گی۔" اس مرتبہ بینا کی بڑبڑاہٹ تابندہ کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ بینا کے لہجے میں دیوانگی ہے۔

"کس کا پتا لگاؤ گی؟" تابندہ نے حیرت سے کہا۔

"جو یہاں آیا تھا۔" بینا کا انداز اب بھی ایسا تھا جیسے اپنے ہوش میں نہ ہو۔

"کون آیا تھا؟ کیوں آیا تھا؟" تابندہ نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ مجھے لوٹ کر چلا گیا۔ میں نہیں جانتی، وہ کون تھا... لیکن میں اس کا پتا لگاؤں گی۔ وہ مجھ سے بچ نہیں سکے گا۔"

کسی خیال نے تابندہ کے سینے میں اس کا دل بہت زور سے اچھال دیا۔ اس کی نظریں بستر کے ایک حصے پر پڑیں تو اس کا سارا جسم ہی سنسنا گیا۔ بینا کی ساری مجنونانہ باتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں۔ بینا کی حالت بھی ان باتوں کی تصدیق کر رہی تھی۔

"یہ... یہ کیا ہو گیا بینا! یہ کیا ہو گیا؟" وہ روہانسی ہو گئی اور اس نے بینا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

یکایک بینا لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

"تابندہ! یہ تم ہی ہو نا میری چندا؟" وہ بولی۔

"ہاں بینا! میں تمہاری تابندہ ہی ہوں۔" تابندہ نے اپنے ہونٹ بھینچ کر اپنی آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی۔ "تم یہ تو بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

"کیا بتاؤں کہ کیسے [illegible]" [illegible] انداز میں کہا پھر بولی۔ "مجھے پانی پلا دو۔ میرا حلق نہ جانے کب سے خشک ہو رہا ہے۔"

تابندہ جلدی سے اٹھی۔ کمرے میں ایک فریج موجود تھا لیکن تابندہ اس کی طرف نہیں گئی۔ پہلے اس نے تیزی سے دروازے کی طرف رخ کیا جسے پوری طرح بند کرنے کا اسے خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اب اس نے وہ نہ صرف بند کیا بلکہ چٹخنی بھی لگا دی۔ اسے یقین تھا کہ بینا بھی اس وقت یہ نہیں چاہے گی کہ حویلی کا کوئی فرد اس طرف نکل آئے اور وہاں کی حالت دیکھ کر جان لے کہ وہاں کیا کچھ ہو چکا تھا۔

بعد میں جب اس نے پانی کا گلاس بینا کے ہاتھ میں دیا تو بینا بولی۔ "دروازہ بند کرنے گئی تھیں؟"

"ہاں۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"اچھا کیا، مجھے تو کچھ ہوش ہی نہیں..." وہ پانی پینے لگی۔

تابندہ تیزی سے وارڈ روب کی طرف گئی۔ اس میں سے اس نے ایک چادر نکالی۔ پھر اتنی ہی تیزی سے بستر کی طرف لوٹی۔

بینا پانی پی چکی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

"بستر کی چادر بدل دوں... تم ذرا اٹھو۔"

بینا کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی ویرانی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن اس نے اپنے بکھرے ہوئے ہوش و حواس پر قابو پا لیا تھا۔ خالی گلاس وہ دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھی۔

چادر تبدیل کرنے کے بعد تابندہ نے بینا کا لباس بھی درست کیا۔

"میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔" بینا آہستہ سے بولی۔

"لیٹ جاؤ... لیٹ جاؤ۔" تابندہ نے کہتے ہوئے اسے سہارا بھی دیا اور بستر پر لٹا دیا۔

"اب بتاؤ، یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"کیسے بتاؤں؟ وہ سب کچھ ایک بھیانک خواب سا ہے۔"

"کسی طرح بھی بتاؤ۔" تابندہ بہت پریشان تھی۔

ایک بھیانک اور منتشر سا خواب جس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، اسی طرح بینا نے وہ سب کچھ بیان کر دیا۔

تابندہ وہ سب کچھ سننے کے بعد فوراً کچھ نہیں بول سکی۔ وہ اس پر تبصرہ بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کمرے سے اس حویلی کا دُرِ نایاب لوٹ لیا گیا تھا۔

"میں ختم ہو گئی چندا... میں برباد ہو گئی۔" بینا بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔ "لیکن جس نے مجھے برباد کیا ہے، میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔ میں اس کا پتا ضرور لگاؤں گی۔"

"کیسے لگا سکو گی؟" تابندہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

"بس، دیکھنا تم... اور یہ بھی دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کروں گی۔"

تابندہ اس کا منہ تکتی رہ گئی۔

بینا پھر بولی۔ "مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میرا یہ راز تمہارے سینے میں دفن رہے گا۔"

تابندہ نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا پھر بولی۔ "اور اگر یہ راز خود ہی لوگوں کے سامنے آ گیا تو؟"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تم..." تابندہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "تم کہیں ماں نہ بن جاؤ۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔" بینا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"ایسے معاملے میں امکان تو رہتا ہے نا۔"

"اگر ایسا ہوا تو اس سپولیے کو میرے پیٹ میں ہی مرنا ہو گا اور اس معاملے میں تم میری مدد بھی کرو گی۔" بینا نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

تابندہ ایک بار پھر اس کا منہ تکتی رہ گئی۔

بینا چت لیٹی ہوئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے چھت کو تک رہی ہو۔ تابندہ کو اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ اسی رات بینا نے ایک قیامت کا سامنا کیا اور اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی لیکن اب اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا، جذبات سے یکسر عاری، پتھریلا سا!

بینا کے دماغ میں اس وقت ایک ہی خیال چکرا رہا تھا کہ وہ برباد ہو چکی ہے اور اب اس پر ماتم کرنے سے اس کی دوشیزگی واپس نہیں لوٹ سکے گی لہٰذا اسے اپنی حالت سے سمجھوتا کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ اب اسے صرف سوچنا ہو گا۔ ضرورت سوچنے ہی کی رہ گئی تھی کہ وہ اس کا پتا کس طرح لگائے جس نے اس سے اس کی وہ متاع چھین لی تھی جو کسی بھی مشرقی لڑکی کا نہایت انمول اور واحد اثاثہ ہوتی ہے۔

وہ کون ہو سکتا ہے؟

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

دماغ میں گونجنے والے اس سوال کے باعث امکانات پر غور کرنے لگی۔ اس کے ذہن کا لغیرا کوئی ایسا ہی شخص ہو سکتا تھا جس کا اس حویلی سے گہرا تعلق ہو۔ کوئی اجنبی حویلی میں اس طرح نہیں آ سکتا تھا۔

وہ اس قسم کی خبریں سن چکی تھی کہ بعض بوالہوس بوڑھوں نے بھی ایسی لڑکیوں کے ساتھ گھناؤنی حرکت کی تھی جن سے ان کا قریبی رشتہ تھا مگر اپنے معاملے میں وہ ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے محسوس بھی کر لیا تھا کہ اسے برباد کرنے والا کوئی تندرست و توانا اور جوان شخص تھا۔

بینا اس وقت بڑی گہرائی سے امکانات کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے اپنے تین غیر شادی شدہ جوان کزنز / چچازاد بھائیوں کے علاوہ شادی شدہ (کزن) ظفر کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا۔ اگرچہ ظفر شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا لیکن اس کی عمر پینتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ بینا نے اسے دس سال پہلے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ یقیناً تندرست تھا۔ اب اس کی صحت کیسی تھی؟ بینا کو اس کا علم نہیں تھا۔ البتہ اپنے باقی تینوں چچازاد بھائیوں کے بارے میں وہ جانتی تھی کیونکہ گھر میں کبھی کبھی ان کی شادی کا موضوع چھڑ جاتا تھا جس میں یہ بات بھی سامنے آتی تھی کہ وہ تینوں تندرست و توانا ہیں۔ بادل اور شیراز کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ وہ قبول صورت تھے لیکن بابر کا شمار خوب صورت نوجوانوں میں کیا جاتا تھا۔ اس کو تابندہ بھی پسند کرتی تھی۔ ان دونوں کے معاملات بینا سے پوشیدہ نہیں تھے۔ تابندہ اسے سب کچھ بتا چکی تھی۔ بابر بھی تابندہ کو پسند کرتا تھا لیکن اسے شادی کے معاملے میں عجلت نہیں تھی۔

اپنے ان چچازاد بھائیوں کے علاوہ، بینا کے ذہن میں دو نام اور تھے۔ ایک راحیل جو ظفر بھائی کا بھائی اور دوسرا فراز جو تابندہ کا بھائی تھا۔ اگرچہ وہ حویلی میں رہتے تو نہیں تھے لیکن حویلی میں ان کی آمدورفت نہایت آزادانہ تھی۔ راحیل کی اس لیے کہ وہ ظفر کی بیوی کا بھائی تھا اور تابندہ کے بھائی فراز کی اس لیے کہ وہ اور تابندہ بچپن ہی سے حویلی میں آتے رہے تھے۔ کرنل صہبائی سے ان کے والد کی دوستی اتنی ہی گہری تھی کہ بچپن میں خود بینا، اس کے بھائی مسعود اور اس کی بہن شاہینہ کا بھی ان کے گھر جانا آنا بڑی آزادی سے رہا تھا۔ مسعود جب تک اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن نہیں گیا تھا، تابندہ اور فراز کے گھر جاتا آتا رہا تھا۔ شاہینہ کا بھی کچھ دن پہلے تک یہی معمول رہا تھا۔ اس معمول میں رکاوٹ اسی وقت آئی تھی جب شاہینہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں۔ خود بینا

... بینا ان ... بصارت سے محروم ... ان ... جا چکی تھی کہ کاش وہ ... ان دنوں جا سکتی ... وہاں کسی طرح چلی جایا کرے۔ اس کی اس خواہش کی وجہ فراز تھا جو بینا کو نوعمری ہی میں اچھا لگنے لگا تھا۔ بینا کی عمر تیرہ سال تھی جب اس کی بصارت زائل ہوئی تھی۔ فراز اس وقت سولہ سال کا تھا۔ اب بھی کبھی بینا کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی کہ اس کی بصارت منٹ بھر کے لیے ہی واپس آ جائے اور وہ دیکھ سکے کہ فراز اب کیسا دکھتا ہے۔

فراز سے اس کی اس خاموش محبت کا علم تابندہ کو بھی نہیں تھا حالانکہ وہ خود چاہتی تھی کہ بینا کو اپنی بھابی بنائے۔

لیکن اس محبت کے باوجود بینا کو اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کی عزت لوٹنے والا فراز تھا تو وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگتی۔

ان سب کے بعد ایک نام راحیل کا تھا جس کے بارے میں تابندہ کی رائے اچھی نہیں تھی۔ اس نے کھل کر کچھ نہیں کہا تھا لیکن ایسی باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ وہ راحیل کو ایک اوباش نوجوان سمجھتی تھی۔

"بینا!" تابندہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

بینا اپنے خیالات سے چونک پڑی۔ "تم ابھی سوئی نہیں؟"

"نہیں، نیند نہیں آ رہی۔" تابندہ نے جواب دیا۔

بینا کو اندازہ تھا کہ وہ اپنی بربادی کی وجہ سے جتنی دکھی تھی، اس کے لیے اتنی ہی دکھی تابندہ بھی ہوگی۔

"تم بھی پہلو بدلتی رہی ہو۔" تابندہ پھر بولی۔ "مجھے یقین تھا کہ تمہیں بھی نیند نہیں آ سکی ہے۔"

بینا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کیسے ممکن ہے کہ مجھے نیند آ جائے؟"

"شاہینہ کی شادی سے تو تم خوش ہونا؟" تابندہ نے یہ موضوع شاید اس خیال سے چھیڑا کہ اس طرح بینا کا بوجھل دماغ کچھ پرسکون ہوگا۔

"ظاہر ہے تابندہ!" بینا نے کہا۔ "میں اپنی بہن کی شادی پر خوش کیوں نہیں ہوں گی؟ بس دو باتوں کا افسوس رہا۔ ایک تو یہ کہ خوشی کے اس موقع پر امی جان دنیا میں نہیں اور دوسرے یہ کہ بھیا بھی اس شادی میں شرکت نہ کر سکے۔ شاہینہ کو تو اس کا بہت ہی رنج ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسعود کیوں نہیں آ سکے۔" تابندہ بولی۔ "وہ لندن میں کوئی ایسی ملازمت تو کر نہیں رہے ہیں کہ چھٹی نہ ملے۔ وہ وہاں پڑھ رہے ہیں۔ ہفتہ بھر کے

... لیے ابا بھی ... لیکن ... کر ... تھا۔"

"مجھے ان کی مشکلات کی تفصیل تو نہیں معلوم۔" بینا نے جواب میں کہا۔ "ابا جان سے فون پر ان کی خاصی طویل گفتگو ہوئی تھی۔ شاید وہ کل شام کی فلائٹ سے آ ہی جائیں۔"

"کل شام؟"

"ہاں... کیوں؟"

"میری جان... صبح ہونے والی ہے۔ آج کی رات جاگتے ہوئے ہی گزر گئی۔ تمہیں آج شام کہنا چاہیے تھا۔"

"اگر صبح ہونے والی ہے تو مجھے یقیناً یہی کہنا چاہیے تھا۔" بینا نے اداس سے لہجے میں کہا۔ "شاید وہ آج شام کو آ جائیں۔ ابا جان سے انہوں نے کہا تھا کہ اگر وہ آ سکے تو اپنی فلائٹ کی روانگی سے پہلے اطلاع دے دیں گے۔"

"چلو اب اٹھ جاؤ۔ سونا تو اب مشکل ہے۔"

"ہاں، اب تو اٹھنا ہی پڑے گا ورنہ ابا جان ناراض ہوں گے۔"

اگرچہ کرنل صہبائی اپنے بھائی شمشاد سے تین سال چھوٹے تھے لیکن حویلی میں حکم انہی کا چلتا تھا اور ان کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے حویلی کے ہر فرد کو ناشتے کی میز پر ہونا چاہیے۔

☆☆☆

ساڑھے آٹھ بجے تک مسعود کے بارے میں بھی کوئی اطلاع آ جانا چاہیے تھی مگر اچانک وہ خود ہی آ گیا۔ حویلی میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ظفر بھائی کے سوا وہ سبھی کا چہیتا تھا۔

"کل روانہ ہوئے ہو گے لندن سے۔" کرنل صہبائی بولے۔ "اسی وقت اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"میں آپ سب کو پلیزنٹ سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" مسعود نے ہنس کر کہا۔

"نالائق ہو تم۔" کرنل صہبائی نے خفگی سے کہا۔ "اب تو بالکل مایوسی ہو گئی تھی۔ شاہینہ کی تو آنکھیں سرخ ہو گئی ہیں روتے روتے۔"

"ارے رے رے!" مسعود ڈائننگ ٹیبل کی طرف لپکا جس پر شاہینہ بیٹھی ہوئی تھی۔ آنسو اس کی آنکھ میں اس وقت بھی آ گئے تھے لیکن وہ خوشی کے آنسو تھے۔ اگر وہ اپنی شادی کی وجہ سے شرمائی شرمائی سی نہ ہوتی تو خود ہی لپک کر مسعود کے سینے سے جا لگتی۔

"کیا ہوا میری ننھی گڑیا کو؟" مسعود نے شاہینہ کو اپنے

نئی لغت

بس کا سفر: آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی۔

بلدیہ: یارب نہ وہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے میری بات۔

شوہر: دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن۔

بیوی: ہر روز گفتگو ہے نئی میرے باب میں۔

سرکاری نلکے کا پانی: آ انتظار ہے تیرا...

واپڈا: دل کا دیا جلایا، میں نے دل کا دیا جلایا...

مہنگائی: گا میرے منوا گاتا جارے، جانا ہے ہم کا دور۔

رکشا: دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسکرا کے چل دیے۔

طالب علم: ایک لمحے کو ٹھہر، میں تجھے پتھر لا دوں۔

میرج ہوم: ترے جہان کی رونق بڑھا رہے ہیں ہم۔

بڑھاپا: زندگی جا چھوڑ دے پیچھا میرا۔

لوکل بس: اب وہ رعنائی خیال کہاں۔

جاسوسی ڈائجسٹ: ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا۔

آفتاب احمد، حیدرآباد

گلے لگاتے ہوئے کہا جو اسے اپنے قریب پا کر کرسی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

خوشی سے بینا کے ہونٹ بھی لرز رہے تھے۔ "بھیا!" اس کے منہ سے نکلا۔

مسعود نے اس کی آواز سن لی۔

"ارے میری بڑی گڑیا۔" مسعود شاہینہ کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔

تھوڑی دیر کے لیے وہ "مقتل کاک" بن کر رہ گیا۔

اسی دوران میں تابندہ نے موبائل فون پر اپنے بھائی فراز کو مسعود کی آمد کے بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو فراز بہت ناراض ہوتا۔ وہ اور مسعود بہت

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible] بیٹھے۔ اس وقت کا دولہا مسعود ہی بنا ہوا تھا۔ اس وقت رونق اسی کی وجہ سے تھی۔ سب جیسے بھول ہی گئے تھے [illegible] کو شاہینہ کی شادی ہے جس کا ابھی خاصا کام پڑا تھا۔ اس کا خیال صرف شمشاد صاحب نے رکھا۔ وہ حویلی کے ملازمین کو طلب کر کر کے انہیں مختلف کاموں کی ہدایات دے رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ موبائل فون پر بھی کسی سے رابطہ کرتے۔

تابندہ کبھی کبھی چور نظروں سے بابر کی طرف دیکھ لیتی تھی لیکن بابر اس وقت اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہا تھا۔

''سنو!'' بینا اپنی بائیں جانب جھکی جس طرف تابندہ بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہاں، بولو۔'' تابندہ نے اتنی ہی آہستہ سے کہا جتنے دھیمے انداز میں بینا نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''ہماری آواز کسی اور کے کانوں میں پہنچ سکتی ہے؟'' بینا کچھ اور جھکی۔

''نہیں۔'' تابندہ نے جواب دیا۔ ''بشرطیکہ ہم اتنی ہی دھیمی آواز میں بات کریں... کیوں؟''

''آواز تو ظفر بھائی کی بھی آرہی ہے۔''

''ہاں، بھی ہیں۔ کیوں؟''

''ان کی صحت اب کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' تابندہ نے جواب دیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر استعجابی کیفیت آگئی۔ یقیناً اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ بینا یہ کیا ذکر لے بیٹھی۔

''دس سال پہلے دیکھا تھا انہیں۔'' بینا نے کہا۔ ''اچھی صحت تھی ان کی۔''

''اب ان کی صحت بس ٹھیک کہی جا سکتی ہے۔''

''اپنے بھائیوں کی طرح نہیں ہیں وہ؟''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بینا! ان تینوں کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ ظفر بھائی تو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔''

''ہوں۔'' بینا نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

یکایک تابندہ کو کچھ خیال آیا۔ وہ چونک سی گئی۔ اس نے بینا کی طرف دیکھا جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''بینا!'' تابندہ آہستہ سے بولی۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم کوئی کھوج لگا رہی ہو؟''

''ہاں۔ میں تم سے کیوں چھپاؤں۔ کھوج تو مجھے لگانا

[illegible] نہیں ہو سکتے۔ وہ تو بہت تندرست تھا۔''

[illegible]

''چچا [illegible] کے بارے میں بھی سوچ لی؟''

''چچا زاد بھائی ہیں وہ میرے۔'' بینا نے کہا۔ ''امکانات تو نظر میں رکھتا ہوں گے مجھے۔ باہر کا کوئی آدمی صرف ایک مقصد کے لیے تو حویلی میں نہیں آسکتا۔''

اس وقت اچانک نشست گاہ میں پھر تھوڑی ہلچل ہو گئی۔ تابندہ کا بھائی فراز بڑی تیزی سے اندر آیا۔ حویلی میں اس کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی تھی۔ وہ بلا روک ٹوک آجا سکتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسعود بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دونوں دوست ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

اس دوران میں تابندہ کی نظریں باذل، شیراز اور بابر کے چہروں پر پھسلتی رہیں۔ بینا کے وہ تینوں چچا زاد بھائی تقریباً یکساں قد و قامت کے تھے۔ تندرستی میں بھی انیس بیس کا فرق تھا۔

پھر تابندہ کی نظر بابر پر ٹھہر گئی جسے وہ پسند کرتی تھی۔

''کیا بابر ایسا ہو سکتا ہے؟'' اس نے سوچا۔

''تم چپ کیوں ہو گئیں؟'' بینا بولی۔

تابندہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ''تمہاری بات ہی ایسی تھی کہ میرے دماغ میں بھونچال سا آگیا۔''

''شاید وہ کبھی کبھی آتا ہی رہے گا۔'' بینا نے کہا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا، مجھے کسی نہ کسی وقت تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''تم بس رات ہی کے بارے میں سوچتی رہو گی؟''

''اور کچھ سوچنا شاید اب میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ مجھے تم سے ایک دوا بھی منگوانی ہے۔''

''دوا؟'' تابندہ چونکی۔ ''کیسی دوا؟''

''اکیلے میں بتاؤں گی۔''

تابندہ بس بینا کا منہ تکتی رہ گئی۔

☆☆☆

مسعود خاصی دیر تک اپنے چچا زاد بھائیوں، اپنی دونوں بہنوں، والد اور چچا سے باتوں میں الجھا رہا۔ فراز سے اس نے کہا تھا کہ وہ دونوں بعد میں تنہائی میں گپ شپ کریں گے۔

آہستہ آہستہ لوگ کم ہونے لگے۔ پہلے باذل کو کسی کام سے بھیجا گیا پھر بابر اور شیراز بھی کہیں چلے گئے۔ کرنل صہبائی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible]

ہاں چلی گئیں۔ ظفر [illegible] کوئی کام نہیں سونپا گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ دونوں بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔ ظفر کی بیوی ساس کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اس دن اس کا موڈ کچھ خوش گوار تھا۔ مسعود کو اب موقع ملا تو وہ فراز کو اپنے کمرے میں لے گیا۔

''اب سناؤ ڈیوٹ!'' وہ فراز کو کبھی کبھی اس طرح بھی مخاطب کرتا تھا۔ ''کیا احوال ہیں یہاں کے؟'' وہ ہنسا۔ ''کوئی مطلوبہ لڑکی نظر میں آئی؟''

''ہاں یار!'' فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک پر شبہ تو ہوا ہے۔''

''شبہ؟''

''ہاں، ننانوے فیصد امکان ہے کہ وہ کنواری دوشیزہ ہوگی۔''

''میری سمجھ میں کبھی نہیں آسکا کہ تم پر یہ بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے۔''

''یار! بیوی کو ایسا تو ہونا چاہیے۔''

''اچھا... تو سو فیصد یقین کیسے ہوگا... عملی تجربے کے بعد...'' مسعود نے معنی خیز انداز میں اسے ٹٹولا۔

''یہ بات نہیں ہے یار!'' فراز نے کہا۔ ''مجھے اس کے بغیر بھی صفیہ پر سو فیصد یقین آسکتا ہے۔''

''اچھا... تو محترمہ کا نام صفیہ ہے۔''

''ہاں۔''

''سو فیصد یقین کیسے ہوگا؟''

''میں اس کے ماضی کی مکمل چھان بین کر لینا چاہتا ہوں۔ اب بس تھوڑی ہی کسر رہ گئی ہے۔''

''محترمہ دیکھنے میں کیسی ہیں؟''

''تصویر دکھاؤں؟''

''اوہو! تو اس کی تصویر بھی رکھنے لگے ہو... دکھاؤ۔''

فراز نے اپنا پرس نکالا اور اس میں سے ایک لڑکی کی رنگین تصویر نکال کر مسعود کو دکھائی۔

''لاحول ولا...'' مسعود نے تصویر دیکھتے ہی کہا۔ ''رہے نا ڈیوٹ کے ڈیوٹ۔ ارے میں تو یہ تصویر ہی دیکھ کر سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ تمہارے نظریے سے مطابقت رکھتی ہے۔ معاف کرنا مسٹر ڈیوٹ! ایسی بدصورت لڑکی کو بھی کسی سے لفٹ مل ہی نہیں سکتی۔''

''خیر، اب ایسی بدصورت بھی نہیں ہے یہ۔'' فراز نے کچھ جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ ''خیر چھوڑو یہ ذکر۔'' فراز نے تصویر لے کر اپنے پرس میں رکھ لی۔ ''تم اپنی سناؤ، لندن میں کوئی گل کھلایا؟''

مسعود ہنسا۔ ''گل کھلانے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''کیوں؟ وہاں تو بڑی آزاد خیالی ہے۔''

''وہ تو ہے لیکن اچھے گھرانوں کی لڑکیاں ہم کالے لوگوں کو لفٹ نہیں دیتیں اور معمولی حیثیت کی لڑکیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''میرا ایک جاننے والا تو ایک اچھی خاصی لڑکی کو شادی کر کے لایا ہے۔ بتا رہا تھا کہ وہ کسی کرنل کی بیٹی ہے۔''

''بکواس۔'' مسعود نے ہنس کر کہا۔ ''اس سطح کی لڑکیاں بھی یہاں والوں سے الگ تھلگ رہتی ہیں۔ شادی کر کے لانے والے ایسی ہی ڈینگیں مارتے ہیں۔''

اس موضوع پر بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ دستک کے ساتھ ہی کرنل صہبائی کی آواز بھی سنائی دی۔ ''ارے بھئی مسعود بیٹے!''

''جی ابا جان!'' مسعود جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''اندر آجاؤں؟''

''ارے آیئے!! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟''

کرنل صہبائی کمرے میں آگئے۔ وہ بند گلے کے سوٹ میں ملبوس تھے۔

''کچھ بات کرنا تھی تم سے۔'' انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔

''تو مجھے بلا لیا ہوتا۔'' مسعود جلدی سے بولا۔

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم فراز کے ساتھ ہو۔ یہ مناسب نہیں تھا کہ فراز اکیلا رہ جاتا۔ تمہاری ہی وجہ سے تو یہ اس وقت آگیا ہے... اور پھر بات بھی ایسی نہیں جو اس سے پردے میں رکھی جائے۔ تمہاری طرح یہ بھی میرا بیٹا ہی ہے۔''

فراز مسکرایا۔ ''شکریہ ابا جان!''

کرنل صہبائی اس کا شانہ تھپک کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ مسعود اور فراز سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

کرنل صہبائی بولے۔ ''بات تو ایسی ہے جو ذرا سکون سے کی جاتی تو بہتر ہوتا۔ آج تو گھر میں ہنگامہ برپا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہیں کل ہی واپس بھی جانا ہے۔ بتایا تو تھا تم نے، یاد نہیں رہا۔ کس وقت ہے تمہاری فلائٹ؟''

''رات کو ہے ابا جان! تین بجے۔''

digestpk.blogspot.com

’’خیر، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ...‘‘ وہ خاموش ہو کر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ ایک جیب سے انہوں نے پائپ اور دوسری جیب سے تمباکو کا پاؤچ نکالا۔ اسی دوران میں وہ بڑبڑائے۔ ’’یہ بھائی صاحب بھی بس... کیا کہوں۔ نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل، بس چھیڑ بیٹھے چائے پیتے ہوئے۔‘‘

مسعود اور فراز خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

’’تمہاری بہن ہی کا معاملہ ہے۔‘‘ کرنل صہبائی نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے مسکرا کر فراز سے کہا۔

فراز چونکا۔ ’’تابندہ کا؟‘‘

’’نہیں بھئی، بینا کی بات کر رہا ہوں میں۔ وہ بھی تو بہن ہے تمہاری۔‘‘

مسعود جلدی سے پوچھ بیٹھا۔ ’’بینا کا اس وقت کیا معاملہ آ گیا؟‘‘

’’وہی تو کہا تھا میں نے، اس وقت یہ معاملہ نہیں چھیڑا جانا چاہیے تھا... لیکن بس کیا کہوں، بھائی صاحب بڑے ہیں میرے۔‘‘

’’بینا کے بارے میں کچھ کہا ہے انہوں نے؟‘‘ مسعود نے پوچھا۔

’’ہاں بھئی، وہ بتا رہے تھے کہ بادل نے بھی یہ بات اپنی ماں سے آج ہی کہی تھی۔ انہوں نے بھائی صاحب سے ذکر کیا۔ بھائی صاحب کو مجھ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔‘‘

مسعود مسکرایا۔ ’’اس وقت آپ کی باتوں میں مجھے کسی جاسوسی ناول کا مزہ آ رہا ہے۔‘‘

کرنل صہبائی دھیرے سے ہنس دیے۔ یہ ان کی عادت تھی کہ اصل بات کی طرف خاصی تمہید کے بعد آتے تھے۔ انہوں نے پائپ میں تمباکو بھر لیا تھا۔ وہ اسے سلگا کر ایک کش لینے کے بعد بولے۔ ’’یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ تفصیل سے بات ہوتی۔ سرسری ذکر ہوا تھا لیکن یہ تو ممکن نہیں کہ مجھ سے کوئی ایسی سرسری بات کی جائے جو غیر سنجیدہ ہو۔ شاہینہ کے معاملے سے فارغ ہونے کے بعد اطمینان سے بھی بات ہو جائے گی لیکن تم کیونکہ کل چلے جاؤ گے اس لیے میں نے سوچا کہ تمہارے کان میں تو بات ڈال ہی دوں۔‘‘

’’اب ڈال بھی دیجیے ابا جان!‘‘ مسعود نے ہنس کر کہا۔

کرنل صہبائی مزاج کے اعتبار سے نہایت سخت ہونے کے ساتھ ساتھ اولاد کے معاملے میں نہایت نرم مزاج بھی تھے ورنہ مسعود کو ان سے اس طرح بات کرنے کی ہمت نہیں [illegible] بھائی صاحب بادل کے لیے بینا کا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔‘‘

’’اوہ!‘‘ مسعود کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

اس وقت فراز کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

’’بھئی!‘‘ کرنل صہبائی پھر بولے۔ ’’بینا کو یہی ضد تھی نا کہ اس کا ہونے والا شوہر کسی بڑے گھرانے کا ہو۔ تو اب اس کے لیے بادل سے اچھا رشتہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی حویلی کا بیٹا ہے وہ... اور پھر اچھی بات یہ ہے کہ ہماری بچی ہماری نظروں کے سامنے ہی رہے گی۔ مجھے تو یہ رشتہ پسند ہے لیکن میں نے سوچا کہ تمہاری رائے بھی لے لی جائے بلکہ فراز کی بھی... تم دونوں آخر بڑے بھائی ہو اس کے... کیوں فراز؟‘‘

’’جی... جی... جی ابا جان!‘‘ فراز جلدی سے بولا۔

’’تو کیا رائے ہے تمہاری؟‘‘ کرنل صہبائی نے مسعود کی طرف دیکھا۔

’’مناسب ہے ابا جان!‘‘ مسعود نے کہا۔ ’’بینا اسی گھر میں رہے تو بہت اچھا ہے۔‘‘

’’یہی تو میں نے بھی سوچا ہے۔‘‘

’’لیکن بینا کا عندیہ بھی لینا چاہیے۔‘‘

’’بالکل ٹھیک کہا تم نے... پھر وہی بات آتی ہے کہ کل تم چلے جاؤ گے لہٰذا تمہارے سامنے ہی بینا کا عندیہ بھی لے لیا جائے۔ شاہینہ تو گویا دلہن بنی ہوئی ہے ورنہ اسی کے ذریعے بینا کا عندیہ لے لیا جاتا۔‘‘

’’ظفر بھائی...‘‘

’’نہیں۔‘‘ کرنل صہبائی نے مسعود کی بات کاٹ دی۔ ’’میں نے سوچا ہے کہ تابندہ کو بیچ میں ڈالا جائے۔ کیوں فراز؟‘‘

’’جیسا آپ مناسب سمجھیں ابا جان!‘‘ فراز بولا۔

مسعود نے کہا۔ ’’وہ اور بینا اس وقت شاہینہ کے پاس ہوں گی۔‘‘

’’ابھی بلوا لیتے ہیں تابندہ کو۔‘‘ کرنل صہبائی نے کہا۔

فوراً ایک ملازمہ کے ذریعے تابندہ کو ان کا پیغام پہنچا دیا گیا۔ تابندہ نے وہاں آنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ اس کے چہرے سے الجھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس طلبی کا سبب اس کی سمجھ میں آ ابھی نہیں سکا۔

’’بیٹھو بیٹا!‘‘ کرنل صہبائی نے بڑی شفقت سے کہا۔

تابندہ، فراز کے قریب بیٹھ گئی تو خود کرنل صہبائی نے [illegible] ہے کہ بینا کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن ہماری اقدار یہی ہیں کہ بیٹیوں کا عندیہ واضح طور پر لیا جائے۔ تم یہ کام آسانی سے کر سکتی ہو۔ عجلت اس لیے ہے کہ مسعود کل چلا جائے گا۔ اس کی موجودگی ہی میں بات واضح ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ تفصیلی بات چیت تو دو ایک دن بعد بھائی صاحب سے ہو ہی جائے گی۔‘‘

’’ابا جان!‘‘ تابندہ نے کہا۔ ’’آج تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ گھر میں کیا ہنگامہ ہے۔ بینا سے تنہائی میں بات کرنا مشکل ہی ہوگا، البتہ کل صبح بینا سے بات ضرور ہو جائے گی۔ آج شاہینہ کی رخصتی کے بعد مجھے بھی ڈیڈی ممی کے ساتھ واپس جانا تھا لیکن اب یہ کام ہے تو میں آج رات اور رک جاتی ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ تمہارے ڈیڈی کو تو میں اباؤٹ ٹرن کر دوں گا۔‘‘ کرنل صہبائی باتوں کے دوران میں کبھی کبھی کوئی فوجی اصطلاح بھی استعمال کر لیتے تھے۔

تابندہ خفیف سا مسکرا کر رہ گئی۔

☆☆☆

حویلی میں شادی کی گہما گہمی عروج پر تھی اور ان دونوں سہیلیوں کا تنہائی میں ملنا مشکل تھا لیکن بینا کے دل میں ہلچل مچ چکی تھی۔ وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ اس کے والد نے تابندہ کو کیوں بلایا تھا۔ خود تابندہ بھی بینا سے اس معاملے میں جلد از جلد بات کر لینا چاہتی تھی۔ کسی بہانے سے ذرا دیر کی تنہائی بھی مل ہی جاتی لیکن تابندہ یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ گفتگو اطمینان سے ہو اس لیے وہ بینا کو ٹال گئی۔

’’ارے وہ!‘‘ اس نے ہنس کر کہا تھا۔ ’’ابا جان بھی خوب ہیں۔ دراصل ڈیڈی شوگر کے مریض ہیں نا! ابا جان نے مجھے ہدایت کی ہے کہ رات کو جب کھانا ہو تو ان پر کڑی نظر رکھوں اور انہیں میٹھی ڈشز کی طرف نہ جانے دوں۔‘‘

بینا یہ جواب سن کر چپ تو ہو گئی لیکن اس کے چہرے پر بے چینی کی کیفیت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ شام ہونے کے بعد مقررہ وقت پر برات آ گئی۔ غالباً فوجی ہونے ہی کی وجہ سے کرنل صہبائی وقت کی پابندی خود بھی سختی سے کرتے تھے اور دوسروں سے بھی کرواتے تھے۔ نکاح بھی مقررہ وقت پر ہو گیا جس کے کچھ ہی دیر بعد مہمانوں کو کھانے کی میزوں کی طرف بلا لیا گیا۔

کھانے کے دوران میں بینا اور تابندہ ساتھ ساتھ ہی تھیں۔ انہیں اس وقت دلہن کے قریب ہونا چاہیے تھا لیکن اسے گھیرے میں رکھنے والی شاہینہ کی سسرال کی طرف کی خواتین زیادہ تھیں۔ تابندہ نے مناسب یہی سمجھا تھا کہ بینا کو اس بھیڑ سے الگ رکھے۔ ان دونوں کی عدم موجودگی سے شاہینہ کو گھبراہٹ اس لیے نہیں ہو سکتی تھی کہ ظفر بھابی، چچی اور اس کی دو سہیلیاں اس کے بالکل قریب تھیں۔

کھانے سے قبل کرنل صہبائی نے دولہا سے کہہ دیا۔ ’’میاں... تم کوئی فیلڈ مارشل تو ہو نہیں کہ تمہیں اور تمہاری بیگم صاحبہ کو الگ سے کھانا سرو کیا جائے۔ بھئی سب کے ساتھ ہی گھل مل جاؤ۔‘‘

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کھانے کے دوران میں بینا یکایک کچھ بے چین نظر آئی۔

’’کیا بات ہے؟‘‘ تابندہ نے جلدی سے پوچھا۔ ’’طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟‘‘

’’چبھن۔‘‘ بینا نے آہستہ سے کہا۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’میں نے تمہیں بتایا تھا نا لوگ مجھے دیکھتے ہیں تو مجھے اپنے جسم پر ان کی چبھن محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس وقت میں اس قسم کی چبھن محسوس کر رہی ہوں جو مجھے کل رات اپنے سارے جسم پر محسوس ہوئی تھی۔ ویسی ہی چبھن مجھے اس وقت محسوس ہو رہی ہے۔ کوئی مجھ پر نظر گاڑے ہوئے ہے۔ ذرا دیکھو تو، میرے سامنے اس وقت کون ہے؟‘‘

تابندہ نے سامنے دیکھا اور اس وقت اس کے دماغ کو شدید دھچکا لگا۔ وہاں اور لوگ بھی موجود تھے لیکن تابندہ کی نظر بابر کے چہرے سے لگ کر رہ گئی۔ اس سے نظریں ملنے پر بابر خفیف سا مسکرا دیا۔

’’کون ہے تابندہ؟‘‘ بینا نے بے تابی سے پوچھا۔

تابندہ نے جو کچھ سمجھا تھا، اس کی وجہ سے یہ مشکل تھا کہ اس کی زبان پر بابر کا نام آ جاتا۔

’’راحیل ہے۔‘‘ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ بینا سے ایک سنگین جھوٹ بولا۔

بینا کے ہونٹ بھنچ گئے۔ وہ کھانا، کھانا بھی بھول گئی۔

یہ صرف تعلق خاطر کی بات تھی کہ تابندہ کی نظر سب سے پہلے بابر پر پڑنے کے بعد ادھر ادھر جا ہی نہیں سکی تھی ورنہ وہ دیکھ لیتی کہ وہاں اور لوگ بھی تھے جن میں ظفر بھابی کا بھائی راحیل بھی تھا جو سب سے الگ تھلگ کھڑا کھانا کھا رہا تھا اور اس کی نظریں بینا اور تابندہ ہی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

”کھانا تو کھاؤ۔“ تابندہ نے اسے ٹوکا۔

بینا اپنے خیالات سے چونکی اور پھر ایک نوالہ لیتے ہوئے اس طرف گھوم گئی جس طرف اب تک اس کی پیٹھ تھی۔

”کیا ہوا؟“ تابندہ بھی اس کے ساتھ گھومی۔

بینا نے کچھ توقف سے کہا۔ ”اب میرے جسم پر وہ چبھن نہیں رہی۔“ اس نے پلیٹ آگے بڑھائی۔ ”لو یہ رکھ دو۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔“

”تو کیا بھوکی رہو گی؟“

”بعد میں بھی کھایا جا سکتا ہے۔“

تابندہ نے بینا کی پلیٹ کے ساتھ اپنی پلیٹ بھی میز پر رکھ دی اور بینا کا بازو پکڑ کر اسے وہاں سے لے جانے لگی۔

شمشاد صاحب سامنے آ گئے اور بول اٹھے۔ ”کہاں جا رہی ہو بچیو! کھانا کھا لیا کیا؟“

”بعد میں پھر کھا لیں گے چچا جان!“ تابندہ نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”دراصل بینا کو باتھ روم جانا ہے۔“

شمشاد صاحب سر ہلا کر دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

بابر!... بابر!... بابر!

تابندہ کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ بینا کا بازو پکڑے آگے بڑھتی رہی۔

بینا بولی۔ ”اپنے جسم پر نظروں کی چبھن مجھے اس وقت بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن یہ وہ خاص قسم کی چبھن نہیں ہے۔ ہجوم میں یہ تو مجھے محسوس ہوتی ہی ہے۔“

یہ حقیقت تھی کہ جن لوگوں نے پہلے کبھی بینا کو نہیں دیکھا تھا، وہ اسے تابندہ کے سہارے چلتے دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ بعض خواتین نے دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے کچھ کہا بھی تھا۔

بینا، تابندہ کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔

”بس بیٹھنا ہے ذرا دیر۔“ بینا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

”لیکن...“

بینا نے اس کی بات کاٹی۔ ”مجھے گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی وہاں، تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ وہاں راحیل کے علاوہ کوئی نہیں تھا؟ میرا مطلب ہے، بادل، بابر، شیراز۔“ بینا نے اپنے چچازاد بھائیوں میں ظفر کو شمار نہیں کیا تھا۔

بینا کے دل میں ایک نام فراز کا بھی تھا جو وہ اپنی زبان

رنجیدگی کا سبب بنتا۔

”میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔“ تابندہ نے بینا کو جواب دیا۔ ”میری نظر راحیل پر پڑی تھی تو اسی پر جم کر رہ گئی۔“ اس کی زبان پر یہ سچ اس وقت بھی نہیں آ سکا کہ اس کی نظر دراصل بابر کے چہرے پر اٹک کر رہ گئی تھی۔

بینا نے ایک طویل سانس لی۔ ”یہ تم نے برا کیا۔ وہاں موجود بھی لوگوں کو دیکھنا چاہیے تھا... لیکن میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری اس غلطی کا سبب، یہ ایک نفسیاتی بات ہے۔ تم پہلے ہی سے راحیل کو برا سمجھتی ہو لہٰذا تم نے اسے دیکھنے کے بعد سمجھ لیا کہ اسی کی نظریں مجھ پر ہوں گی۔“

”شاید۔“ تابندہ کی آواز دھیمی تھی۔

”خیر، چھوڑو۔ میں ایک اور بات جاننے کے لیے بہت بے چین رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے تابندہ کہ تم نے اس وقت مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ سچ بتاؤ، ابا جان نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟“

”ہاں۔“ تابندہ نے ایک طویل سانس لی۔ ”میں بھی جانتی ہوں کہ تم نے میری اس بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ دراصل وہ بات ذرا اطمینان سے کرنے کی ہے۔ شاہینہ کی رخصتی کے بعد جب ہم دونوں سونے کے لیے لیٹیں گے تو بتا دوں گی۔“

”تم نے تو کہا تھا کہ آج چلی جاؤ گی۔“

”اس بات کی وجہ سے آج رکنا پڑے گا۔“

”اتنی اہم بات ہے۔“ بینا نے سختی سے تابندہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”اب تو تم مجھے فوراً بتا دو ورنہ میں ہیجان کا شکار ہو جاؤں گی۔“

”وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے میری جان کہ...“

”مجھے ابھی بتاؤ تابندہ۔“ بینا نے بڑی سختی سے کہا۔

تابندہ نے سوچا کہ بحث کرنے میں اور وقت ضائع ہو گا لہٰذا مختصراً تو بتا ہی دے۔ اس نے وہ سب کچھ دہرا دیا جو کرنل صہبائی نے اس سے کہا تھا پھر بولی۔ ”اس معاملے میں ظاہر ہے کہ وہ تمہاری رائے جاننا چاہیں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمہیں سوچ سمجھ کر ہی جواب دینا چاہیے۔ تم کل تک سوچو۔ کل بتا دینا مجھے۔ بس اب چلو۔“ تابندہ نے اسے اٹھانا چاہا۔

”ٹھہرو... مجھے ذرا سوچنے دو۔“

”وقت کم ہے بینا! اطمینان سے سوچ کر جواب دینا۔“

کچھ اور سوچ

رہی ہوں۔“

”یہ وقت سوچنے کا نہیں ہے بینا!“ تابندہ نے منہ بنایا۔ ”کھانا اب ختم ہو چکا ہو گا یا ہونے والا ہو گا۔ رخصتی سے پہلے کچھ رسوم ہونا ہیں۔ ان رسوم میں بہت دیر بھی ہو جاتی ہے لیکن ہم لوگوں کو جلدی تو کرنا پڑے گی۔ ابا جان کا حکم ہے کہ شاہینہ کو ایک بجے رخصت کر دیا جائے۔“

”سنو!“ بینا اس کی باتوں پر دھیان دیے بغیر بولی۔ ”مجھے یاد ہے تمہاری کالج کی کوئی دوست ڈاکٹر بن گئی ہے۔ اس سے مجھے کوئی ایسی دوا لا دو تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو سکے۔“

”مجھے پہلے ہی خیال آ چکا ہے اس کا۔ میں کل ہی اپنی دوست سے ملوں گی۔“

”ہاں۔“ بینا نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں تاخیر ہونا مناسب نہ ہو۔ اور ہاں! اسی سے اس معاملے سے متعلق مزید دوائیں بھی لے لینا۔“

تابندہ اچھل پڑنے کی حد تک چونک گئی۔

بینا کہتی رہی۔ ”آج کل اس قسم کی گولیاں ملنا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“

تابندہ تیزی سے بولی۔ ”ان گولیوں کی تمہیں کیا ضرورت؟“

بینا نے جو ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا تھا، اس کا اظہار ابھی مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے بات بنائی۔ ”اب کل تم چلی ہی جاؤ گی۔ میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ کل رات وہ جو کوئی بھی تھا، دوبارہ بھی میرے کمرے میں آ سکتا ہے۔“

”اب تم دروازہ بند کر کے سویا کرنا۔“

”تم جانتی ہو کہ مجھے بند کمرے سے بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔“

”لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے...“

بینا نے پھر اس کی بات کاٹی اور تقریباً بگڑ کر کہا۔ ”میری بات نہیں مانو گی تم؟ میری مدد نہیں کرو گی؟“

تابندہ نے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی اور نرمی سے کہا۔ ”تمہارے لیے تو میں اپنی جان بھی ہار سکتی ہوں لیکن تم ایک عجیب ہی بات کہہ رہی ہو۔ مجھے اس بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس قسم کی دوائیں اگر بلا ضرورت استعمال کی جائیں تو شاید نقصان دہ ہوتی ہوں گی۔“

”تم وہ کرو جو میں نے تم سے کہا ہے۔ میں بعد میں تمہیں تفصیل سے سمجھا دوں گی۔ چلو بس اب اٹھو۔ تمہیں میرا یہ کام ضرور کرنا ہے۔“

تابندہ کے چہرے پر بے بسی کے تاثرات ابھر

ئے۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے ان دونوں ہی کو چونکا دیا۔ دستک دینے والی ایک ملازمہ تھی۔ اسے شمشاد صاحب کی بیوی نے بھیجا تھا۔ وہ دونوں شاہینہ کے کمرے میں طلب کی گئی تھیں۔

”اب آئی شامت۔“ تابندہ زیر لب بڑبڑائی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ وہ دونوں اس کمرے میں پہنچیں تو شمشاد صاحب کی بیگم تابندہ پر بگڑنے لگیں کیونکہ بینا کی نقل و حرکت کی ذمے داری بھی اسی کی تھی۔

تابندہ نے کان دبا کر سب کچھ سنا حالانکہ غلطی اس کی نہیں، بینا کی تھی۔

شمشاد صاحب کی بیگم کی جھنجلاہٹ اس لیے تھی کہ رسومات کی ادائیگی میں کم وقت رہ گیا تھا۔ ٹھیک ایک بجے شاہینہ کو رخصت کیا جانا تھا۔

لیکن رخصتی شاہینہ کی نہیں، مسعود کی ہوئی!

☆☆☆

جس وقت دولہا دلہن کی کار حویلی کے احاطے سے باہر نکل رہی تھی تو بہت سے لوگوں نے خوشی کے اس موقع پر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ پھر یکایک فائرنگ رکی، بھگدڑ سی مچی اور پھر ہجوم ایک ہی جگہ ہو گیا۔

”مسعود کے گولی لگی ہے۔“ کوئی چیخا۔

یہ آواز بینا نے بھی سنی اور اس کے دل پر ایک گھونسا لگا۔

”کیا ہوا؟“ وہ چیختی ہوئی آگے بڑھی۔

اس وقت تابندہ اس کا بازو پکڑے ہوئے نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کرنل صہبائی سے ٹکرائی جو بوکھلائے ہوئے اسی طرف لپکے تھے جہاں ہجوم تھا۔ اس تصادم کے نتیجے میں بینا گر پڑی۔

”سنبھالو اسے کوئی۔“ کرنل صہبائی چیخے اور رکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔

تابندہ ان کے چیخنے تک، لپکتی ہوئی بینا کے قریب پہنچ گئی جو خود ہی اٹھ بھی گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ وہ پھر چیخی۔ اس پر دیوانگی سی طاری تھی۔ اس نے بے تحاشا آگے بڑھنا چاہا لیکن بڑھ نہ سکی۔ تابندہ نے اس کا بازو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ وہ خود بھی بوکھلائی ہوئی تھی۔

”یہ کون چیخا تھا تابندہ؟“ بینا پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ ”کسی نے بھیا کا نام لیا تھا۔“

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible] نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔

عورتوں کے علاوہ بھی لوگ ہجوم کی طرف دوڑے چلے جارہے تھے۔ عورتیں بھی گھبرائی اور بوکھلائی ہوئی تھیں۔ اس وقت کسی کا دھیان پینا یا تابندہ کی طرف نہیں تھا۔ شمشاد صاحب کی بیگم اور ظفر بھائی بھی چلا چلا کر مسعود کے بارے میں استفسار کررہی تھیں مگر انہیں فوری طور پر جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

''شاہینہ... شاہینہ...'' پینا ہانپتی ہوئی بولی۔ ''کیا وہ رخصت ہوگئی؟''

''نہیں۔'' تابندہ کی آواز لرز رہی تھی۔ ''دولہا کی کار رک گئی ہے۔''

کار سے شاہینہ کا شوہر بھی اتر کر ہجوم کی طرف جاچکا تھا۔

شاہینہ اپنے رشتے کی خالہ سے لپٹ گئی جو کار میں اس کے ساتھ جارہی تھیں۔

''کیا ہوا بھیا کو خالہ جان؟'' وہ رو رہی تھی اور چیخ رہی تھی۔

بے چاری خالہ جان خود واویلا کرتی سینہ پیٹ رہی تھیں۔

کرنل صہبائی نے ہجوم میں گھس کر مسعود کا سر اپنی گود میں لے لیا تھا جس کا سوٹ سینے کے پاس سے سرخ ہوچکا تھا اور اس وقت بھی خون کے بہاؤ میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ مہمانوں میں سے کوئی ڈاکٹر اس کا معائنہ کررہا تھا۔

شمشاد صاحب چیخے۔ ''ارے کوئی ایمبولینس کے لیے فون کرو۔''

خود ان کا موبائل اس بھگدڑ میں کہیں گر گیا تھا۔

اس وقت کئی افراد اپنے موبائل پر اسپتالوں سے رابطے کرکے ایمبولینس کے لیے کہہ رہے تھے۔

مسعود کا معائنہ کرنے والے نے کرنل صہبائی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر افسردگی سے کہا۔ ''سوری کرنل صاحب! ہی از نو مور۔''

ہی از نو مور!

ہی از نو مور!

ہی از نو مور!

کرنل صہبائی کے دماغ میں اس آواز کی گونج پھیلتی چلی گئی۔

''مسعود چلا گیا۔'' کوئی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے چیخا تھا۔

اس بھونچالی کیفیت میں [illegible] ...وہ آواز [illegible] بھائی [illegible] چیخ [illegible]...

''...نہیں!'' پینا چیخ پھاڑ کر چیخی اور پھر تابندہ بھی اسے نہیں سنبھال سکی۔ وہ زمین پر گر کر پچھاڑیں کھانے لگی۔

تابندہ بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ اسے بھی مسعود اپنے سگے بھائی فراز کی طرح عزیز تھا۔

کار میں شاہینہ صدمے سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اسے کچھ عورتیں اٹھا کر حویلی میں لائیں۔

جشن کا گھر، ماتم کدہ بن چکا تھا۔ شاہینہ کی رخصتی نہیں ہوسکی۔ قدرت نے کرنل صہبائی کے حکم پر خط تنسیخ پھیر دیا تھا۔

کئی عورتیں بہ مشکل ہی پینا کو حویلی میں لاسکیں۔ اکیلی تابندہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کی حالت بھی غیر تھی۔

پولیس بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ کالونی کیونکہ ریٹائرڈ فوجی افسران کی تھی اس لیے پولیس کی گاڑیاں وہاں گشت کرتی ہی رہتی تھیں۔ انہوں نے مسعود کی لاش اپنی تحویل میں لے لی۔

''اعجاز!'' شمشاد صاحب کرنل صہبائی سے لپٹ کر رونے لگے۔ ''یہ کیا ہوگیا اعجاز!''

اس وقت کرنل صہبائی کا دل بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہوگا لیکن اس ریٹائرڈ کرنل کا چہرہ پتھرایا ہوا سا تھا۔

''بھائی صاحب!'' کرنل صہبائی نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''خود کو سنبھالیے تاکہ بچوں کو بھی سنبھال سکیں۔''

اس وقت بابر، بادل اور شیراز بھی رو رہے تھے۔ صرف ظفر کی حالت ایسی تھی جیسے سکتے میں آگیا ہو۔

ہر طرف سرگوشیاں ہورہی تھیں کہ خوشی کے مواقع پر ہوائی فائرنگ کرنا ایک بے ہودہ رواج ہے۔ ان سرگوشیوں کی بھنک کرنل صہبائی کے کانوں میں بھی پڑی۔

''نہیں۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولے۔ ''ہوائی فائرنگ سے گولی اس طرح نہیں لگتی۔ کسی نے قتل کیا ہے میرے بیٹے کو۔''

اسی وقت راحیل دوڑتا ہوا کرنل صہبائی کے قریب پہنچا اور ہانپتا ہوا بولا۔ ''پولیس والوں کی باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ ڈیڈ باڈی اسپتال لے جائیں گے۔ مسعود کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا۔ انہیں روکیے انکل!''

''نہیں۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''پوسٹ مارٹم ہونا چاہیے۔ میں ڈیمانڈ کروں گا کہ مکمل تفتیش کی جائے۔ یہ سب کچھ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یہ قتل ہے۔''

یہ قتل ہے!

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

یہ قتل ہے!

ایک اور گونج پھیلی جس سے حویلی کے در و دیوار ایک بار پھر تھرا گئے ہوں گے۔

قاتل کون ہے؟

قتل کیوں کیا گیا؟

یہ سوالات پولیس کے دماغ میں تھے۔

اس موقع پر کرنل صہبائی کا بارسوخ ہونا ان لوگوں کے کام آگیا جنہوں نے ہوائی فائرنگ کی تھی۔ فوری طور پر تو ان سب کو گرفتار کرہی لیا جاتا۔ بعد میں جو کچھ ہوتا، وہ بعد کی بات تھی۔

''میں صرف قاتل کی گرفتاری چاہتا ہوں۔'' کرنل صہبائی نے فون پر حکومت کی کسی بہت اہم شخصیت سے کہا تھا۔

پھر رات گئے تک سبھی مہمان دھیرے دھیرے رخصت ہوگئے۔ صرف وہ اعزا باقی بچے جو دوسروں شہروں سے یا بیرون ملک سے آئے تھے۔ ان کا قیام ہی حویلی میں تھا۔ وہ سب حویلی کے لوگوں کی دل جوئی میں لگے ہوئے تھے۔

شاہینہ کو ہوش آچکا تھا لیکن ہوش میں آنے کے بعد وہ پچھاڑیں کھانے لگی تھی۔ اسے سنبھالنا سب سے مشکل ثابت ہورہا تھا۔ پینا خود کو سنبھال چکی تھی لیکن شاید اسے سنبھالا لینا نہیں کہا جاسکتا تھا۔ وہ اب سکتے کی سی حالت میں بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تابندہ کا چہرہ اب بھی اشک آلود تھا۔

جو اعزا حویلی میں مقیم تھے، ان کے علاوہ وہاں شاہینہ کی سسرال کے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں شاہینہ کا شوہر بھی تھا۔ ان لوگوں کے علاوہ وہاں رکنے والوں میں تابندہ، فراز اور ان کے والدین بھی تھے۔

''بیٹے!'' کرنل صہبائی نے شاہینہ کے شوہر سے کہا۔ ''رخصتی اب کچھ عرصے بعد ہی ہوسکے گی۔''

''اس پہاڑ جیسے غم کا احساس مجھے پوری شدت سے ہے ابا جان... جو اس حویلی پر ٹوٹا ہے۔'' شاہینہ کے شوہر نے کہا۔ ''مسعود بھیا اب میرے لیے بھی غیر تو نہیں رہے تھے۔''

کرنل صہبائی نے اپنا مضبوط ہاتھ اپنے داماد کے کندھے پر رکھ دیا لیکن زبان سے مزید کچھ نہیں کہا۔

دوسرے دن دوپہر کو مسعود کی میت اسپتال سے [illegible] گئی۔ اس وقت حویلی کا ماحول ایک بار پھر محشر سماں ہوگیا۔ جو لوگ گزشتہ رات خوشی کی ایک تقریب میں آئے تھے، اس روز وہ اس ماتم کدے میں شرکت کے لیے آئے۔ جو محشر حویلی میں برپا تھا، وہ اس وقت محشر اکبر بن گیا جب مسعود کو قبرستان رخصت کیا جارہا تھا۔ اس دن اس کی واپسی لندن ہونا تھی لیکن قدرت کا قانون اس سے بڑا تھا۔

لوگ جب قبرستان سے لوٹے تو حویلی پر ایک سوگوار سکوت طاری تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کرنل صہبائی کے علم میں آچکی تھی۔ رپورٹ کے مطابق مسعود پر لگ بھگ آٹھ فٹ کے فاصلے سے گولی چلائی گئی تھی جس نے اس کے دل میں سوراخ کردیا تھا۔ گولی اعشاریہ دو پانچ کے تمنچے سے پستول سے چلائی گئی تھی۔

''تفتیش جاری ہے کرنل صاحب!'' ڈی آئی جی پولیس نے کرنل صہبائی کے استفسار پر کہا۔ ''لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس قسم کے معاملات کا نتیجہ فوری طور پر سامنے آجائے۔''

جواب معقول تھا۔ کرنل صہبائی کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سامنے آجانے کے بعد پینا کا چچازاد بھائی شیراز تیزی سے اپنے کمرے میں گیا تھا اور پھر واپس آکر اس نے کرنل صہبائی کو اطلاع دی تھی کہ اعشاریہ دو پانچ کا پستول اس کے پاس تھا لیکن اب وہ اس کی میز کی دراز میں نہیں ہے۔

''میں اندازہ بھی نہیں لگاسکتا کہ وہ کس نے چوری کیا ہوگا۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔ ''میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ کل دوپہر تک میری میز کی دراز ہی میں تھا۔''

کرنل صہبائی غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگے۔ اس نے نظریں جھکالیں۔

''کل رات جو ہوائی فائرنگ ہوئی تھی، تم اس میں شریک نہیں تھے؟'' کرنل صہبائی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''جی نہیں چچا جان! میں اس قسم کی حرکتوں میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔''

''فوری طور پر پولیس اسٹیشن جاؤ اور اس چوری کی رپورٹ درج کرادو۔''

شیراز کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اس نے کہا۔ ''وہ شبہے میں مجھے گرفتار کرسکتے ہیں۔''

''نہیں کریں گے۔ میں ڈی آئی جی سے بات کرچکا

digestpk.blogspot.com

...کی جائے۔ ہاں، اگر انہیں کوئی ٹھوس ثبوت مل گیا تو مجھ سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں رکھنا۔ اگر میرے بیٹے کو بھائی صاحب نے قتل کیا ہے تو میں انہیں بھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"میں بے قصور ہوں چچا جان!"

"تو فوراً جا کر چوری کی رپورٹ درج کرا دو۔"

"وہ مجھ پر شبہ تو کرنے ہی لگیں گے۔"

"اور اس میں ان کی نہیں، سراسر تمہاری غلطی ہوگی۔ اگر کوئی اسلحہ اپنے ساتھ رکھا جائے تو پھر اس کے لیے احتیاط بھی ضروری ہوتی ہے۔ تم نے احتیاط نہیں برتی لہٰذا پولیس تم پر شبہ کرنے میں حق بہ جانب ہوگی۔ بس اب جاؤ۔"

شیراز چلا گیا اور کرنل صہبائی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وہ پولیس والوں کی طرح سوچنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کے خیال میں اس بات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ شیراز کا پستول واقعی چوری کیا گیا ہو۔

اب ان کے ذہن میں یہ بات بھی آئی کہ قاتل گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔ کسی باہر والے کے لیے شاید مشکل تھا کہ وہ شیراز کا پستول چرا لیتا۔ باہر کے صرف دو ہی افراد تھے جو حویلی میں آزادانہ آ جا سکتے تھے... فراز اور راحیل۔

کرنل صہبائی کے دماغ میں سوال ابھرا کہ فراز، راحیل یا گھر کے کسی فرد کو مسعود سے آخر کیا دشمنی ہوگی؟ یا اسے قتل کر کے وہ کیا فائدہ اٹھا سکیں گے؟

کرنل صہبائی نے اس معاملے میں ڈی آئی جی سے بات کی تاکہ تفتیش کا دائرہ محدود کیا جا سکے۔

☆☆☆

زندگی کا یہ پہلو شاید بہت سفاک کہا جا سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ عزیز ترین ہستیوں کا غم بھی دھیرے دھیرے کم ہوتا چلا جاتا ہے ورنہ یہ دنیا شاید کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔

حویلی کی زندگی بھی اپنے معمول کی طرف لوٹتی چلی گئی۔

مسعود کے چہلم کے پانچ دن بعد شاہینہ کو سادگی کے ساتھ اس کی سسرال رخصت کر دیا گیا۔

بینا کو تابندہ نے اس کی مطلوبہ دوائیں لا دی تھیں۔ ایک دوا کا استعمال اس نے فوری طور پر کر لیا تھا۔ دوسری دواؤں کے لیے اسے ان کے صحیح استعمال کے وقت کا انتظار کرنا تھا۔

اس وقت کو وہ بہت جلد اپنے قریب گھسیٹ لاتی لیکن

مسعود کی غیر طبعی موت نے حویلی کی فضا یکسر بدل دی تھی۔ ...

اس نے ایک بار پھر اس بارے میں سوچنا شروع کیا۔ بھائی کا غم اپنی جگہ لیکن وہ اس رات کو ہمیشہ کے لیے فراموش نہیں کر سکتی تھی جب اس کی دوشیزگی پر ڈاکا پڑا تھا۔

تابندہ اس دوران میں روز ہی اس کے پاس آتی رہتی تھی اور اس کی دل جوئی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارتی تھی۔ بینا سے باتیں کرتے ہوئے مسعود کی موت یا اس قیامت کی رات کے ذکر سے اس نے ہمیشہ گریز کیا تھا لیکن خود اس رات کے بارے میں اس نے بہت زیادہ شاید اس لیے سوچا تھا کہ بیچ میں بابر کی شخصیت بھی آ گئی تھی۔

کھانے کے دوران میں بینا نے اپنے جسم پر ہونے والی چبھن کا ذکر کیا تھا اور سامنے تابندہ کو بابر کی شکل نظر آئی تھی تو اسے خاصا دھچکا لگا تھا۔

اس سے پہلے اس نے بینا کی چبھن والی بات کو ہمیشہ نفسیاتی پیرائے میں سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ جن لوگوں کی بصارت زائل ہو جاتی ہے، ان کی دیگر حسیات زیادہ طاقت حاصل کر لیتی ہیں لیکن چبھن کی بات کو اس نے دوسرے پہلو سے دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں وہ چبھن ایک قطعی نفسیاتی معاملہ تھا۔ بینا کیونکہ دیکھ نہیں سکتی تھی لہٰذا اس کے دماغ میں یہ خیال جم سکتا تھا کہ جب وہ سہارا لے کر چلتی ہوگی تو لوگ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتے ہوں گے، اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوں گے۔ بس اسی یقین کی وجہ سے اسے اپنے جسم پر نگاہوں کی چبھن کا احساس ہوتا ہوگا۔

مگر اس دن تابندہ چونک گئی تھی جب بینا نے خاص طور پر اپنے جسم کے مختلف اعضا پر کسی کی نگاہوں کی چبھن کا اظہار کیا تھا۔

وہ چبھن بھی ایک خاص قسم کی تھی۔ بینا نے اس بارے میں کہا تھا کہ ایسی ہی چبھن اس نے اس رات بھی محسوس کی تھی جب کسی نے اسے لوٹ لیا تھا۔

بابر کے اس سلسلے میں مشکوک ہونے کے خیال نے تابندہ کو مسلسل پریشان رکھا تھا۔ اس کے دل و دماغ باور کرنے پر آمادہ نہیں تھے کہ بابر ایسا ہوگا۔ وہ دونوں تنہائی میں بھی ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے اور بابر نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے یہ اشارہ ملتا کہ وہ کج رو تھا۔

حویلی کی فضا جب بڑی حد تک معمول پر آ گئی تو تابندہ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

... نئے انداز میں بات کرتا اور اسے پرکھنا چاہتی تھی۔ اس نے موبائل فون پر بابر سے رابطہ کیا۔

"کہیں ملو بابر۔" اس نے کہا۔ "بہت دن ہو گئے ہیں تم سے ملے ہوئے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم روزانہ حویلی آتی ہو، روزانہ ہی ملاقات ہوتی ہے۔"

"میں تنہائی میں ملنے کی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ، اچھا۔"

"کیا تمہارا دل اب نہیں چاہتا؟"

"کیا اکھڑی اکھڑی باتیں کرنا شروع کر دیں تم نے؟ میرا دل کیوں نہیں چاہے گا؟ لیکن گزشتہ دنوں کے حالات سے تم بے خبر نہیں ہو۔ اس پریشانی میں خیال ہی نہیں رہا۔"

"اب تو فضا کچھ ٹھیک ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" بابر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "لیکن ایک خلش سی تو ابھی باقی ہے۔" اس کے لہجے میں افسردگی آ گئی۔ "ابھی تک بھیا کے قاتل کا بھی کچھ پتا نہیں چلا ہے۔"

"ہم اس بارے میں بھی بات کریں گے۔"

"ہم اس بارے میں کیا بات کر سکتے ہیں؟"

"جیسی باتیں حویلی میں کی جاتی ہیں۔ جو حویلی میں نہیں رہتے مگر جن کا حویلی سے کچھ تعلق ہے، وہ بھی قیاس آرائیاں تو کرتے ہی ہوں گے۔"

"اچھا خیر! تو کہاں ملیں؟"

"جہاں پہلے ملتے رہے ہیں۔"

"آج؟"

"نہیں... آج نہیں، کل۔" تابندہ نے کہا۔ "کل اتوار ہے۔ بھائی جان اتوار کو گھر سے کہیں نہیں جاتے۔ میں ان سے کار لے لوں گی۔ ٹیکسی کر کے نہیں آنا پڑے گا۔"

تابندہ کے گھر میں دو کاریں تھیں۔ فراز کی کار تابندہ کبھی کبھی اس سے لے لیا کرتی تھی۔ اس کے والد اسے اپنی کار نہیں دیتے تھے۔ ہمیشہ اپنے شوفر کو اس کے ساتھ کر دیتے تھے۔ وہی اسے حویلی بھی لاتا لے جاتا تھا۔

بابر بولا۔ "ٹیکسی ہی کر کے آتی ہو تو اچھا رہتا ہے۔"

تابندہ جب ٹیکسی سے جاتی تھی تو ان دونوں کو سارا وقت ریسٹورنٹ میں نہیں گزارنا پڑتا تھا۔ وہ بابر کی کار میں بیٹھ جاتی تھی۔ دونوں لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے تھے۔ باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں اور ایک اعتبار سے تفریح بھی ہو جاتی تھی۔ وہ دونوں جس ریسٹورنٹ میں ملاقات کرتے تھے، وہ

کیا آپ
لبوب مقوی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے اعصابی کمزوری دور کرنے تھکاوٹ سے نجات اور مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے کستوری عنبر زعفران جیسے قیمتی اجزاء والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب ایک بار آزما کر دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بے پناہ اعصابی قوت والی لبوب مقوی اعصاب ٹیلیفون کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی VP منگوالیں فون صبح 10 بجے تا رات 9 بجے تک

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
(دیسی یونانی دواخانہ)
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0301-6690383

آپ صرف فون کریں۔ آپ تک لبوب مقوی اعصاب ہم پہنچائیں گے...

digestpk.blogspot.com

شہری حدود سے باہر تھا۔ وہاں اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی انہیں دیکھ لے گا۔ واپسی پر بابر اسے شہری حدود میں داخل ہونے کے بعد اپنی کار سے اتار دیتا تھا۔ وہاں سے وہ ٹیکسی کر لیا کرتی تھی۔

بابر کی بات کے جواب میں اس نے کہا۔ ''اچھا، ٹیکسی ہی کر کے آجاؤں گی لیکن کل ہی آؤں گی۔ آج موقع نہیں مل سکتا۔ ابھی مجھے حویلی ہی آنا ہے۔''

''کیوں؟ صبح تو جا چکی ہو تم بینا سے مل کر۔''

''اس وقت میں بینا سے ملنے نہیں آرہی ہوں۔ مجھے چچا جان نے بلایا ہے۔ فون کیا تھا انہوں نے۔''

''کرنل چچا نے؟'' بابر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''یہ تو مجھے وہاں آکر معلوم ہوگا۔ ابھی تو میں گھر پر ہوں۔ میں بس نکل ہی رہی تھی کہ تمہیں فون کرنے کا خیال آگیا۔ اچھا، اب میں بند کر رہی ہوں۔''

''اوکے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایسی آواز آئی جیسے بابر نے ماؤتھ پیس چوما ہو۔

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تابندہ نے بھی ماؤتھ پیس چوم لیا۔ اگر ان دونوں کی اس حرکت کو ''قربت'' کہا جا سکے تو ان میں بس اتنی ہی قربت تھی۔ تنہائی کی ملاقاتوں میں بھی وہ اس حد تک قریب کبھی نہیں ہوئے تھے۔ بابر کے چہرے سے بھی کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا کہ اس کے دل میں کوئی ایسی خواہش ہوگی، اسی لیے تابندہ کو یہ یقین کرنے میں تامل تھا کہ بینا کو برباد کرنے والا بابر ہوگا۔

وہ اپنے ڈیڈی کے کمرے میں گئی۔ وہیں اس کی والدہ بھی تھیں۔

''ارے! تم ابھی تک گئی نہیں؟'' اس کے ڈیڈی بولے۔ ''میں نے تو ایک ملازم سے شوفر کو کہلوا دیا تھا۔ وہ گاڑی لیے تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔''

''دراصل ایک دوست سے فون پر بات کرنے میں کچھ وقت گزر گیا۔ بس اب جا رہی ہوں۔ میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ چچا جان نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ انہوں نے آپ کو تو بتا دیا ہوگا۔''

''ہاں، مجھے بتا دیا تھا اس نے... بس اب دیر نہ کرو۔ وہ انتظار کر رہا ہوگا تمہارا۔ تم وہاں جاؤ گی تو معلوم ہو ہی جائے گا۔''

تابندہ متجسس تھی لیکن باپ سے مزید بات کرنا بھی اس ... شی تھا وہ ''خدا حافظ'' کہہ کر ... نکل آئی۔

شوفر گاڑی لیے اس کا منتظر تھا۔

تابندہ جلد ہی حویلی پہنچ گئی۔ کرنل صہبائی اس کے منتظر تھے۔ تابندہ نے انہیں سلام کیا۔

''جیتی رہو۔ کچھ دیر لگا دی تم نے۔''

''جی وہ... ایک ضروری فون کرنا پڑ گیا تھا۔''

''اچھا خیر، بیٹھو۔''

مسعود کے قتل کے بعد سے کرنل صہبائی خاصے بدل گئے تھے ورنہ اس وقت تابندہ کو ان کی تھوڑی بہت ڈانٹ سننا پڑتی۔

تابندہ کے بیٹھنے کے بعد وہ بولے۔ ''دراصل آج بھائی صاحب پھر وہی ذکر لے بیٹھے۔ اگرچہ حویلی میں سبھی کے زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے ہوں گے اس لیے بھائی صاحب کا یہ ذکر چھیڑنا شاید مناسب نہیں تھا لیکن میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ دراصل انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ اس طرح گھر کی سنبھلتی ہوئی فضا کو مزید سنبھالا دیا جائے۔ جو چلا گیا، وہ تو چلا گیا... اب واپس نہیں آئے گا اور دوسرے لوگ اس طرح جانے والوں کے ساتھ نہیں جاتے۔ یہ دستور ہے دنیا کا۔''

تابندہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ کرنل صہبائی کی تمہید باندھنے کی عادت سے ناواقف نہیں تھی۔ اس نے شمشاد صاحب کا ذکر آجانے کی وجہ سے بات بھی سمجھ لی تھی لیکن اس نے کرنل صہبائی کے مزید بولنے کا انتظار کیا۔

کرنل صہبائی بولے اور اس مرتبہ صاف صاف بولے۔ ''بینا سے بات کی تم نے؟''

''جی۔'' تابندہ نے کہا۔ ''اسی دن بات کرنے کا موقع مل گیا تھا لیکن بہت سرسری بات ہوئی تھی۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے بات اس کے کان میں ڈال دی تھی۔ اس کے بعد حالات ہی کچھ ایسے رہے کہ میں اس سے اس کی رائے لیتی۔''

''تو جاؤ، ابھی جا کر بات کرو اس سے۔ میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مسعود کی برسی سے پہلے اس گھر میں شادیانے نہیں بج سکتے لیکن بھائی صاحب کا یہ خیال ٹھیک ہی ہے کہ گھر میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں تو ماحول بہتری کی طرف جائے گا۔''

تابندہ کھڑی ہوگئی۔ بینا اپنے کمرے ہی میں تھی۔

''تابندہ... خیریت؟'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔ ''

تابندہ کی آہٹ ... [illegible] ... سی لگی ہو کہ تابندہ وہ گھنٹے پہلے ہی اس سے مل کر گئی تھی۔

تابندہ نے جواب میں اسے بتا دیا کہ وہ کیوں آئی تھی اور کرنل صہبائی نے اس سے کیا باتیں کی تھیں۔

''ہاؤل۔'' بینا نے ایک طویل سانس لی اور پھر بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ ''تو پہلے اسے ہی دیکھ لیا جائے۔''

''دیکھ لیا جائے... کیا مطلب؟''

''چندا!'' بینا نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''بھیا کی موت کا صدمہ اگرچہ پوری طرح زائل نہیں ہوا ہے لیکن میں اس رات کو بھی نہیں بھول سکی ہوں۔''

''وہ تو ظاہر ہے... لیکن یہ تم نے کیا کہا کہ پہلے اسے ہی دیکھ لیا جائے؟''

''میرا مطلب ہے، میں یہ جان لوں کہ اس رات وہ تو نہیں تھا۔''

''یہ تم کیسے جان سکتی ہو؟''

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں اسے تلاش کر کے رہوں گی۔''

''اور اس وقت بھی میں نے پوچھا تھا کہ کیسے؟''

بینا چند لمحے خاموشی سے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''تمہیں تو میں بتا دوں گی۔ تمہارے سوا میں دنیا میں کسی کو بھی نہیں بتاتی کہ میں نے کیا سوچا ہے اور میں کیا کرنا چاہتی ہوں۔ ہاں، یہ ضرور ابھی سے کہے دیتی ہوں کہ میں اپنے منصوبے کی ایک بات تم سے چھپاؤں گی۔ وقت آنے پر تمہیں خود ہی اس کا علم ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ تم جو کچھ بتا سکتی ہو، وہ تو بتاؤ۔''

بینا نے اسے بتا دیا کہ اس کا کیا ارادہ تھا۔

تابندہ کانپ گئی۔ ''کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟'' اس کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔

''نہیں۔'' بینا نے بڑے سکون سے کہا۔ ''میں پاگل نہیں ہوں۔ یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟''

''تم نے جو کچھ سوچا ہے، یہ پاگل پن نہیں؟''

''نہیں۔'' بینا کے سکون میں بظاہر کوئی فرق نہیں آیا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ اس وقت اس کے وجود میں آندھیاں نہ چل رہی ہوں۔ اس نے کہا۔ ''میں نے بہت سیدھے سادے انداز میں سوچا ہے۔ لڑکی ایک مرتبہ برباد ہو جائے تو بس ہو گئی برباد۔ اس کے بعد دس مرتبہ اور بھی برباد ہو جائے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''تم ضرور پاگل ہو گئی ہو۔'' تابندہ نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

بینا دھیرے سے ہنس دی۔ اس کی ہنسی ہذیانی سی تھی۔

''تم ایسا نہیں کرو گی۔'' تابندہ نے اسے پھر جھنجوڑ ڈالا۔

''میں ایسا ضرور کروں گی۔'' بینا نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اسے تلاش کرنا اب میری زندگی کا واحد مقصد ہے۔''

''یہ معلوم کر کے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟'' تابندہ نے وحشت سے پوچھا۔

''پھر میں اس سے شادی نہیں کروں گی اور اگر پھر کسی سے میری شادی ہوئی تو میں شادی سے پہلے اسے اپنی ساری کہانی سنا دوں گی... لیکن شاید اس کا موقع ہی نہیں آسکے۔''

''بینا... بینا!'' تابندہ سسکیاں لینے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے تھے۔

''اچھی طرح رو لو۔'' بینا کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''سارے آنسو بہا ڈالو اپنے۔ میں نہیں چاہتی کہ آج کے بعد جب بھی مجھ سے ملو، رونا شروع کر دو... بس آج آخری بار۔ اور ہاں! ابا جان سے کہہ دینا کہ میں ابھی بھیا کی موت کے صدمے سے باہر نہیں آئی ہوں... اور جب تک بھیا کا قاتل گرفتار نہیں ہو جاتا، میں یہ بھی سوچنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ مجھے اس قسم کی باتوں پر سوچنا بھی چاہیے یا نہیں۔''

تابندہ بستر پر گر پڑی اور تکیے میں منہ چھپا کر روتی رہی۔

بینا اب بالکل ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

صبح ہوئی، معمول کے مطابق حویلی کے سب لوگوں نے مقررہ وقت پر ناشتا کیا۔ جنہیں اپنے کمروں میں جانا تھا، وہ کمروں میں چلے گئے۔ جنہیں کوئی گھریلو مصروفیت تھی، وہ اس میں مصروف ہو گئے۔ بینا بھی کسی سہارے کے بغیر اپنے کمرے میں آگئی۔ شادی کے ہنگاموں کی بات اور تھی کہ اسے تابندہ کا سہارا لینا پڑا تھا۔ عام حالات میں اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ بس کسی نہ کسی دیوار پر ہاتھ پھسلاتی ہوئی نہ صرف ساری حویلی میں گھوم سکتی تھی بلکہ پائیں باغ میں بھی چلی جاتی تھی۔ بس مسعود کی ہلاکت کے بعد سے اس نے پائیں باغ کا رخ کرنا چھوڑ رکھا تھا۔

جب اس کی بصارت زائل ہوئی تھی تو کرنل صہبائی نے خصوصی طور پر اس کے لیے ایک پڑھی لکھی عورت ملازم رکھی تھی لیکن بینا نے ایک ماہ بعد ہی یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ اس نے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کرنل صہبائی سے کہا کہ وہ اپنی باقی زندگی کسی بھی دوسرے سہارے کے بغیر گزارنا چاہتی ہے۔

"حویلی کا ایک ایک کمرا، ایک ایک دریچہ، ایک ایک راہ داری میرے دماغ میں کسی نقشے کی طرح موجود ہے ابا جان!" اس نے کرنل صہبائی سے کہا۔ "میں کسی سہارے کے بغیر پھاٹک تک بھی جاسکتی ہوں اور باہر کہیں مجھے جانا ہی نہیں ہے۔۔۔ اور اگر کسی وجہ سے باہر جانا ہوگا بھی تو پھر وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی ہوگا۔"

کرنل صہبائی احتیاط ضروری سمجھ رہے تھے لیکن بینا کی ضد کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔ بصارت زائل ہونے سے پہلے بینا کو ان سے اس طرح ضد کرنے کی ہمت کبھی نہیں پڑسکی تھی۔ حویلی میں کوئی بھی کرنل صہبائی کے سامنے زیادہ نہیں بول سکتا تھا۔ یہاں تک کہ شمشاد صاحب کو بھی اکثر ان کے سامنے خاموشی اختیار کرنا پڑتی تھی۔

بینا کی ضد کی وجہ سے ملازمہ کی چھٹی کردی گئی۔ بینا نے کسی سہارے کے بغیر ساری حویلی میں گھومنا شروع کردیا تھا۔ ابتدا میں اس نے محسوس کیا تھا کہ کرنل صہبائی ایک ہفتے تک مسلسل اس کی نگرانی کرتے رہے تھے، اس کے بعد انہیں اطمینان ہوگیا۔

بصارت زائل ہونے کے بعد کی دس سالہ زندگی میں اس نے شاہینہ کی شادی کے موقع پر پہلی مرتبہ تابندہ کا یا دو مواقع پر شاہینہ کی ایک سہیلی کا سہارا اس لیے لیا تھا کہ حویلی میں بہت زیادہ چہل پہل رہنے لگی تھی۔

مسعود کی موت کے بعد اس نے حویلی میں گھومنا چھوڑ دیا۔ زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتی لیکن اس دن اس نے دس بجے کے قریب پائیں باغ کا رخ کیا۔ صبح ہی سے وہ گھر کے ملازمین سے بار بار پوچھتی رہی کہ گھر کے لوگ اس وقت کہاں کہاں ہیں اور دس بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے جب اسے معلوم ہوا کہ باذل اور شیراز کو پائیں باغ میں جاتے دیکھا گیا تھا۔

یہ علم ہونے کے بعد ہی وہ پائیں باغ میں پہنچی۔

"ارے، بینا!" شیراز کی آواز ایسی تھی جیسے وہ بینا کو پائیں باغ میں دیکھ کر خوش ہوا ہو۔

"ہاں شیراز!" بینا نے کہا۔ "اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ ذرا کھلی فضا میں نکلا جائے۔"

"یہ تو اچھا ہے۔" شیراز نے کہا۔ "تم نے تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کرلیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ انسان کچھ [illegible]

"تم اس وقت یہاں سے [illegible]

"آج اتوار ہے بینا!"

"اوہ!" بینا نے ظاہر کیا جیسے اسے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھ رہی تھی۔

"آگے حوض ہے بینا!" شیراز جلدی سے بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔" بینا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اگر تم کہو تو یہ بھی بتادوں کہ کون سا پودا اور کون سا درخت کہاں ہے۔"

شیراز اس طرح دھیرے سے ہنس دیا جیسے جھینپ گیا ہو۔ "ہاں بینا!" اس نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم بتا سکتی ہو۔ بس ڈیڑھ دو مہینے ہی سے تو تم نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

بینا حوض سے کترا کر آگے نکلی۔ اپنے اٹھتے ہوئے قدموں کا شمار وہ لاشعوری طور پر کرتی رہتی تھی۔

باذل کی آواز سنائی نہ دینے کی وجہ سے وہ اندرونی طور پر مضطرب ہوگئی۔ اس نے پائیں باغ کا رخ ہی باذل کی وجہ سے کیا تھا۔

"اکیلے ہی چہل قدمی کر رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"باذل بھی ہے۔" شیراز نے جواب دیا۔ "وہ اس طرف بڑے حوض کے آگے جو درخت ہیں، ان کے پیچھے کوئی پودا ٹھیک کرنے چلا گیا ہے۔ اسے بھی تو شوق ہے باغبانی کا۔" وہ دھیرے سے ہنسا پھر اس نے باذل کو پکارا۔

جواب میں باذل کی آواز کچھ دور سے آئی۔ "کیا ہے بھئی۔۔۔ تم کرتے رہو چہل قدمی، مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

"ارے دیکھو تو کون آیا ہے۔"

بینا سفید گلاب کے پودوں کے پاس رک گئی۔ اس کے ساتھ شیراز بھی رک گیا۔

باذل نے کہیں سے نکل کر یا اٹھ کر ان کی طرف دیکھا ہوگا۔

"اوہو، بینا!" اس کی آواز میں کچھ حیرت اور کچھ خوشی تھی۔

"شیراز!" بینا بولی۔ "اس طرف سفید گلاب لگے ہوئے ہیں نا؟"

"ہاں، کرنل چچا نے یہ تمہاری ہی خواہش پر تو لگوائے تھے۔"

بینا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میں انہیں اپنے تصور ہی میں دیکھ سکتی ہوں۔ دس سال پہلے اپنی آنکھوں سے [illegible]

شیراز [illegible] آگئی تھی جو الیہ پہلو رکھتی تھی۔

باذل بہت تیزی سے ان کے قریب آیا۔

"بہت اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر بینا!" اس نے کہا اور ایک سفید گلاب توڑ کر اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ لو۔"

"کیا ہے؟" بینا نے کہتے ہوئے ہاتھ کچھ آگے بڑھایا۔

"تمہارا پسندیدہ پھول۔" باذل نے کہا۔

"شکریہ باذل!" بینا نے پھول لے لیا۔

"اچھا، مجھے تو اچانک ایک کام یاد آگیا۔" شیراز بولا۔ "تم دونوں باتیں کرو، میں چلتا ہوں۔"

بینا خود بھی چاہتی تھی کہ اس وقت شیراز وہاں نہ ہو لیکن شیراز جس طرح رخصت ہوا، اس سے بینا نے محسوس کیا کہ شیراز نے دانستہ ان دونوں کو تنہا چھوڑا تھا۔ حویلی میں ان دونوں کے بارے میں جو بات چل رہی تھی، وہ اس کے کان میں بھی پڑ چکی ہوگی۔

"بڑے حوض کے آگے میں ایک انگلش پودا لگا رہا ہوں۔" باذل اس طرح بولا جیسے مقصد صرف کوئی بات چھیڑنا ہو۔

"باذل!" بینا سنجیدگی سے اور آواز مدھم کرکے بولی۔ "ہم دونوں کے سوا تو اب یہاں کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں، کیوں؟" باذل نے تعجب کا اظہار کیا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ اچھا ہوا تم یہاں مل گئے۔"

"کیا بات کرنی ہے بینا!"

"تنہائی میں کرنی ہے۔"

"اب یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"ذرا طویل گفتگو ہے۔ شاید کوئی اس طرف نکل آئے۔ بات ادھوری رہ جائے گی۔ کیا تم میرے کمرے میں نہیں آسکتے؟"

"آسکتا ہوں۔ تم چلو۔ میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"

"ابھی نہیں۔" بینا نے کہا۔ "رات کو۔ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد۔ اور ہاں، کسی کو بھی بتانا نہیں کہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔ دروازہ تمہیں اندر سے بند نہیں ملے گا۔"

اگر بینا کی بصارت زائل نہ ہوئی ہوتی تو وہ دیکھتی کہ اس وقت باذل عجیب سے انداز میں اس کا منہ تکنے لگا تھا۔

"آؤ گے نا؟" بینا کچھ توقف سے بولی۔

"آجاؤں گا۔" باذل نے اس انداز میں کہا جیسے [illegible] بولنے میں دقت محسوس کر رہا ہو۔

"اس گلاب کا ایک بار پھر شکریہ۔ تم جاکر اپنا پودا لگاؤ۔ میں اب چلتی ہوں۔" بینا واپسی کے لیے مڑگئی۔

باذل کھویا کھویا سا اپنی جگہ کھڑا رہ گیا جو بینا نہیں دیکھ سکی۔

اپنے کمرے میں جاکر بینا نے پھول ایک طرف ڈال دیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

"پہلی کامیابی تو ہوئی۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

اس وقت اس کے دماغ میں خیالات کا ایک دھارا بہہ نکلا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، شاید اس رات باذل نہ ہو لیکن ایک یقین تو ہوجائے گا۔ اس نے اپنے ذہن میں جو فہرست بنائی تھی، اس میں سے ایک نام کی کمی بھی ہوجاتی۔

بینا کو خود پر بہت اعتماد تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ خوب صورت لڑکی کی خود سپردگی کا عالم دیکھ کر بڑے بڑے زاہدانِ خشک کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ اگر اس رات باذل نہیں تھا اور اس کا مزاج بھی ایسا نہ ہوا تو بھی وہ اسے ڈگمگانے پر مجبور کردے گی۔

اس قسم کے خیالات میں لگ بھگ ایک گھنٹا گزر گیا۔ بینا بستر سے اٹھی۔ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری اپنے اختتام کو ہونا چاہیے تھی۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چل پڑی۔ اسے جو کام کرنا تھا، وہ انہی اوقات میں ہوسکتا تھا جب کچن میں ناشتے یا کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہوں۔ اس کے بعد وہاں کی انچارج دروازے لاک کردیتی تھی۔

حویلی میں دو چھوٹے کچن اور تھے جو کسی وقت بھی استعمال کیے جاسکتے تھے لیکن بینا کو جس چیز کی ضرورت تھی، وہ بڑے کچن ہی میں مل سکتی تھی۔

اس نے کچن میں قدم رکھا۔

"بڑی بے بی!"

"بڑی بے بی!"

"بڑی بے بی!"

کئی آوازیں بہ یک وقت ابھریں۔ حویلی میں اسی طرح شاہینہ کو "چھوٹی بے بی" کہا جاتا تھا۔

کچن میں دو خانساماؤں کے ساتھ دو خواتین بھی کام کرتی تھیں۔ کھانوں کی ماہر ایک ضعیف خاتون کو نگراں بنایا گیا تھا۔ اس کا کام صرف نگرانی ہی تھا۔ وہ خود کوئی کام نہیں کرتی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کرنل صہبائی سے کہا کہ وہ اپنی باقی زندگی کسی بھی دوسرے سہارے کے بغیر گزارنا چاہتی ہے۔

''حویلی کا ایک ایک کمرا، ایک ایک دریچہ، ایک ایک راہ داری میرے دماغ میں کسی نقشے کی طرح موجود ہے ابا جان!'' اس نے کرنل صہبائی سے کہا۔ ''میں کسی سہارے کے بغیر پھاٹک تک بھی جا سکتی ہوں اور باہر کہیں مجھے جانا ہی نہیں ہے... اور اگر کسی وجہ سے باہر جانا ہوگا بھی تو پھر وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی ہوگا۔''

کرنل صہبائی احتیاط ضروری سمجھ رہے تھے لیکن بینا کی ضد کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔ بصارت زائل ہونے سے پہلے بینا کو ان سے اس طرح ضد کرنے کی ہمت کبھی نہیں پڑ سکی تھی۔ حویلی میں کوئی بھی کرنل صہبائی کے سامنے زیادہ نہیں بول سکتا تھا۔ یہاں تک کہ شمشاد صاحب کو بھی اکثر ان کے سامنے خاموشی اختیار کرنا پڑتی تھی۔

بینا کی ضد کی وجہ سے ملازمہ کی چھٹی کر دی گئی۔ بینا نے کسی سہارے کے بغیر ساری حویلی میں گھومنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں اس نے محسوس کیا تھا کہ کرنل صہبائی ایک ہفتے تک مسلسل اس کی نگرانی کرتے رہے تھے، اس کے بعد انہیں اطمینان ہو گیا۔

بصارت زائل ہونے کے بعد کی دس سالہ زندگی میں اس نے شاہینہ کی شادی کے موقع پر پہلی مرتبہ تابندہ کا یا دو مواقع پر شاہینہ کی ایک سہیلی کا سہارا اس لیے لیا تھا کہ حویلی میں بہت زیادہ چہل پہل رہنے لگی تھی۔

مسعود کی موت کے بعد اس نے حویلی میں گھومنا چھوڑ دیا۔ زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتی لیکن اس دن اس نے دس بجے کے قریب پائیں باغ کا رخ کیا۔ صبح ہی سے وہ گھر کے ملازمین سے بار بار پوچھتی رہی کہ گھر کے لوگ اس وقت کہاں کہاں ہیں اور دس بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے جب اسے معلوم ہوا کہ باذل اور شیراز کو پائیں باغ میں جاتے دیکھا گیا تھا۔

یہ علم ہونے کے بعد ہی وہ پائیں باغ میں پہنچی۔

''ارے، بینا!'' شیراز کی آواز ایسی تھی جیسے وہ بینا کو پائیں باغ میں دیکھ کر خوش ہوا ہو۔

''ہاں شیراز!'' بینا نے کہا۔ ''اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ ذرا کھلی فضا میں نکلا جائے۔''

''یہ تو اچھا ہے۔'' شیراز نے کہا۔ ''تم نے تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ انسان کچھ وقت کھلی فضا میں بھی گزارا [illegible]

[illegible]

''آج اتوار ہے بینا!''

''اوہ!'' بینا نے ظاہر کیا جیسے اسے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھ رہی تھی۔

''آگے حوض ہے بینا!'' شیراز جلدی سے بولا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' بینا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اگر تم کہو تو یہ بھی بتا دوں کہ کون سا پودا اور کون سا درخت کہاں ہے۔''

شیراز اس طرح دھیرے سے ہنس دیا جیسے جھینپ گیا ہو۔ ''ہاں بینا!'' اس نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم بتا سکتی ہو۔ بس ڈیڑھ دو مہینے ہی سے تو تم نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔''

بینا حوض سے کترا کر آگے نکلی۔ اپنے اٹھتے ہوئے قدموں کا شمار وہ لاشعوری طور پر کرتی رہتی تھی۔

باذل کی آواز سنائی نہ دینے کی وجہ سے وہ اندرونی طور پر مضطرب ہو گئی۔ اس نے پائیں باغ کا رخ ہی باذل کی وجہ سے کیا تھا۔

''اکیلے ہی چہل قدمی کر رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

''باذل بھی ہے۔'' شیراز نے جواب دیا۔ ''وہ اس طرف بڑے حوض کے آگے جو درخت ہیں، ان کے پیچھے کوئی پودا ٹھیک کرنے چلا گیا ہے۔ اسے بھی تو شوق ہے باغبانی کا۔'' وہ دھیرے سے ہنسا پھر اس نے باذل کو پکارا۔

جواب میں باذل کی آواز کچھ دور سے آئی۔ ''کیا ہے بھئی... تم کرتے رہو چہل قدمی، مجھے اپنا کام کرنے دو۔''

''ارے دیکھو تو کون آیا ہے۔''

بینا سفید گلاب کے پودوں کے پاس رک گئی۔ اس کے ساتھ شیراز بھی رک گیا۔

باذل نے کہیں سے نکل کر یا اٹھ کر ان کی طرف دیکھا ہوگا۔

''اوہو، بینا!'' اس کی آواز میں کچھ حیرت اور کچھ خوشی تھی۔

''شیراز!'' بینا بولی۔ ''اس طرف سفید گلاب کے ہوتے ہیں نا؟''

''ہاں، کرنل چچا نے یہ تمہاری ہی خواہش پر تو لگوائے تھے۔''

بینا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میں انہیں اپنے تصور ہی میں دیکھ سکتی ہوں۔ دس سال پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی۔''

[illegible] شیراز [illegible] آج ہی جوا یہ پھول [illegible]

باذل بہت تیزی سے ان کے قریب آیا۔

''بہت اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر بینا!'' اس نے کہا اور ایک سفید گلاب توڑ کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ لو۔''

''کیا ہے؟'' بینا نے کہتے ہوئے ہاتھ کچھ آگے بڑھایا۔

''تمہارا پسندیدہ پھول۔'' باذل نے کہا۔

''شکریہ باذل!'' بینا نے پھول لے لیا۔

''اچھا، مجھے تو اچانک ایک کام یاد آ گیا۔'' شیراز بولا۔ ''تم دونوں باتیں کرو، میں چلتا ہوں۔''

بینا خود بھی چاہتی تھی کہ اس وقت شیراز وہاں نہ ہو لیکن شیراز جس طرح رخصت ہوا، اس سے بینا نے محسوس کیا کہ شیراز نے دانستہ ان دونوں کو تنہا چھوڑا تھا۔ حویلی میں ان دونوں کے بارے میں جو بات چل رہی تھی، وہ اس کے کان میں بھی پڑ چکی ہوگی۔

''بڑے حوض کے آگے میں ایک انگلش پودا لگا رہا ہوں۔'' باذل اس طرح بولا جیسے مقصد صرف کوئی بات چھیڑنا ہو۔

''باذل!'' بینا سنجیدگی سے اور آواز مدھم کر کے بولی۔ ''ہم دونوں کے سوا تو اب یہاں کوئی نہیں ہے؟''

''نہیں، کیوں؟'' باذل نے تعجب کا اظہار کیا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ اچھا ہوا تم یہاں مل گئے۔''

''کیا بات کرنی ہے بینا!''

''تنہائی میں کرنی ہے۔''

''اب یہاں کوئی نہیں ہے۔''

''ذرا طویل گفتگو ہے۔ شاید کوئی اس طرف نکل آئے۔ بات ادھوری رہ جائے گی۔ کیا تم میرے کمرے میں نہیں آ سکتے؟''

''آ سکتا ہوں۔ تم چلو۔ میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔''

''ابھی نہیں۔'' بینا نے کہا۔ ''رات کو۔ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد۔ اور ہاں، کسی کو بھی بتانا نہیں کہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔ دروازہ تمہیں اندر سے بند نہیں ملے گا۔''

اگر بینا کی بصارت زائل نہ ہوئی ہوتی تو وہ دیکھتی کہ اس وقت باذل عجیب سے انداز میں اس کا منہ تکنے لگا تھا۔

''آؤ گے؟'' بینا کچھ توقف سے بولی۔

''آ جاؤں گا۔'' باذل نے اس انداز میں کہا جیسے بولنے میں دقت محسوس کر رہا ہو۔

''اس گلاب کا ایک بار پھر شکریہ۔ تم جا کر اپنا پودا لگاؤ۔ میں اب چلتی ہوں۔'' بینا واپسی کے لیے مڑ گئی۔

باذل کھویا کھویا سا اپنی جگہ کھڑا رہ گیا جو بینا نہیں دیکھ سکی۔

اپنے کمرے میں جا کر بینا نے پھول ایک طرف ڈال دیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

''پہلی کامیابی تو ہوئی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس وقت اس کے دماغ میں خیالات کا ایک دھارا بہہ نکلا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، شاید اس رات باذل نہ ہو لیکن ایک یقین تو ہو جائے گا۔ اس نے اپنے ذہن میں جو فہرست بنائی تھی، اس میں سے ایک نام کی کمی بھی ہو جاتی۔

بینا کو خود پر بہت اعتماد تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ خوب صورت لڑکی کی خود سپردگی کا عالم دیکھ کر بڑے بڑے زاہدان خشک کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ اگر اس رات باذل نہیں تھا اور اس کا مزاج بھی ایسا نہ ہوا تو بھی وہ اسے ڈگمگانے پر مجبور کر دے گی۔

اس قسم کے خیالات میں لگ بھگ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ بینا بستر سے اٹھی۔ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری اپنے اختتام کو ہونا چاہیے تھی۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چل پڑی۔ اسے جو کام کرنا تھا، وہ انہی اوقات میں ہو سکتا تھا جب کچن میں ناشتے یا کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہوں۔ اس کے بعد وہاں کی انچارج دروازے لاک کر دیتی تھی۔

حویلی میں دو چھوٹے کچن اور تھے جو کسی وقت بھی استعمال کیے جا سکتے تھے لیکن بینا کو جس چیز کی ضرورت تھی، وہ بڑے کچن ہی میں مل سکتی تھی۔

اس نے کچن میں قدم رکھا۔

''بڑی بے بی!''

''بڑی بے بی!''

''بڑی بے بی!''

کئی آوازیں بیک وقت ابھریں۔ حویلی میں اسی طرح شاہینہ کو ''چھوٹی بے بی'' کہا جاتا تھا۔

کچن میں دو خانساماؤں کے ساتھ دو خواتین بھی کام کرتی تھیں۔ کھانوں کی ماہر ایک ضعیف خاتون کو نگراں بنایا گیا تھا۔ اس کا کام صرف نگرانی ہی تھا۔ وہ خود کوئی کام نہیں کرتی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کچن میں اس وقت وہ پانچوں افراد موجود تھے اور [illegible] بھی بینا کو اپنے درمیان پا کر خوش ہوئے تھے۔ بینا نے مسکراہٹ سے ان کی خوشی کا جواب دیا پھر بولی۔

"بُوا!"

کچن کی نگران کو ساری حویلی "بُوا" ہی کہتی تھی۔

"جی بڑی بے بی!" ضعیف خاتون اس کے قریب آ گئی۔ "آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟"

"بُوا! آپ کو یاد ہوگا جب میں چھوٹی تھی تو یہاں آ کر آپ لوگوں کو تنگ کیا کرتی تھی۔"

"نہیں نہیں۔ وہ کوئی تنگ ہونے والی بات تھوڑی تھی۔ مالک ہیں آپ... جو چاہیں کریں۔ بچپن میں آپ کو کٹلری سے کھیلنے کا بہت شوق تھا۔"

"یہاں سب سامان وہی ہے جو پہلے تھا؟"

"جی ہاں، چھوٹی بے بی! کوئی کمی نہیں آئی، اضافہ ضرور ہوا ہے۔ ہاں، وہ شیشے کے برتن تو ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔"

"کٹلری تو نہیں ٹوٹتی۔" بینا نے ہنس کر کہا۔ "کٹلری باکس تو ویسے ہی ہوں گے؟"

"جی ہاں، نئی طرز کی کٹلری کا اضافہ بے شک ہوا ہے۔"

"میں اس وقت اپنے بچپن کی یادیں تازہ کرنے چلی آئی۔ کوئی کٹلری باکس دکھایئے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری یادداشت کیسی ہے۔"

"آپ کی یادداشت تو بڑی اچھی ہے بڑی بے بی! کچھ بھی تو نہیں بھولیں آپ۔" پھر بُوا نے کسی سے کہا۔ "فتو میاں! کوئی کٹلری باکس تو نکال کر دیں بڑی بے بی کو۔"

جب تک کٹلری باکس نکال کر بینا کے قریب ماربل کے سلیب پر رکھا گیا، بینا نے بُوا سے اس وقت تیار کیے جانے والے کھانوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔

"لیجیے۔" بُوا نے کہا۔ "میں نے باکس کھول دیا ہے۔"

"میں خود کھول لیتی بُوا، خیر۔" بینا کٹلری پر ہاتھ پھیرنے لگی، پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ "اس کٹلری کی ساخت بتا رہی ہے کہ اس باکس پر نیلا شنیل چڑھا ہوا ہوگا۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کو سب یاد ہوگا۔"

"اب دوسرا دکھایئے۔"

[illegible] کٹلری دیکھوں گی۔"

چنانچہ پرانا ہی کوئی کٹلری باکس لایا گیا۔ بینا اسے کھول کر کٹلری پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس میں بھی چھوٹے بڑے چمچے، کانٹے، چھریاں وغیرہ تھیں۔

بینا نے مسکرا کر بتایا کہ اس باکس پر اودے رنگ کا شنیل ہوگا۔ وہ اس کے بعد بھی دوسرے باکس دیکھتی رہی۔ بعد میں اس نے نئے باکس بھی دیکھے اور نئی کٹلری کی تعریف کی۔ ان باکس پر چڑھے ہوئے کپڑے کے بارے میں بھی پوچھا تاکہ یاد رکھ سکے۔ جب وہ پرانے کٹلری باکس دیکھ رہی تھی تو بُوا ذرا دیر کے لیے اس کے پاس سے ہٹ گئی تھیں۔ کسی نے انہیں بلایا تھا۔ بینا نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اسے تلاش ہی ایسے موقع کی تھی۔ اس نے ایک کٹلری باکس سے ایک بڑی چھری نکال کر اپنے لباس میں چھپالی تھی۔ اس وقت اس نے لباس بھی کچھ ڈھیلا ڈھالا اور اس قسم کا پہنا تھا کہ چھری چھپانے میں اسے کوئی دقت نہ ہو۔

اس سے زیادہ خطرناک اور تیز چھری وہ بازار سے تابندہ کے ذریعے منگوا سکتی تھی لیکن اسے اندازہ تھا کہ تابندہ سے یہ کام لینا تقریباً...... ناممکن ہو سکتا ہے۔ تابندہ یقیناً کھٹک جاتی کہ بینا نے چھری کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی۔

"کھانا تیار ہو گیا بڑی بے بی!" بُوا نے اس سے کہا۔ "بس اب روٹیاں ڈالنا ہیں۔ اس کے بعد کھانے کی میز لگوا دوں گی۔ وقت قریب ہے۔ آپ بھی جا کے منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جائیں۔"

"اچھا بُوا۔"

بینا نے اپنا مقصد پورا ہو جانے کے بعد بھی وہاں آدھ گھنٹا گزارا تھا۔ وہ وہاں سے اپنے کمرے کی طرف لوٹ رہی تھی تو بیچ میں ظفر بھابی سے سامنا ہو گیا۔ بینا نے اس کی ہنستی ہوئی آواز سنی۔

"آج تو تم بہت گھومتی پھر رہی ہو بینا!"

"جی ظفر بھابی!" بینا نے جواب دیا اور یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ظفر بھابی اب اچانک ہی اتنے خوش گوار موڈ میں رہنے لگی ہیں۔

"اچھا ہے... بہت اچھا ہے۔ ایک کمرے میں پڑے پڑے تو گھٹن ہونے لگتی ہے۔"

جواب میں بینا کے دماغ میں جو بات آئی تھی، وہ اس نے اپنی زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو برسوں سے [illegible] زندگی گزار رہی تھی اور اب اس کی عادی ہو [illegible] ہے۔ اس کے لیے اس کا کمرا اور حویلی کی ہر جگہ ایک سی تھی۔ صرف حویلی سے باہر نکل کر پائیں باغ میں اسے تازگی کا احساس ہوتا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنے لباس میں چھپی ہوئی چھری نکال کر اپنے بستر کے گدّے کے نیچے سرہانے کے قریب چھپا دی اور پھر بستر پر لیٹ کر اس طرح لمبی لمبی سانسیں لینے لگی جیسے اس نے کوئی بہت بڑی مہم سر کی ہو۔ اپنی کامیابی سے پہلے اسے دھڑکا لگا رہا تھا کہ شاید اسے چھری چرانے کا موقع نہ مل سکے۔

اس کے دماغ میں ایک سوال گونجنے لگا۔ "کیا آج کی رات فیصلہ کن ثابت ہو سکے گی؟"

☆☆☆

ڈھائی بجے تھے جب بابر اور تابندہ نے اپنے مخصوص ریسٹورنٹ میں ملاقات کی۔ اگرچہ موبائل فون پر بات کرتے ہوئے وقت طے نہیں ہوا تھا لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس ریسٹورنٹ میں جب بھی ملتے تھے، اسی وقت ملتے تھے اور پانچ بجے سے پہلے واپسی نہیں ہوتی تھی۔ تابندہ کوئی ایسا بہانہ کر کے گھر سے روانہ ہوتی تھی کہ گھر والے اس کے لیے پریشان نہ ہو سکیں۔ موبائل فون تو اس کے پاس رہتا ہی تھا۔ گھر والے کسی وقت بھی اس سے رابطہ کر سکتے تھے۔ بابر نے کولڈ کافی منگوائی جو تابندہ کو بہت پسند تھی۔

"آج تم اتنے اچھے موڈ میں نظر نہیں آ رہی ہو، جتنے اچھے موڈ میں مجھ سے ملتی ہو؟" بابر بولا۔

تابندہ واقعی گزشتہ روز سے بہت پریشان تھی۔ بینا کے عزائم نے اسے بُری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن وہ بات ایسی نہیں تھی جو بابر کو بتائی جا سکتی۔

"ہاں بابر!" تابندہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں بینا کے لیے پریشان ہوں۔" جواب دیتے دیتے اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا بات بنانی ہے۔

"بینا کو کیا ہوا؟"

"کل اس پر شدید دیوانگی طاری تھی۔ بار بار اس کی زبان پر سوال آ رہا تھا کہ بھیا کا قاتل اب تک گرفتار کیوں نہیں ہوا۔ میں کیسے بتاؤں تمہیں؟ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اگر قاتل اسے مل جائے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چیر پھاڑ کر رکھ دے۔"

"اس وجہ سے تم پریشان مت ہو۔ وہ وقتی بات ہو گی۔ حویلی میں شاید کسی نے بھی اس پر ایسی دیوانگی طاری ہوتے ہوئے نہیں دیکھی ہوگی۔ آج تو وہ پائیں باغ میں چہل قدمی کے لیے بھی نکلی تھی۔ شیراز نے مجھے بتایا تھا۔"

"اچھا۔" تابندہ نے کہا۔ "یہ مجھے بھی معلوم ہو جاتا لیکن آج گھر پر کچھ ایسے کام رہے کہ حویلی نہیں جا سکی۔ شام کو یا رات کے کھانے کے بعد جاؤں گی۔ ہو سکتا ہے کہ بینا کی وہ دیوانگی وقتی بات ہو لیکن معاملہ گمبھیر تو ہے نا..... میرا خیال ہے کہ زیادہ تر لوگ یہی سوچ رہے ہیں کہ مسعود کے قتل میں حویلی ہی کے کسی فرد کا ہاتھ ہوگا۔"

"مجھے اس بات پر بالکل یقین نہیں ہے۔" بابر نے کہا۔ "ہم بھائیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے

پھندا

تاج محمد آنسو کراچی سے حیدرآباد جا رہے تھے۔ سپر ہائی وے پر چلتی ہوئی بس میں کرائے کی وجہ سے ان کا بس کنڈیکٹر سے جھگڑا ہو گیا۔

کنڈیکٹر نے کہا۔ "سات روپے۔"

تاج محمد آنسو نے کہا۔ "پانچ روپے۔"

کنڈیکٹر نے آنکھیں نکالیں۔ "سات روپے۔"

تاج محمد آنسو نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ لی۔ "پانچ روپے۔"

تقریباً پندرہ منٹ تک دونوں میں بحث ہوتی رہی۔ بالآخر کنڈیکٹر کو اتنا غصہ آیا کہ ایک پل سے گزرتے ہوئے اس نے تاج محمد آنسو کی بھاری بھرکم اٹیچی اٹھائی اور چاہتا تھا کہ اسے دریا میں پھینک دے۔ تاج محمد آنسو چیخ مار کر اٹھے اور کنڈیکٹر سے اٹیچی چھین لی۔

"بس بس بہت ہو گیا۔ پہلے تم نے کرائے کے سلسلے میں مجھے لوٹنا چاہا اور جب میں تمہارے پھندے میں نہیں پھنسا تو اب تم چاہتے ہو۔" انہوں نے پیار سے اٹیچی کو تھپکی دی۔ "کہ اٹیچی میں لیٹے ہوئے میرے بیٹے کو دریا میں ڈبو دو۔"

چرک اعظم سے محمود خاور کی معصومیت

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible] اگر ہم بھائیوں میں سے کوئی ایسا کرتا تو اسے شیراز کا پستول چرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"بات صرف تم بھائیوں ہی کی تو نہیں ہے۔ ان دنوں دوسرے بہت سے عزیز بھی حویلی کے مستقل مہمان تھے۔ ان میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں، یہ دوسری بات ہے اور شاید پولیس کو تفتیش کرنے میں دیر بھی اسی لیے لگ رہی ہے۔ بیرونی مہمانوں میں پندرہ مرد تھے۔ اس کے علاوہ پولیس برات میں آنے والوں اور ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہیں کر رہی ہوگی جنہیں ہم نے مدعو کیا تھا۔ اس رات... حویلی مہمانوں سے بھری ہوئی تھی اور حویلی اتنی بڑی ہے کہ باہر کا کوئی آدمی بھی اندر گھس آتا تو کسی کو معلوم نہیں ہو پاتا۔ شادی کے ہنگامے میں کہاں اتنا خیال رکھا جا سکتا ہے؟"

"لیکن باہر کے لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ شیراز کے پاس پستول ہے اور یہ بات بھی کہ وہ پستول کہاں رکھتا ہے؟"

"ممکن ہے کہ مہمانوں میں سے ایک سے زیادہ افراد کو اس کا علم ہو۔ ہم بھائیوں نے اپنے بھی دوستوں کو بلایا تھا۔ شیراز کے بھی کئی دوست آئے تھے۔ ان میں سے دو کو تو میں جانتا ہوں کہ جب وہ شیراز سے ملنے آتے ہیں تو وہ انہیں اپنے کمرے میں بھی لے جاتا ہے۔ ساری بات تعلقات کی نوعیت کی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں سے تعلق صرف ڈرائنگ روم تک محدود رہتا ہے۔ خود میرے دوستوں میں سے بھی دو ایک ایسے ہیں جنہیں میں اپنے کمرے میں بلا لیتا ہوں۔"

"جیسے میں اور بھائی جان ہیں۔" تابندہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔ "میں تو زیادہ تر بینا کے کمرے میں گھسی رہتی ہوں اور بھائی جان کا معاملہ بھی اتنا ہی قریبی ہے۔"

"ہاں فراز سے تو مسعود کی دوستی بہت گہری تھی لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم لوگوں میں سے کوئی مسعود کو کیوں قتل کرے گا جو قتل کا کوئی جواز تو ہوتا ہے نا۔ ہم لوگ آخر مسعود کو کیوں قتل کریں گے جو تم دیکھ لینا تابندہ! قاتل باہر ہی کا کوئی ایسا فرد ہوگا جس کی شیراز سے تو دوستی ہوگی لیکن وہ کسی وجہ سے مسعود کا دشمن ہو گیا ہوگا اور یہ بات شیراز کے علم میں نہیں ہوگی۔"

"ممکن ہے کہ اس کے علم میں ہو۔ اس نے پولیس کو بتا بھی دیا ہو لیکن پولیس ابھی اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت حاصل نہ کر سکی ہو۔"

[illegible] رہی ہو۔" "یہ ممکن تو ہے۔ شیراز نے جب پستول چوری ہونے [illegible] لوگ تقریباً دو ڈھائی گھنٹے تک شیراز کے کمرے میں رہے [illegible] فنگر پرنٹس بھی لیے گئے۔ شیراز سے پوچھ گچھ بھی ہوئی لیکن اس پوچھ گچھ کا علم ہم لوگوں کو نہیں ہے۔ شاید پولیس نے شیراز کو تاکید کی ہو کہ وہ اس بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے۔"

"اس نے ابا جان کو تو ضرور بتایا ہوگا۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔ کرنل چچا اتنے ہی بارسوخ ہیں کہ وہ کچھ بھی معلوم کر سکتے ہیں مگر انہوں نے بھی حویلی میں کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہوں نے کسی سے اس کا ذکر کیا ہوتا تو بات میرے کانوں تک بھی ضرور پہنچتی۔"

"یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ پولیس کو شیراز کے کمرے سے جو فنگر پرنٹس ملے ہوں گے، ان سے کوئی سراغ ملا ہو گا؟"

"میرے علم میں نہیں ہے۔" بابر نے کہا۔ "ویسے اس کمرے میں ہم بھائیوں اور ہمارے والدین کے علاوہ شاہینہ کے فنگر پرنٹس بھی یقیناً ملے ہوں گے۔ ہم سب اس کے کمرے میں جاتے ہی رہتے ہیں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ہم میں سے بھی کسی کے فنگر پرنٹس نہ ملے ہوں۔ ملازم کمرے کی صفائی تو روز ہی کرتا ہے نا! اچھا اب اٹھو۔ لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

انہوں نے کافی ختم کر لی تھی۔ ویٹر کو بلا کر بل بھی ادا کر دیا گیا۔

"دو منٹ رکو۔" بابر نے کہا۔ "میں ذرا تو اٹلٹ ہو آؤں۔"

بابر اٹھ کر چلا گیا۔ ان دونوں میں اب تک مسعود کے بارے میں زیادہ گفتگو ہوئی تھی مگر تنہائی ملتے ہی تابندہ کی ذہنی رو بینا کی طرف چلی گئی۔ گزشتہ روز کے بعد سے اب تک اس کا دماغ اسی میں الجھا رہا تھا۔

بینا نے پہلی مرتبہ باذل کو جانچنے کا فیصلہ غالباً اس لیے کیا تھا کہ بات ہی اس کی چھڑ گئی تھی لیکن اگر باذل وہ شخص نہ ہوتا تو بینا ان سب کو جانچتی جن کی ایک مختصر سی فہرست اس کے ذہن میں تھی۔ بعض نام وہ تابندہ کے سامنے اپنی زبان پر نہیں لائی تھی لیکن تابندہ کو یقین تھا کہ اس کی فہرست میں باذل، شیراز اور راحیل کے علاوہ بابر اور فراز بھی ہوں گے۔ تابندہ کا اندازہ تھا کہ ظفر کا نام اس نے اپنی فہرست سے

[illegible] کر دیا ہوگا۔
[illegible] آگئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں تھے۔

بابر رفتار بڑھا رہا تھا جب تابندہ بولی۔ "شیراز کے کمرے سے ظفر بھائی کے فنگر پرنٹ تو ہرگز نہیں ملے ہوں گے۔"

"ہاں۔" بابر نے جواب دیا اور پھر دھیرے سے ہنس پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ تم حویلی کے سارے ہی معاملات سمجھتی ہو۔"

"کیوں نہیں سمجھوں گی۔ بچپن سے وہاں آ جا رہی ہوں۔ ظفر بھائی نہ جانے کس قسم کی خاتون ہیں کہ وہ ظفر بھائی کو خوش نہیں رکھ سکیں۔ شادی کے سال بھر بعد ہی وہ چڑچڑے ہو گئے تھے۔ اپنی اس کیفیت کا احساس انہیں خود بھی ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے خود کو بہت محدود کر لیا۔ برسوں سے ان کا یہ معمول ہے کہ دفتر یا اپنے کمرے میں... یا پھر کھانے کی میز پر جانے کے لیے اپنے کمرے سے نکلتے ہیں۔ دوسروں کے کمروں میں قدم رکھنا تو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ان کے فنگر پرنٹس شیراز کے کمرے میں مل ہی نہیں سکتے۔"

"آج تم یہ بوجھل گفتگو کہاں سے لے بیٹھیں۔" بابر نے منہ بنایا۔ "مجھے یاد نہیں کہ آج سے پہلے ہماری کوئی ملاقات اتنی غیر رومانی رہی ہو۔ غالباً ہر ملاقات میں تم نے یہ ذکر ضرور چھیڑا ہے کہ ہم شادی کب کریں گے۔"

"اور تم نے ہمیشہ میری بات ٹالی ہے۔ رہی آج کی بات تو اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مسعود کی برسی سے پہلے حویلی میں خوشی کی کوئی محفل ہو۔"

"باذل اور بینا کی شادی کا ذکر تو چھڑ ہی گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ سرسری سی بات ہوئی ہے۔"

"یہ سرسری سی بات سنجیدگی تک ضرور جائے گی۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ کرنل چچا نے تم سے بینا کا عندیہ لینے کے لیے کہا تھا۔ کیا جواب دیا بینا نے؟"

تابندہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ آج اس معاملے میں بابر سے بات کرنا ہی چاہتی تھی۔ اسے اندازہ لگانا تھا کہ بینا کے لیے بابر کے جذبات کی نوعیت کیا ہے۔ اگرچہ بابر وعدہ کر چکا تھا کہ شادی وہ تابندہ ہی سے کرے گا لیکن اس کی ٹال مٹول کی وجہ سے تابندہ اب شک و شبے میں مبتلا ہونے لگی تھی۔

"بتاؤ نا تابندہ!" بابر کچھ توقف سے بولا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ بینا کو کیا جواب دینا چاہیے؟"

"میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔"

"اچھا، بینا اور باذل کی جوڑی کیسی رہے گی؟"

"تمہیں کیسی لگتی ہے؟"

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں بابر!"

"مجھ سے نہ پوچھو تو اچھا ہے۔"

"کیوں؟"

"میرا جواب تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔"

تابندہ کے خاصے اصرار کے باوجود بابر نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تو تابندہ بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں ذاتی طور پر بینا کیسی لگتی ہے؟"

"ذاتی طور پر کیا مطلب؟"

"اگر وہ باذل کو مسترد کر کے تم سے شادی کرنا چاہے تو؟"

بابر چونکا۔ "یہ کیا بے ہودہ بات کی تم نے؟"

تابندہ ہنسی۔ "اس میں بے ہودگی کیا بات ہے؟ ہو سکتا ہے کہ میرے معاملے میں ٹال مٹول کی وجہ یہی ہو کہ تم مجھ سے زیادہ بینا کو پسند کرتے ہو..... وہ مجھ سے بہت زیادہ خوب صورت ہے۔ میں اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔"

بابر کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آنے لگی۔ وہ سامنے سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"ارے!" تابندہ چونکی۔ "مجھے باتوں میں دھیان ہی نہیں رہا۔ تم تو شہر کی طرف جا رہے ہو۔"

"ہاں۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ لانگ ڈرائیو پر نکلیں گے؟"

اب بابر خفیف سا مسکرایا۔ "آج شارٹ..... ڈرائیو سہی۔"

"کیا آج جلدی میں ہو..... کہیں جانا ہے تمہیں؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"آج تم میری ہر بات ٹال رہے ہو، میں نے بینا اور باذل کی جوڑی کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس بارے میں بھی تم نے عجیب سے جواب دیے۔"

"باذل اور بینا کی جوڑی تو ظفر بھائی کو بھی پسند نہیں۔"

"کیا؟" تابندہ چونکی۔

"ہاں۔" بابر نے کہا۔ "دبی زبان سے ابا جان سے کہا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تھا انہوں نے۔“

”ناپسندیدگی کی وجہ؟“

”وہ نہیں بتائی تھی انہوں نے۔ ہم سبھی بھائیوں کی رائے لی تھی ابا جان نے۔ انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ وہ کم گو تو ہو گئے ہیں نا، وجہ نہیں بتائی۔ بس اپنی رائے کا اظہار کر کے خاموشی اختیار کر لی۔“

”تم نے اور شیراز نے کیا رائے دی؟“

”شیراز کو یہ رشتہ پسند ہے۔“

”اور تمہیں؟“

”وجہ میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا لیکن اس رشتے پر مجھے بھی اعتراض ہے۔“

”کیا اعتراض ہے؟“

”میں نے کہا نا کہ وجہ نہیں بتاؤں گا۔ شاید کبھی بتا بھی دوں۔ ابھی ہمت نہیں پڑ رہی ہے۔“

”کوئی ایسی بات ہے جس کے لیے ہمت کی ضرورت ہے؟“

”ہاں، کم از کم تمہیں بتانے کے لیے مجھے ہمت درکار ہوگی۔“ بابر نے کہا۔ ”چینا کی بات ہے نا! اور وہ تمہاری بہت عزیز دوست ہے۔ کسی اور لڑکی کی بات ہوتی تو مجھے جواب دینے کے لیے ہمت کی ضرورت نہ ہوتی۔“

”بہر حال۔“ تابندہ نے ایک طویل سانس لی۔ ”تمہارے صاف جواب نہ دینے کے باوجود تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بھی اس شادی کی مخالفت میں ہو۔ خیر، مستقبل میں اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟“

”میں سمجھا نہیں، تم کیا پوچھ رہی ہو؟“

”بازل اور چینا کی شادی۔“

”وہ تو اب ہو کر رہے گی۔“ بابر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ساری دنیا بھی مخالف ہو جائے تو ابا جان اب اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ کرنل چچا سے بات کر چکے ہیں وہ۔“

تابندہ خاموش رہی۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ بابر اور ظفر اس شادی کی مخالفت میں کیوں تھے۔ اس سلسلے میں بابر تو عجیب ہی تھا۔ اسے تابندہ کی وجہ سے جواب دینے کی ہمت نہیں تھی کیونکہ وہ چینا کی بہت گہری دوست تھی۔

”اب کچھ اور باتیں بھی تو کرو!“ بابر ہنس کر بولا۔ ”تمہارے بھائی جان کب کر رہے ہیں شادی؟“

”تمہیں نہیں معلوم؟ تم بھی تو دوست ہو ان کے۔“

”دوستی تو فراز کی مسعود سے تھی۔“ بابر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرا اور فراز کا معاملہ تو بس اتنا ہے کہ جب ملتے ہیں تو [illegible] دوسرے سے شادی کے موضوع پر تو بات ہو ہی جاتی ہے۔“

”ہوئی تھی۔“ بابر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”عجیب انداز کی سوچ ہے اس کی۔ وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جو...“

”اچھا چھوڑو اس ذکر کو۔“ تابندہ نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔ وہ بابر سے اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ”میں جانتی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”بھائی جان شادی سے پہلے یقین کر لینا چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا پہلے کہیں افیئر نہ چل چکا ہو۔“

”ہاں... وہ اسی قسم کے خبط میں مبتلا ہے۔“ بابر نے کہا۔

”اب تو ہم شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔“ تابندہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس موضوع سے گریز چاہتی تھی۔

کار اب شہر کے کنارے پر ایک زیرِ تعمیر علاقے میں تھی۔ وہاں اپارٹمنٹس کی چار منزلہ عمارتیں کچھ بن چکی تھیں، کچھ بن رہی تھیں۔ جو بن چکی تھیں، وہ آباد بھی ہو گئی تھیں یا شاید ابھی مکمل طور پر آباد نہ ہوئی ہوں۔

”بس آ گئی ہماری منزل۔“ بابر نے کار ایک جگہ روکتے ہوئے کہا۔

”یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟“

”اب اترو بھی گاڑی سے، کیا اب تمہیں میرے ساتھ بھی کہیں چلنے سے ڈر لگا کرے گا؟“

تابندہ کار سے اتر تو آئی لیکن اس کے چہرے سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ عمارت زیادہ آباد نہیں ہوئی تھی جس کے زینوں پر بابر نے تابندہ کے ساتھ قدم رکھا۔

”کیا یہاں کسی سے ملنا ہے؟“ تابندہ بے چینی سی محسوس کرنے لگی۔

”ہاں۔“

”تو مجھے ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”تمہیں ہی تو ملانا ہے۔“

”مجھے؟“ تابندہ حیران ہوئی۔

”ہاں۔“

”لیکن...“ تابندہ خود ہی خاموش ہو گئی۔ اوپر سے ایک جوڑا اتر رہا تھا۔ ان کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ [illegible]

”کیا مطلب؟“ تابندہ تیزی سے بولی۔ ”تم تو کہہ رہے تھے کہ...“

”میں غلط نہیں کہہ رہا تھا۔“ بابر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے دروازہ کھولا۔

”ایک مقفل فلیٹ میں تم مجھے کس سے ملانے لائے ہو؟“ تابندہ بہت مضطرب ہو گئی۔

”یہاں میں نے کسی کو قید کر رکھا ہے۔ اسی سے ملانا ہے تمہیں۔“

”قید؟“ تابندہ حیران ہوئی۔

بابر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوا۔ دروازہ خودکار طریقے سے مقفل ہو گیا۔ وہ کمرا ڈرائنگ روم کی طرز پر سجا ہوا تھا۔

”کہاں ہے؟ کون ہے قیدی؟“ تابندہ نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

”اس طرف ہے وہ کمرا۔“ بابر نے اشارے سے بتایا اور تابندہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس طرف بڑھا۔

تابندہ کے دماغ میں ایک ایسا خیال ابھرا کہ اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیلتی چلی گئی۔

بابر اسے لیے ہوئے جس دوسرے کمرے میں داخل ہوا، وہ خواب گاہ کی طرز پر سجا ہوا تھا۔ تابندہ کو وہاں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

تابندہ دو قدم آگے بڑھانے کے بعد ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

”تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟“ اس نے بابر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”یہاں بھی مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔“

”جو یہاں قید ہے، وہ دکھائی نہیں دیتا۔“

”کیا یہ کوئی طلسماتی دنیا ہے؟“

”غیر طلسماتی دنیا میں بھی اس قیدی کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہاں میری محبت قید ہے۔ یہاں میں تمہیں اسی سے ملانے تو لایا ہوں۔“

”پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو۔ چلو یہاں سے۔“ تابندہ نے دروازے کی طرف مڑنا چاہا۔

بابر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکا اور اسے اپنے سامنے کر کے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”میری آنکھوں میں دیکھو! تمہیں اس قیدی کا عکس میری آنکھوں میں بھی نظر آ جائے گا۔“

”آج تو مجھے تمہاری آنکھوں میں کچھ اور ہی نظر آ رہا ہے۔“ تابندہ کی آواز لرز گئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب بابر اس کے اتنے نزدیک آیا تھا۔

”جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے، وہ مانو گی تو نا؟“

”نہیں۔“ تابندہ نے سخت لہجے میں کہا۔ اس نے بابر کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹانا چاہے لیکن بابر نے یکایک اسے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ گھوم گئی اور اس کی پشت بابر کی طرف ہو گئی۔ اس کے جمپر میں پشت پر زپ لگی ہوئی تھی۔ وہ بابر نے بہت تیزی سے نیچے تک کھول دی۔

”بابر!“ تابندہ چیخ سی پڑی اور تیزی سے کئی قدم آگے بڑھ کر جھٹکے سے مڑی۔

بابر جہاں تھا، وہیں کھڑا مسکراتا ہوا تابندہ کی طرف دیکھتا رہا۔

”میں یقین نہیں کر سکتی تھی کہ تم... کہ تم...“ غصے میں وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکی اور... ہاتھ پیچھے کر کے زپ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

”بڑی ریشم جیسی جلد ہے تمہاری۔“ بابر نے بے باکی سے کہا۔

”کاش تم اتنے گھٹیا ثابت نہ ہوتے۔“ تابندہ کی سانس پھولنے لگی تھی۔ ”ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ جانے دو مجھے۔“

بابر اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔

”سمجھنے کی کوشش کرو تابندہ!“ بابر بولا۔ ”جب یہ طے ہے کہ ہم دونوں شادی کریں گے تو پھر اس میں کیا حرج ہے؟“

”حرج یہ ہے کہ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔“

”جو اکیسویں صدی میں رہتی ہے۔“

”میں پچھلی صدی میں رہتی ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ بابر!“

”تابندہ!“ بابر بڑے سکون سے مسکراتا رہا۔ ”دراصل یہ خیال مجھے تمہارے بھائی ہی کی وجہ سے آیا ہے۔ کیوں نہ میں بھی اس بات کا یقین کر لوں جس کی ضرورت تمہارے بھائی نے محسوس کی ہے۔“

”مجھے جانے دو بابر ورنہ بہت برا ہوگا۔“ تابندہ اپنے شانے سے لٹکے ہوئے وینٹی بیگ کا ہک کھولنے لگی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے تابندہ!“ بابر بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم اپنے بیگ میں پسٹل رکھتی ہو۔ شوٹنگ کلب کی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تو ایک ریٹائرڈ کرنل کا صرف بھتیجا ہوں۔ میں ریوالور اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔"

تابندہ اپنا دستی بیگ کھولتے کھولتے رک گئی۔ اس ڈرتی ہوئی نظریں بابر پر جمی ہوئی تھیں۔

"تابندہ!" بابر پھر بولا۔ "ہم جس طرح یہاں آئے اسی طرح ہنسی خوشی واپس بھی جا سکتے ہیں۔ وہ جو کہا ہے شاعر نے کہ

بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم
نیا اک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم"

"میں اب تم سے کبھی بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔" ہ نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ "اب تم میرے لیے نہیں رہے۔"

"ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔" بابر کے چہرے پر سی نظر آئی۔ "لیکن یہاں سے ساتھ چلنے میں تو کوئی حرج ۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس علاقے میں ٹیکسی ملنا مشکل ہوتا ہے۔ تمہیں دیر ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دو۔" تابندہ نے سختی سے کہا۔ "میں اب رے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتی۔"

"حویلی نہیں آؤ گی؟" بابر مسکرایا۔

"وہاں کیوں نہیں آؤں گی؟ ضرور آؤں گی۔ وے کے لیے تم سے سرسری بات کرنا میری مجبوری ہوگی......"

"ورنہ؟" بابر بول پڑا۔ "بات نکلے گی تو پھر دور تلک ئے گی۔"

"ہاں۔" تابندہ نے جھٹکے سے کہا۔ "میں کسی کو نہیں تا چاہتی کہ تم ایک گھٹیا انسان ثابت ہو چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے، جاؤ۔" بابر اس کے اور دروازے کے میان سے ہٹ گیا۔

تابندہ بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھی۔ اسے ڈر تھا بابر اسے دھوکے سے دبوچ نہ لے۔

بابر نے شاید اس کا اندیشہ سمجھ لیا اور ہنس کر کچھ دور ہوتے بولا۔ "اطمینان سے جاؤ۔ کوئی خطرہ دل میں نہ لاؤ اور ں! بیرونی دروازہ باہر والوں کے لیے تو مقفل ہو چکا ہے لیکن اندر سے چابی کے بغیر کھولا جا سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" تابندہ احتیاط سے دروازے کے قریب گئی..... اس کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

صرف ایک مقصد کے لیے اس نے خاصی رقم صرف کر [illegible] تھا۔ سال بھر کے کرائے کی رقم ایڈوانس دینا پڑی تھی۔

☆☆☆

اس دن شاہینہ حویلی آئی ہوئی تھی۔ رات کا کھانا اس نے وہیں کھایا تھا۔ اس کے بعد سے وہ بینا کے کمرے میں تھی۔ اس کے شوہر نے اس سے کہا تھا کہ وہ ساڑھے دس بجے تک اسے لینے کے لیے خود آئے گا لیکن اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ بینا فکرمند ہو گئی کیونکہ اس نے باذل کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد بلایا تھا۔

"جی چاہ رہا ہے، انہیں فون کر دوں۔" شاہینہ بولی۔

"کیوں؟"

"بس دل چاہ رہا ہے کہ آج رات آپ ہی کے پاس رک جاؤں۔"

بینا کا دل دھک سے ہو گیا۔ عام حالات میں تو وہ شاہینہ کے ارادے سے خوش ہوتی لیکن اس رات صورت حال کی نوعیت مختلف تھی۔

"لیکن جانا تو پڑے گا۔" شاہینہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آج ان کی طبیعت کچھ ڈل رہی ہے اس لیے شاید انہیں میرا یہاں رکنا اچھا نہ لگے۔"

"اگر کوئی ایسی بات ہے تو تمہیں جانا ہی چاہیے۔" بینا نے سکون محسوس کیا۔ "شادی کے بعد شوہر کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہیے شانو!" پھر اس نے پوچھا۔ "کیا ٹائم ہوا ہے؟"

"گیارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں۔" شاہینہ نے جواب دینے کے بعد تابندہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ "آج وہ بہت الجھی الجھی سی تھیں۔ بہت جلدی چلی گئیں۔ ابا جان نے کہا بھی تھا کہ کھانا کھا کر جائیں لیکن وہ نہیں رکیں۔ کچھ بہانہ بھی کیا تھا۔ میں سن نہیں سکی۔"

"ضروری نہیں کہ کوئی بہانہ کیا ہو۔ ہوگی کوئی وجہ۔"

اس دن شاہینہ کی وجہ سے بینا اور تابندہ تنہا نہیں رہ سکی تھیں اور اگر انہیں تنہائی ملتی بھی تو ضروری نہیں تھا کہ اس روز جو واقعہ تابندہ کے ساتھ ہو چکا تھا، اس کے بارے میں وہ بینا کو بتا ہی دیتی۔

بینا نے اس وقت خاصا سکون محسوس کیا جب ساڑھے گیارہ بجے سے پہلے ہی ایک ملازمہ نے آکر بتایا کہ شاہینہ کا شوہر آگیا ہے۔

[illegible]

بینا نے مزید کوئی بات کیے بغیر شاہینہ کی پیشانی چوم لی۔ پھر "خدا حافظ" کے تبادلے کے بعد دونوں بہنیں جدا ہو گئیں۔

بینا نے دروازہ کھلنے کے بعد جب اس کے بند ہونے کی آواز بھی سن لی تو بستر سے اتری۔ سرہانے کی طرف سے گدا اٹھایا اور ٹٹول کر چھری کے دستے کو پکڑ کر اسے گدے کے نیچے سے نکال لیا۔ چھری ایک تکیے کے نیچے رکھی۔ پھر گدے پر بچھی ہوئی چادر برابر کر دی۔

اب اسے بڑی بے چینی سے باذل کا انتظار تھا۔ شاہینہ جا چکی تھی اس لیے باذل کو اب کسی وقت بھی آ جانا چاہیے تھا۔ بینا کی مٹھیاں بار بار کھل بند ہو رہی تھیں جس سے اس کا اضطراب صاف ظاہر تھا۔ وہ جو کچھ کرنے کا ارادہ کر چکی تھی، وہ کسی شریف و ذی شعور لڑکی کے لیے ایک ناممکن سا کام تھا لیکن تابندہ کے بہ قول اس پر شاید واقعی دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔ اس کی وہ دیوانگی کوئی تازہ معاملہ بھی نہ تھا۔ اس پر وہ کیفیت اسی رات سے طاری تھی جب کوئی اس کی متاعِ دوشیزگی لوٹ کر گیا تھا۔ وہ اسے ہر قیمت پر تلاش کرنا چاہتی تھی اور اس معاملے میں اس کے عزائم بہت خطرناک تھے۔

وقت گزرتا رہا۔ اس تاخیر سے اسے پریشانی لاحق ہو گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ باذل نے کسی خیال کی وجہ سے اس کے پاس آنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

'نہیں، یہ ممکن نہیں' وہ سوچتی ہوئی بستر سے اتری اور بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اگر اس رات باذل ہی تھا تو اب بھی اسے بڑی بے قراری سے اس کے پاس آنا چاہیے تھا اور اگر اس رات وہ نہیں تھا تو بھی وہ ایک خوب صورت لڑکی کا اس قسم کا بلاوا نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

بارہ بج گئے۔ بستر کی سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی نغمہ ریز گھڑی نے اس کا اعلان کیا۔ اب بینا کی بے چینی بہت بڑھ چکی تھی۔ اس نے سوچا کہ اپنے موبائل فون پر باذل سے رابطہ کرے۔ اس نے گھر کے تمام لوگوں کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب اور جاننے والوں کے نمبر اپنے موبائل فون میں محفوظ کر لیے تھے۔ وہ اپنے بستر کے سرہانے کی طرف بڑھی۔ اپنے کمرے میں چلنا پھرنا اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ اس نے بستر پر بیٹھتے ہوئے سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی۔ وہ

[illegible] بینا نے چونک کر دراز بند کر دی اور اس کی طرف متوجہ ہو گئی.... اس نے باذل [illegible] تھا کہ اسے دروازہ اندر سے بند نہیں ملے گا۔ پھر اسے دستک دینے کی کیا ضرورت تھی۔

شاید کوئی اور ہے.... لیکن اس وقت؟

بینا سوچ ہی رہی تھی کہ اس نے آہستگی سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی۔ وہ ابھی اندازہ نہیں لگا سکی تھی کہ آنے والا کون ہوگا۔

"میں آگیا ہوں بینا!" باذل کی مدھم آواز سنائی دی۔

بینا نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔ "دروازہ اندر سے بند کر دینا۔"

اس وقت باذل کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے، وہ بھی بینا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے ایسی آواز سن لی جیسے باذل نے اس کی ہدایت پر عمل کیا ہو۔

"یہاں، قریب آجاؤ۔" بینا نے دھیمی آواز میں کہا۔

باذل کے قدموں کی آہٹ قریب آنے لگی۔ آہٹ سے بینا نے اندازہ لگایا کہ باذل گھریلو استعمال کی نرم چپل پہنے ہوئے ہے۔

"بیٹھو... یہیں بیٹھ جاؤ... بستر پر۔" بینا نے کہا۔ "تمہیں دستک دینے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ دروازہ بند نہیں ہوگا۔"

"بس بے خیالی میں دستک دے بیٹھا۔"

"اور دیر سے بھی آئے ہو۔"

"انتظار کر رہا تھا کہ اس طرف بالکل سناٹا ہو جائے۔"

بینا نے محسوس کیا کہ باذل اس سے خاصا ہٹ کر پائنتی کے قریب بیٹھا ہے۔

"قریب بیٹھو۔" بینا نے کہا۔ "ہمیں اپنی آواز زیادہ سے زیادہ مدھم رکھنا ہوگی۔ کوئی اتفاقاً بھی دروازے کے قریب سے گزرے تو کچھ سن نہ سکے۔"

بستر کی حرکت سے بینا نے اندازہ لگایا کہ باذل اب بھی اس سے ڈیڑھ دو فٹ کے فاصلے پر تھا۔

"باذل!" بینا بولی۔ "ظاہر ہے، تمہیں علم تو ہو گیا ہو گا۔ حویلی میں ہماری شادی کا ذکر چھڑ گیا ہے؟"

"ہاں۔"

"کچھ اور بھی معلوم ہوا؟"

"کچھ اور کیا؟ بس اتنا معلوم ہوا تھا کہ تم ابھی اس بارے میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتیں۔"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"وہ میں نے تانے کے لیے پہن دیا تھا۔ اس سے پہلے
تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ میرے بارے میں تمہاری کیا
رائے ہے؟ میں تمہیں پسند ہوں؟"

"تم بہت خوب صورت ہو بینا!" اس مرتبہ باذل کی
آواز کچھ بھرا گئی۔ "تمہیں کون ناپسند کر سکتا ہے۔"

"میں اندھی ہوں نا۔" بینا نے اپنے لہجے سے افسردگی
ظاہر کی حالانکہ وہ قطعی افسردہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کے وجود
میں صرف یہ ہیجان برپا تھا کہ باذل اس کا مجرم ہے یا نہیں۔

"اس سے کیا ہوتا ہے بینا!" باذل کچھ جذباتی ہو گیا۔
"میری آنکھیں تمہاری آنکھیں بن جائیں گی۔"

"اچھا!" بینا مسکرائی۔ "گویا تم مجھے خوش دلی سے
اپنانے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں بینا!"

"تمہارے جواب سے مجھے خوشی ہوئی۔ ابھی تم سے
اور باتیں بھی کرنی ہیں۔ تم بیٹھو۔ میں ذرا واش روم سے آتی
ہوں۔"

بینا اٹھ کر واش روم کے دروازے کی طرف بڑھی۔
واش روم میں داخل ہو کر اس نے ٹٹول کر وہ نائٹ گاؤن
دیکھا جو اس نے شام ہی کو وہاں ٹانگ دیا تھا۔ اس کے پاس
مغربی طرز کے اس حریری گاؤن کی موجودگی کا کوئی سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس نے تابندہ سے کہہ کر وہ بازار سے
خریدوایا تھا۔ اس گاؤن میں گلے سے کمر تک خوب صورت
سنہری گول بٹن لگے ہوئے تھے جو ذرا سے اشارے پر پھسل
کر کاج سے نکل سکتے تھے۔

جب بینا واش روم سے نکلی تو اس کے جسم پر صرف
گاؤن تھا۔

"تو طوائف بن رہی ہے بینا!" اس کے دماغ میں
شور سا ہوا۔

بینا نے دل ہی دل میں اپنے دماغ کو جواب دیا۔ "وہ
تو پہلے ہی کسی نے مجھے بنا دیا۔"

"نہیں۔" دماغ میں شور ہوا۔ "وہ جبر تھا اور اب تُو
اپنی خوشی سے وہ سب کچھ کرنے جا رہی ہے۔"

"نہیں۔" بینا نے پھر اپنے دل میں کہا۔ "خوشی سے
نہیں، میری تو پور پور لہو ہوئی جا رہی ہے۔"

"پاگل مت بن بینا!" دماغ میں بہت زیادہ شور
ہوا۔ "یہ جنون ہے۔"

"ہاں یہ جنون ہے۔" بینا نے دماغ کی بات مان لی۔
"اور یہ جنون اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک میں اپنا

انتظام نہ کر لوں۔"

دل اور دماغ کی اس کشمکش کے ساتھ وہ بستر کے قریب [illegible]

[illegible]

اسے باذل کے نفس کی تیز رفتاری بھی سنائی دے رہی تھی۔

"رک جا بینا!" دماغ چیخ پڑا۔

لیکن بینا باذل سے ٹکرا گئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے
نابینا ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو لیکن درحقیقت اس نے دیدہ
و دانستہ ایسا کیا تھا۔ اسے بالکل صحیح اندازہ تھا کہ باذل اس
وقت کہاں بیٹھا تھا۔ پھر ایسا لگا جیسے وہ سنبھل نہ سکی ہو۔ باذل
بستر پر اور وہ اس کے اوپر گری۔

"رک جا بینا!... رک جا بینا!... رک جا بینا!" دماغ
میں ایک گونج سی پھیلنے لگی۔

"نہیں۔" بینا نے دانت پر دانت جما لیے۔

اور پھر دماغ ہار گیا۔

لیکن اس کے ساتھ بینا بھی ہار گئی۔

باذل اس کا مجرم نہیں تھا۔

جب وہ بینا کے کمرے سے نکلا تو جو کچھ ہوا، وہ اس
کے سان گمان میں بھی نہیں تھا۔

"تم؟ یہاں؟ اس وقت؟" وہ ظفر کی آواز تھی۔

باذل کو اس آواز سے پہلے بس اتنی مہلت ملی تھی کہ اس
نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر وہ اس طرح ساکت
رہ گیا جیسے پتھر کا مجسمہ بن گیا ہو۔

ظفر کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل کی طرف بڑھا۔
کمرے میں بینا نے اس کی آواز سن لی تھی۔ ظفر نے دروازہ
کھول کر دیکھا۔ بینا نے بڑی تیزی سے بستر کی چادر اپنے جسم
پر لپیٹ لی تھی۔

ظفر نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور پھر اس کے بائیں
ہاتھ کا تماچا باذل کے گال پر پڑا۔ باذل ڈگمگا گیا لیکن اس کی
نظریں نہیں اٹھ سکیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ... بلکہ شاید حویلی میں
کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔" ظفر نے اپنی بات کسی حد تک
مبہم ہی چھوڑ دی اور پھر باذل کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً گھسیٹتا
ہوا ایک طرف لے جانے لگا۔

"ظفر بھائی!" باذل گھگھیایا۔

ظفر ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس نے باذل کا ہاتھ
چھوڑے بغیر اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ایک پل کے لیے تو میں یہ فیصلہ کر بیٹھا تھا کہ تمہیں کرنل چچا
ہی کے سامنے پیش کر دوں لیکن اس طرح تو شاید میں ساری

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

حویلی ہی [illegible] میں بھونچال لے آؤں گا۔ [illegible]

[illegible]

ہوئی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ۔" ظفر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اب
کبھی میرے سامنے مت آنا۔"

باذل نظریں جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا
جانے لگا۔ ظفر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے
اوجھل ہو گیا تو وہ تیزی سے مڑا۔ اس مرتبہ وہ کسی جھجک کے
بغیر بینا کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

بینا اس وقت واش روم سے نکل رہی تھی۔ اس نے
بڑی عجلت میں اپنا لباس پہنا تھا جس کا اندازہ دیکھنے والے کو
بھی ہو سکتا تھا۔

"بینا!" ظفر بولا۔ "تمہاری یہ حرکت دیکھنے کے بعد
میں اب اپنے موقف پر سختی سے ڈٹ جاؤں گا۔ تمہاری
شادی اب باذل سے ہرگز نہیں ہو سکے گی۔ کیا معلوم کہ تم پہلے
بھی کیا گل کھلا چکی ہو اور شادی کے بعد بھی کیا گل کھلاتی رہو
گی۔"

اب وہ لمحہ تھا جب باذل کی طرح وہ بھی سکتے کے عالم
میں کھڑی رہ گئی۔ راز افشا ہو جانے کے باعث اس کا دماغ
شل ہو گیا تھا۔ وہ کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ اس نے
ایسی آواز سنی جیسے ظفر کمرے سے نکل گیا ہو۔ دروازہ خاصی
زور سے بند کیا گیا تھا۔

اب بینا آہستہ آہستہ اپنے بستر کی طرف بڑھی۔ پھر
بستر پر ڈھیر ہی ہو گئی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ
اس راز کے افشا ہونے کا کیا نتیجہ سامنے آئے گا۔ اسے یہ بھی
ہوش نہیں رہا کہ وہ بستر پر کب تک اس طرح پڑی رہی تھی۔
اسے موبائل فون کی گھنٹی نے چونکایا۔

اس وقت؟ وہ پریشان ہوئی۔

کیا تابندہ؟

دماغ میں چکراتے ہوئے سوالوں کے ساتھ بینا نے
دراز میں سے اپنا موبائل فون نکال کر کان سے لگایا۔

"ہیلو!" اسے اپنی آواز بے جان سی لگی۔

"میں باذل بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے تیزی
سے کہا جانے لگا۔ "گھبرانا مت! پریشان نہ ہونا۔ میں نے
اندازہ لگا لیا ہے کہ ظفر بھائی کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ ابھی
میں یہ بھی دیکھ چکا ہوں کہ وہ سیدھے اپنے کمرے میں گئے
ہیں۔"

[illegible] کر دیا۔

دوسری صبح اس نے مکمل سکون اس وقت محسوس کیا جب
وہ ناشتے کی میز پر تھی۔ اسے ماحول میں کوئی تبدیلی محسوس
نہیں ہوئی۔

☆☆☆

شام کے قریب فراز اپنے دفتر سے لوٹا۔ وہ تھکا ماندہ
نظر آ رہا تھا۔ تابندہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں
داخل ہوئی۔

"یہ اچانک تم میری دم کیوں بن گئیں؟" فراز بولا۔

"آپ کو اب کہیں جانا تو نہیں ہے؟" تابندہ نے
پوچھا۔

"نہیں... کیوں؟ ہاں رات کو جانا ہے۔ کھانے کے
بعد نکلوں گا۔ ایک دوست سے ملنا ہے۔"

"پھر تو آپ کی گاڑی لے جا سکتی ہوں۔ دو ڈھائی
گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔ آج میں...... بینا سے ملنے
نہیں گئی۔"

"کیا حال ہے اس کا؟" فراز ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنے
جوتے اتارنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" تابندہ نے کہا۔ "آپ اپنی طرف کا
احوال تو سنائیں۔"

"میری طرف کا کیا احوال؟"

"وہ جو آپ نے مجھے ایک محترمہ کی تصویر دکھائی تھی،
انہی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"تفتیش جاری ہے۔" فراز نے مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ کی تفتیش آپ کے لیے بازیچہ بھی ثابت
ہوئی تو میں اس بدصورت لڑکی کو اپنی بھابی نہیں بننے دوں
گی۔"

"ارے واہ! اس کے ساتھ زندگی مجھے گزارنا ہے یا
تمہیں؟"

"کوئی ڈھنگ کی صورت والی تلاش نہیں کر سکے
آپ؟" تابندہ نے منہ بنایا۔

فراز ہنسا۔ "ڈھنگ کی صورت!"

"کیوں؟ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"ڈھنگ کی صورت والیوں پر آج کل بھروسا نہیں کیا
جا سکتا۔ زیادہ تر ایسی ہی ہوں گی جن کا کسی نہ کسی سے افیئر
چل چکا ہو۔"

"بینا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

digestpk.blogspot.com

"کیوں؟" تابندہ بولی۔ "کیا وہ خوب صورت نہیں ہے؟ کیا وہ آپ کو بھی اچھی نہیں لگی؟"

فراز نے اس کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔ "وہ تو مجھے اس وقت بھی پسند تھی جب ہم اسکول میں پڑھا کرتے تھے اور وہ بھی مجھے پسند کرتی تھی۔ اب بھی حویلی میں کسی وقت میرے اور اس کے آس پاس کوئی نہیں ہوتا تو اس کی بعض باتوں سے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ اب بھی مجھے پسند کرتی ہو، مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ کبھی بھی اس کا افیئر کسی سے نہیں چلا ہوگا کیونکہ اس کی بصارت ختم ہو چکی ہے لیکن اس سے میری شادی تو بہرحال نہیں ہو سکتی نا!"

"کیوں؟"

"یہ بات تمہاری زبانی بھی اور ویسے بھی میرے علم میں آ چکی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے جو مالی اعتبار سے حویلی والوں کا ہم پلہ ہو، اور میں ایسا ہوں نہیں۔ ڈیڈی کوئی پشتینی رئیس نہیں ہیں اور میں بھی بس ایک بینکر ہوں۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ آپ کو پسند کرتی ہے تو وہ آپ کے لیے یہ شرط نہیں لگائے گی۔"

"کیوں نہیں لگائے گی، پسند کرنے اور شادی کرنے میں بہت فرق ہے۔ اگر اس سے میرے بارے میں اس قسم کی بات کی گئی تو وہ مجھے بھی ان لوگوں میں شمار کرے گی جو اپنی زندگی کے سفر میں اس کے والد کی دولت کا سہارا لینا چاہتے ہوں۔"

"ضروری تو نہیں ہے کہ وہ آپ کے بارے میں بھی..."

"ناممکن باتوں پر بحث مت کرو۔" فراز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ "میں تازہ دم ہونا چاہتا ہوں۔" وہ باتھ روم کی طرف بڑھا۔ "مجھے شاور لینا ہے۔"

تابندہ نے محسوس کیا کہ اس ذکر نے فراز کو کچھ افسردہ کر دیا تھا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں۔" تابندہ نے تپائی پر پڑی ہوئی فراز کی کار کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی گاڑی لے جا رہی ہوں۔"

"کھانے کے وقت تک واپس آ جانا۔" فراز نے کہا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

بابر کی وجہ سے وہ پہلے ہی اپ سیٹ تھی۔ اس وقت فراز سے … بنائی تھی، اس میں فراز کا نام بھی ہوگا۔

اب تابندہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ فراز کے سلسلے میں بینا کا اقدام درست ہوگا یا نہیں اور اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کے بھائی کا نام اس فہرست میں نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بینا کی غلطی ہوگی اگر وہ یہ نام اس فہرست میں رکھے گی۔ فراز تو بینا کے ذکر پر افسردہ ہو گیا تھا۔ اسے یقیناً بینا سے محبت تھی اور جس سے محبت ہو، اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔

کم از کم تابندہ نے اس وقت اسی انداز میں سوچا تھا اور سوچتی رہی تھی۔ فراز کی طرح یہ خیال اسے بھی تھا کہ بینا اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی۔

حویلی پہنچنے کے بعد اتفاقاً اس کا سامنا سب سے پہلے بابر ہی سے ہوا۔ بابر اسے دیکھ کر مسکرایا لیکن وہ اس سے کترا کر آگے نکل گئی۔ اپنے عقب میں اسے بابر کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی اور وہ کھول کر رہ گئی۔ اب اس کے دل میں بابر کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اب اسے یہ خیال بھی آیا تھا کہ بینا کا مجرم شاید بابر ہی ہو۔ اس نے تابندہ کے ساتھ جو حرکت کرنا چاہی تھی، وہ حرکت وہ کسی کے ساتھ بھی کر سکتا تھا۔ تابندہ صرف اس بات پر کچھ متعجب تھی کہ بابر نے اس کے معاملے میں اتنی تاخیر کیوں کی تھی۔

تابندہ نے اس کا سبب خود ہی سوچ لیا۔ زیادہ عرصہ گزار کر بابر اس کا مکمل اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوگا تا کہ اس کا وار خالی نہ جا سکے۔ اس عرصے میں تابندہ کو اگر اس پر اعتماد نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں ایک قدم بھی نہ رکھتی۔

بینا کے کمرے میں پہنچنے سے پہلے اس کا سامنا باذل سے بھی ہوا۔ پہلے ان کا کبھی اس طرح آمنا سامنا ہوا کرتا تھا تو دو چار رسمی جملوں کا تبادلہ ضرور ہوتا تھا مگر اس وقت وہ نظریں چرا کر گزر گیا۔

دل میں ایک چور جو ہوگا، تابندہ نے سوچا۔ صبح اسے موبائل فون پر بینا گزشتہ رات کے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی۔

بینا کے کمرے میں اس سے ملتے ہی تابندہ نے وہی باتیں چھیڑ دیں۔ "میں نے فون پر تم سے کچھ نہیں کہا تھا …

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

… اس حرکت کے بعد تم خود اپنی نظروں میں گر نہیں گئیں؟"

"میں … سے کر رہی تھی۔"

"اس رات میں اور کل کی رات میں بہت فرق ہے بینا! کل تم نے خود ہی اپنا آپ کسی پر نچھاور کر دیا۔"

"اس سے کیا فرق پڑا، ہوا تو وہی جو اس رات ہوا تھا۔"

"کل تمہیں کوئی شرم، کوئی جھجک نہیں تھی؟"

بینا تلخی سے مسکرائی۔ "اگر اندھی نہ ہوتی تو شاید ہوتی۔ مجھ پر صرف جنون طاری تھا چندا!"

"جنون۔" تابندہ نے دہرایا۔ "میں نے یہی تو کہا تھا کہ تم پر دیوانگی طاری ہو گئی ہے اور اس دیوانگی کا کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلا۔"

"نکلے گا۔" بینا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"ہاں۔" تابندہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ اندازہ مجھے بھی ہے کہ تم یہ سلسلہ جاری رکھو گی۔ ظفر بھائی نے تو خاموشی اختیار کر لی ہے۔"

"ہاں، یہ میرے حق میں اچھا ہوا ہے۔ اگر بات بڑھ جاتی اور ابا جان کے کانوں تک بھی پہنچتی تو نہ جانے کیا قیامت برپا ہوتی۔ ابا جان شاید مجھے جان سے مار دیتے۔ میں اپنے مجرم کا پتا لگانے کی حسرت لیے اس دنیا سے رخصت ہو جاتی۔"

تابندہ کچھ نہیں بولی۔ پہلی مرتبہ اسے خیال آ رہا تھا کہ بینا کا علاج شاید کوئی ماہر نفسیات ہی کر سکتا ہے۔ شاہینہ کی مہندی والی رات اس پر جو قیامت گزری تھی، اس کا صدمہ اس کے دماغ پر شدت سے اثر انداز ہوا تھا۔ وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے سے قاصر ہو چکی تھی۔ اچھے اور برے کا فرق اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا ورنہ کوئی شریف اور صحیح الدماغ لڑکی وہ سب کچھ نہیں کر پاتی جو بینا نے سوچا تھا۔ وہ سراسر دیوانگی تھی لیکن اس کی دیوانگی کا دائرہ صرف اس شخص تک محدود تھا جس نے اسے بے آبرو کیا تھا۔ اس کے علاوہ تمام معاملات میں اس کا دماغ صحیح طور پر کام کر رہا تھا۔

تابندہ کی خاموشی پر جب بینا نے اسے ٹھوکا دیا تو اس نے ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔ "اب تمہارا دوسرا ٹارگٹ کون ہوگا؟"

… بینا کو نفسیاتی علاج کی ضرورت تھی۔

تابندہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بینا کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ موبائل فون اس وقت سائڈ ٹیبل پر ہی رکھا تھا۔ بینا وہ ٹٹول کر اٹھاتی اس لیے تابندہ ہی نے موبائل فون اٹھا کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس کی نظر موبائل فون کی اسکرین پر پڑ گئی جہاں اسے باذل کا نام نظر آیا تھا۔

"ہیلو!" بینا نے موبائل فون کان سے لگاتے ہوئے کہا اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تابندہ نہیں سن سکی کہ دوسری طرف سے کیا کہا جا رہا تھا۔ اس نے بینا کے قریب ہو کر سننے کی کوشش کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

"ہو گئی کوئی بات۔" آخر بینا بولی۔ "اب آئندہ تم مجھے کبھی فون مت کرنا۔" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی اور اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

"بینا!" تابندہ بولی۔ "میں نے اتفاق سے اسکرین پر باذل کا نام دیکھ لیا تھا۔ کیا تم اب اس سے اتنی سرد مہری سے پیش آیا کرو گی؟"

"مجبوری ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ ضرور کوئی ایسی تدبیر سوچ رہا ہوگا کہ زیادہ رازداری کے ساتھ مجھ سے تنہائی میں مل سکے لیکن مجھے اب اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" بینا نے جواب دیا اور کچھ سوچنے لگی۔

تابندہ نے پوچھا۔ "وہ کہہ کیا رہا تھا؟"

"عجیب سی بات ہے۔" بینا نے کہا۔ "کوئی غیر ملکی لڑکی ابا جان سے ملنے آئی ہے۔ ابا جان نے اسے اپنی خواب گاہ سے متصل نشست گاہ میں بلا لیا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کیوں آئی ہے اور اس وقت ابا جان سے کیا باتیں کر رہی ہے۔ باذل اندازہ نہیں لگا سکا ہے کہ وہ کوئی امریکن ہے، انگریز ہے، یا کسی اور ملک کی ہے۔"

"یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہے۔" تابندہ نے کہا۔ "ابا جان اجنبیوں کو اپنی خواب گاہ کی نشست گاہ میں نہیں بلاتے اور باذل نے تمہیں اس بارے میں جس طرح اطلاع دی ہے، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی اجنبی ہے، یا کم از کم باذل کے لیے ضرور اجنبی ہے۔"

نشست گاہ میں بلالیں اور اس سے تنہائی میں ملاقات کریں۔ تم ذرا جا کر صورتِ حال کا جائزہ تو لو تابندہ! میرا خیال ہے کہ حویلی میں اس وقت سبھی ہیجان کا شکار ہوں گے۔''

''میں دیکھتی ہوں۔'' تابندہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

☆☆☆

اس وقت حویلی کا ماحول واقعی ہیجان انگیز تھا۔ سبھی تیزی سے ایک دوسرے کے کمرے میں آجا رہے تھے اور سرگوشیوں میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کرنل صہبائی اور غیر ملکی لڑکی بدستور نشست گاہ میں تھے اور کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہاں جائے۔

تابندہ نے واپس آکر بینا کو صورتِ حال بتائی۔ وہ دونوں متجسس انداز میں اس بارے میں باتیں کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد تابندہ پھر گئی۔ اس مرتبہ اسے ایک اور نئی بات معلوم ہوئی۔ کرنل صہبائی نے ایک ملازم کے ذریعے شمشاد صاحب کو نشست گاہ میں بلوا لیا تھا۔

آدھا گھنٹا گزر گیا۔ اس کے بعد تابندہ، بینا کے کمرے میں آئی تو بینا نے محسوس کیا کہ شاید وہ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

''چلو بینا!'' وہ کسی قدر ہانپتے ہوئے بولی۔ ''ابا جان اس لڑکی کے ساتھ عام نشست گاہ میں پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے گھر کے سب لوگوں کو وہاں بلایا ہے۔''

''کیا معاملہ ہے؟'' بینا بڑبڑاتے ہوئے اٹھی۔

نشست گاہ میں ایک ایک کر کے سب لوگ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ کرنل صہبائی جس صوفے پر بیٹھے تھے، اسی پر ایک غیر ملکی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے افسردگی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کے نقش و نگار خاصے دل آویز تھے۔ کرنل صہبائی کی گود میں ایک ڈائری تھی۔ ان کا ایک ہاتھ ڈائری پر تھا مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ڈائری چھپانا چاہتے تھے۔ بے خیالی ہی میں ان کا ہاتھ ڈائری پر چلا گیا ہوگا۔

نشست گاہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی آپس میں نہیں بول رہا تھا۔ سب کی نظریں کبھی کرنل صہبائی اور کبھی غیر ملکی لڑکی کے چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

نشست گاہ میں داخل ہونے والے آخری قدم بینا اور تابندہ کے تھے۔ بینا کے بیٹھ جانے کے بعد تابندہ نے کرنل صہبائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا ابا جان! میں اب

''جی نہیں... دراصل۔'' تابندہ کی نظریں غیر ملکی لڑکی [illegible]

[illegible]

نے اس کی بات کاٹی۔ ''نہیں! کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تم سے چھپائی جائے، بیٹھو۔''

تابندہ، بینا کے برابر میں بیٹھ گئی۔

کرنل صہبائی نے ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالی پھر بولے۔ ''یہ بچی جو میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے، اس کا نام میڈیلین ہے۔ یہاں بھائی صاحب، بھابی جان اور ظفر کے دونوں بچوں کو چھوڑ کر جو سب موجود ہیں، یہ ان سب کی بھاوج ہے، مسعود کی بیوی۔''

یہ انکشاف وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا لیکن یہ دھماکا شمشاد صاحب پر پہلے ہی ہو چکا ہوگا۔

میڈیلین نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ کرنل صہبائی کی زبان پر مسعود کا نام آنے پر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ اس وقت اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

کرنل صہبائی کچھ توقف سے بولے۔ ''اس کا افسوس اپنی جگہ کہ مسعود نے اپنا یہ اقدام ہم لوگوں سے چھپایا لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ میڈیلین اس حویلی کی بہو ہے اور یہ اس بچی کی بدنصیبی ہے کہ اب اس کا دنیا میں ہمارے سوا کوئی نہیں۔ اب اسے یہیں رہنا ہے۔ حویلی میں اس کا وہی مقام ہوگا جو ظفر دلہن کا ہے۔'' پھر کرنل صہبائی کی نظریں ظفر کی بیوی کی طرف اٹھیں۔ ''ظفر دلہن!''

''جی کرنل چچا!'' ظفر کی بیوی جلدی سے بولی۔

''میڈیلین کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ اسے اپنا کوئی لباس پہنا دو۔ آج کی رات کے لیے اسے کوئی ایسی بہتر خواب گاہ دے دو جو مہمانوں کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے۔ کل دن میں اس کے لیے نئے فرنیچر سے آراستہ خواب گاہ تیار ہو جانا چاہیے اور یہ ذمے داری میں تمہیں سونپ رہا ہوں بابر۔''

''بہت بہتر کرنل چچا!'' بابر بولا۔

ظفر کی بیوی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس صوفے کی طرف بڑھی جس پر کرنل صہبائی اور میڈیلین بیٹھے ہوئے تھے۔

''ذرا ٹھہرو!'' کرنل صہبائی نے اس کی طرف دیکھ

[illegible]

تابندہ چونکی۔ کرنل صہبائی نے اسے چونکتے ہوئے [illegible]

[illegible]

آتا ہی ہوگا۔

تابندہ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فراز کو کیوں بلایا گیا تھا لیکن وہ کوئی سوال نہیں کر سکی۔

بینا اس وقت جذباتی ہیجان کا شکار تھی۔ مسعود کی یاد نے اس کے چہرے پر بھی اداسی بکھیر دی تھی اور اس خواہش نے اسے مضطرب بھی کر دیا تھا کہ وہ کسی طرح جلدی سے اپنی بھابی کو اپنے گلے لگا لے۔

''شیراز!'' کرنل صہبائی بولے۔ ''تم ہوٹل چلے جاؤ۔'' انہوں نے ہوٹل کا نام بتا کر کہا۔ ''میڈیلین کا سامان وہیں ہے۔ وہ لے آؤ۔''

میڈیلین غالباً تھوڑی بہت اردو سمجھ لیتی تھی لیکن بولنے پر قادر نہیں تھی۔ اس نے کرنل صہبائی کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ ''سامان کے لیے تو مجھے جانا پڑے گا۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' کرنل صہبائی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میڈیلین کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا پھر انہوں نے اپنے موبائل پر کسی سے رابطہ کیا اور بولے۔ ''کیا حال ہے جناب منیجر صاحب!'' ان کا انداز بے تکلفانہ تھا۔ انہوں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''جی ہاں! عنایت صاحب! آپ نے میری آواز پہچاننے میں بالکل غلطی نہیں کی ہے۔ میں نے اس وقت ایک ضرورت سے آپ کو فون کیا ہے۔ آج دوپہر کو ایک غیر ملکی لڑکی میڈیلین آپ کے ہوٹل میں مقیم ہوئی تھی۔ اس وقت اسے حویلی کا پتا معلوم نہیں تھا۔ اب وہ یہاں آگئی ہے۔ اس کا قیام اب ہوٹل میں نہیں رہے گا۔ میں اس کا سامان لینے کے لیے اپنے بھتیجے شیراز کو بھیج رہا ہوں۔ آپ سامان اسے دے دیجیے۔''

وہ جب ہوٹل کے منیجر سے بات کر رہے تھے تو میڈیلین نے پہلی مرتبہ سر اٹھا کر وہاں موجود افراد کے چہروں پر نظریں دوڑائیں۔

''اب تم جاؤ شیراز!'' کرنل صہبائی نے موبائل فون بند کر کے کہا۔ ''میڈیلین کا سامان لے آؤ۔''

شیراز سر ہلا کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''میڈیلین!'' کرنل صہبائی بولے۔ ''میرا خیال ہے

[illegible]

گاہ میں داخل ہوا تھا۔ سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ تابندہ نے اسے ٹھٹک کر رکتے ہوئے دیکھا۔ اس کی نظریں میڈیلین پر تھیں۔

''آؤ فراز! قریب آؤ۔'' کرنل صہبائی بولے۔

فراز تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچا۔

''اس بچی کو جانتے ہو؟'' کرنل صہبائی نے میڈیلین کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں نہیں ابا جان!'' فراز نے جلدی سے کہا اور پھر میڈیلین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''مس میڈیلین! آپ انگلینڈ سے کب آئیں... اور... یہاں... میرا مطلب ہے...''

''تم میڈیلین کو کب سے جانتے ہو فراز؟'' کرنل صہبائی نے پوچھا۔

''چار سال سے ابا جان!'' فراز نے کہا۔ ''چار سال پہلے انگلینڈ سے ایک تجارتی وفد یہاں آیا تھا۔ اس میں مس میڈیلین کے والد بھی تھے۔ وفد کو تو یہاں دو ماہ رکنا تھا لیکن مس میڈیلین کے والد مزید ایک ماہ رکے تھے۔ مس میڈیلین صرف تفریح کی غرض سے اپنے والد کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔ نہ جانے کس کے کہنے پر انہوں نے میرے بینک میں اکاؤنٹ کھولا تھا۔ میں اس وقت منیجر تھا۔''

''مسعود تمہاری برانچ میں آیا کرتا تھا؟''

''یقیناً ابا جان! میں اور وہ تو ہمیشہ ہی ایک دوسرے کے قریب رہے ہیں۔''

''مسعود سے میڈیلین کا تعارف تم ہی نے کرایا تھا؟''

''جی ہاں۔''

''خیر! اب میں تمہیں بتاؤں کہ جب یہ دونوں یہیں تھے تو ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ مسعود نے انگلینڈ جانے کے لیے اعلیٰ تعلیم کا محض بہانہ کیا تھا۔ اسے وہاں جا کر میڈیلین سے شادی کرنا تھی۔''

''جی!'' فراز چونکا۔

''ہاں۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''اب تم میڈیلین کے نام کے ساتھ مس کا اضافہ مت کرنا۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اب یہ مسعود کی بیوہ ہے۔''

میڈیلین نے ایک بار پھر رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

مارچ 2011ء کے شمارے کی ایک دلکش جھلک

کھیل اور کھلونے

دولت اور شہرت کے مابین رسا کشی اور صلاحیتوں کا استحصال... ہنر مندوں کی عجیب آزمائش... سفاک حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے آخری صفحات پر منظر امام کا ایک نیا انداز

تخت نشین بزم نشین

ابتدائی صفحات پر ڈاکٹر ساجد امجد کے قلم سے چند بادشاہ گروں کا قصۂ عبرت... جو آنے والے کل سے بے خبر اپنی طاقت پر گھمنڈ کیے بیٹھے تھے... دوسرا اور آخری حصہ

حضرت یوشع بن نونؑ

اولاد ابراہیم..... حضرت یوشع بن نونؑ کی زندگی اور دوسرے انبیائے کرام کے واقعات سے حیرت انگیز مماثلت... رضوانہ ساجد کے قلم سے ایک اور شاہکار

جھوٹی گواہی

مکافات عمل پر مشتمل کچھ ضمیر فروشوں کی روداد... مرزا امجد بیگ کا ایک مضبوط کیس لینے سے صاف انکار

ایک کم عزادہ

واپسی، اناڑی، محفل شعر و سخن، آپ کے خط

مزید

ثمر ضمیر ادیب، ضیا تسنیم بلگرامی، تحریر ریاض، سلیم انور، کاشف زبیر اور مریم کے خان کی دلچسپ تحاریر آپ کی منتظر

مسعود وہاں جا کر فوراً ہی شادی نہیں کی تھی۔ اس نے ... وہاں داخلہ ... اپنے ... ایک ... چوتھا دوست جمال یہیں رہتا ہے۔ وہ اور مسعود یہاں سے ساتھ ہی گئے تھے۔ شاید مسعود کو انگلینڈ جا کر شادی کرنے کا خیال اسی لیے آیا ہو کہ ان دنوں جمال تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی بہن صبا، شاہینہ کی بہت گہری دوست ہے۔ وہ مہندی والے دن سے شادی کی رات تک حویلی ہی میں رہی تھی۔ اسے یہاں لانے اور یہاں سے لے جانے کی ذمے داری جمال ہی کی تھی اور کیونکہ مسعود سے اس کی دوستی کی وجہ سے باذل وغیرہ بھی اسے جانتے تھے اس لیے مہندی اور شادی میں شرکت کی دعوت اسے بھی دی گئی تھی۔ وہ بھی آیا تھا۔“

”آپ مجھے حیران کر رہے ہیں کرنل چچا!“ راحیل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”اس سے پہلے آپ بتا چکے ہیں کہ مسعود اور میڈیلین کی شادی میں وہ بھی شریک ہوا تھا۔“

کرنل صہبائی نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ جمال اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے یہاں آ گیا تھا۔ دراصل ایک حادثے میں اس کے باپ کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی تھی اور دوسری ٹانگ پر بھی ضربات آئی تھیں۔ اب اگرچہ وہ ٹھیک ہو چکے ہیں لیکن وہیل چیئر ان کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکی ہے۔ جمال آیا تو تھا باپ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع سن کر اور پھر اسے واپس بھی جانا تھا لیکن باپ کی اس حالت کے باعث اسے اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ یہاں اس کے باپ کا خاصا بڑا کاروبار ہے جسے اب وہی سنبھال رہا ہے۔“ کرنل صہبائی نے پائپ سلگایا۔

راحیل بڑے انہماک سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

کرنل صہبائی نے ایک گہرا کش لینے کے بعد کہنا شروع کیا۔ ”مسعود کی شادی فوراً نہیں ہوئی تھی۔ چھ ماہ گزر گئے تھے۔ اس تاخیر کا سبب میڈیلین کے گھریلو تنازعات تھے۔ وہ ختم ہونے کے بعد ہی ان دونوں کی شادی ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شاہینہ کی شادی میں پہلے سے نہیں آیا تھا اور اس نے دوسرے ہی دن واپس جانے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا۔“ انہوں نے خاموش ہو کر ایک ٹھنڈی سانس شاید اس خیال سے لی کہ مسعود انگلینڈ واپس جانے کے بجائے دوسری

... ہم لوگ کھانا کھائیں گے۔ جب سب لوگ اپنے ... کر ساڑھے گیارہ بجے کا وقت مناسب رہے ... وقت کوئی مصروفیت نہ ہو تو...“

”میں حاضر ہو جاؤں گا کرنل چچا!“ دوسری طرف سے راحیل نے جلدی سے کہا۔

”اچھا، میں تمہارا انتظار کروں گا۔“ کرنل صہبائی نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

راحیل ساڑھے گیارہ بجے کرنل صہبائی کی خواب گاہ سے متصل نشست گاہ میں تھا۔ خاصی تمہید کے بعد کرنل صہبائی نے اسے بتانا شروع کیا۔ ابتدا ان باتوں سے ہوئی جو فراز اور میڈیلین کا آمنا سامنا ہونے پر سبھی کے علم میں آ چکی تھیں۔

”مسعود اور میڈیلین کا معاشقہ اسی زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔“ کرنل صہبائی نے بات جاری رکھی۔ ”فراز سے بے تکلفی کے باوجود مسعود نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا تھا اور مجھے کچھ بتاتے ہوئے وہ تذبذب کا شکار رہا۔ اسے اچانک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی صرف اسی لیے سوجھی تھی کہ وہ انگلینڈ جا کر میڈیلین سے شادی کر لے۔ اس کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اتنی ہمت پیدا ہو جائے کہ وہ ایک مغربی لڑکی سے اپنی شادی کے بارے میں مجھے بتا سکے۔ ایسی ہی مشکل میڈیلین کو انگلینڈ میں پیش آئی۔ اس کے باپ نے اس شادی کی مخالفت کی تھی لیکن یہ بات تم سمجھ ہی سکتے ہو راحیل کہ ہمارے مشرقی معاشرے اور مغربی معاشرے میں بہت فرق ہے۔ اس نے باپ کی مخالفت کے باوجود مسعود سے شادی کر لی۔ شادی مغربی رسم و رواج کے مطابق ہوئی۔ اس پر باپ اس سے لاتعلق ہو گیا۔ خود میڈیلین کا خیال ہے کہ اس لاتعلقی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کو طلاق دے کر ایک نوجوان لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ وہاں کے ماحول میں یہ سب کچھ عام سی باتیں ہیں۔ میڈیلین کی ماں نے بھی اس کے بعد کسی سے شادی کر لی تھی۔ خیر! تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میڈیلین اور مسعود کی شادی ہماری اقدار کے مطابق بھی ہوئی تھی۔ اس میں مسعود کے چند دوست شریک ہوئے تھے۔“

”انگلینڈ میں مسعود کے دوست؟“ راحیل بول پڑا۔

”اب میں سب لوگوں کا تم سے تعارف کرا دوں۔“ کرنل صہبائی نے صوفے سے کھڑے ہوتے ہوئے میڈیلین سے کہا۔ ”سب کے قریب چل کر ان سے ملو۔“

میڈیلین ان کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ اس نے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے رسمی انداز میں کہا۔ ”آپ کیسے ہیں مسٹر فراز؟“

”ٹھیک... ٹھیک ہوں... ٹھیک ہوں۔“

پھر اس سے پہلے کہ کرنل صہبائی میڈیلین کو لے کر یکے بعد دیگرے سب کے پاس جاتے، سب لوگ خود ہی اٹھ کر ان کے قریب چلے آئے۔

کرنل صہبائی نے شمشاد صاحب کی بیگم سے آغاز کیا اور یہ شاید اتفاق تھا کہ آخری فرد بینا تھی۔

”مسعود تمہارا ذکر بہت کیا کرتے تھے بینا!“ میڈیلین نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

بینا سسکیاں لیتی ہوئی میڈیلین سے لپٹ گئی۔

کرنل صہبائی نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھر ظفر کی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ”اب تمہیں وہی سب کچھ کرنا ہے جو میں تم سے کہہ چکا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ شیراز کے آ جانے کے بعد سب لوگ کھانا کھائیں گے۔ کھانے کے بعد تم ظفر کے ساتھ بازار چلی جانا۔ کسی بہت اچھے بوتیک سے میڈیلین کے لیے ملبوسات خرید لانا۔“

میڈیلین اس وقت اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ کرنل صہبائی جیسا شخص یقیناً یہ پسند نہیں کر سکتا تھا کہ اس حویلی کی کوئی بہو نیم عریاں لباس میں رہے۔

ظفر کی بیوی سے بات مکمل کرنے کے بعد کرنل صہبائی بینا کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے۔ ”تم شاہینہ کو فون کر دو بیٹا! وہ بھی اسی وقت آ کر اپنی بھاوج سے مل لے۔“

”جی ابا جان! میں ابھی کرتی ہوں۔“

ظفر کی بیوی میڈیلین کو اپنے ساتھ لے جانے لگی۔

کرنل صہبائی اپنے موبائل فون پر کسی کا نمبر ملاتے ہوئے نشست گاہ سے نکل گئے۔ موبائل انہوں نے اپنے کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے دو مرتبہ گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور پھر کال ریسیو کر لی گئی۔

”جی کرنل چچا! خیریت؟“

”تم سے ایک ضروری کام آ پڑا ہے راحیل!“ کرنل صہبائی نے کہا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

یہاں سے میڈیلین کو مسعود کے قتل کی اطلاع ملی تھی۔'' کرنل صہبائی نے کچھ توقف سے کہا۔ ''یہ میڈیلین کے لیے بھی بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ نہ صرف فوری طور پر بے ہوش ہوگئی بلکہ کومے میں چلی گئی۔ وہ اس وقت ایک دوست سے ملنے اس کے گھر گئی ہوئی تھی۔ اسی دوست نے اسے اسپتال پہنچایا۔ وہاں وہ دس دن پہلے تک کومے میں رہی۔ جمال کو اس بارے میں اطلاع اس کی دوست سے ہی ملتی رہی۔ کومے سے باہر آنے کے بعد بھی ڈاکٹرز نے اسے چند دن تک اسپتال سے جانے کی اجازت نہیں دی۔ ان دنوں میں میڈیلین نے اسپتال سے مسعود کے موبائل نمبر پر رابطہ کرنا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی کال گھر کا کوئی فرد ریسیو کرے گا تو وہ اسی سے مسعود کے بارے میں بات کرے گی لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔''

''کیوں؟'' راحیل پوچھ بیٹھا۔ ''مسعود کا موبائل فون کہاں ہے؟''

''وہ اس کی جیب میں ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں تھا۔ میں متعلقہ پولیس آفیسر سے فون پر بات کرچکا ہوں۔ اس کا کہنا یہی ہے کہ مسعود کے پاس موبائل فون نہیں تھا اور جو چیزیں بھی تھیں، وہ بعد میں ہمیں دے دی گئی تھیں۔''

راحیل نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔ ''میں یہ سب کچھ سنتے ہوئے خاصا متجسس ہوگیا ہوں کرنل چچا! سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اچانک آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا؟''

''میں اب اسی طرف آرہا ہوں۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''اسپتال سے ہی میڈیلین نے جمال سے بھی رابطہ کیا مگر وہ بھی نہیں بتاسکا کہ اسے مسعود کے موبائل سے جواب کیوں نہیں مل رہا ہے۔ میڈیلین نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ مسعود نے یہاں پہنچ کر ائرپورٹ سے ایک موبائل خرید لیا تھا اور اسی سے فوراً میڈیلین سے بات کی تھی اور میڈیلین نے اس کا وہ نیا نمبر اپنے موبائل میں محفوظ کرلیا تھا۔ بس یوں سمجھو راحیل کہ یہ بھی ایک معما ہے۔ مسعود کا موبائل فون غائب کہاں ہوگیا۔ موبائل فون اسی لیے ہوتا ہے کہ انسان وہ اپنے ساتھ رکھ سکے لیکن وہ پولیس کو مسعود کے سامان میں نہیں ملا [illegible]

[illegible] کاروباری سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ میڈیلین نے [illegible] جمال [illegible] تو اس نے میڈیلین کو بتادیا تھا کہ وہ اس وقت [illegible] ہوا ہے لہٰذا میڈیلین کراچی ائرپورٹ سے فلاں ہوٹل جاکر قیام کرے اور وہیں اس کی منتظر رہے۔''

''میڈیلین اب کہاں ہے؟'' راحیل بے چینی سے پوچھ بیٹھا۔

''بتاتا ہوں۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''تسلسل سے سنتے رہو۔''

راحیل ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

کرنل صہبائی بولے۔ ''جمال نے اس سے کہا تھا کہ میڈیلین کو ہوٹل میں اس کا چار گھنٹے سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا لیکن جب اس سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا تو اس نے جمال کو پھر فون کیا۔ جمال نے اسے بتایا کہ وہ اسلام آباد میں مزید ایک دن رکنے پر مجبور ہوگیا ہے لہٰذا اگر وہ اس کا انتظار نہ کرسکے تو خود حویلی چلی جائے۔ اس نے میڈیلین کو حویلی کا پتا بتانے کے ساتھ ساتھ میرا فون نمبر بھی بتادیا تھا۔ اس کے بعد میڈیلین کا خاصا وقت اس تذبذب میں گزرا کہ وہ اکیلی ہی یہاں کا رخ کرے یا نہ کرے۔ خاصے تذبذب کے بعد اس نے یہاں آنے سے پہلے مجھے فون کرنے کا فیصلہ کیا۔''

''فون آیا اس کا؟'' راحیل بے تابی سے پوچھ بیٹھا۔

''ہاں۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''اس نے مجھے فون کیا اور بتایا کہ وہ مسعود کی بیوی ہے اور اس کے پاس اس کے ثبوت بھی ہیں اور شادی کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس نے جمال کا نام بھی لیا تھا۔ وہ باتیں سن کر میں نے اس سے کہا کہ وہ فوراً حویلی آجائے۔''

''اور وہ آگئی؟'' راحیل پھر بول پڑا۔

کرنل صہبائی نے اثبات میں سر ہلایا پھر کہا۔ ''اس نے مجھے شادی کا سرٹیفکیٹ اور نکاح نامہ دکھانے کے علاوہ مسعود کی اس سال کی ڈائری بھی دی جب یہاں ان کے معاشقے کا آغاز ہوا تھا۔ اس نے ڈائری میں وہ تحریریں مارک کردی تھیں جن سے اس کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ مسعود کی بیوی ہے چنانچہ پھر میں نے اسے ہوٹل نہیں جا [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible] کرنل صہبائی کہتے رہے۔ ''میں نے اب تک تمہیں [illegible] ہے کہ یہ ڈائری لے جاؤ۔'' انہوں نے قریب رکھی ہوئی ڈائری اٹھا کر راحیل کو دی۔ ''مسعود کی جو تحریریں پہلے ہی اس کی خواب گاہ میں رکھی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک ورق نکال کر میں نے ڈائری میں رکھ دیا ہے۔ تم اپنے محکمے کے کسی ایکسپرٹ سے تصدیق کروالو کہ ڈائری کی تحریر مسعود ہی کی ہے۔''

راحیل چونکا۔ ''گویا آپ کو شبہ ہے کہ میڈیلین کوئی جعل ساز ہے جس نے یہ ڈائری خود لکھی ہے یا کسی سے لکھوائی ہے اور آپ سے جھوٹ بولا ہے؟''

''نہیں۔'' کرنل صہبائی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بڑی حد تک یقین ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا اور شادی کے جو ثبوت دکھائے ہیں، وہ بھی جعل سازی نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اگر میرے لاشعور میں کہیں کسی شبے کی ایک رتی بھی ہو تو وہ دور ہوجائے۔ اسی لیے میں نے میڈیلین کی موجودگی میں فراز کو بھی بلایا تھا۔ اس نے میڈیلین کو فوراً پہچان لیا۔ ان دونوں میں مختصر گفتگو بھی ہوئی۔ اب کل تک جمال اسلام آباد سے آجائے تو میں اسے بھی حویلی بلاؤں گا اور اس سے لندن کے سارے حالات پوچھوں گا۔''

''جمال نے مسعود کے قتل کے بعد آپ کو اس کی شادی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''میڈیلین سے اس نے فون پر کہا تھا کہ اسے اس کے کومے سے نکل آنے کی امید تھی۔ وہ چاہتا تھا، میڈیلین ہی یہ فیصلہ کرے کہ اپنے مرحوم شوہر کے گھر والوں سے ملے یا نہ ملے، یا نہیں اس بات سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔''

''مجہول سا جواز ہے کچھ۔'' راحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ناممکن تو بہرحال نہیں ہے کہ کوئی اس انداز میں سوچ لے۔''

''میڈیلین کو حویلی کا پتا کیوں معلوم نہیں تھا؟ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ مسعود نے اسے نہیں بتایا تھا تو اسے مسعود کے شناختی کارڈ یا اس کے پاسپورٹ پر بلکہ...'' راحیل نے جملہ ادھورا چھوڑ کر [illegible]

بھی کیا تھا۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اس کی نظر میں تو آئے [illegible] نے بھی یہ کوشش نہیں کی تھی کہ وہ پتا وغیرہ ذہن [illegible]۔ اس وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے کبھی اس کی ضرورت پڑے گی، البتہ اس ڈائری کے ذکر سے وہ کچھ پریشان ہوگئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ کومے سے نکل آنے کے بعد بھی اس کے ہوش وحواس بحال نہیں ہوسکے تھے۔ اس کے لیے وہ صدمہ اتنا گہرا تھا کہ وہ کچھ زیادہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اسے میرے سوال کرنے کے بعد خیال آیا تھا کہ اس نے وہ سب کچھ ڈائری ہی کے ابتدائی صفحے پر کیوں نہیں دیکھ لیا۔''

''عجیب سی بات ہے۔'' راحیل بولا۔ ''اس کے باوجود ایسا لگ رہا ہے کہ آپ نے اس کی ہر بات پر یقین کرلیا ہے۔''

''زندگی میں بہت کچھ عجیب ہوجاتا ہے راحیل۔'' کرنل صہبائی نے کہا۔ ''کیا یہ حقیقت نہیں کہ بعض اوقات سامنے رکھی ہوئی چیز نظر نہیں آتی اور انسان اسے اِدھر اُدھر ڈھونڈتا پھرتا ہے۔''

''ہاں۔'' راحیل نے کہا۔ ''ایسا ہوتا تو ہے۔ خیر، اس ڈائری کے بارے میں تو میں آپ کو کل دوپہر تک ہی ایکسپرٹ کی رائے سے آگاہ کردوں گا۔ ویسے نکاح نامے یا شادی کے سرٹیفکیٹ کی تصدیق لندن سے بھی کی جاسکتی ہے۔''

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ مسعود کا معاملہ اب تمہارے محکمے کو دے دیا گیا ہے۔''

''جی ہاں، لیکن ابھی وہ فائل ڈائریکٹر صاحب ہی کے پاس ہے۔ میں کوشش کررہا ہوں کہ وہ کیس مجھے ہی مل جائے۔''

''وہ کیس تمہارے پاس نہ بھی ہو لیکن ایک پروفیشنل کی حیثیت سے تمہیں اس میں خصوصی طور پر اس لیے دلچسپی لینی چاہیے تھی کہ یہ تمہاری بہن کا سسرال ہے لیکن تم نے اس بارے میں کم از کم مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔''

''حقیقت یہ ہے کرنل چچا کہ مجھ پر ایک خوف سا مسلط رہا ہے اور یہ کیس اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کے باوجود میں اس خوف سے پیچھا نہیں چھڑا سکا ہوں۔''

''کیسا خوف؟''

digestpk.blogspot.com

"میں بہت شروع میں کہہ چکا ہوں کہ میں ہر قیمت پر اپنے بیٹے کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔" کرنل صہبائی جذباتی ہو گئے۔ "لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرے بیٹے کا قاتل اس گھر کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔"

"خونی رشتوں کا معاملہ سامنے آ جائے تو دل کی کچھ ایسی حالت ہوتی ہے۔" راحیل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کرنل صہبائی نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اپنے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑنے لگے۔

راحیل اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔

حویلی میں کرنل صہبائی کے سوا اس بات کا علم کسی کو نہیں تھا کہ راحیل ایک خفیہ ادارے کا ملازم تھا اور اس ادارے کا کام ہی یہ تھا کہ وہ قتل یا اس قسم کے جرائم کی تفتیش کرے۔ راحیل نے نہ جانے کیوں یہ بات اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتائی تھی۔ کرنل صہبائی کو اس کا علم اس لیے ہو گیا تھا کہ اس محکمے کے ڈائریکٹر سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم تھے۔

دوسری صبح جب وہ ناشتے کی میز پر پہنچے تو ظفر کی بیوی میڈیلین کو بھی اپنے ساتھ لے آئی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو اس مشرقی لباس میں۔" کرنل صہبائی نے مسکرا کر انگریزی میں میڈیلین سے کہا۔

اسی وقت شمشاد صاحب بول پڑے۔ "ایک بات کہوں اجازت!"

"کہیے بھائی صاحب! اس میں اجازت لینے کی کیا بات ہے۔"

"اب یہ اچھا نہیں لگ رہا کہ تم اپنی بہو کا نام لو۔ جس طرح ظفر کی بیوی کو ظفر دلہن کہا جاتا ہے، اسی طرح اب تمہیں مسعود دلہن کہنا چاہیے۔"

"آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا بھائی صاحب!" کرنل صہبائی نے کہا۔ "مجھے خود اس بات کا خیال آ جانا چاہیے تھا۔"

شمشاد مسکرائے۔ پھر انہوں نے اپنے لڑکوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم لوگ اب ہماری نئی بہو کو مسعود بھابی کہا کرو گے۔"

وہ باتیں اردو میں ہوئی تھیں جو میڈیلین سمجھ رہی تھی لیکن جب وہ خود بولی تو انگریزی ہی میں بولی۔ "بینا تو مجھے کل رات سے ہی مسعود بھابی کہہ رہی ہے اور شاہینہ آئی تھی تو [illegible]

صہبائی آہستہ سے ہنسے۔ "کیوں مسعود دلہن؟"

[illegible] افسردگی اب بھی ظاہر ہو رہی تھی۔

"تمہاری آنکھوں میں اتنی سرخی کیوں ہے؟" کرنل صہبائی نے اس سے پوچھا۔

"یہ سوئی نہیں ہیں نا ابا جان!" بینا بول پڑی۔ "رات کو شاہینہ کے آنے کے بعد ہم لوگ صبح تک باتیں ہی کرتے رہے۔ تابندہ بھی رک گئی تھی۔ ابھی آدھے گھنٹے پہلے ہی فراز آ کر اسے لے گئے ہیں اور شاہینہ بھی اسی وقت گئی تھی۔"

"ان دونوں کو ناشتے کے لیے کیوں نہیں روکا؟"

"میں نے تو کہا تھا ابا جان!" ظفر کی بیوی بولی۔ "وہ رکیں نہیں۔"

ان باتوں کے دوران میں ناشتا بھی شروع کیا جا چکا تھا۔

"بابر!" کرنل صہبائی بولے۔ "مسعود کے دوست جمال کا موبائل نمبر ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں کرنل چچا!"

پھر شیراز، باذل اور ظفر نے بھی یہی جواب دیا۔

"جمال سے ہمارے مراسم مسعود کی وجہ سے تھے کرنل چچا!" شیراز نے کہا۔ "اور وہ مراسم اتنے گہرے نہیں تھے کہ ہم ایک دوسرے کو فون بھی کیا کرتے۔"

"آپ کچھ بھول رہے ہیں ابا جان!" میڈیلین بولی۔ "آپ کو تو معلوم ہے کہ جمال کا نمبر میرے پاس ہے۔"

"اوہ! واقعی، یہ کیا ہو گیا میرے دماغ کو۔۔۔۔ تمہارے پاس تو ہے۔ ابھی کل رات ہی میں نے کسی سے کہا تھا کہ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات پر دھیان نہیں جاتا۔ ناشتے کے بعد وہ نمبر تم مجھے دے دینا اور ہاں، تمہارے لہجے کی وجہ سے تمہارا ابا جان کہنا بہت پیارا لگا۔"

پھر کرنل صہبائی کے اس خیال کی تائید بھی سب نے کی۔

ناشتے کے بعد کرنل صہبائی اپنے کمرے میں آ گئے۔ جب وہ تنہا ہوتے تھے تو ان کے چہرے پر فکر مندی، بیچارگی اور افسردگی ہی کا تاثر رہتا تھا۔

دوپہر کو انہوں نے راحیل کا فون ریسیو کیا۔

"چچا!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں شام کو آؤں گا تو ڈائری [illegible]

"مجھے بھی یہی توقع تھی۔" کرنل صہبائی بول پڑے۔

[illegible]

"یہ بھی تم نے اچھی خبر سنائی۔"

"اب آج کا دن وہ فائل پڑھتے ہی میں گزرے گا۔ دیکھتا ہوں کہ پولیس نے اس دوران میں کیا، کیا ہوگا۔ شام کو آؤں گا تو آپ سے بات ہوگی۔"

کرنل صہبائی نے راحیل سے بات کرنے کے بعد جمال کا نمبر ملایا۔ اس سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ دس منٹ پہلے ہی اسلام آباد سے کراچی پہنچا تھا۔ کرنل صہبائی نے اس سے میڈیلین کا ذکر کیا، پھر کہا۔ "اسی سلسلے میں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ آ جاؤ کسی وقت، آ سکتے ہو؟"

"چار بجے حاضر ہو جاؤں؟"

"آ جاؤ۔ میں انتظار کروں گا۔" کرنل صہبائی نے رابطہ منقطع کر دیا۔

جمال ٹھیک چار بجے حویلی آ گیا۔ اسی وقت تابندہ بھی آئی تھی۔ اس نے جمال کو نشست گاہ کی طرف جاتے دیکھا۔

"یہ کون صاحب ہیں؟" اس نے ایک ملازم سے پوچھا۔

ملازم نے جواب دیا۔ "وہ اپنی چھوٹی بے بی ہیں نا، ان کی دوست صبا صاحبہ کے بھائی ہیں، جمال صاحب!"

تابندہ کو یاد آ گیا۔ رات کو میڈیلین سے گفتگو میں یہ نام اس کے سامنے آ چکا تھا۔

"یہ اس وقت یہاں کیسے؟" اس نے ملازم سے پوچھا۔

"شاید کرنل صاحب نے بلایا ہے۔"

تابندہ سر ہلا کر بینا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت نشست گاہ میں کرنل صہبائی ہی تھے۔ انہوں نے جمال سے مسعود اور میڈیلین کے بارے میں استفسارات کیے۔ انہیں متوقع جوابات ملے۔ پھر انہوں نے میڈیلین کو بھی وہاں بلا لیا۔

"میں نے سوچا، تم دونوں کی ملاقات ہو جائے۔" کرنل صہبائی نے میڈیلین سے کہا۔

جمال نے مسعود کے قتل کے سلسلے میں میڈیلین سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس ذکر سے تو کیا، مسعود کا نام ہی آنے سے میڈیلین آبدیدہ ہو جاتی تھی۔

دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ لندن کے اپارٹمنٹ سے [illegible] اور مسعود کا سامان منگوا لیا جائے۔ جمال کے لیے یہ اس لیے آسان ہے کہ وہاں کی یونیورسٹی میں اس کے دوست تو ہیں۔"

"میں آپ سے اس بارے میں بات کرنے ہی والی تھی۔" میڈیلین نے کہا۔ "سامان تو میں بھی منگوا سکتی ہوں۔ وہاں میرے جاننے والے تو بہت ہیں۔ میں کسی کو بھی میل کر دوں گی۔"

اس وقت کرنل صہبائی اور میڈیلین نہیں جانتے تھے کہ یہ کام اب جمال یا میڈیلین اپنے طور پر کر ہی نہیں سکتے تھے۔ مسعود کے قتل کا معاملہ لندن پولیس تک پہنچ چکا تھا۔

☆☆☆

اس وقت تابندہ، بینا کے کمرے میں تھی۔ بینا اس سے پوچھ رہی تھی۔ "تم نے اسے قریب سے دیکھا ہے؟"

"نہیں، قریب سے نہیں دیکھا۔ میں تمہارے کمرے کی طرف آ رہی تھی اور وہ نشست گاہ کی طرف جا رہا تھا۔"

"اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تم نے؟"

"نہیں، چہرہ تو دیکھا تھا۔ اٹھائیس تیس سال کا ہوگا وہ۔۔۔۔ خوب صورت تو وہ نہیں لیکن قبول صورت ہے۔ چہرے سے شرافت ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی اچٹتی سی نظر مجھ پر بھی پڑی تھی لیکن اس نے دوبارہ میری طرف نہیں دیکھا۔"

"صحت مند بھی ہے؟" بینا سنجیدگی سے سوال کیے جا رہی تھی۔

تابندہ روا روی میں جواب بھی دیتی رہی تھی لیکن اس سوال نے اسے چونکا دیا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ تیزی سے بولی۔

"میں رات سے ہی اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" بینا نے کہا۔ "مسعود بھائی نے جب سب کچھ بتایا تھا، اس وقت تم بھی وہیں تھیں۔ مسعود بھائی کی باتوں میں جمال کا ذکر کئی مرتبہ آیا تھا۔"

"تو پھر؟" تابندہ اسے گھورتی رہی۔

"اس کی بہن صبا، شاہینہ کی دوست ہے۔" بینا نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔ "دو مواقع ایسے آئے تھے جب صبا ہی نے مجھے میرے کمرے تک پہنچایا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ مہندی میں شرکت کی دعوت جمال کو بھی دی گئی تھی اور وہ آیا بھی تھا۔"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تابندہ نے ایک ...
... کرنا چاہتی ہو؟"
فہرست میں ایک نام کا اضافہ اور کرنا چاہتی ہو؟"
"مجھے بتاؤ، وہ تندرست بھی ہے نا؟"
"ہاں، ہے۔" تابندہ نے منہ بنا کر کہا۔ "اسے کچھ پراسرار قوتیں بھی ضرور حاصل ہوں گی، لہٰذا وہ یہ بھی جان سکتا ہے کہ حویلی میں تمہارا کمرا کہاں ہے؟"
"کچھ باتیں جاننے کے لیے پراسرار قوتوں کا حامل ہونا ضروری نہیں۔" بینا نے سنجیدگی برقرار رکھی۔ "بعض اوقات کسی بات کے بارے میں دیر سے پتا چلتا ہے کہ وہ کیونکر ہوسکی۔"
"ٹھیک ہے۔" تابندہ نے سر ہلایا۔ "اب ایک بات بتاؤ۔ کیا تم میرے ساتھ کسی ماہرِ نفسیات کے پاس چلنا پسند کروگی؟"
"تم ایسا سمجھتی ہو؟"
"جب تک تم صرف کہتی رہیں، مجھے اس کا خیال نہیں آیا تھا لیکن جب تم نے ایک عملی قدم بھی اٹھا لیا اس سلسلے میں تو میں نے یقین کرلیا کہ تمہیں کسی ماہرِ نفسیات کی ضرورت ہے۔"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" تابندہ بحث پر اتر آئی۔ "کسی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو جانے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ اسے نفسیاتی علاج کی ضرورت ہے۔"
"تابندہ!" بینا بگڑ کر بولی۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ مجھے برباد کرنے والے شخص کا پتا نہ لگایا جاسکے؟"
"پتا لگانے کے لیے وہ سب کچھ کرنا سراسر بے شرمی ہے جس کا آغاز تم کر چکی ہو۔"
"تو اس کے علاوہ اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ پولیس میں رپورٹ کرواؤں؟ ساری دنیا جان لے کہ میرے ساتھ کیا ہوچکا ہے؟"
تابندہ نے ایک لمبی سانس لی اور بینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑی محبت سے بولی۔ "مجھ پر اتنا تو نہ بگڑو میری جان! اگر ہم میں کوئی تلخی پیدا ہوگئی تو ایک دوسرے سے دور رہنا ہم دونوں ہی کے لیے اذیت ناک ہوگا۔"
"بس تو پھر اسی وقت طے کرلو کہ آئندہ کبھی میرے سامنے کسی ماہرِ نفسیات کا ذکر نہیں کروگی۔"
"چلو وعدہ رہا۔" تابندہ نے پسپائی کا اظہار کردیا۔ حقیقت تھی کہ ایک دوسرے سے دور رہنا ان دونوں ہی کے لیے اذیت ناک ہوتا۔ ان میں اتنی ہی محبت تھی۔

استفسار کرنے لگی۔ "اچھا اب یہ ...
... میں کوئی فیصلہ کیا یا نہیں؟"
... "تھا؟ کیا مطلب؟"
بینا سوچتے ہوئے کچھ توقف سے بولی۔ "حویلی ... ایک فرد کو جانچ چکی... اس لیے خیال آیا کہ اب حویلی ... باہر بھی دیکھا جائے۔"
تابندہ کا دل دھک سے ہوگیا۔ باہر کے افراد ... راحیل کے علاوہ اس کا سگا بھائی فراز بھی تھا۔ تیسرا نام ... اب سامنے آیا تھا۔
"میں راحیل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" ... کہا۔
"اوہ!" تابندہ کے منہ سے نکلا۔
"کل ایک عجیب بات ہوئی۔ میں تو تمہارے ... شاہینہ کے ساتھ مسعود بھائی کے کمرے میں تھی۔ یہ تو مجھے ... معلوم ہوا کہ رات گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ... آیا تھا۔"
"وہ تو وقت بے وقت آتا ہی رہتا ہے۔"
"ہاں آتا تو رہتا ہے، اور کسی وقت ابا جان بھی ... سے بات کرلیتے ہیں لیکن کل تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ... ابا جان ہی سے ملنے آیا ہے۔ ابا جان اپنی نجی نشست گاہ ... اس سے دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔"
یہ بات ایسی تھی کہ تابندہ بے اختیار بینا کی گود سے ... گئی۔
"تم بھی حیران ہوگئیں نا۔" بینا بولی۔ "ابا جان نشست گاہ میں کسی سے اسی وقت ملتے ہیں جب کوئی اہم رازدارانہ گفتگو کرنا ہوتی ہے۔ راحیل سے ان کا اس طرح ... ایک غیر معمولی بات تھی۔ حویلی میں کسی کی آمد و رفت ... سے پوشیدہ تو رہتی نہیں ہے اور کل رات کی یہ بات کیونکہ ... معمولی تھی اس لیے آج سبھی چھپکے چھپکے اس بارے میں ... کرتے رہے تھے اسی لیے مجھے بھی معلوم ہوگیا۔"
"بات تو واقعی غیر معمولی ہے۔"
"اور جب تک یہ معاملہ واضح نہ ہوجائے، اس ... تک کے لیے میں نے راحیل کا نام اپنے ذہن سے جھٹک ... ہے۔"
اس دن تابندہ شام تک حویلی ہی میں رہی۔ ... بینا سے اجازت لے کر وہاں سے روانہ ہونے لگی تو ...

... اس کی طرف نہیں دیکھا...... ایسا ...
... سے جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ جلد ہی وہ ایک ملازم کے ذریعے یہ معلوم کرنے میں بھی کامیاب ہوگئی کہ راحیل، کرنل صہبائی کی نجی نشست گاہ میں گیا ہے۔
تابندہ فوراً بینا کے کمرے میں پہنچی اور اسے راحیل کے بارے میں بتایا۔
بینا بہت زیادہ بے چین ہوگئی لیکن اس کی بے چینی کسی طرح بھی رفع نہیں ہوسکتی تھی۔ نشست گاہ میں ہونے والی گفتگو سننے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاسکتی تھی۔
راحیل اس وقت نشست گاہ میں کرنل صہبائی سے کہہ رہا تھا۔ "جی ہاں کرنل چچا! اب آپ ذاتی طور پر مسعود کا سامان لندن سے نہیں منگوا سکتے۔ دراصل مسعود کے قتل کی بات لندن پولیس تک بھی پہنچ گئی ہے۔ یہیں کی پولیس نے ان لوگوں سے رابطہ کیا ہے اور ان سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ ان لوگوں نے چھان پھٹک کے بعد یہاں کی پولیس کو مسعود کی شادی سے آگاہ کردیا ہے۔"
کرنل صہبائی برافروختہ لہجے میں بولے۔ "یہ بات میرے علم میں نہیں لائی گئی۔"
"اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں ہے کرنل چچا! ہر ایک کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ اسپیشل برانچ کا وہ انسپکٹر تو خاصے اڑیل مزاج کا آدمی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک کسی حتمی نتیجے تک نہ پہنچ جائے، اپنی تفتیش کے نتائج سے کسی کو بھی باخبر نہ کرے اور بھی کئی باتیں ہیں جو آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں لیکن میں آپ کو بتاؤں گا۔ شادی کی رات شاہینہ کی رخصتی سے کچھ دیر پہلے کسی نے مسعود سے اس کا موبائل لے لیا تھا۔"
کرنل صہبائی چونکے۔
"جی ہاں۔" راحیل نے اپنی بات جاری رکھی۔ "انسپکٹر نے لوگوں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور کیونکہ رخصتی کے وقت موجود لوگوں کی فہرست خاصی بڑی تھی اس لیے انسپکٹر کو اس کا علم بھی کافی دن بعد ہوا۔ یہ بات اس کے ذہن میں خاصی چبھتی رہی تھی کہ مسعود کی جیب میں اس کا موبائل کیوں نہیں تھا۔ تفتیش کرنے پر وہ کسی حد تک کچھ جاننے میں کامیاب ہوگیا۔"

... کسی نے مسعود سے اس کا ...
پوچھا۔ اس نے ایک آواز سنی تھی۔ ... کر رہا تھا کہ وہ اپنا موبائل کہیں گرا بیٹھا ہے اور اسے ایک ضروری کال کرنی ہے۔ کال کرنے کے بعد وہ مسعود کو موبائل واپس کردے گا لیکن پھر رخصتی کے ہنگامے میں مسعود کو موبائل واپس لینے کا خیال ہی نہیں رہا ہوگا۔"
"موبائل مانگنے والا کون تھا؟" کرنل صہبائی نے بے تابی سے پوچھا۔
"انسپکٹر کو یہ بات بتانے والے نے اس شخص کا چہرہ نہیں، اس کی پشت دیکھی تھی۔ آواز سن کر اس شخص نے بے خیالی میں پلٹ کر اس طرف دیکھ لیا تھا۔ اس وقت مسعود اپنا موبائل اس شخص کو دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی اس لیے اس شخص نے دھیان بھی نہیں دیا تھا کہ موبائل لینے والا کون تھا۔"
"کیا موبائل لینے والا ہی مسعود کا قاتل ہوگا؟" کرنل صہبائی نے بے چینی سے اپنا پائپ اور تمباکو پاؤچ نکالتے ہوئے پوچھا۔
"اس بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن کم از کم موبائل کے سلسلے میں انسپکٹر کا دائرۂ تفتیش کچھ مختصر ہوگیا۔"
"یعنی؟"
"اس طرح موبائل مانگنا اور مسعود کا موبائل دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان دونوں میں خاصی قربت ہوگی اور ان سب لوگوں کو آپ بھی جانتے ہیں جو مسعود سے قربت رکھتے ہیں، یا یوں کہا جائے کہ قربت رکھتے تھے۔"
کرنل صہبائی سر ہلاتے ہوئے اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگے۔
راحیل نے پوچھا۔ "آپ کو مسعود کے اس نئے موبائل نمبر کا علم ہے؟"
"نہیں۔" کرنل صہبائی نے جواب دیا۔ "وہ صرف شادی میں شرکت کرنے کے لیے آیا تھا۔ اسے کہیں جانا تو تھا نہیں اس لیے میں نے نمبر معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔"
"گھر میں کسی اور کے پاس ہوسکتا ہے۔" راحیل نے کہا۔ "اور میڈیلین کے پاس تو یقیناً ہوگا۔ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ..."

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

''مصلحت یہ ہوگی کہ وہ آپ میری عدم موجودگی میں پوچھیں اور مجھے بھی فون کرکے ہی بتادیں۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم مناسب سمجھو لیکن وہ نمبر تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟''

''اس سے بھی کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ کامیابی کا امکان شاید ایک فیصد بھی نہیں لیکن میں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہتا۔ پولیس انسپکٹر نے نہ جانے کیوں اس پہلو کو نظر انداز کردیا۔ خیر، اب میں آپ کو ایک اور اہم بات بتانا چاہتا ہوں بلکہ پہلے یہ سن لیجیے کہ لندن میں میڈیلین سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی۔ اول تو وہ اس وقت کومے میں تھی لیکن اس کے بعد بھی لندن پولیس نے اس سے رابطہ نہیں کیا۔ یہاں والوں نے ان سے درخواست کی تھی کہ فی الحال وہ میڈیلین پر بس نظر رکھیں چنانچہ جب میڈیلین وہاں سے یہاں آنے کے لیے روانہ ہوئی تو لندن پولیس نے یہاں اطلاع کردی۔ کیونکہ کیس اب میرے محکمے میں آچکا تھا لہٰذا یہ اطلاع بھی ہمارے محکمے کو ملی۔ ہمارے ڈائریکٹر صاحب اس وقت تک فیصلہ نہیں کرسکے تھے کہ اس کیس کی فائل کس کو دیں اس لیے انہوں نے بس ایک افسر کو صرف اتنی ہدایت کی کہ میڈیلین نام کی ایک لڑکی لندن سے فلاں فلائٹ سے یہاں پہنچ رہی ہے، اس کی نگرانی کی جائے۔ ان کی اس ہدایت پر عمل کیا گیا اس لیے ڈائریکٹر صاحب کو میڈیلین کے حویلی پہنچنے کا علم ہوگیا تھا۔ انہوں نے یہ کیس مجھے اس خیال سے دیا ہے کہ اس گھر سے میرا خاصا گہرا تعلق ہے۔''

''تم کوئی اہم بات بتانا چاہتے تھے۔'' کرنل صہبائی نے پائپ کا ایک گہرا کش لے کر پوچھا۔

راحیل نے جواب دیا۔ ''یہاں کی پولیس کی درخواست پر یا شاید خود ہی اس اپارٹمنٹ کی تلاشی لی گئی تھی جہاں مسعود اور میڈیلین رہتے تھے۔ ان لوگوں کے بیان کے مطابق وہاں سے جو اہم چیز ملی ہے، وہ ایک ہی ہے... اور وہ کچھ عشقیہ خطوط ہیں جو کسی نامعلوم شخص نے میڈیلین کے نام لکھے تھے۔''

اس انکشاف کا کرنل صہبائی پر شدید ردعمل ہوا۔ ان کے ہاتھ سے پائپ گرتے گرتے بچا اور وہ راحیل کا منہ تکتے رہ گئے۔

راحیل بولا۔ ''مجھے یقین تھا کہ آپ کو دھچکا لگے گا لیکن میں نے آپ کو یہ بتانا اس لیے ضروری سمجھا کہ اس بارے

''وہ خطوط کہاں ہیں؟'' کرنل صہبائی کی آواز کانپ

وہ فائل میں نہیں۔ میں لے کر نہیں آیا۔ اگر آپ ضروری سمجھیں تو میں کل آپ کو ان کی فوٹو اسٹیٹ لادوں گا۔ ان خطوط سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسعود سے پہلے بھی میڈیلین کا کسی شخص سے گہرا تعلق تھا۔ ان خطوط میں میڈیلین کو بے وفائی کے طعنے دیے گئے ہیں اور ان دنوں کی یاد دلائی گئی ہے جب وہ اور میڈیلین ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے۔''

کرنل صہبائی پائپ کے کش پر کش لینے لگے۔ بہت مضبوط اعصاب کے ہونے کے باوجود اس وقت ان کی کیفیت کچھ ہیجان انگیز ہوگئی۔

''گویا۔'' وہ بولے۔ ''اس حویلی میں اب اس لڑکی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ وہ میرے بیٹے کو دھوکا دیتی رہی ہے اور اب یہاں آکر نہ جانے کیا گل کھلانا چاہتی ہے۔''

''اتنی جلدی کسی نتیجے اور فیصلے تک نہ پہنچیں کرنل چچا! پہلے یہ تو دیکھیں کہ میڈیلین اس بارے میں کیا کہتی ہے۔''

موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ وہ آواز راحیل کی جیب سے آئی تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا۔

''اوہ، ڈائریکٹر صاحب!'' اس نے بڑبڑا کر موبائل اپنے کان سے لگایا اور بولا۔ ''یس سر!''

اس کے بعد راحیل دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں سن کر صرف ''اوہ'' یا ''جی'' کہتا رہا۔ پھر بولا۔ ''میں جلد از جلد ہیڈ آفس پہنچ کر خود دیکھتا ہوں۔''

رابطہ منقطع کرنے کے بعد اس نے کرنل صہبائی سے کہا۔ ''میں نے ابھی کہا تھا نا کہ اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہ کیجیے۔ لندن پولیس نے ابھی میرے دفتر کو ای میل بھیجا ہے۔ ان لوگوں کو اپارٹمنٹ سے مسعود کی ایک ڈائری بھی ملی۔ وہ ڈائری اس ڈائری کے بعد کے سال کی ہے۔ اس میں مسعود نے ان خطوط کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ میڈیلین نے پہلا ہی عشقیہ خط ملنے پر وہ مسعود کو دکھا دیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق خط لکھنے والا اس کا کوئی دشمن تھا جو اس کے اور مسعود کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ میڈیلین کو بعد میں بھی جو خطوط ملتے رہے، وہ بھی اس نے مسعود سے نہیں چھپائے۔ مسعود نے ڈائری میں لکھا ہے کہ اسے میڈیلین پر مکمل اعتماد ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میڈیلین

''مطلب!'' کرنل صہبائی نے ایک ہاتھ سے اپنا سر

کرنل چچا!... بہت الجھا ہوا نظر آرہا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ میں جلد ہی سب کچھ سلجھانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مجھے اب اجازت دیجیے۔ مجھے ہیڈ آفس جاکر ای میل خود دیکھنا ہے۔ میڈیلین سے اب آپ ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے گا۔ بس مسعود کا فون نمبر معلوم کرکے مجھے بتا دیجیے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب آپ میڈیلین سے بدظن نہیں ہوں گے۔''

''اب کیوں ہوں گا۔'' کرنل صہبائی خفیف سا مسکرائے۔ ''جب میرے بیٹے نے اس پر شک نہیں کیا تو میں اب اسے برے کردار کی لڑکی کیوں سمجھوں...؟''

راحیل کے ساتھ ہی کرنل صہبائی بھی کھڑے ہوگئے۔

☆☆☆

راحیل کی وجہ سے تابندہ بھی حویلی میں رکی رہی تھی۔ اس معاملے نے بینا کی طرح اسے بھی خاصا متجسس کردیا تھا۔ وہ بار بار کمرے سے نکل کر جائزہ لیتی رہی اور آخر اس نے بینا کو مطلع کیا کہ راحیل چلا گیا۔

''کیا ابا جان سے پوچھوں، یہ کیا معاملہ ہے؟''

''یہ تو تم خود سوچو! پوچھنا مناسب ہوگا یا نہیں؟''

بینا سوچ میں پڑگئی۔

''اچھا میں اب جاؤں گی۔'' تابندہ نے کہا۔ ''دیر ہورہی ہے۔ میں ڈیڈی سے کہہ کر آئی تھی کہ کھانا گھر آکر ہی کھاؤں گی۔ صرف راحیل کی وجہ سے رکی رہی، خواہ مخواہ! کچھ معلوم تو ہو نہیں سکتا تھا اور نہ معلوم ہوسکا۔''

''کل کب آؤ گی؟ آج کل میں وحشت زدہ سی رہتی ہوں۔ تم آجاتی ہو تو اعصابی تناؤ ختم ہوجاتا ہے۔''

''میں آؤں گی۔ صبح فون کرکے بتادوں گی کہ کب آؤں گی۔''

تابندہ کی عادت تھی کہ وہ جانے سے پہلے بینا سے گلے ضرور ملتی تھی۔ گلے مل کر وہ حویلی سے نکل آئی۔

کھانے کی میز پر وہ اپنے والدین کے ساتھ تھی۔ فراز نہیں تھا۔

''بھائی جان نہیں آئے؟ یا آکر کہیں چلے گئے؟''

''آئے ہی نہیں۔'' تابندہ کی والدہ نے جواب دیا۔ ''فون آیا تھا کہ بینک میں کچھ کام ہے، دیر سے آئے گا۔''

تابندہ کو اس بدصورت لڑکی کا خیال آیا جس کی تصویر فراز نے اسے بھی دکھائی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خفیہ طور پر وہ دونوں شادی کرلیں۔ تابندہ نے سوچا۔ یہ خیال اسے مسعود اور میڈیلین کی خفیہ شادی کی وجہ سے آیا تھا۔

''میں نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ بے خیالی میں بڑبڑائی۔

اس کے والدین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ایمانداری

اٹلی کی فٹ بال ٹیم نے پہلی بار بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں پہلا نمبر حاصل کیا۔ کھلاڑی جیتنے بھی خوش ہوتے کم تھا۔ چنانچہ دل کھول کر خوشیاں منائی گئیں۔

اگلے روز صبح کو ایک کھلاڑی کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ سر سے پاؤں تک پٹیوں میں لپٹا ہوا اسپتال کے بستر پر پڑا ہے اور چاروں طرف ٹیم کے کھلاڑی بیٹھے ہیں۔

''مجھے کیا ہوا؟'' اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''گزشتہ شب۔'' کپتان نے بتایا۔ ''ہم سب ہوٹل میں اچھل کود مچا رہے تھے۔ ڈانس ہو رہا تھا۔ شراب کے دور چل رہے تھے۔ گانے گائے جارہے تھے۔ تقریباً بارہ بجے اٹھارواں یا انیسواں پیگ پینے کے بعد تم جھومتے ہوئے ہوٹل کی کھڑکی کی طرف گئے اور تم نے کہا کہ ہوٹل کی فضاؤں میں پرواز کروگے اور پندرہ بیس منٹ بعد اگلا پیگ پینے کے لیے واپس آجاؤ گے۔ یہ کہہ کر تم نے کھڑکی کے باہر چھلانگ لگادی اور جو کچھ نتیجہ ہے، وہ سامنے ہے۔''

پٹیوں میں لپٹے ہوئے شخص نے کراہ کر کہا۔ ''تم لوگوں نے مجھے روکا کیوں نہیں؟''

''اس وقت ہم سب تیرھواں یا چودھواں پیگ پی رہے تھے۔'' کپتان بولا۔ ''اور پوری ایمانداری سے یہ سمجھ رہے تھے کہ تم یقیناً ہوٹل کی فضاؤں میں اڑ سکتے ہو۔''

کراچی سے دور یشم کی عنایت

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"کیا کہہ رہی ہو؟" اس کے والد بولے۔

"کچھ نہیں ڈیڈی۔" تابندہ نے جلدی سے کہا۔ "پتا نہیں کیا خیال آ گیا تھا۔"

"دو ایک دن سے الجھی ہوئی نظر آ رہی ہو۔"

یہ حقیقت بھی تھی۔ بابر کی وجہ سے اسے اچھا خاصا صدمہ ہوا تھا۔

کھانے کے بعد وہ اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ آج ہی اس لڑکی کے سلسلے میں فراز سے ملے گی اور اپنے اس خیال کا اظہار کرے گی کہ اگر ان دونوں نے خفیہ طور پر شادی کر لی تو والدین اس گھر میں ان کو قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے۔

سوچتے رہنے میں خاصا وقت گزر گیا۔ اس نے ایک ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ فراز کی آمد پر اسے فوراً اطلاع دی جائے۔

بارہ بجے تک فراز نہیں آیا۔

تابندہ اٹھ کر اپنے کمپیوٹر پر جا بیٹھی کہ اپنی میل ہی دیکھ لے۔ جن سے اس کے مراسم تھے، ان کی میل آتی رہتی تھی۔ وہ ایک میل اس کی ایسی دوستوں کی بھی ہوتی تھیں جو شادی کر کے بیرون ملک چلی گئی تھیں۔

اتفاق سے اس دن ایک ہی میل آئی تھی جس نے اسے چونکا دیا۔ وہ میل بابر کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"عزیز از جان تابندہ! اس دن کے واقعے نے تمہیں مجھ سے بہت ناراض کر دیا ہے۔ میں تمہیں حقیقت بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم یقین کر لو گی۔ اس دن جو کچھ ہوا، اس کا پس منظر دراصل تمہارے بھائی جان کی سوچ ہے۔ بس اسی کی وجہ سے مجھے خیال آیا تھا کہ ذرا تمہیں آزمایا جائے اور میں نے آزما لیا۔ تم یقیناً ایسی لڑکی نہیں ہو جنہیں "فیشن زدہ" کہا جا سکتا ہے۔ تمہارا اس دن کا ردعمل میرے لیے نہایت باعث مسرت ثابت ہوا۔ میں نے تمہیں سب کچھ سچ بتا دیا ہے۔ اگر میں اس قماش کا آدمی ہوتا جیسا تم نے مجھے سمجھ لیا ہے تو اس دن گڑبڑ ہو ہی جاتی۔ تم مجھے روک نہیں سکتی تھیں۔ میرے علم میں تھا کہ تم اپنے وینٹی بیگ میں آتشیں ہتھیار رکھتی ہو اس لیے اگر میں چاہتا تو تمہارا بیگ اسی وقت تم سے چھین لیتا جب تم میرے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تھیں۔ مجھے بتاؤ، کیا بیگ چھین لینا میرے لیے ذرا بھی مشکل ہوتا؟ یقیناً نہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ میرا ارادہ وہ نہیں جو میں نے ظاہر کیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس دلیل کے بعد تمہیں [illegible]

اپنی والدہ سے اس بارے میں پوچھ [illegible] پہلے میں تمہارے روٹھے رہنے کی لذت حاصل کرتا رہتا لیکن میں نے محسوس کیا کہ بات صرف روٹھنے کی حد تک نہیں رہی ہے۔ تم مجھے بڑی نفرت سے دیکھنے لگی ہو۔ یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے اس لیے میں آج ہی تمہیں سب کچھ بتا رہا ہوں۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو جائے گا۔ اسی خوشی میں کل تم سے ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ کیا خیال ہے؟ کل صبح میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا... صرف تمہارا، بابر۔"

تابندہ نے وہ خط دو مرتبہ پڑھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ اس کے دل سے ایک بوجھ اتر گیا۔ بابر نے بیگ کے حوالے سے جو دلیل دی تھی، اس میں بہت وزن تھا۔ یقیناً اگر بابر چاہتا تو سب کچھ کر سکتا تھا۔

تابندہ کمپیوٹر بند کر کے بستر پر جا لیٹی اور گنگنانے لگی۔

"بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے، جنگ کر۔"

ایک بجے تک اسے فراز کی آمد کے بارے میں اطلاع نہیں ملی اور اسے نیند آ گئی۔ دیر سے سونے کے باوجود اس کی آنکھ سات بجے ہی کھل گئی۔ وہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی تو ساڑھے سات بجے تھے۔ اس کے والدین کی عادت تھی کہ وہ آٹھ بجے سے پہلے نہیں اٹھتے تھے اور ناشتا ساڑھے آٹھ نو بجے کے درمیان ہوتا تھا۔

اب تابندہ کو پھر فراز سے باتیں کرنے کا خیال آیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ فراز اٹھ گیا ہو گا۔ وہ دفتر کے لیے ساڑھے آٹھ نو بجے، ناشتا کرنے کے بعد ہی جاتا تھا۔ نکل کر تابندہ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ فراز کی کار موجود تھی۔ تاخیر سے بھی دفتر جاتا تھا۔ تابندہ نے فیصلہ کیا کہ وہ آج اس لڑکی کے بارے میں بات کیے بغیر اسے دفتر جانے دے گی۔

وہ چہل قدمی کے خیال سے لان کی طرف بڑھ [illegible] لان خاصا بڑا تھا، وہاں اس کے والد نے ایک سوئمنگ پول بنوایا تھا۔

سوئمنگ پول کے قریب پہنچتے ہی تابندہ ٹھٹکی۔ [illegible] سوئمنگ پول میں نہانے کے بعد باہر نکل رہا تھا۔ اس [illegible] تابندہ پر پڑی تو اس نے بڑی عجلت میں تولیا اٹھایا [illegible] کے سامنے جس حد تک ممکن ہوا، اپنا جسم ڈھانپ [illegible]

[illegible] اصل جب کچھ اور ہی تھا۔ تابندہ کے سارے [illegible] سنسناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"میں اس بھیڑیے کو پہچان لوں گی تابندہ۔" بینا نے ایک بار اس کو بتا ہی دیا تھا۔ "اس کی پیٹھ پر دائیں شانے کے نیچے ایک بڑا سا مسا ہے۔" اور وہ مسا فراز کی پیٹھ پر تھا۔

تابندہ اپنی خواب گاہ میں جا کے بستر پر گری تو اس کی سانسیں بہت تیزی سے چل رہی تھیں اور جسم میں پھیلی ہوئی سنسناہٹ میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"میں اس بھیڑیے کو پہچان لوں گی تابندہ۔" بینا کی آواز اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ "اس کی پیٹھ پر دائیں شانے کے نیچے ایک بڑا سا مسا ہے۔"

"وہ مسا کسی اور کی پیٹھ پر بھی ہو سکتا ہے۔" تابندہ نے اپنے بھائی کی حمایت میں جواز تراشنے کی کوشش کی لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا دل ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

حویلی کے دونوں مالیوں نے تعجب سے دیکھا کہ دوپہر کے قریب جبکہ دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، میڈیلین پائیں باغ میں ٹہل رہی تھی۔ اس وقت دو بج چکے تھے۔ جو لوگ حویلی میں تھے، وہ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ میڈیلین ٹہلتے ہوئے بار بار اپنی گھڑی کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔ اضطراب اس کی چہل قدمی ہی سے نہیں، اس کے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

آخر اس نے پائیں باغ سے نکل کر آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ پھاٹک پر پہنچ گئی۔ چوکیدار نے محسوس کیا کہ وہ باہر جانا چاہتی تھی۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟" چوکیدار نے ادب سے پوچھا۔

میڈیلین کی مسکراہٹ مصنوعی تھی اور اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں جواب دیا کہ وہ باہر ادھر ادھر گھوم کر جائزہ لے گی تاکہ اسے حویلی کا محل وقوع تو معلوم ہو جائے۔

وہ پھاٹک کے ذیلی دروازے سے باہر نکلی اور تیزی سے دائیں جانب بڑھی۔ اس کا انداز ایسا نہیں تھا جیسے وہ حویلی کا محل وقوع دیکھنا چاہتی ہو۔ اس کے انداز میں عجلت تھی۔

حویلی اور اس کے پہلو کی دوسری عمارت کے درمیان ایک پتلی سی سڑک تھی۔

میڈیلین نے اس گلی میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک کار [illegible] اس کے قریب آ کر رکی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر فراز تھا۔ اس نے بہ عجلت اپنے برابر کی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ میڈیلین کار میں بیٹھ گئی۔ فراز اسے حرکت میں لے آیا۔ وہ "یوٹرن" لینا چاہتا تھا لیکن سڑک اتنی زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ اسے واپس موڑنے میں فراز کو کچھ وقت لگا۔ اس دوران میں اس نے اس طرف برابر نظر رکھی تھی جدھر سے میڈیلین آئی تھی۔

کار موڑنے کے بعد فراز اس کی رفتار تیزی سے بڑھاتا چلا گیا۔

"یہ سب کیا ہے مسٹر فراز؟" میڈیلین روہانسی ہو رہی تھی۔

"کیا تم نے مسعود کا میسج نہیں پڑھا؟"

"دو تین مرتبہ پڑھ چکی ہوں لیکن سب کچھ واضح تو نہیں ہے۔"

"وضاحت سے بھی جان لو گی۔ پہلے ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔"

میڈیلین چپ ہو گئی لیکن اس کا اضطراب برقرار رہا۔ موبائل فون اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسکرین پر وہ میسج نکالا جو اسے حویلی میں ذرا دیر پہلے ہی ملا تھا اور وہ مسعود کے اسی نمبر سے آیا تھا جس سے وہ واقف تھی۔ وہ اسکرین پر مسعود کا نام دیکھتے ہی ہیجان میں مبتلا ہو گئی تھی۔ میسج میں لکھا تھا۔

"ڈیئر میڈیلین! تم یقیناً حیرت زدہ رہ جاؤ گی کہ میں زندہ ہوں۔ جو شخص حویلی میں پہنچ کر قتل ہوا، وہ میرا ہم شکل تھا۔ مجھے کچھ لوگوں نے قید کر لیا تھا۔ بہ مشکل فرار ہو سکا ہوں۔ مجھے میڈیسن یا ایسی کوئی چیز کھلا دی گئی ہے کہ میں فی الحال بولنے سے قاصر ہوں۔ فراز سے کسی طرح میرا رابطہ ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں مجھ تک لے آئے گا۔ ابھی حویلی سے نکلو۔ حویلی سے باہر فراز تمہارا انتظار کرے گا۔ تم دوسری فرد ہو جسے میرے زندہ ہونے کا علم ہو رہا ہے۔ ابھی حویلی میں کسی کو کچھ نہیں بتانا۔ یہ بہت ضروری ہے... مسعود۔"

"اب یہ رازداری کیوں ضروری ہے؟" میڈیلین نے فراز سے پوچھا۔

"مسعود کے سامنے ہی تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔" فراز نے کہا۔ وہ بار بار عقب نما آئینے پر نظر ڈال لیتا تھا۔

میڈیلین مضطرب تھی۔ اسی لیے وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بے اختیار بولتی رہی لیکن اسے مبہم جوابات ملتے رہے۔ یہاں تک کہ کار ایک ویران راستے پر دوڑنے لگی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"ہاں۔" فراز نے پہلی مرتبہ وضاحت سے جواب سینڈز پٹ پر مسعود کا ایک ہٹ ہے۔ وہ اس وقت ہے۔"

"مسعود ایک مرتبہ مجھے وہاں لے گئے تھے۔"

اب فراز نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔

آخر اس سفر کا اختتام ہوا۔ جس ہٹ کے برابر میں کار ی، وہاں آس پاس بالکل سناٹا تھا۔ وہ دونوں کار سے ے۔ فراز نے دروازے کا قفل کھولا۔ وہ دونوں اندر ہوئے۔ اس ہٹ میں تین کمرے تھے۔

"کہاں ہیں مسعود؟" میڈیلین نے ایک کمرے میں ہو کر بے چینی سے پوچھا۔

اسی وقت فراز نے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر یلین کے چہرے پر رکھ دیا۔ رومال میں کسی قسم کی بو تھی۔ یلین مچلی لیکن فراز نے اسے دبوچ لیا۔ جلد ہی اس کے پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک بستر پر تھی۔ اس کے ں ہاتھ اوپر کی طرف پھیلا کر بڑی مضبوطی سے باندھ یے گئے تھے۔ دونوں ٹانگیں بھی مضبوطی سے بندھی ہوئی ں۔ اس کے منہ میں تھوڑا سا کپڑا ٹھونس کر ہونٹوں پر ایک ٹیپ لگا دیا گیا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد حواس بحال ہونے میں کچھ وقت جس کے بعد ہی میڈیلین نے یہ سب باتیں محسوس کی ں۔

بستر کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا فراز اسی کی رف دیکھ رہا تھا۔

"آخر ہوش آ گیا تمہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "تم ی بے وقوف ہو ورنہ اس میسج پر یقین کر کے اتنی عجلت کا ظاہرہ نہیں کرتیں۔ تم حیران ہو گی کہ میں تمہیں دھوکے سے یاں کیوں لایا ہوں۔ یقیناً تم اس بارے میں جاننا چاہو گی۔ ں تمہیں بتاؤں گا بھی میڈیلین کیونکہ میرے دل کی بھڑاس سی طرح نکل سکتی ہے۔"

میڈیلین خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"ویسے..." فراز نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ "جو کچھ ہوا، اس کے لیے تم قصوروار نہیں ہو۔ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے تم پر اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں دیر کر دی۔ تم مسعود کے گلے کا ہار بن چکی تھیں۔ میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔ ہاں [illegible] میں بھی شدت آتی چلی گئی۔ تم ایک مغربی لڑ [illegible] وہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب [illegible] نظر انداز کیا۔ میں تم سے شادی کرنے کی ہر ممکن کوشش لیکن..." فراز نے ٹھنڈی سانس لی۔ "موقع ہاتھ سے چکا تھا۔ اگرچہ مسعود نے مجھے اس بارے میں کبھی کچھ نہیں لیکن شبہ ہو جانے کے بعد میں نے تم دونوں پر نظر رکھی او پر عیاں ہو گیا کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب پہنچ چکے ہو۔"

فراز کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ سلگانے کے بعد ہوئے کہنے لگا۔ "میں نے پہلے کبھی سگریٹ نہیں پی لیکن اب تک کئی سگریٹیں پی چکا ہوں۔ آج میری اعصابی کیفیت کچھ ایسی ہی ہے۔ پہلے تو مجھے شراب کا خیال آیا تھا مگر نے اس لیے مسترد کر دیا کہ نشے میں کوئی ایسی حرکت ہو سکتی تھی جو میرے لیے کسی پریشانی کا سبب بن جاتی۔ ہاں، اس میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں نے تمہارا موبائل بند کر دیا ہے۔ کوئی کال آتی تو میں ڈسٹرب ہوتا۔"

میڈیلین خاموشی سے سنتی رہی۔ خاموشی سے سننے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ منہ میں ٹھنسے کپڑے اور ہونٹوں پر چپکے ہوئے ٹیپ کی وجہ سے بول ہی نہیں سکتی تھی۔

فراز سگریٹ کے کش پر کش لگاتا ہوا بولتا رہا۔ "یہ ناممکن ہے کہ لندن میں مسعود نے تمہیں میرے بارے کچھ نہ بتایا ہو۔ تم جانتی ہو گی کہ میں کسی ایسی لڑکی سے کرنا چاہتا تھا بلکہ چاہتا ہوں جو پہلے کبھی کسی مرد سے لیکن جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں، تم پہلی لڑکی تھیں جو شدت سے پسند آئی تھیں کہ میں نے اپنا یہ خیال پس ڈال دیا۔ جب تم واپس لندن چلی گئیں تو مجھے خیال تمہارے اور مسعود کے درمیان کچھ ملے ضرور میں نے لندن میں اپنے ایک دوست سے رابطہ کے ذریعے تمہارے حالات سے باخبر ہوتا رہا۔ یہاں سے مسعود کو اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جانے میں سمجھ گیا کہ دراصل بات کیا ہے۔ بعد میں میرے تصدیق بھی ہو گئی۔ مجھے اپنے لندن کے دوست معلوم ہو گیا کہ تم نے اور مسعود نے شادی کر لی تھی۔

بڑی فکر [illegible] مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ اتنی نفرت کہ میں اس سے انتقام [illegible] سوچی کہ تمہارے اور [illegible] دی جائے۔ مجھے اپنے اس اقدام سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوا لیکن میں نے کوشش بہرحال جاری رکھی۔ میں تمہیں عشقیہ خطوط لکھتا رہا۔ میں وہ خطوط کمپوز کر کے اس لیے بھیجتا تھا کہ میری تحریر تو مسعود فوراً پہچان لیتا۔ میں وہ خط ایک لفافے میں رکھ دیا کرتا۔ وہ لفافہ میں اپنے دوست کو بھیج دیتا اور تمہارے نام کا لفافہ میرا دوست کہیں نہ کہیں سے تمہیں پوسٹ کر دیا کرتا۔ اسے میں نے اپنے ناکام عشق کی ساری کہانی سنا دی تھی۔ کچھ عرصے بعد وہ امریکا چلا گیا جہاں اسے ایک بہت اچھی ملازمت مل گئی تھی۔ اس کے لندن سے چلے جانے کے بعد ہی مجھے مجبوراً ان عشقیہ خطوط کا سلسلہ بند کرنا پڑا تھا جس کا مجھے کوئی دکھ اس لیے نہیں ہوا کہ اس طرح میرا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا۔"

میڈیلین کی آنکھوں میں حیرت اور خوف کے تاثرات برقرار تھے۔ وہ فراز کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کیونکہ بول نہیں رہا تھا اس لیے میڈیلین کی آنکھیں بھی متحرک تھیں۔ اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔

فراز نے پہلی سگریٹ بہت جلدی ختم کی اور اسی سے دوسری سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے پھر بولنا شروع کیا۔ "انتقام کی آگ میرے سینے میں دہکتی رہی لیکن مجھے اندازہ تھا کہ میں کبھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اپنی مخصوص لڑکی کی تلاش .... اس کے بعد بھی جاری رہی۔ تمہارے علاوہ ایک خوب صورت لڑکی اور ہے جسے میں ہمیشہ سے پسند کرتا آیا ہوں۔ تم اسے جانتی بھی ہو۔ مسعود کی بہن بینا۔ کیونکہ اس کی بصارت زائل ہو گئی تھی اس لیے مجھے یقین تھا کہ اس کا کبھی کسی سے افیئر نہیں چلا ہو گا۔ کسی وجہ سے یہ ممکن نہیں کہ اس سے میری شادی ہو سکتی، پھر بھی وہ میرے حواس پر چھائی رہی۔ اگر تم مجھے مل جاتیں تو شاید میں اسے بھول جاتا۔ کیونکہ وہ میرے حواس پر چھائی رہی تھی اس لیے ایک رات مجھ پر جنون طاری ہو گیا اور مجھے موقع بھی مل گیا۔ میں نے اسے جبراً حاصل بھی کر لیا۔ وہ واقعی دوشیزہ تھی اور کیونکہ اس کی دوشیزگی کا قاتل میں ہوں اس لیے اگر اب بھی اس سے میری شادی ہو سکے تو مجھے بے حد خوشی ہو گی۔"

میڈیلین بول نہیں سکتی تھی لیکن اس کا دماغ تو کام کر

فراز نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ اس رات کی شاہینہ کی مہندی تھی۔ اس کے دوسرے دن مسعود اسے دیکھ کر ایک بار پھر میرے رگ و پے میں چنگاریاں دوڑنے لگیں لیکن میں نے اس پر اپنے جذبات ظاہر نہیں ہونے دیے۔ مجھے احساس تھا کہ مسعود کا وجود مجھے ہمیشہ تڑپاتا رہے گا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر دوں تاکہ میری باقی زندگی سکون سے گزر سکے۔ میں نے اس کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کر لی۔ میں اسے اپنے ریوالور سے گولی نہیں مارنا چاہتا تھا اس لیے میں نے شام کے وقت اس کے بھائی شیراز کا پستول اس کے کمرے سے چرا لیا۔ یہاں ایک بے ہودہ سی رسم چل پڑی ہے کہ خوشی کے موقعوں پر فائرنگ کی جاتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ شاہینہ کی رخصتی کے وقت بھی ایسا ہو گا۔ میں نے اسی موقع کو اپنے کام کے لیے مناسب سمجھا اور مسعود کو دوسری دنیا میں پہنچا دیا۔ پستول میں نے اسی وقت پائیں باغ کے ایک پودے کے پیچھے پھینک دیا تھا۔ دوسرے دن مجھے پستول وہاں سے نکالنے کا موقع بھی مل گیا۔ وہ میں نے لے جا کر سمندر میں پھینک دیا۔"

فراز شاید ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے کیونکہ عجلت نہیں ہے اس لیے میں بڑے اطمینان سے باتیں کر رہا ہوں۔ ایک دلچسپ بات بتاؤں تمہیں! میری والدہ اور میری بہن میری شادی کے لیے بہت بے تاب رہتی ہیں لیکن میں نے اشاروں کنایوں میں ان پر بھی ظاہر کر دیا تھا کہ میں کس قسم کی لڑکی چاہتا ہوں۔ مجھے کہیں سے ایک بدصورت لڑکی کی تصویر مل گئی۔ وہ بھی میں نے اپنی بہن کو دکھا دی۔ اسی کو نہیں..." فراز ہنسا۔ "وہ میں مسعود کو بھی دکھا چکا ہوں۔ نہ جانے کہاں ہو گی وہ لڑکی۔"

میڈیلین چاہتی تھی، فراز یہ بھی بتائے کہ اس نے مسعود کا موبائل یا اس کے موبائل کی "سم" کس طرح حاصل کی تھی اور اس کا مقصد کیا تھا۔

"تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا ہو گا کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں۔" فراز نے ایک اور سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ "میں بتاتا ہوں۔ پہلے بھی میں سمجھتا تھا کہ تم دوشیزہ نہیں ہو گی اور اب تو یہ سامنے کی بات ہے کہ تم دو سال تک مسعود کی بیوی رہی ہو لیکن اس کے باوجود... ہاں... اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کم از کم ایک مرتبہ اپنی آغوش میں سمیٹوں۔ یہ حسرت بھی آخر کیوں رہ جائے کہ میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

جس لڑکی کو شدت سے پسند کیا تھا، اسے ایک بار بھی نہیں پا
میں دیکھوں گا کہ دو سال کسی کی بیوی رہنے کے بعد
سی لگو گی لیکن مجھے اس میں... کوئی عجلت نہیں ہے۔"
اس مرتبہ میڈیلین دو تین مرتبہ دروازے کی طرف بھی
چکی تھی۔
"نہیں۔" فراز ہنسا۔ "یہاں تمہاری مدد کے لیے کوئی
آسکتا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکے گا کہ تم یہاں ہو
۔ ابھی تو شاید حویلی والوں کو علم بھی نہ ہو کہ تم غائب ہو گئی
مجھے وہاں کے معمولات کا علم ہے۔ دوپہر کے کھانے
بعد سب اپنے کمروں میں جاتے ہیں تو پانچ بجے سے
نہیں نکلتے۔ میں اس وقت تک شہر واپس پہنچ جاؤں گا۔ تم
دیکھا ہی ہے کہ میں بہت تیز ڈرائیونگ کرتا ہوں۔
ری تلاش کے سلسلے میں، میں بھی ان کے ساتھ ہو جاؤں
تمہارے سلسلے میں مجھے عجلت اس لیے نہیں ہے کہ دن کے
ن یہ سب کچھ بڑا غیر جمالیاتی لگتا ہے۔ اس کے لیے
ل بھی اچھا ہونا چاہیے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ یہ کمرا
ستھرا اور کسی حد تک آراستہ ہے۔ کل رات میں یہاں
لیے آیا تھا کہ یہ سب کچھ کر سکوں۔ مجھے امید تھی کہ مسعود
نمبر سے ملنے والا میسج تمہیں بے قرار کر دے گا اور تم...
...اچھا یاد آیا۔" اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا۔
ب یہ سم مجھے ضائع کر دینا چاہیے۔ اب اس کی ضرورت
ں ہے۔" اس نے موبائل سے سم نکالی۔ "میں تمہیں یہ بھی
دوں کہ شاہینہ کی رخصتی کے وقت میں نے مسعود سے
ائل لیا تھا۔ کچھ بہانہ کیا تھا میں نے... مجھے یقین بھی تھا
مسعود کو موبائل واپس لینے کا خیال جلدی نہیں آئے گا اور
کی نوبت آنے سے پہلے میں اسے دوسری دنیا میں پہنچا چکا
ں گا۔ یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ بعد میں بھی موقع ملنے
ں نمبر کے ذریعے تمہیں دھوکا دے سکوں۔ اس وقت وہ
و یہ میرے ذہن میں نہیں تھا جس پر میں نے اس وقت
ل کیا ہے لیکن میرے دماغ میں یہ کل آیا تھا۔ اگرچہ
ے جذبات کے معاملے میں تم بالکل قصوروار نہیں ہو لیکن
تمہیں ایک مرتبہ حاصل ضرور کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے
ب سے دوسری سم نکال کر موبائل میں ڈالی اور بولا۔
مسعود کے موبائل سے سم میں نے فوری طور پر نکال لی تھی۔
ائل بعد میں ضائع کر دیا تھا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں
یف تو ہو گی لیکن مجبوری ہے۔ رات تک تمہیں اسی حالت
ں بھوکا پیاسا پڑا رہنا ہے۔ میں جب آؤں گا، تبھی تمہیں کچھ
پلا سکوں گا۔"

میڈیلین کے دماغ میں اس وقت خیال آیا تھا [illegible] VIRGINITY [illegible]
مرغوب [illegible] ہیں۔
"تم یہ بھی سوچ رہی ہو گی کہ ایک مرتبہ تمہیں حاصل کرنے کے بعد میں تم سے کس طرح پیش آؤں گا۔" فراز [illegible] اور پھر مسکرایا۔ "لیکن یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ رات کو میرا انتظار کرنا۔"

وہ کمرے سے نکل آیا۔ ہٹ مقفل کرنے کے بعد اپنی کار کی طرف بڑھا۔ اس نے پیٹرول کی ٹنکی کھول کر رومال پیٹرول میں بھگویا۔ مسعود کے موبائل کی سم اس رومال میں لپیٹی اور پھر اسے کچھ پتھروں کے بیچ میں ڈال کر ماچس کا شعلہ دکھا دیا۔

اپنی کار میں برق رفتاری سے شہر کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنی اس تدبیر پر نظرثانی کر رہا تھا جو اس نے میڈیلین کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش ضائع کرنے کے بارے میں سوچی تھی۔ یہ تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ مقصد پورا کرنے کے بعد میڈیلین کو زندہ سلامت واپس جانے دیتا۔

☆☆☆

ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ تابندہ بھی حویلی میں تھی۔ اس وقت ایک بار پھر کرنل صہبائی نے گھر کے تمام لوگوں کو نشست گاہ میں جمع کر لیا تھا۔ کرنل صہبائی کا چہرہ اس وقت پتھرایا ہوا سا تھا لیکن باقی لوگوں کے چہروں سے پریشانی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ میڈیلین کئی گھنٹے پہلے حویلی سے کہیں چلی گئی تھی اور پھر واپس نہیں لوٹی تھی۔ چوکیدار نے بتایا تھا کہ وہ اس سے یہ کہہ کر حویلی سے نکلی تھی کہ اسے وہاں کا محل وقوع دیکھنا ہے۔

قدموں کی چاپ سن کر سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ بینا نے آہٹ سے پہچانا کہ آنے والا فراز تھا۔

وہ اس وقت شلوار کرتے میں ملبوس تھا۔

"میں تھوڑی دیر پہلے ہی دفتر سے گھر پہنچا تھا ابا جان!" فراز نے سلام کرنے کے بعد ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "بس کپڑے تبدیل کیے تھے کہ آپ کا فون آ گیا۔ آپ کی آواز سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اس لیے میں گھر میں ایک پل بھی نہیں رکا، فوراً روانہ ہو گیا۔ خیریت ہے؟" اس نے سب لوگوں پر طائرانہ نظر ڈالی۔

"بیٹھ جاؤ!" کرنل صہبائی کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

[illegible] فراز ان کے قریب [illegible] چہرے پر [illegible]

"فراز!" کرنل صہبائی پھر بولے۔ "ایک فوجی ہونے کے ناتے اگر میں ڈسپلن کا عادی نہ ہوتا اور اگر تم میرے دوست کے بیٹے نہ ہوتے تو میں اس وقت اپنے ہاتھوں سے تمہاری تکہ بوٹی کر ڈالتا۔"

فراز چونک گیا۔ وہاں موجود لوگ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

قدموں کی چاپ ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ یہاں آنے والا راحیل تھا۔ کرنل صہبائی نے اسے اپنے قریب ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا۔

"فراز!" کرنل صہبائی بولے۔ "مجھے یہ جان کر دکھ بھی ہوا ہے کہ تم میرے بیٹے کے قاتل ہو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابا جان!" فراز نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھنے کی کوشش کی۔

"بیٹھے رہو فراز!" راحیل بہت سخت لہجے میں بولا۔ "تمہیں اور باقی لوگوں کو بھی یہ جان کر حیرت ہو گی کہ میرا تعلق حکومت کے ایک خفیہ ادارے سے ہے۔ تم کرتے شلوار میں ہو اس لیے میری آنکھیں اندازہ لگا سکتی ہیں کہ تم مسلح نہیں ہو۔ تم بس اتنا ہی کر سکتے ہو کہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو لیکن میرے پاس ریوالور ہے اس لیے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔"

اس ڈرامائی صورت حال نے وہاں موجود لوگوں کو دم بخود کر دیا۔ فراز کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسری طرف تابندہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ بینا نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو اسے محسوس ہوا تابندہ کے سارے جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔

"میڈیلین کہاں رک گئی؟" کرنل صہبائی نے راحیل سے پوچھا۔

"ان کی حالت خاصی غیر تھی۔ میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ وہ فریش ہو جائیں۔ وہ لاؤنج میں رک گئی تھیں۔ آتی ہی ہوں گی۔"

راحیل کا فقرہ مکمل ہوا ہی تھا کہ میڈیلین اندر آئی۔ اسے دیکھتے ہی فراز کے چہرے کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اس کا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ وہ اس وقت راحیل کے خیال کے مطابق اتنا ہی کر سکا کہ اس نے اٹھ کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" راحیل کہتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔ اس نے فراز کی گردن پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کے [illegible] ہی آیا۔ فراز نے پوری طاقت سے بھاگنے کی کوشش کی تھی اس لیے زبردست جھٹکا لگنے سے اس کے کرتے کا پچھلا حصہ پھٹتا چلا گیا۔ اس کی بنیان بھی تھوڑی سی نیچے ہو گئی اور اس کی پیٹھ کا مسا صاف دکھائی دیا لیکن وہاں موجود لوگوں کو اس مسے کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس بارے میں صرف تابندہ ہی جانتی تھی اور بصارت سے محروم بینا وہ مسا دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

اس ہڑبونگ کی آواز سنتے ہی باہر موجود کئی پولیس والے اندر گھس آئے۔ راحیل کے اشارے پر انہوں نے فراز کو پکڑ لیا۔

"ہتھکڑیاں لگا دو اس کے۔" راحیل نے پولیس والوں سے کہا۔

"نہیں راحیل۔" کرنل صہبائی بول پڑے۔ "ہتھکڑیاں باہر لے جا کر لگا دینا۔ یہاں اس کی بہن موجود ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بھائی کو ہتھکڑیاں لگتے ہوئے دیکھے۔"

اس وقت تابندہ نے اپنا سر بینا کی گود میں بیچ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بینا نے اپنا ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ دیا، بولی کچھ نہیں۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آسکا ہو گا کہ وہ کیا بولے۔ تابندہ اس کی بہت عزیز دوست سہی لیکن اس کے بھائی کے قاتل کی بہن بھی تھی۔

لیکن یہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ فراز کا یہ جرم کیونکر سامنے آ سکا۔ ان باتوں سے کما حقہ واقفیت صرف کرنل صہبائی اور راحیل کو تھی یا اس کا علم میڈیلین کو تھا۔

میڈیلین کو جب مسعود کے نمبر سے میسج ملا تھا تو وہ اس بات سے شبے میں پڑ گئی تھی کہ اسے "ڈیئر میڈیلین" کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ مسعود نے اسے کبھی بھی "ڈیئر" نہیں کہا تھا۔ وہ ہمیشہ "جانِ من میڈیلین" یا صرف "جانِ من" کہتا تھا۔ پیغام میں جو باتیں لکھی گئی تھیں، انہیں بھی میڈیلین کے دل و دماغ نے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً دوڑی ہوئی کرنل صہبائی کے پاس گئی اور انہیں وہ میسج دکھایا۔ پھر کرنل صہبائی نے بھی موبائل پر راحیل سے رابطہ کرنے میں دیر نہیں لگائی اور پھر راحیل کے مشورے پر انہوں نے میڈیلین سے کہا تھا کہ وہ ویسا ہی کرے جیسا کرنے کی ہدایت اسے میسج میں کی گئی تھی۔

میڈیلین پریشان ہو گئی لیکن کرنل صہبائی نے اس کی ہمت بندھائی اور اس سے کہا کہ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

...ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا بہت دور سے اس کی ... کر رہا تھا۔" دوسرے دن راحیل، بینا کو بتا رہا تھا۔ کرنل صہبائی گزشتہ روز سے اب تک کسی سے بات ... کے موڈ میں نہیں تھے اور بینا وہ سب کچھ جاننے کے ... بے چین تھی۔ اس کی خواہش پر ظفر کی بیوی نے ... کو بلایا تھا۔ اس وقت وہ تینوں نشست گاہ میں تھے۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے راحیل۔" بینا بولی۔ "تم نے ... کیسے نگرانی شروع کر دی؟ جب ابا جان نے تمہیں فون ... کیا تم ہیلی کاپٹر میں ہی بیٹھے تھے؟"

"نہیں۔" راحیل نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ ... شروع سے بتاؤں۔ میں نے مسعود کا نمبر معلوم کرنے کے ... ادارے سے رابطہ کیا تھا جس کی سم مسعود کے موبائل ... عموماً تو یہ ہوتا ہے کہ موبائل اڑانے والے اس کی سم ... ضائع کر دیتے ہیں لیکن میں نے چانس لیا تھا کہ شاید سم ... کرنے کے بجائے کہیں پھینک دی گئی ہو۔ اب ... لوجی بہت آگے بڑھ گئی ہے بینا! تمہیں معلوم ہوگا کہ اگر ... اپنے جاننے والے کے بارے میں معلوم کرنا ہو کہ وہ ... وقت کہاں ہے اور تمہیں اس کا موبائل نمبر بھی معلوم ہو تو ... تمہیں بتا سکتی ہے کہ تمہارا وہ دوست یا شناسا اس وقت ... ہے۔ میں نے کمپنی کو یہ معلوم کرنے پر لگا دیا تھا۔ اب یہ ... کی حماقت تھی کہ اس نے سم اپنے پاس محفوظ رکھی۔ وہ اس ... کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کل اس نے میڈ یلین کو میسج بھیجا ... کمپنی نے مجھے فوراً آگاہ کر دیا کہ اس نمبر سے فلاں نمبر کو میسج ... گیا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ اس نمبر کی سم یہاں، تمہاری کالونی ... موجود ہے۔ اسی وقت مجھے کرنل چچا کا فون بھی مل گیا۔ ... سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل آسان تھا کہ وہ سم فراز کے پاس ... میں یہ تو سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ مسعود زندہ ہوگا۔ اس کے ... میں نے یہ جاننا چاہا کہ فراز میڈ یلین کو کہاں لے جانا چاہتا ... اور کیوں لے جانا چاہتا ہے۔

"میں تیزی سے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ... سے میں ہیلی کاپٹر لے کر اڑا۔ دونوں اداروں سے میرا ... رابطہ رہا.... ان سے مجھے برابر اطلاعات ملتی رہیں کہ سم ... کہاں ہے اور کار اب کہاں ہے چنانچہ ہیلی کاپٹر وا ... سمتوں پر لے جایا گیا اور آخر فراز کی کار میری نظروں میں ... میں نے اندازہ بھی لگا لیا کہ فراز میڈ یلین کو سینٹرز...

مسعود نے چابی اسے دی تھی۔ خیر، میں نے اپنے اور ... [illegible]

... رکھے ہوئے تھا جب اس کی کار سینٹر زپٹ کے ہٹ پر ... رکی تو میرے ماتحت کی کار اس سے کچھ زیادہ دور نہیں تھی ... نہایت برق رفتاری سے ہٹ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں ... ایک بار پھر کہوں گا کہ ٹیکنالوجی اب بہت آگے جا چکی ... جاسوسی کے غیر معمولی آلات ایجاد کر لیے گئے ہیں۔ ان ... سے بعض آلات تو عام آدمی کی دسترس میں بھی آ چکے ... خیر، تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میرے آدمیوں کے پاس ... خاص آلات تھے۔ وہ ایسے آلات ہیں کہ کسی درمیانی ... ذریعے کے بغیر بھی کچھ فاصلے کی آوازوں کو نہ صرف ... لیتے ہیں بلکہ ریکارڈ بھی کر لیتے ہیں۔ ہٹ میں ... میڈ یلین سے جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ میرے آدمی بھی سن ... تھے۔ وہ مجھے اس بارے میں بتاتے بھی جا رہے ... حالات کے اس رخ پر جانے سے ایک آسانی یہ ہو ... سارے معاملات فراز ہی کی زبانی سامنے آ گئے ورنہ ... لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑ سکتی تھی۔ خیر...."

راحیل کو طویل گفتگو میں "خیر" کہنے کی بہت ... تھی۔

"تو جب فراز میڈ یلین کو وہاں بندھا چھوڑ کر ... سے رخصت ہوا تو میرے آدمیوں نے ہٹ میں ... میڈ یلین کو آزاد کرا لیا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت ... کہ وہ میڈ یلین کو فی الحال ہیڈ آفس لے جائیں اور ... سے میں نے کہا کہ وہ فراز کو حویلی بلا لیں۔"

بینا بولی۔ "آپ نے اسے ہٹ پر گرفتار کیوں نہیں ... کرایا؟"

"محض اس خیال سے کہ خون خرابے کی نوبت نہ ... آ جائے۔ اس کا امکان تو تھا کہ فراز کے پاس ... پستول ہوتا۔ میں نے سوچا تھا کہ فراز جب اتنا مطمئن ... اسے بہ آسانی گرفتار کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہوا۔"

"میڈ یلین سے اس نے ہٹ میں کیا ... تھیں؟" بینا اس وقت بھول رہی تھی کہ اسے "مسعود" ... کہنا چاہیے تھا۔

راحیل بولا۔ "میڈ یلین نے آپ کو کچھ نہیں بتایا ...

راحیل نے ... [illegible] ... جاننا چاہتی تھی۔ اس نے صرف ایک بات ... [illegible] ... آبروریزی کی تھی۔ وہ ... اس لیے اس بات کا ذکر مناسب نہیں ہوتا۔

بینا وہ سب کچھ جاننے کے بعد اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ اسے تابندہ اور اس کے والدین کا خیال آ رہا تھا۔

گزشتہ روز فراز کی گرفتاری کے بعد کرنل صہبائی نے فون کر کے فراز کے والدین کو بھی بلا لیا تھا۔ حالات سے آگاہی کے بعد فراز کے والد کرنل صہبائی سے لپٹ کر اور فراز کی والدہ شمشاد صاحب کی بیگم سے لپٹ کر روتی رہی تھیں۔ پھر وہی دونوں تابندہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت تابندہ کو حرارت ہو گئی تھی۔

دوسرا دن ہوتے تک تابندہ کو اچھا خاصا بخار ہو گیا۔ کرنل صہبائی اسے دیکھنے گئے تھے۔ واپس آ کر انہوں نے بینا کو تسلی دی اور کہا کہ تابندہ کو ڈاکٹر کو دکھا دیا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ ایک آدھ دن میں اس کا بخار اتر جائے گا۔

بینا چاہتی تھی کہ موبائل پر تابندہ سے بات کرے لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ تابندہ سے کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

اس کا وہ دن گھبراہٹ اور اضطراب میں گزرا۔ وہ روزانہ تابندہ سے ملنے کی عادی ہو چکی تھی۔ گھبراہٹ اور اضطراب کی کیفیت میں اس نے لاؤنج کا رخ کیا۔ اس وقت بابر، باذل اور شیراز عموماً وہیں ہوتے تھے۔ پہلے بینا اور شاہینہ بھی ان کے ساتھ گپ شپ میں شامل رہتی تھی لیکن مسعود کی ہلاکت کے بعد اس نے لاؤنج کا رخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"آؤ بینا!" بابر نے کہا۔ "جو کچھ سامنے آیا، اس کی وجہ سے سبھی ڈسٹرب ہیں لیکن تم تابندہ کے نہ ہونے سے بھی بہت اداس ہو۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں آ گئیں۔ باتوں میں کچھ دل بہلے گا۔"

بینا نے بیٹھتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ "سان گمان میں بھی نہ تھا کہ فراز ایسا ثابت ہوگا۔"

"ہاں۔" باذل بولا۔ "اسے دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس نے ایسے خطرناک کام کیے ہوں گے۔"

شیراز بولا۔ "کل جب وہ اٹھ کر بھاگا تھا تو میرے

نئی لغت

بس کا سفر: آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی۔

بلدیہ: یارب نہ وہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے میری بات۔

شوہر: دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن۔

بیوی: ہر روز گفتگو ہے نئی میرے باب میں۔

سرکاری نلکے کا پانی: آ انتظار ہے تیرا....

واپڈا: دل کا دیا جلایا، میں نے دل کا دیا جلایا....

مہنگائی: گا میرے منوا گاتا جا رے، جانا ہے ہم کا دور۔

رکشا: دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسکرا کے چل دیے۔

طالب علم: ایک لمحے کو ٹھہر، میں تجھے پتھر لا دوں۔

میٹرنٹی ہوم: ترے جہان کی رونق بڑھا رہے ہیں ہم۔

بڑھاپا: زندگی جا چھوڑ دے پیچھا میرا۔

لوکل بس: اب وہ رعنائی خیال کہاں۔

جاسوسی ڈائجسٹ: ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا۔

آفتاب احمد، حیدرآباد

گھٹنے سے ٹکرا گیا تھا۔ کافی دیر تک تکلیف رہی تھی۔"

اس مختصر دورانیے میں باذل نے دو تین مرتبہ بینا کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا جسے اس کے بھائیوں نے محسوس نہیں کیا۔

بابر بولا۔ "راحیل نے جب اسے پیچھے سے پکڑا تھا تو گرتے اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور پھٹتا ہی چلا گیا۔"

"اس کی پیٹھ پر خاصا بڑا امسا ہے۔" شیراز بولا۔

بات روا روی میں کہی گئی تھی لیکن بینا کو ایسا دھچکا لگا جیسے اس کے قریب ہی کہیں کوئی بم پھٹ گیا ہو۔

"مسا!" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔" شیراز نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"کچھ... کچھ نہیں۔" بینا نے جلدی سے کہا لیکن اس وقت اس کا دورانِ خون خاصا تیز ہو گیا۔

پھر اس کے کچھ دن بڑی اذیت میں گزرے۔ اسے یہ افسوس تو تھا ہی کہ وہ جسے پسند کرتی تھی، وہ اس کے بھائی کا قاتل نکلا اور اس کی دوشیزگی کا لٹیرا بھی لیکن اس کے ساتھ یہ دکھ بھی تھا کہ وہ خود اپنی دوشیزگی کے قاتل کا پتا نہیں لگا سکی۔

ایک شام لاؤنج میں یہ اتفاق ہوا کہ اس کے ساتھ شیراز کے سوا کوئی نہیں تھا۔ بابر اور بادل گھر ہی میں تھے لیکن کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔

"شیراز! میرا ایک کام کرو گے؟" بینا نے کہا۔

"بولو۔"

"فراز اب جیل میں ہے نا؟"

"ہاں، لیکن ابھی اس کا مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت نہیں آیا ہے۔"

"اگر تم رازداری کا وعدہ کرو تو میں تم سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کروں؟"

"ہاں ہاں، بولو۔"

"کسی کو بھی علم نہ ہو۔" بینا نے زور دے کر کہا۔ "نہ ابّا جان کو، نہ کسی اور کو۔"

"بات تو بتاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں، کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"مجھے جیل لے چلو۔ میں فراز سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟" شیراز نے حیرت سے کہا۔

"بس یہ مت پوچھو۔"

شیراز کے اصرار پر بھی بینا نے کچھ نہیں بتایا۔

"اچھا۔" شیراز نے ایک طویل سانس لی۔ "اجازت ملنے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر راحیل سے بات کی جائے تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔"

"راحیل۔" بینا سوچ میں پڑ گئی۔ "پھر تو رازداری نہیں رہے گی۔"

"میں راحیل سے بھی رازداری کا وعدہ لینے کے بعد ہی بات کروں گا۔"

"اچھا۔" بینا نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ "کوشش کر دیکھو۔"

اس طرح بات راحیل تک پہنچی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ... معلوم ہوا تھا کہ بینا فراز کو پسند کرتی تھی ...

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

حیرت و دیکھا جائے تو کیا بات ہے۔ اس نے سوچا ... جیل میں شیراز سے ملاقات کا ...

فراز کو اپنی کوٹھری میں اطلاع ملی کہ بینا اس سے ملنے آ رہی ہے تو وہ حیران رہ گیا۔

ملاقات اس طرح ہوئی کہ درمیان میں آہنی سلاخیں تھیں۔ شیراز سے بینا نے کہا کہ وہ اس سے چند فٹ فاصلے پر رہے۔

"فراز!" بینا نے ایک سلاخ پکڑ کر آہستہ سے کہا۔ "شاہینہ کی مہندی والی رات وہ تم ہی تھے؟"

"اوہ۔" فراز نے ایک طویل سانس لی۔ "ہاں! تمہیں اس کا علم راحیل یا میڈلین سے ہوا ہوگا۔ میں تمہارے معاملے میں تو انتقامی شعلوں میں جھلس رہا تھا لیکن تمہارا معاملہ دوسرا تھا۔ میں جذباتی ہو گیا تھا۔ تم جانتی ہو کہ ایک زمانے میں ہم ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔"

"ہاں فراز! ذرا اپنا ہاتھ دو میرے ہاتھ میں... اس شخص کا ہاتھ چومنا چاہتی ہوں جس سے میں محبت کرتی تھی۔"

فراز نے حیرت کے عالم میں، کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنا ہاتھ بینا کے ہاتھ میں دے دیا۔ بینا نے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی، پھر زور سے جھٹکا دے کر سلاخوں کے قریب کیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے ہاتھ میں دبی چھری نکال کر پوری طاقت سے فراز کے پیٹ میں نہ صرف گھونپی بلکہ پیٹ چیر کر رکھ دیا۔

شیراز نے یہ دیکھا تو جھپٹا۔ اگر اس نے بینا کو پکڑا نہ ہوتا تو وہ فراز کے خون میں ڈوبی ہوئی چھری اپنے پیٹ میں بھی گھونپ لیتی۔

فراز جاں برنہ ہو سکا۔ چھری اس طرح چلائی گئی تھی کہ اس کی آنتیں باہر نکل کر گر پڑی تھیں۔

یہ کرنل صہبائی کی حویلی کے لیے ایک اور صدمہ تھا۔ بینا گرفتار کر لی گئی لیکن اس کے بعد اس کا دماغ ہی الٹ گیا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی۔ جب اس کا مقدمہ عدالت میں پہنچا تو چند سماعتوں کے بعد ہی عدالت نے حکم صادر کر دیا کہ سزا سے پہلے بینا کا دماغی علاج کرایا جائے۔

بینا کا علاج کرایا گیا لیکن وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو سکی۔

انتقام

رضوانہ منظر

کامیابی کی جانب گامزن سفر میں کچھ ایسے مراحل بھی درپیش ہو جاتے ہیں جنہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں ہوتا.... جو اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں... انہیں کامیابی تو مل جاتی ہے..... لیکن کہیں دل کی عمیق گہرائیوں میں کوئی کسک ہمیشہ کے لیے رہ جاتی ہے۔

ایک کامیاب شخص کا کٹھن انتظار جس کے لیے کوئی شدت سے منتظر تھا

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ روحوں کا کوئی وجود ہے یا نہیں لیکن مجھ پر جو گزری ہے، اس کے بعد تو میں ان کی حقیقت کا قائل ہو گیا ہوں... اور اس کہانی کو پڑھنے کے بعد آپ کو بھی یقین آ جائے گا کہ روحیں کس کس انداز میں اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں جوانی کی حدود میں داخل ہوا تھا اور ہارورڈ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ میں ایک چھوٹے شہر سے آیا تھا اور اس شہرت یافتہ یونیورسٹی میں جس کی اپنی تاریخ اور اپنا کلچر تھا، مجھے اپنے آپ کو ایک ذہین طالب علم کے طور پر پیش کرنے کے لیے سخت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد

digestpk.blogspot.com

…نے کوئی دوست نہیں بنایا، بس کلاس فیلوز سے سرسری ہیلو …ے ہو جاتی تھی لیکن ایک سال گزارنے کے بعد میں خاصا …تک یہاں کے ماحول سے مانوس ہو چکا تھا، لہٰذا کرسمس کی چھٹیاں گزارنے کے بعد جب واپس آیا تو سنجیدگی سے …تی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

میرا پہلا دوست جوناتھن ولسن تھا، وہ موسیقی کا دلدادہ تھا …مجھے لکھنے سے دلچسپی تھی۔ میں نے اس کی مرتب کردہ چند …یں سنیں تو اندازہ ہو گیا کہ وہ آگے چل کر اس شعبے میں بڑا …کمائے گا۔ اسی کے توسط سے میری ملاقات کچھ اور ہم …ل اور ہم ذوق لوگوں سے ہوئی۔ انہی میں ایک امینڈا …بھی تھی۔ سنہری بالوں والی، دبلی پتلی جس کی آنکھوں میں …جانے کتنے خواب پل رہے تھے۔ وہ گانے لکھتی، گٹار پر …ی دھن بناتی اور خود ہی گاتی تھی۔ اس کی آواز میں مٹھاس …ے ساتھ ساتھ ہلکا سا سوز بھی تھا جس نے میرے دل کو اپنے …یں جکڑ لیا۔ میں اس کا دیوانہ ہو چکا تھا اور وہ بھی مجھے پسند …نے لگی تھی۔ بہت جلد ہم ایک دوسرے کے بے حد قریب …گئے۔ شاید یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری خوش گوار ترین …ر تھا۔

کرسمس کی چھٹیاں آئیں تو میں نے بھی دوسرے لوگوں کی …طرح گھر جانے کا پروگرام بنایا۔ ابھی میں نے گھر والوں …اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی کہ جوناتھن ایک اور تجویز …لے کر آ گیا جسے سن کر خوش ہونا ایک فطری سی بات تھی۔ اس …کے والدین چھٹیاں گزارنے ہوائی جا رہے تھے۔ نیویارک …کے مضافاتی علاقے میں ان کا مکان اس دوران میں خالی …تا تھا۔ جوناتھن نے ہم لوگوں کو کرسمس منانے کے لیے …وہاں آنے کی دعوت دی۔۔۔ میں کچھ ہچکچا رہا تھا، شاید مجھے …اپنے گھر والوں کی ناراضی کا ڈر تھا۔ خصوصاً ڈیڈ اس معاملے …میں بہت حساس تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ چھٹیوں …میں سب بچے ان کے پاس موجود ہوں۔ جب میں نے …جوناتھن سے یہ مسئلہ بیان کیا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”اس میں …پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تم فون پر ان سے …بات کر لو۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہیں اجازت …دے دیں گے۔“

جوناتھن کا کہنا درست ثابت ہوا۔ ڈیڈی نے بخوشی …اجازت دے دی۔ میرے علاوہ ڈیوڈ، لوسی، روز میری اور …امینڈا بھی اس پروگرام میں شامل ہو گئیں۔ کرسمس منانے کے … [illegible]

دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ مکان ایک چھوٹی سی وادی … [illegible] … اپنی پوری زندگی میں اتنا خوب صورت منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد تھوڑی دیر تک تو ہم تہذیب شرافت کے جامے میں رہے لیکن موسم کی رنگینی نے ہمیں مصنوعی خول سے باہر آنے پر مجبور کر دیا اور ہم لوگوں نے بچوں کی طرح قہقہے اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اسٹور میں سجاوٹ کا سامان پڑا ہوا تھا۔ ہم نے وہ نکال کر پورے گھر کو سجا دیا۔ گیراج میں برف پر پھسلنے والی گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ ہم نے ان میں بیٹھ کر ڈھلوان کی جانب ریس لگائی، پھر جنگل سے ایک بڑا درخت کاٹا اور اسے رسی سے باندھ کر برف پر گھسیٹتے ہوئے گھر تک لے کر آئے۔ ہم نے آرائشی اشیا اور روشنیوں سے سجایا اور پیانو کے گرد بیٹھ کر دعائیہ گیت گانے لگے۔

ہم سب اس شام سے دل کھول کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہم میں سے کسی نے غور نہیں کیا کہ امینڈا کچھ بجھی بجھی سی ہے۔ اس کا رویہ عجیب اور ناقابل فہم تھا۔ زیادہ وقت الگ تھلگ رہی اور اس شور شرابے میں بھی اس نے خاموشی ختم نہیں کی۔ اس نے کسی جواز کے بغیر اپنے آپ کو ہماری تفریحات اور پروگراموں سے الگ رکھا اور زیادہ وقت اپنے کمرے میں بند رہی۔ اگلے روز سہ پہر کے وقت لوگ قریبی مال پر شاپنگ کے لیے جانے کا پروگرام بنا رہے تھے تو وہ میرے پاس آئی اور بولی کہ وہ گھر پر ہی رہنا چاہتی ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ میں بھی شاپنگ کے لیے نہ جاؤں اور کچھ وقت اس کے ساتھ گزاروں۔ میں اس کی بات ٹال سکتا تھا۔ جب ہم دونوں کو تنہائی ملی تو اس نے مجھے دھماکا خیز خبر سنائی جو میرے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ حاملہ ہو چکی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ باپ بننے کی خبر سن کر میں خوش ہو جاؤں گا لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ میں اپنے اخراجات کے لیے دوسروں کا محتاج تھا۔ میں نے بچپن نوکروں کی طرح کام کیا تھا اور تعلیم حاصل کرنے میں ہر گزرتے برس کے ساتھ میری خواہشات بڑھتی گئی تھیں۔ میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ خواب دیکھے تھے اور ان کی تعبیر پانے کے لیے دن رات محنت … تھا۔ اور میں فی الحال اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ …

… کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مجھے زبانی … [illegible] … اندازہ لگا لیا۔ دوسرے … تھی۔ میں نے اس جذباتی کیفیت کو خلاف عقل جانا۔ اسے میری مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے تھا۔ میں نے پہلے کبھی اسے اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس اسے سمجھانے کے لیے مناسب الفاظ نہیں تھے، پھر اس نے مجھ پر چلانا شروع کر دیا۔ میں خود غرض ہوں۔ مجھے اس کی بالکل بھی پروا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں اس دوران میں بالکل خاموش رہا۔ چاہتا تھا کہ وہ اچھی طرح اپنے دل کا غبار نکال لے، جب وہ کچھ پُرسکون ہوئی تو میں نے اسے اپنی ان تمام مجبوریوں سے آگاہ کیا جن سے وہ خود بھی واقف تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ بچے تو بعد میں بھی ہو سکتے ہیں لیکن فی الوقت میرا کیریئر زیادہ اہم ہے۔ یہ سنتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گئی اور اس نے مجھ پر مغلظات کی بوچھاڑ کر دی۔

یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہتا لیکن میری قسمت اچھی تھی کہ جوناتھن اور دوسرے دوست جلدی واپس آ گئے۔ جب وہ قہقہے لگاتے اور شور مچاتے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت میں بیٹھک روم میں آتش دان کے پاس ایک آرام دہ کرسی پر اکیلا بیٹھا تھا۔ امینڈا تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی بک بک ختم کر کے دوسرے کمرے میں جا چکی تھی۔

”امینڈا کہاں ہے؟“ انہوں نے بیک آواز چلاتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہاں تفریح کرنے آئے ہیں، سوگ منانے نہیں۔ اسے بلاؤ۔ ہمیں گیم کھیلنا ہے۔ کھانے پکانے ہیں۔ آنکھ مچولی بھی کھیلنی ہے۔“

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ انہیں کیا جواب دوں۔ میں اصل حقیقت بتا کر ان کی تفریح خراب کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ ”اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اس لیے وہ آرام کر رہی ہے۔“

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی ہم سب کچن میں گئے۔ پاپ کارن، کوکیز، وائن اور بیئر... جو ہاتھ لگا اسے حلق میں انڈیلا۔ میں دل پر جبر کر کے ان کا ساتھ دیتا رہا تا کہ انہیں کوئی شک نہ ہو۔ ایک گھنٹے بعد گھوسٹ ہنٹر... جو آنکھ مچولی کی ہی ایک شکل ہے اور اندھیرے میں کھیلا جاتا ہے اس میں تمام روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں اور کھیل میں حصہ لینے والے سب لوگ پورے گھر میں پھیل کر چھپ جاتے ہیں اور گھوسٹ ہنٹر ایک ٹارچ کی مدد سے انہیں ڈھونڈتا ہے۔ مجھے

اس کے پیش نظر یہ منافقت زیادہ دیر نہیں چل سکتی تھی۔ اس وقت … اچھوتا خیال آیا۔ اگر میں تہ خانے میں بوائلر کے پیچھے چھپ جاؤں تو یہ کبھی مجھے تلاش نہ کر سکیں گے اور میں کھیل میں حصہ لینے سے بچ جاؤں گا۔

تہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پورے ماحول کو سیاہی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھوں کا چھجا بنا کر دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ بہر حال جیسے تیسے میں بوائلر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہیں اس کے عقب میں فرش پر بیٹھ گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہ آیا۔ یوں لگا جیسے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ اسی طرح آدھا گھنٹا گزر گیا پھر میں نے سیڑھیوں پر اپنے دوستوں کے چلانے اور قہقہوں کی آواز سنی۔

بالآخر تہ خانے کا دروازہ کھلا اور جوناتھن ہاتھ میں ٹارچ پکڑے اندر داخل ہوا۔ گویا وہی گھوسٹ ہنٹر تھا اور اس نے بقیہ ساتھیوں کو تلاش کر لیا تھا۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

”اسے یہیں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ وہ کہاں جا سکتا ہے؟“

میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے ہی تلاش کر رہے ہیں۔ جوناتھن نے ٹارچ کی روشنی میں تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اچانک ٹارچ کی روشنی مجھ پر پڑی تو وہ چلائے۔ ”تم یہاں چھپے بیٹھے ہو... ہم نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔“

پھر مجھے روز میری کی آواز سنائی دی۔ ”ٹھہرو... میں لائٹ آن کرتی ہوں۔“

روشنی ہوتے ہی روز میری کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی۔ میں نے نظریں اٹھائیں اور اس جانب دیکھا جہاں اس کی آنکھیں جمی ہوئی تھیں اور پھر میں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ میرے سر کے عین اوپر امینڈا کا بے جان جسم جھول رہا تھا۔ اس کی گردن میں ایک رسی تھی جس کا دوسرا سرا چھت میں لگے ہوئے پائپ سے بندھا ہوا تھا۔ او میرے خدا، میں اتنی دیر سے وہاں بیٹھا ہوا تھا اور مجھے تاریکی میں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ امینڈا اس حالت میں میرے سر کے اوپر لٹکی ہوئی ہے۔

☆☆☆

میڈیکل ایگزامنر کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ امینڈا نے خودکشی کی تھی اور اس کی وجہ جاننے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ستوں کا رویہ بدل گیا۔ گو کہ انہوں نے مجھ پر براہ راست ی موت کا الزام عائد نہیں کیا لیکن ان کے چہروں ثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے معاف کرنے کے لیے تیار ں تھے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی ہماری قاتیں ہوتی رہیں۔ بظاہر ہم خوش اخلاقی سے پیش آتے ن میں ان کے رویے میں چھپی سرد مہری کو محسوس کر سکتا تھا۔ ف نظر آ رہا تھا کہ ہماری پکی دوستی کے دن ختم ہو چکے ہیں اب جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ محض دکھاوا ہے۔

گریجویشن کرنے کے بعد میں نیویارک سٹی چلا گیا اور ے عرصے تک ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ سات ل گزر گئے۔ اس دوران میں مجھے اپنا مقام بنانے کے شدید جدوجہد کرنا پڑی۔ اب اس کے نتائج آنا شروع گئے تھے۔ میری دو کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور فلموں سے آمدنی ہو رہی تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ میں ترقی کر رہا تھا اور ے حالات بہتر ہونا شروع ہو گئے تھے لیکن اس تمام صے میں امینڈا کا سایہ مجھ پر مسلط رہا۔ گو کہ میں کبھی بھی پنے گھر والوں سے قریب نہیں رہا تھا لیکن اب میں نے مکمل پر ان سے رابطہ منقطع کر لیا تھا۔ وقتاً فوقتاً لڑکیوں سے تی ہوتی رہتی لیکن کسی سے بھی طویل عرصے کی رفاقت قائم و سکی۔ وہ لوگ جنہیں میں اپنا دوست کہتا تھا، ان سے بھی ے تعلقات واجبی سے تھے۔ امینڈا کے بعد میری زندگی ں کوئی ہستی ایسی نہیں آئی جسے میں اپنا شریک راز بنا سکوں۔

وہ دسمبر کی ایک سرد رات تھی جب میں ایک تقریب سے س آیا تو آنسرنگ مشین پر مجھے جوناتھن ولسن کا پیغام صول ہوا۔ وہ نیویارک میں تھا اور مجھ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ ے اس پیغام پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ میں اس کی کال کا ے عرصے سے انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ک دن وہ ضرور مجھ سے رابطہ کرے گا۔

اگلی شام میں اس سے ملنے اسی بار میں چلا گیا جہاں کا پتا س نے دیا تھا۔ اس دن بھی خوب سردی تھی۔ میں اوورکوٹ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے بار میں داخل ہوا تو وہ ے کہیں نظر نہیں آیا پھر میں نے اسے آتش دان کے پاس ے ہوئے دیکھا، حالانکہ میں اس کے پاس سے گزر کر آیا تھا ن پہلی نظر میں نہ پہچان سکا۔ سات سال میں وہ بہت بدل ا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور وہ مجھے ے مقابلے میں بہت دبلا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے پاس

نے اپنی داستان سنانا شروع کر دی۔ تعلیم سے فارغ ہو [illegible] اس نے کئی بار ملازمت کی لیکن کہیں بھی زیادہ عرصہ نہ ٹک سکا۔ آخر میں اس نے اپنے باپ کی کمپنی جوائن کر لی جس سے اس کا گزارہ ہو رہا تھا۔

بقیہ دوستوں کا حال بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ روز میری، منشیات کی لت پڑ گئی تھی اور وہ اس سے جان چھڑانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی جبکہ ڈیوڈ کو طلاق ہو گئی تھی جس کے بعد وہ بہت آزردہ رہنے لگا تھا۔ لوسی کی زندگی بھی مسائل سے دوچار تھی۔ اس نے کئی لوگوں سے یکے بعد دیگرے تعلقات استوار کیے لیکن کسی سے بھی نباہ نہ ہو سکا۔

''کبھی کبھی مجھے امینڈا بہت یاد آتی ہے۔'' وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ہم سب کا یہی خیال ہے کہ وہ ہمارے دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی میں آگے نہیں بڑھ پا رہے۔ میں اخبارات میں تمہارے متعلق پڑھتا رہتا ہوں۔ لگتا ہے کہ تمہارے حالات کافی بہتر ہو گئے ہیں۔''

یوں لگا جیسے ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ مجھے مورد الزام ٹھہرا رہا تھا اور اس میں غلط بھی کیا تھا۔ میری ہی وجہ سے امینڈا نے موت کو گلے لگایا تھا۔ میں ہی اس کی موت کا ذمے دار تھا، حالانکہ سارا قصور میرا نہیں تھا۔ میرے کچھ مسائل تھے لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔

جوناتھن نے اپنے گلاس پر نظریں جما دیں اور بو

''ہم نے ایک بار پھر ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اسی ہفتے اس مکان میں ملنے کا پروگرام بنایا ہے۔ ایک بار پھر کرسمس وہیں منائیں گے۔''

''وہاں جمع ہونے کا کیا مقصد ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا بلکہ ہم میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں۔ بس ہمیں یہ کرنا ہے۔ کیا تم آؤ گے؟''

میں نے کہا کہ سوچ کر بتاؤں گا اور پھر میں ساری را اسی بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے وہ دن یاد آئے جب حادثے سے پہلے ہم سب خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کا خیال صحیح ہو۔ اگر ہم ایک بار پھر وہاں ہو کر امینڈا کی یادوں کو تازہ کرتے تو ہو سکتا ہے کہ ایک بار خوشیاں ہمارے دروازے پر دستک دینے لگیں... تو

میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔

☆☆☆

[illegible] حسب توقع موسم سرد اور ابر آلود تھا۔ [illegible] فاصلہ طے کیا تھا کہ برف باری شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑک کے دونوں طرف اگی ہوئی گھاس برف سے ڈھک گئی۔ برف باری کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جب تک سڑک سیدھی تھی تو مجھے گاڑی چلانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن جیسے ہی میں البانی سے گزر کر ذیلی سڑک پر آیا تو حالات مشکل ہوتے چلے گئے۔ برف باری اتنی شدید تھی کہ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور جب میں آگے جھک کر ونڈ شیلڈ سے دیکھنے کی کوشش کرتا تو مجھے ارد گرد پھیلے ہوئے جنگلات کی دھندلی شبیہ کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ سڑک ناہموار تھی اور اس میں جگہ جگہ گڑھے پڑے تھے۔ مجھے ان کے درمیان راستہ بناتے ہوئے لگتا تھا جو شدید برف باری کی وجہ سے تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ کوئی موٹل وغیرہ نظر آ جائے تو وہاں کچھ دیر رک کر طوفان کے تھمنے کا انتظار کر لوں۔ لیکن میرے دماغ پر ان لوگوں سے ملنے کا تصور چھایا ہوا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں پہنچنے میں دیر ہو۔ میں وہاں کا کوئی بھی پروگرام نہیں چھوڑنا چاہ رہا تھا۔ میں نے موسم کا حال جاننے کے لیے کار ریڈیو آن کر دیا لیکن گھر گھر کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دی پھر میں نے سرچ بٹن دبا دیا۔ کچھ آوازیں ابھریں اور دم توڑ گئیں پھر چند لمحوں بعد آواز صاف ہو گئی۔ یوں لگا جیسے کوئی گٹار بجا رہا ہے۔ یہ ایک غمگین دھن تھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی پھر ایک عورت کے گانے کی آواز آئی۔ ''مجھے تمہارا انتظار ہے، مجھے تمہارا انتظار ہے۔''

میں نے ونڈ شیلڈ سے نظریں ہٹا کر ریڈیو کی طرف دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ آواز کہیں بہت دور سے آ رہی ہے لیکن میں اسے پہچان سکتا تھا۔ عین اسی وقت کار زور سے اچھلی۔ میں نے آگے جھک کر دیکھا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اسٹیئرنگ کنٹرول کرتا، گاڑی سڑک سے اتر کر درختوں کے درمیان واقع ایک گہرے گڑھے میں پھنس گئی۔ میں نے ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھایا لیکن کار کے ٹائر چرمرا کر رہ گئے۔

میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور زور زور سے سانس لینے لگا۔ ساری صورت حال میرے سامنے تھی۔ سخت

[illegible] چوتھائی ٹینک گیس باقی تھی جبکہ سورج کی روشنی ختم ہونے میں دو گھنٹے رہ گئے تھے۔ اگر میں گاڑی میں بیٹھا رہتا سورج کی روشنی ختم ہوتے ہی کار کا انجن بھی خاموش ہو اور اس کے بعد میری موت کے امکانات کافی روشن تھے۔

میں نے سورج کی روشنی ختم ہونے سے پہلے کسی کی لینے یا کوئی ٹھکانا تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور کار سے ب آ گیا۔ میرے گھٹنے برف میں دھنس گئے۔ میں نے ا اطراف کا جائزہ لیا۔ چاروں طرف سفیدی چھائی ہوئی تھی دور دور تک کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، سوائے درختوں کے سائے کے علاوہ جو چوکیدار کے مانند میری نگرانی کر ر تھے۔ میں مدد کے لیے چلایا لیکن میری آواز فضا میں بکھر رہ گئی۔ میں نے سردی سے بچنے کے لیے اوورکوٹ کو مضبو سے پکڑا اور اپنے آپ کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑ دور چلنے کے بعد برف کی تہ ہلکی ہو گئی اور میرے جوتے سڑک کو چھونے لگے۔ میری کوشش تھی کہ منزل تک پہنچنے کے اسی پختہ راستے پر چلتا رہوں۔

اونچائی پر پہنچنے کے بعد ہوا تیز چلنے لگی۔ میرے سامنے چھائی ہوئی برف کی دھند ہٹ گئی اور مجھے سارا منظر صاف نظ آنے لگا۔ چند فرلانگ کے فاصلے پر ولسن مینشن کی پرا عمارت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود تھی۔ یہی و مکان تھا جہاں ہم سات برس پہلے اکٹھے ہوئے تھے اور اب ان یادوں کو شیئر کرنے کے لیے دوبارہ جمع ہونے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

میں نے واپس جا کر کار میں سے اپنا سامان نکالنے ک ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں راستہ نہ بھول جاؤں۔ میں اسی سڑک پر آگے بڑھتا گیا جو ولسن مینشن کے طویل ڈرائیو وے تک جاتی تھی۔ میں نے وہاں پہنچ کر بیرونی دروازے پر دستک دی لیکن کوئی باہر نہ آیا۔ میرے لیے سردی میں زیادہ دیر باہر کھڑا رہنا ممکن نہ تھا، چنانچہ میں نے لرزتے ہاتھوں سے ناب کو گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ گھر کے اندر داخل ہونے کے بعد میں نے اپنے دوستوں کا نام لے کر دو تین بار چلانے کے انداز میں آواز لگائی لیکن کوئی جواب نہیں آیا جس سے ظاہر ہو گیا کہ گھر خالی تھا اور وہاں پہنچنے والا پہلا فرد میں ہی تھا۔ میں نے لائٹ آن کرنا چاہی لیکن روشنی نہیں ہوئی۔ فون اٹھا کر دیکھا، وہ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ سورج غروب ہونے میں زیادہ دیر باقی نہیں تھی اور اس سے پہلے مجھے روشنی اور

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

کے آنے کا امکان نظر نہیں آرہا تھا اور مجھے تنہا ہی اس مکان میں رات گزارنا تھی چنانچہ میں نے اس کے لیے تیاری شروع کردی۔ میں نے آتش دان میں لکڑیاں رکھیں اور ان کے نیچے آگ سلگانے کے لیے پرانے اخبار رکھ دیے۔ اب مجھے ماچس کی تلاش تھی میں نے ساری درازیں دیکھ ڈالیں لیکن ماچس نہیں ملی، البتہ اوپری خانے میں ایک ٹارچ ضرور مل گئی۔ میں نے اس کی روشنی میں کچن کا رخ کیا لیکن چوکھٹ پر ہی رک گیا۔

میں نے دیکھا کہ کچن سے تہ خانے جانے والا دروازہ کھلا ہوا تھا، البتہ اندھیرے کی وجہ سے نیچے جانے والی سیڑھیاں نظر نہیں آرہی تھیں۔ اس کھلے ہوئے دروازے کو دیکھ کر میرے اعصاب کشیدہ ہوگئے اور میرے ذہن میں سات سال پہلے کا وہ منظر گھوم گیا جب میں اسی تہ خانے میں چھپا ہوا تھا اور امینڈا کا مردہ جسم میرے سر کے عین اوپر جھول رہا تھا۔ میں نے اپنے اعصاب پر قابو پایا اور آگے بڑھ کر تہ خانے کا دروازہ بند کردیا۔ مجھے پرسکون ہونے میں چند سیکنڈ لگے۔ اس کے بعد میں نے کچن میں ماچس کی تلاش شروع کردی۔ کئی درازیں دیکھنے کے بعد بالآخر مجھے چولہے کے اوپر بنے ہوئے شیلف میں ماچس کی ڈبیا نظر آگئی۔ میں نے اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرا ہاتھ فضا میں معلق ہو گیا۔

میں نے کوئی آواز سنی تھی جیسے کوئی گٹار بجا رہا ہو۔ میں آہستہ سے مڑا اور ٹارچ کی روشنی میں اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے تہ خانے کے دروازے کو دوبارہ کھلا ہوا پایا حالانکہ چند لمحے پہلے میں نے خود اسے بند کیا تھا۔ نیچے سے کسی کے گانے کی آواز آرہی تھی۔ نرم، مدھر لیکن درد سے لبریز۔

"مجھے تمہارا انتظار ہے۔ مجھے تمہارا انتظار ہے۔"

میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے بند کرنا ہی چاہتا تھا کہ گانے کی آواز اچانک رک گئی اور تہ خانے میں خاموشی چھا گئی۔ میں وہیں کھڑا تاریکی میں نیچے دیکھتا رہا۔ خوف کی ایک لہر میرے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا۔

روشن کی اور سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے چلا گیا۔ تہ خانے میں ... دیکھا کر ... پھر بے اختیار ... رخ اس جانب کردیا جہاں امینڈا لٹکی ہوئی تھی مگر وہاں کچھ نہیں تھا لیکن نہیں۔۔۔ غور سے دیکھنے پر مجھے وہاں ایک رسی نظر آئی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی اوپر کی تو دیکھا کہ اس کا ایک سرا چھت کے پائپ سے بندھا ہوا تھا اور جب میں نے ٹارچ کا رخ نیچے کی جانب کیا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ رسی کا دوسرا سرا ایک پھندے کی شکل میں تھا لیکن وہ پھندا خالی تھا۔

میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب میں نے امینڈا کو تاریکی سے نکل کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسا کہ میں نے اسے آخری مرتبہ دیکھا تھا۔ البتہ اس کا جسم پھولا ہوا لگ رہا تھا اور چہرہ بھی غیر واضح تھا۔ آنکھیں ویران تھیں اور اس کے جسم کی کھال نیلی مائل سبز نظر آرہی تھی۔ مجھ پر وحشت طاری ہوگئی اور میں نے پیچھے کی طرف ہٹنا شروع کردیا۔ اسی گھبراہٹ میں ٹارچ میرے ہاتھ سے پھسل گئی۔ فرش پر گرتے ہی اس کی روشنی ختم ہوگئی اور تہ خانے میں مکمل تاریکی چھا گئی۔

میں نے ایک زوردار چیخ ماری۔ جانتا تھا کہ وہ میری طرف بڑھ رہی ہے لیکن میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہاں کچھ بھی دیکھنا ممکن نہ تھا۔ میں اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور اندھیرے میں ٹٹولتے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگا اور بالآخر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے زینے کی ریلنگ کو پکڑنا چاہا لیکن اندھیرے میں میرا پاؤں پھسل گیا اور میں ایک گھٹنے کے بل جھک گیا۔ پھر یوں محسوس ہوا کہ کسی کی سرد انگلیوں نے میرے ٹخنے کو جکڑ لیا ہے۔ میں نے چیخ ماری اور جھٹکے سے اپنے آپ کو آزاد کرالیا اور اندھوں کی طرح سیڑھیاں چڑھنا شروع کردیں۔ کسی نہ کسی طرح میں کچن کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے زور سے دروازہ بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ میرا سانس زور زور سے چل رہا تھا اور سخت سردی کے باوجود میرا جسم پسینے ...

"مجھے تمہارا انتظار ہے۔ مجھے تمہارا انتظار ہے۔"

... وہ ... پھر لڑکھڑانے لگے۔ میں جیسے تیسے شیلف تک پہنچا اور ہاتھ بڑھا کر ماچس اٹھائی۔ ایک تیلی نکال کر جلائی، جیسے ہی شعلہ نکلا تو دیکھا کہ وہ بالکل میرے سامنے کھڑی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھے ہوئے تھے۔ اسے اتنا قریب دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔ ماچس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی اور بے اختیار میرے قدم پیچھے کی طرف ہٹنے لگے۔ خوش قسمتی سے میں نے خود کو پینٹری کے دروازے پر پایا۔ میں نے تیزی سے بڑھ کر پینٹری میں قدم رکھا اور زور سے دروازہ بند کردیا۔ میرا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر تھا اور میں دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے دوسری جانب سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہینڈل پر میری گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

☆☆☆

"مجھے تمہارا انتظار ہے۔"

وہ ساری رات پینٹری کے دروازے پر کھڑی یہ گانا گاتی رہی۔ کبھی وہ دروازے کا ہینڈل کھول کر اندر آنے کی کوشش کرتی اور کبھی دروازے پر دستک دے کر میرا نام لیتی۔ اس کی آواز میں اتنا درد تھا جسے محسوس کرکے کوئی بھی اس کے دام میں پھنس سکتا تھا۔ میں دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا رہا اور میں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ اس کے باوجود وہ آواز میری سماعت سے ٹکراتی رہی۔ یہ سب کچھ مجھے پاگل کردینے کے لیے کافی تھا۔

وہ مجھ سے انتقام لینا چاہ رہی تھی اور اس کے لیے اس نے سات سال تک انتظار کیا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کے بعد وہ مجھے کیسے معاف کرسکتی تھی؟ میں سب دوستوں کی نظر میں مجرم تھا کیونکہ میری وجہ سے وہ حاملہ ہوئی پھر میں نے اس سے شادی کرنے سے انکار کردیا کیونکہ میں اپنا مستقبل اور پوری زندگی، اس کی اور ہونے والے بچے کی خاطر قربان نہیں کرسکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کے باوجود بھی مجھے معاف کردیتی۔۔۔ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا ہوتا۔

مگر میں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ بھی ابارشن کے لیے تیار نہ ہوتی۔ ...

پاکیزہ

مارچ (سالنامہ) کی ایک جھلک

انجم انصار کا ناول محبت ہم سفر میری
آخری قسط ملاحظہ کریں اپنے بہترین اختتام کے ساتھ

ذکیہ بلگرامی کا ناول
اگر ملنا نہیں ہمدم سوچ کی نئی راہوں پر گامزن

عالیہ بخاری کا ناول خوشبو کا سفر
ایک نئی مہک کے ساتھ

میمونہ خورشید، لبنیٰ عروج، رضوانہ پرنس اور بلقیس جہاں
کے سچے جذبوں سے مزین پرتاثر ناولٹ

شمیم فضل خالق، سعدیہ رئیس
نویدہ تبسم، نظارت نصر،
اجالا خان، شاہدہ ملک، رابعہ حسن
اور عذرا آفتاب کے
زندگی سے قریب ترین تلخ و شیریں افسانے

خواتین قومی کرکٹ ٹیم کی آل راؤنڈر
اسماویہ سے خصوصی ملاقات

اس کے علاوہ

بہنوں کی محفل، پاکیزہ کی فیس بک جس میں آپ بھی اپنے کھٹے میٹھے اور تیکھے خطوط کے ساتھ شرکت کرسکتی ہیں۔

آپ کی آرا و نگارشات سے سجے مستقل سلسلے

کیا آپ نے اس ماہ کا پاکیزہ پڑھا؟ نہیں! کمال ہے!

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

قانون شکن

مسریم کے خان

انصاف اور قانون کی حکمرانی کا راج کسی بھی ملک کی تقدیر بدل سکتا ہے... جس ملک میں فوری اور مساوی قانون کا عملی نفاذ ہو... اس کی سالمیت کبھی خطرے میں نہیں پڑتی... لیکن اس نظام سے وابستہ کچھ لوگ حقیقت کا ادراک رکھتے ہوئے بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی تناظر میں جنم لینے والی سنسنی خیز تیز رفتار کہانی۔

ایک نوجوان کی عملی کارروائیاں جس نے معاشرے کی بھلائی کا بیڑہ اٹھایا تھا

میں ناشتا کرتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ نیویارک کی جیل میں ایک اہم قیدی بارن پاکسٹ دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا تھا۔ اس کے بارے میں خبر آرہی تھی۔ بارن کو ڈکیتی کے جرم میں دو سال کی سزا ہوئی تھی لیکن اصل میں وہ نیویارک کی سسلی مافیا کا ایک اہم رکن تھا اور اس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ شاید وہی مافیا کا آئندہ سربراہ ہو گا۔ بارن ایک سخت گیر اور جرائم کو عبادت کا درجہ دینے والا شخص تھا۔ خود مافیا والوں کا خیال تھا کہ اگر وہ مافیا کا سربراہ بن گیا تو نیویارک کے شہریوں کی زندگی بہت دشوار ہو جائے گی اور شہر اور ریاست میں جرائم کی ایسی بھرمار ہو گی جس

...وں۔ اس طرح کے تمام امکانات کو ختم کرنے کے بعد ہی میں آزاد ہو سکتا تھا اور کامیابی کی طرف قدم بڑھا سکتا تھا۔ وہ مظلوم بن کر دنیا بھر کی حمایت حاصل کر لیتی اور میں بری طرح پھنس جاتا۔ اس لیے میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس قصے کو ہی ختم کر دوں۔

میں نے ایک رسی لی اور اس کے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے منانے آیا ہوں۔ وہ میری چال میں آگئی اور دوڑتی ہوئی میرے گلے لگ گئی۔ اس نے اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد حمائل کر دیے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ عجیب سی جذباتی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر میرے سینے سے لگا دیا۔ میں نے اسے جذباتی کیفیت سے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور پھرتی سے اس کے گلے میں رسی ڈال کر پھندا بنا دیا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپی اور چند لمحوں میں بے جان ہو گئی۔

میں نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور تہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ پھر میں نے اس رسی کا دوسرا سرا چھت میں لگے ہوئے پائپ سے باندھ دیا۔ جو بھی دیکھتا وہ یہی سمجھتا کہ امینڈا نے خودکشی کی ہے۔ اس کے بعد میں واپس آیا اور کرسی پر بیٹھ کر دوستوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا جو شاپنگ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپس آنے کے بعد انہوں نے آنکھ مچولی کھیلنے کا پروگرام بنایا تو میں جان بوجھ کر تہ خانے میں جا کر چھپ گیا۔ جب وہ لوگ مجھے ڈھونڈتے ہوئے تہ خانے میں آئے اور انہوں نے وہاں کی لائٹ جلائی تو انہیں امینڈا کا بے جان جسم جھولتا ہوا نظر آیا جسے دیکھ کر میں نے ایک زوردار چیخ ماری اور دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ سب یہی سمجھے کہ میں نے چھپنے کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا اور اندھیرے میں یہ نہ دیکھ سکا کہ میرے سر کے عین اوپر امینڈا کا بے جان جسم جھول رہا ہے۔

☆☆☆

ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ وہ دروازے پر دستک دیتی اور اسے کھولنے کی کوشش کرتی رہی۔ کبھی کبھی رو رو کر مجھے آواز دیتی۔ کبھی گانا گانے لگ جاتی۔ میں دروازے پر مضبوطی سے کمر جمائے گھٹنوں میں سر دیے خوف سے تھر تھر کانپتا رہا۔ آخر صبح ہوئی اور میں نے سورج کی روشنی کو دروازے سے اندر آتے دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز معدوم ہوتی گئی اور بالکل ہی غائب ہو گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی ٹانگوں کو سیدھا کر کے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ پورا جسم

کہ میں اتنی سردی میں ٹھٹھر کر مر کیوں نہیں گیا؟ مجھے یقین ہو گیا ... لمحہ ضائع کیے بغیر اس گھر سے باہر نکل آیا۔ برف باری تھم چکی تھی اور سورج چمک رہا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ دھند چھٹ جانے کی وجہ سے راستہ صاف نظر آرہا تھا اور برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ اب میرے لیے اپنی گاڑی تک پہنچنا اور دن کی روشنی میں اسے گڑھے سے نکالنا آسان تھا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں اپنی کار کو دوبارہ سڑک پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب میرا رخ ولسن ہاؤس کی جانب نہیں بلکہ اپنے گھر کی طرف تھا۔ میں نے تھوڑا سا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک گاڑی میرے پاس سے گزری۔ اس میں جو شخص بیٹھا ہوا تھا۔ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا ورنہ وہ ضرور رک جاتا۔ میں نے اپنی کار روک دی اور نیچے اتر کر جائزہ لینے لگا۔ یہ جگہ کافی اونچائی پر تھی اور یہاں سے ولسن ہاؤس صاف نظر آرہا تھا۔ جو نا تھن کی کار ڈرائیو وے میں رک گئی اور اس کے چند سیکنڈ بعد دو مزید کاریں وہاں پہنچ گئیں۔ ان میں سے ڈیوڈ، لوسی اور روز میری باہر آئے۔ وہ سب ایک ساتھ ہی آئے تھے اور اب ایک دوسرے سے گرم جوشی سے مل رہے تھے۔

میں ان کے دوبارہ ملنے کا منظر دیکھتا رہا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ مجھے ان کی طرح ماضی میں جانے کا کوئی شوق نہیں تھا اور نہ ہی میں اپنی زندگی کو امینڈا کی یادوں کی نذر کر سکتا تھا۔ اس رات مجھ پر جو گزری، اس کے بعد سے امینڈا میرے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن گئی۔ اسے مرنے کے بعد بھی چین نہیں آیا اور اس کی روح مجھ سے انتقام لینے کے لیے بھٹک رہی ہے۔

اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس مکان سے نکلنے کے بعد امینڈا سے میری جان چھوٹ جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی روح اب بھی میرا پیچھا کر رہی ہے۔ پہلے بھی کبھی اس کی آواز سننے میں آتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ رات کے کسی بھی پہر میری آنکھ کھل جائے تو اس کی درد بھری آواز میری سماعت سے ٹکرانے لگتی ہے۔ ”مجھے تمہارا انتظار ہے... مجھے تمہارا انتظار ہے۔“

مجھے یقین ہے کہ انتقام لیے بغیر اس کا انتظار ختم نہیں ہوگا۔

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

ہارون کی موت کی خبر یقیناً شہری انتظامیہ کے لیے ایک [illegible] خبر تھی۔ رپورٹ کے مطابق اسے دل کا شدید دورہ [illegible] تھا اور وہ کسی طبی امداد سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسا [illegible] ہارون کی عمر اڑتالیس برس تھی اور اس کی صحت بھی اچھی [illegible] لیکن آج کل دل کا مرض بہت عام ہو گیا ہے۔ رپورٹ [illegible] اس بات کی نشان دہی کی گئی تھی کہ جیل میں قیدیوں کو [illegible] وہ مرغن غذائیں فراہم کی جا رہی ہیں جس سے اکثر قیدی [illegible] وہ وزن کے حامل ہو گئے ہیں اور ان میں دل کے امراض [illegible] شرح بھی بڑھ رہی ہے۔ پچھلے دو سال میں امریکی جیلوں [illegible] دل کے امراض سے ہلاک ہونے والے قیدیوں کی [illegible] دو سو سے زیادہ ہو گئی تھی۔

صبح دفتر جانے سے پہلے میں ٹی وی لگا لیتا ہوں اس [illegible] وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ میں اکیلا ہوں اور میری لینڈ [illegible] ایک سیکیورٹی فرم میں ٹرینر کی جاب کرتا ہوں۔ میرین [illegible] نکلنے کے بعد مجھے یہی سب سے اچھا پیشہ لگا۔ تنخواہ معقول [illegible] اور دوسری سہولیات بھی ہیں۔ اس روز بھی تیاری اور [illegible] کے دوران میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اچانک میرے [illegible] کی بیل بج اٹھی۔ اجنبی نمبر تھا اور میری لینڈ کا ہی تھا۔ [illegible] نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے ایک بھاری [illegible] آواز نے تصدیق چاہی۔

"مسٹر جیری گارفیلڈ؟"

"بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں اینا پولس ہوی سائڈ سے فرانز گوڈفرے بات [illegible] رہا ہوں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے۔"

"کیسی خبر؟" میرا دل دھڑک اٹھا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن کل رات بارہ بجے تمہارے [illegible] گیری گارفیلڈ کی کار ساحلی ہائی وے سے سمندر میں جا [illegible] اور ابھی کچھ دیر پہلے اس کی لاش نکالی گئی ہے۔ مسٹر [illegible] جیری..... مجھے بہت افسوس ہے۔"

ایک لمحے کو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ [illegible] میرا ایک ہی بھائی تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اس دنیا میں وہی [illegible] واحد رشتے دار تھا۔ ماما اور پاپا پہلے ہی دنیا سے جا چکے [illegible] اور اب گیری بھی مجھے چھوڑ گیا تھا۔ میں بولا تو مجھے اپنی [illegible] کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟"

"ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔ پولیس تمام امکانات کا [illegible]

[illegible] یوں لہرا رہی تھی جیسے اس کا ڈرائیور نشے میں ہو اور پھر [illegible]

[illegible] گیری نشے کے خلاف تھا۔" میں نے [illegible] انداز میں کہا۔

"میں نے کہا نا، ہم تمام امکانات کو مدنظر رکھیں گے۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر تعزیت کر کے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

گیری مجھ سے پورے دس منٹ بڑا تھا۔ یعنی وہ اور میں جڑواں تھے۔ ہمارے بعد ماما اور پاپا کی مزید کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ہم بھی بہت دیر میں دنیا میں آئے تھے..... ان کی شادی کے اٹھارہ سال بعد۔ اس وقت ماما چالیس سال اور پاپا چوالیس سال کے تھے۔ مزید اولاد کا امکان نہیں تھا، ان کے لیے ہم ہی سب کچھ تھے۔ پاپا لکھنے کے شوقین تھے لیکن ان کا پیشہ زراعت تھا۔ میرا اور گیری کا بچپن میری لینڈ میں اس خوب صورت فارم ہاؤس میں گزرا تھا جو پاپا نے اپنی محنت سے بنایا تھا اور ماما نے اپنے سلیقے سے اسے سنوارا تھا۔ پاپا کا بچپن بھی اسی علاقے میں گزرا تھا اور یہاں سب ان کے جان پہچان والے لوگ تھے۔ بہت سارے لوگ جو بعد میں اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے، وہ پاپا کے دوست تھے لیکن پاپا نے کبھی ان کے مقام کو اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کے نزدیک دوست کی اہمیت تھی..... اس کے مقام کی نہیں۔ ریاست کا سب سے طاقت ور شخص سینیٹر جان جیمس بفیلو، پاپا کا دوست تھا۔ وہ جب ہمارے گھر آتا تو پاپا اور اس کے قہقہوں سے ہمارا گھر گونجتا تھا۔ عام حالات میں سینیٹر بہت سنجیدہ مزاج تھا اور عوام میں اسے شاذ ہی کسی نے مسکراتے دیکھا ہو۔ سینیٹر دولت مند بھی تھا لیکن وہ ہمارے عام سے گھر میں پوری بے تکلفی سے گھومتا تھا اور جب وہ شہر سے آتا تو اس کا زیادہ وقت ہمارے گھر میں گزر رہا تھا۔ پاپا کے ساتھ ساتھ اس کی ہم بھائیوں سے بھی دوستی تھی اور وہ جب آتا تو ہمارے ساتھ کھیلتا اور ہمیں گھڑ سواری کے گر سکھاتا۔ جان بہت اچھا شہ سوار تھا۔

پاپا نے مجھے اور گیری کو بارھویں سالگرہ پر گھوڑوں کا تحفہ دیا تھا۔ ہم دونوں روزانہ گھڑ سواری کرتے اور فارم سے میلوں دور نکل جاتے۔ ساحل فارم سے بارہ میل دور تھا اور ہم وہاں جا کر ساحل پر ریس لگاتے۔ کبھی ہمیں واپسی میں دیر ہو جاتی تو ماما پریشان ہو کر ہماری تلاش میں نکل [illegible]

انہیں [illegible] اعتماد [illegible] اور اگر ہم کسی مشکل میں بھی پڑے [illegible]

[illegible] چھوٹا سا فارم ہاؤس [illegible] تھا۔ یہاں میں جتنا خوش رہا، اتنا خوش میں پھر کبھی نہیں رہا۔ یہ دور بھی جیسے پلک جھپکتے میں گزر گیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں میں کالج میں داخلے کے لیے اینا پولس چلا آیا۔ گیری نیو یارک چلا گیا۔ ہم دونوں تعلیم اور اس کے بعد کاروبارِ زندگی میں اس طرح الجھ گئے کہ مہینوں بعد گھر جانا ہوتا۔ گریجویشن کے بعد میں جبری بھرتی کی زد میں آ گیا اور مجھے امریکا سے باہر بھیج دیا گیا۔ چار سال میں باہر رہا اور پھر واپس آنے کے بعد میں نے فوج چھوڑ دی اور اس سیکیورٹی ایجنسی سے منسلک ہو گیا۔

گیری مجھ سے ایک سال پہلے کالج چلا گیا تھا۔ وہ تعلیم میں تیز تھا۔ اس نے جرنلزم میں گریجویشن کیا اور رپورٹر بن گیا۔ صحافی بننا اس کا بچپن کا خواب تھا۔ ماما اور پاپا نے ہمارا کیریئر ہم پر چھوڑ دیا تھا کہ ہم جو چاہیں کیریئر اختیار کریں۔ بس ان کی خواہش تھی کہ ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ جب میں ملک سے باہر تھا تو ماما کا انتقال ہو گیا، ان کو کینسر تھا۔ میں ان کو آخری بار دیکھ سکا تھا اور نہ ان کے جنازے میں شریک ہوا۔ واپسی پر میں ان کی قبر پر جا سکا تھا۔ پھر میری واپسی کے دو سال بعد ہی پاپا بھی ماما کے نقشِ قدم پر چل پڑے۔ اب ہم دو بھائیوں کا ایک دوسرے کے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ الگ الگ جگہوں پر ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کا ملنا جلنا کم ہو گیا تھا لیکن مہینے میں ایک بار ہم لازمی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے۔ آخری بار میں بیس دن پہلے اس سے اینا پولس جا کر ملا تھا۔

میری رہائش میری لینڈ سے اینا پولس کوئی دو گھنٹے کی مسافت پر ہے اس لیے ویک اینڈ پر میں گیری کے پاس چلا جاتا یا وہ میرے پاس آ جاتا تھا۔ ہم مل کر بچپن اور لڑکپن کی یادیں تازہ کرتے۔ اب گیری بھی میرا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ میں نے فون کر کے دفتر اطلاع کی کہ میں اب کئی دن دفتر نہیں آ سکوں گا۔ اس کے فوراً بعد میں اینا پولس کے لیے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

گیری کے جنازے پر علاقے کے کافی لوگ شریک تھے۔ میرے، اس کے جاننے والے، دوست احباب، دور کے رشتے دار، ماما اور پاپا کے جاننے والے۔ پولیس نے ایک دن بعد لاش میرے حوالے کر دی تھی۔ ابھی تک میں نے اس بارے میں پولیس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ میں گیری کو اپنے آبائی علاقے میں اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ میں نے تمام جاننے والوں کو اطلاع کر دی تھی اور وہ سب جنازے میں شریک تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ کچھ چہرے ایسے بھی تھے جن کو میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ان میں خاص طور سے ایک لڑکی نمایاں تھی۔ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ گیری کے مرنے پر روتی رہی ہے اور میں اسے نہیں جانتا۔ وہاں سینیٹر جان جیمس بھی موجود تھا اور وہ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر آیا تھا۔

پادری دعا کر رہا تھا پھر گیری کا تابوت قبر میں اتارا جانے لگا۔ میری آنکھیں نم ہو رہی تھیں لیکن میں خود پر قابو پائے ہوئے تھا کیونکہ میں سب کے سامنے رونا نہیں چاہتا تھا۔ پھر بھی آنسو بے قابو ہو کر باہر نکلنے کو بے تاب تھے جنہیں میں بڑی مشکل سے روکے ہوئے تھا۔ تابوت اندر چلا گیا اور اس پر مٹی ڈالی جانے لگی۔ کچھ ہی دیر میں گیری کا وجود ہمیشہ کے لیے مٹی میں چھپ چکا تھا۔ تدفین ہوتے ہی دوست احباب اور دور و نزدیک کے رشتے دار مجھ سے مل کر رخصت ہونے لگے۔ صرف چند ایک افراد باقی رہ گئے تھے۔ مٹی ڈالنے کے بعد پہلی بار مجھے خیال آیا کہ گیری کی موت حادثے میں ہوئی تھی یا اس میں کسی کا ہاتھ تھا۔

اچانک مجھے اپنے کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس ہوا، یہ سینیٹر جان تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے بیٹے لیکن تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔"

"شکریہ انکل جان۔" میں نے رومال سے آنکھیں صاف کیں۔

"پولیس کا کیا کہنا ہے؟"

"ابھی میری اس موضوع پر کسی سے بات نہیں ہوئی ہے۔"

سینیٹر جان میرے شانے پر ہاتھ رکھے رکھے قبرستان کی اندرونی سڑک تک آیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔

"کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلاتکلف مجھے فون کر دینا۔"

میں نے سر ہلایا۔ "میں آپ کی آمد کا شکر گزار ہوں۔"

وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اب وہاں صرف چند افراد تھے اور وہ بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ تب میری نظر گیری کی قبر سے کچھ دور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے لڑکی کی طرف گئی۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور اس میں بھی وہ دل کش لگ رہی تھی۔ وہ خوب صورت نقوش اور متناسب جسم کی مالک تھی۔ ایسی لڑکیاں ہر حال میں اچھی لگتی ہیں۔ میں اس کی طرف بڑھا۔

digestpk.blogspot.com

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"معاف کرنا... میں تمہیں جانتا نہیں ہوں۔"

وہ جلدی سے سیدھی ہو گئی۔ "اوہ... ہاں... ہماری پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ میں لورا پارکر ہوں۔"

"جیری گارفیلڈ۔"

"میں جانتی ہوں۔ گیری نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔"

"گیری نے؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "لیکن اس نے کبھی تمہارے بارے میں نہیں بتایا۔"

"ہماری ملاقات زیادہ عرصے پہلے نہیں ہوئی۔ شاید مہینا ہوا تھا لیکن ہم بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔" لورا کی آواز بھرانے لگی۔

"آخری بار کوئی بیس دن پہلے ہماری ملاقات ہوئی تب بھی اس نے تمہارے بارے میں مجھے نہیں بتایا۔"

"وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا اس لیے شاید اس نے تمہیں میرے بارے میں نہیں بتایا۔" وہ بولی۔ "ہمارے درمیان اصل معاملات صرف دو ہفتے پہلے پروان چڑھے تھے۔"

"اصل معاملات... تمہارا مطلب ہے کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے؟"

اس کی آنکھیں چھلک گئیں اور اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ "ہاں... ہم محبت کرنے لگے تھے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "اور پھر یہ سب ہو گیا۔"

"پولیس کا کہنا ہے، وہ ڈرائیونگ کے وقت نشے میں تھا اور میں جانتا ہوں کہ گیری نشے کے خلاف تھا۔ وہ تو مشروبات میں بھی مشکل سے پیتا تھا۔"

"میں جانتی ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ پولیس نے یہ بات کہی ہے۔"

"یہ بات مجھے کیس کے انچارج فرانز نے بتائی ہے... اور لازمی بات ہے کہ اس نے بلاسبب یہ بات نہیں کہی ہو گی۔"

"تمہاری اس سے مزید کوئی بات ہوئی؟"

"نہیں، میں تدفین سے فارغ ہو کر ان سب معاملات کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"یعنی اب تم پولیس سے ملو گے؟"

"ہاں، میں جاننے کی کوشش کروں گا کہ یہ حادثہ تھا یا [illegible]"

"میں لیکن اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا... [illegible] نوجوانوں... [illegible] کر... [illegible] اور... [illegible] ہو جاتے ہیں۔"

"تم اینا پولس جاؤ گے؟"

"ہاں، میرا ارادہ ابھی روانہ ہونے کا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم وہاں کہاں رکو گے؟"

"گیری کا اپارٹمنٹ ہے، اس کے علاوہ ہوٹلز بھی بہت ہیں۔"

وہ ہچکچائی۔ "اگر تم برا نہ مانو تو میرا گھر حاضر ہے۔ گیری سے تعلق کے ناتے تم میرے بھی کچھ لگتے ہو۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا۔ "لیکن شاید میں گیری کے اپارٹمنٹ میں ہی رکوں کیونکہ اس کے دوسرے معاملات بھی دیکھنے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، اگر تمہیں میری یا میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے کال کر لینا۔ میرا نمبر نوٹ کر لو۔"

میں نے لورا سے اس کا نمبر لیا اور اسے اپنا نمبر دیا۔ وہ اینا پولس میں ایک فرم میں جاب کرتی تھی لیکن اس نے فرم کا نام اور کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی۔ وہ اپنی کار میں آئی تھی۔ ہم آگے پیچھے روانہ ہو گئے...... ہمارے آبائی علاقے سے اینا پولس مشکل سے ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے اس لیے جب میں کالج میں پڑھتا تھا تو ہفتے میں ایک چکر تو لازمی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی جب دل کرتا، ماما پاپا سے ملنے چلا آتا تھا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ میں اینا پولس پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ سراغ رساں فرانز مجھے یہیں ملتا لیکن اس وقت وہ کسی کام سے نکلا ہوا تھا اس لیے مجھے کوئی آدھا گھنٹا اس کا انتظار کرنا پڑا۔ فرانز ادھیڑ عمر لیکن مضبوط جسم کا آدمی تھا، اس نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"پہلے تو اپنے بھائی کی موت پر میرے تعزیتی جذبات قبول کرو۔"

"شکریہ۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جنازے میں نہیں آ سکا حالانکہ یہ میری ڈیوٹی تھی لیکن اصل میں مجھے یہاں اس کیس سے متعلق کچھ ضروری کام نمٹانے تھے......"

"تم نے میرے بھائی کے حادثے کے بارے میں واحد بات یہ بھی کہ وہ حادثے کے وقت نشے میں تھا؟"

"[illegible] گیری شراب [illegible] پر بھی مشکل سے پیتا تھا۔"

"ممکن ہے۔" فرانز نے سر ہلایا۔ وہ مجھے اپنی میز پر لے آیا اور میرے لیے ایک کولڈ ڈرنک ٹن نکالا۔ "لیکن رپورٹ درست ہے۔"

"حادثے کے بعد کار نکال لی گئی ہے؟"

"ہاں اور وہ بالکل درست حالت میں ہے... یعنی حادثہ کار کی کسی خرابی کی وجہ سے پیش نہیں آیا ہے۔"

"تم نے کسی عینی شاہد کا ذکر کیا تھا؟"

"ہاں، وہ وہاں پر واک کر رہا تھا اور اس کا فارم ہاؤس قریب ہی ہے۔ اس نے گیری کی کار کو لہراتے دیکھا اور پھر وہ اس کی نظروں کے سامنے سمندر میں جا گری۔ ٹام لین نامی اس شخص نے ہی پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔"

"گیری کے پاس سے کیا نکلا تھا؟"

"اس کا سامان ہے، آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔"

فرانز مجھے پولیس کے سیف روم میں لایا اور اس نے یہاں اپنے لیے مخصوص لاکر کھولا اور اس میں سے گتے کا ایک ڈبا نکالا۔ وہ ڈبا اس نے میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔ "اس میں سوائے کپڑوں اور جوتوں کے وہ سب ہے جو گیری اور اس کی کار میں سے ملا تھا۔"

میں نے ڈبے میں جھانکا۔ اندر ایک عدد بٹوا، گیری کا موبائل اور چابیوں کا گچھا تھا۔ اس میں اس کی کار اور اپارٹمنٹ دونوں کی چابیاں تھیں۔ میں نے فرانز کی طرف دیکھا۔ "اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے؟ عام طور سے وہ ایک لیپ ٹاپ بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔"

"تمہارے کہنے کے مطابق... تو کار میں سے ایسی کوئی چیز نہیں ملی۔"

"لیکن ایک لیپ ٹاپ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا جس میں اہم معلومات ہوتی تھیں۔"

"ممکن ہے، اس کے اپارٹمنٹ میں ہو۔"

"پولیس نے اس کے اپارٹمنٹ کو چیک نہیں کیا؟"

"نہیں کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ یقیناً اکیلا رہتا تھا کیونکہ اپارٹمنٹ کے نمبر پر کال کرنے کے باوجود کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔"

"ہاں وہ اکیلا ہی رہتا تھا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"اس کی کوئی گرل فرینڈ ہے؟"

مجھے لورا پارکر کا خیال آیا۔ پہلے میں [illegible]

[illegible] چاہ دوں لیکن پھر میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے علم میں نہیں ہے اور وہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔"

"میرے پاس پوسٹ مارٹم رپورٹ آ گئی ہے اگر تم چاہو تو اس کے حتمی ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے ساتھ میں یہ رپورٹ بھی منسلک کر دوں؟"

"بالکل، میں اسے دیکھنا چاہوں گا۔ کیا میں گیری کا سامان لے جا سکتا ہوں؟"

"ہاں لیکن مجھے اس کی ریسیونگ دے دو۔"

اس نے مجھ سے کچھ کاغذات پر دستخط کرائے اور گیری کا سامان میرے حوالے کر دیا۔ گیری کا اپارٹمنٹ نواحی علاقے کی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں تھا۔ میں ساتویں فلور تک لفٹ سے رسائی حاصل کر کے اس کے اپارٹمنٹ تک پہنچا۔ چابی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تو گیری کی یادوں نے گھیر لیا۔ مجھے لگا کہ ابھی وہ اپنے کمرے یا کچن کی طرف سے برآمد ہو گا اور مجھ سے لپٹ جائے گا اور چلا کر کہے گا۔

"جیری! میرے پاس ایک سرپرائز ہے۔"

اس کے سرپرائز عام طور سے کھانے سے متعلق ہوتے تھے۔ وہ خود سے کچھ پکانے کی کوشش کرتا تھا اور عام طور سے ناکام رہتا تھا۔ وہ اچھا کک نہیں تھا لیکن کبھی کبھار اس کا تجربہ کامیاب رہتا تھا اور وہ مجھے ضرور کھلاتا تھا۔ لیکن جب اپارٹمنٹ میں بدستور خاموشی طاری رہی تو میں چونکا۔ گیری جا چکا تھا اور اب میں کبھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور نہ اس کی آواز سن سکتا تھا۔ اس خیال سے مجھے رونا آ گیا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ گیری کی موت کی خبر سننے کے بعد میں اب تک اس طرح سے نہیں رویا تھا۔ میرے دل پر بوجھ بڑھ رہا تھا۔ اس طرح رونے کا فائدہ یہ ہوا کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور میں خود کو پرسکون محسوس کرنے لگا۔

حالت بہتر ہونے پر میں کچن میں آیا اور سب سے پہلے کافی کے لیے پانی رکھا۔ گیری نے کچن اور اس کا سامان سلیقے سے سجا رکھا تھا۔ کافی اور دوسری چیزیں مجھے ایک کیبنٹ میں مل گئیں۔ کافی بنا کر میں اس کے کام والے کمرے میں آیا۔ اپارٹمنٹ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ داخلی دروازے کے فوراً بعد لاؤنج تھا اور اس کے ایک طرف کچن تھا۔ لاؤنج کے بعد دو کمرے تھے جن میں سے ایک میں گیری کا بیڈ روم تھا اور دوسرا کمرا اس نے کام اور کسی آنے جانے والے مہمان کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ درحقیقت یہاں میرے سوا کوئی نہیں رکتا تھا۔ گیری نے یہاں ایک بیڈ ڈال دیا تھا۔ اس کے علاوہ [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

یاں تھیں۔ میز پر ایک کمپیوٹر رکھا تھا۔ بڑے سائز ٹ بک بھی اور اسے میں نے ہمیشہ اسی جگہ دیکھا تھا۔ کے علاوہ گیری کے پاس ایک لیپ ٹاپ بھی تھا جسے وہ تے ہوئے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ لیکن وہ لیپ ٹاپ مجھے بھی نظر نہیں آیا۔ لیپ ٹاپ کام کے کمرے میں نہیں میں نے بیڈ روم دیکھا اور اس کے بعد پورا اپارٹمنٹ یا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

میں کام والے کمرے میں آیا اور وہاں رکھا...... ٹر آن کیا۔ اس میں پاس ورڈ نہیں تھا، اس کا مطلب گیری اسے عام کاموں کے لیے استعمال کرتا تھا اور اس پاس ورڈ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے اس میں موجود فائلز اور فولڈر چیک کیے لیکن ان میں کام کی چیز نہیں تھی۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ گیری ان کیا کام کر رہا تھا۔ بظاہر اس کی موت ایک حادثہ تھی لیکن یں رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ ایک تو تے کے وقت وہ نشے میں تھا اور دوسرا اس کا کام والا لیپ غائب تھا۔ گیری کا ای میل کھولنا ممکن نہیں تھا کیونکہ مجھے پاس ورڈ نہیں معلوم تھا۔ میں سوچ میں تھا کہ کس طرح م کروں۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس کا چیک کیا۔ عام طور سے پرنٹر میں جو آخری پرنٹ نکالا ے وہ اس کی میموری میں موجود ہوتا ہے اور پرنٹ کا بٹن نے پر وہی دوبارہ پرنٹ ہو جاتا ہے۔ میں نے پرنٹر آن ے اس کا بٹن دبایا تو اس سے پرنٹ کی مخصوص آواز آئی دھے منٹ میں ایک کاغذ پرنٹ ہو کر ٹرے میں گرا۔ اس پر بارن پاکسٹ کی تصویر دیکھ کر چونک گیا۔ تصویر ساتھ تحریر بھی تھی۔ میں نے پڑھا اور مجھے فوراً اندازہ ہو کہ یہ گیری کی ہی تحریر تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"بارن جیل میں ہلاک ہونے والا ایک سال میں مافیا دسواں اہم آدمی ہے۔ کیا اس طرح مافیا کی قیادت کو ختم جا رہا ہے۔ بارن صحت مند شخص تھا اور جیل جانے سے اسے دل کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ صرف دو سال میں وہ دل شدید دورے سے ہلاک ہو گیا۔ اس کی پوسٹ مارٹم ٹ اس کے لواحقین کے حوالے کرنے سے انکار کیا گیا ۔ اس سے پہلے مافیا کے جتنے افراد جیلوں میں ہلاک ے، ان کی پوسٹ مارٹم رپورٹس ان کے لواحقین کو نہیں دی ں اور ان سب کو سرکاری نگرانی میں دفنا دیا گیا۔

"آج سے بیس سال پہلے ملکی تحفظ کے لیے بنائی ہ والی سینیٹ کمیٹی کے سامنے معاشرے کو مجرموں سے پاک کرنے کے لیے ایک تجویز پیش کی گئی تھی۔ [illegible] ہے اس کے لیے حوالہ......

یہاں پہنچ کر تحریر ختم ہو گئی۔ میں نے پرنٹر کا بٹن دوبارہ دبایا لیکن اس بار بھی یہی کاغذ نکلا۔ اس فائل کے دوسرے صفحے پرنٹر کی میموری میں نہیں رہے تھے۔ یہ فائل اس کمپیوٹر... میں نہیں تھی۔ میں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ میں کرسی پر بیٹھا تھا اور میری پشت دروازے کی طرف تھی اس لیے میں کسی کو آتے نہیں دیکھ سکا۔ آہٹ کا احساس بھی بالکل آخری لمحے میں ہوا۔ میں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کوئی چیز میرے سر سے ٹکرائی۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ میں ایک لمحے میں بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ آخری احساس یہی تھا کہ فرش تیزی سے میرے پاس آ رہا ہے۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے گیلے پن کا احساس ہوا اور ساتھ ہی کسی کی گھبرائی آواز بھی آ رہی تھی۔

"جیری... جیری! آنکھیں کھولو... پلیز... تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

میں نے بہ مشکل آنکھیں کھولیں کیونکہ میرا سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔ سر سے لگنے والی چوٹ سے خون بہہ کر میرے چہرے کو گیلا کر رہا تھا۔ میری نظریں دھندلا رہی تھیں اس لیے میں بولنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔ رفتہ رفتہ منظر صاف ہونے لگا اور آواز بھی ٹھیک آنے لگی۔ تب میں نے پاس بیٹھی لورا کو دیکھا۔ وہ مجھے جھنجوڑ رہی تھی۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے کہا۔ "شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔ اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت برا۔" میں بہ مشکل کہہ سکا۔ میں واقعی بہت برا محسوس کر رہا تھا اور سر میں شدید درد کے ساتھ متلی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھا تو کمرا ایک بار پھر نظروں میں گھوم گیا۔ لورا نے مجھے سہارا دیا ہوا تھا۔ "مجھے قے آ رہی ہے۔" میں نے کہا تو لورا سہارا دے کر مجھے باتھ روم میں لائی اور میں نے کموڈ پر جھکتے ہوئے قے کر دی۔ قے کرتے ہی طبیعت کا بوجھل پن اور سر کا درد کم ہوا تھا۔ میں گہری سانس لینے لگا۔ پھر اٹھ کر آئینے میں دیکھا تو چہرے پر خون نہ پا کر مجھے حیرت ہوئی۔ گیلی چیز پانی تھا جو لورا نے مجھے ہوش میں لانے کے لیے منہ پر چھڑکا تھا۔ سر پر نہ تو کوئی زخم تھا اور نہ کوئی گومڑ... بس جہاں ضرب لگی تھی، وہ حصہ بری طرح دکھ رہا تھا۔ مارنے والے نے کوئی ایسی...... بھاری چیز استعمال کی تھی جس سے چوٹ کا نشان نہیں آیا لیکن اندر [illegible]

میں نے [illegible] نل کھول کر سر اس کے نیچے کر دیا۔ [illegible] کون ملا [illegible]

"تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟" [illegible] نے مجھے ٹٹولا تھا۔

"کسی نے اپارٹمنٹ میں گھس کر میرے سر پر کوئی چیز ماری اور میں بے ہوش ہو گیا... لیکن تم کہاں سے آ گئیں؟"

"میں تم سے ملنے آئی تھی اور اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آئی تو تم بے ہوش پڑے تھے۔"

"دروازہ کھلا ہوا تھا؟"

"نہیں، بند تھا لیکن لاک نہیں تھا۔ میں نے لیور گھمایا تو کھل گیا۔" اس نے وضاحت کی۔ "لیکن کوئی اندر کیسے آیا؟"

"جیسے تم آ گئیں۔" میں نے کہا۔ "میں دروازہ اندر سے بند کرنا بھول گیا تھا۔"

لورا نے مجھے پین کلر گولیاں دیں اور پھر کافی بنا لائی۔ ان دونوں چیزوں نے میرا درد تقریباً ختم کر دیا تھا۔ جب لورا کافی بنا رہی تھی تو میں نے پرنٹر سے نکلے کاغذ تلاش کیے۔ لیکن نہ تو کاغذ ملے اور نہ ہی اب پرنٹر کی میموری میں آخری صفحہ رہا تھا۔ حملہ آور جاتے جاتے اسے بھی صاف کر گیا تھا۔ لورا نے کافی کا مگ رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی تم پر حملہ کیوں کرنے لگا؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" میں نے سادہ لہجے میں کہا۔ "شاید وہ کوئی اچکا تھا اور دروازہ کھلا پا کر اندر گھس آیا۔"

"کوئی چیز غائب تو نہیں ہے؟"

میں نے اپنی جیب میں موجود چیزوں کا جائزہ لیا لیکن کچھ بھی غائب نہیں تھا۔ حتیٰ کہ گیری کا پرس اور موبائل بھی موجود تھا۔ موبائل پانی میں بھیگ جانے کی وجہ سے بند تھا۔ میں نے اس کی بیٹری نکال دی اور اسے خشک کرنے کے لیے چولہا جلا کر اس کے پاس رکھ دیا۔ لورا نے مجھے مشورہ دیا۔ "تم پولیس کو رپورٹ کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کچھ غائب نہیں ہے۔" میں اسے لاؤنج میں لے آیا۔ "تمہاری گیری سے آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟"

"دو دن پہلے؟" وہ دکھی نظر آنے لگی۔

"کہاں... کہیں باہر؟"

"نہیں، میں یہیں آئی تھی۔ وہ کئی دنوں سے ملنے نہیں آیا تھا۔"

"اس نے نہ آنے کی کیا وجہ بیان کی؟"

"مصروفیت... ان دنوں وہ کوئی خاص کام کر رہا تھا۔"

"اس نے تمہیں کام کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں، بتایا تو تھا لیکن مجھے صحیح سے یاد نہیں ہے۔ شاید جیل کے قیدیوں کے بارے میں کسی اسٹوری پر کام کر رہا تھا۔"

یعنی گیری جیل میں موجود مافیا کے اہم لوگوں کی ہلاکت والی اسٹوری پر کام کر رہا تھا۔ میں نے سوچا۔ لورا غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم اس بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

پہلے میں نے سوچا کہ انکار کر دوں لیکن پھر میں نے سر ہلایا۔ "یہاں پرنٹر ٹرے میں کسی فائل کا ایک صفحہ تھا۔ وہ بھی اسی بارے میں تھا، اس پر گیری کی رپورٹ کا ایک حصہ تھا۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں... ہوش میں آنے کے بعد مجھے نظر نہیں آیا اور مجھے لگ رہا ہے کہ حملہ کرنے والا یا والے وہ لے گئے ہیں۔"

"لیکن کسی اور کے لیے اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" میں نے سر دباتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی کچھ سوچنے کے قابل نہیں ہوں۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔"

"اوہ سوری... میں بھول گئی تھی۔" اس نے ندامت سے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلو۔ یہاں تم اکیلے ہو۔"

"نہیں شکریہ... میں فی الحال یہیں رکنا پسند کروں گا۔"

"اگر تم پسند کرو تو میں یہاں رک جاتی ہوں۔" اس نے ہچکچا کر کہا۔

"نہیں... نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہاری پیشکش کا شکریہ۔"

میرے انکار سے وہ مایوس نظر آئی۔ کچھ دیر رکنے کے بعد اس نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اسے روکا نہیں۔ اسے گئے ہوئے ابھی پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ کال بیل بجی۔ میں سمجھا کہ وہ واپس آ گئی ہے لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو سامنے فرانز کھڑا تھا۔ میرے بھیگے لباس، بالوں اور چہرے کے تاثرات سے اس نے بھانپ لیا۔

"کیا کوئی مسئلہ ہے؟"

میرا پولیس کو اطلاع دینے کا ارادہ نہیں تھا لیکن جب فرانز خود ہی آ گیا تو میں نے اسے بتا دیا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ لیکن یہ اسے بھی نہیں بتایا کہ گیری ان دنوں کس اسٹوری پر کام کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ پولیس گیری کی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

حملے کے بارے میں بتا کر کہا۔
"اس کا لیپ ٹاپ غائب ہے اور وہ اپنی تمام فائلیں اس میں رکھتا تھا۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ گیری کا حادثہ کسی سازش کا نتیجہ ہے؟" اس نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن پولیس کو اس رخ پر بھی تفتیش کرنا چاہیے۔"
"میں اسے دیکھوں گا۔" اس نے کہا۔ "کیا تم اس حملے کی رپورٹ کروانا چاہو گے؟"
"نہیں ایک تو کچھ غائب نہیں ہے، دوسرے میرے جسم پر زخم کا نشان نہیں ہے۔"
"تمہاری مرضی۔" اس نے اصرار نہیں کیا۔ "میں تمہارا بیان لینے آیا ہوں۔"
اس نے چند سوال کیے اور ان کی مدد سے میرا ابتدائی بیان لے کر رخصت ہو گیا۔ اس نے مجھے اپنا ذاتی نمبر دیا۔ "اگر کسی مدد کی ضرورت ہو تو تم کسی بھی وقت مجھے کال کر سکتے ہو۔"
"شکریہ۔" میں نے کہا اور اسے رخصت کر کے اندر آ گیا۔ شام کا وقت ہو رہا تھا۔ میرا ارادہ نیٹ پر کچھ سرچنگ کرنے کا تھا لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے کھانا کھا لوں۔ جب میں گیری کے پاس آتا تھا تو ہم باہر کھانا کھانے کے لیے ایک نزدیکی ریستوران جاتے تھے۔ اب گیری نہیں تھا لیکن میں اسی ریستوران میں آیا۔ وہاں سب ویسا ہی تھا۔ ویٹرس ہمیں جانتی تھی اور اس نے یقیناً گیری کی موت کے بارے میں جان لیا تھا۔ اس نے آرڈر لینے سے پہلے تعزیت کی۔
"تمہارا شکریہ۔" میں نے کہا اور ویسے ہی پوچھ لیا۔
"آخری بار گیری کب یہاں آیا تھا؟"
"جس رات حادثہ ہوا تھا، اس نے یہیں ڈنر کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔"
میں چونک گیا۔ "کون آدمی... کیا تم اسے جانتی ہو؟"
"نہیں، میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔" ویٹرس بولی۔ "وہ صورت سے اچھا آدمی نہیں لگ رہا تھا۔ اسپینش دکھائی دیتا تھا اور ماتھے پر کٹ کا نشان تھا۔"
ماتھے پر کٹ کا نشان۔ میں نے سوچا۔ میرے علم میں بھی ایسا کوئی آدمی نہیں تھا۔ "کیا وہ پہلے یہاں آیا تھا یا گیری اس سے پہلے کسی اور آدمی یا عورت کے ساتھ یہاں آیا تھا؟"

"وہ تب تک یہاں [illegible] [illegible] آئے تھے اور رش بھی کم ہو گیا تھا۔ [illegible]"
"انہوں نے کھانا کھایا تھا؟"
"گیری نے کھایا تھا، اس کے ساتھ آنے والا صرف پیتا رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ جاتے ہوئے یہاں سے جن کی ایک بوتل بھی لے گیا تھا۔"
گیری کی کار ساڑھے بارہ بجے سمندر میں گری تھی۔ یعنی یہاں سے جانے کے کوئی دو گھنٹے بعد۔ اس دوران میں وہ کہاں رہا تھا اور کیا کرتا رہا تھا؟ میں نے ویٹرس سے پوچھا۔ "کیا گیری نے بھی پی تھی؟"
"نہیں، وہ تو پیتا ہی نہیں تھا۔" ویٹرس نے گویا مجھے یاد دلایا۔
"اگر وہ شخص تمہارے سامنے آئے تو تم اسے پہچان لو گی؟"
"کیوں نہیں۔" وہ یقین سے بولی۔ "اس میں بھولنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔"
میں نے کھانے کا آرڈر کیا اور کھانا کھانے کے بعد واپس آیا۔ ویٹرس نورمان نے گیری کے ساتھ آنے والے شخص کو دیکھا تھا۔ یہ شاید آخری فرد تھا جو گیری کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ اس کے دو گھنٹے بعد گیری اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ صبح اس بارے میں فرانز کو بتاؤں گا۔ میں تھک گیا تھا اس لیے جب اپارٹمنٹ میں واپس آیا تو کمپیوٹر پر بیٹھنے کے بجائے صوفے پر لیٹ گیا۔ اس بار میں نے دروازے کو اندر سے لاک کر کے زنجیر بھی لگا دی۔ میرا ذہن ان واقعات اور [illegible] والے شواہد میں الجھا ہوا تھا۔ یہ شواہد بتا رہے تھے کہ گیری کی موت حادثہ نہیں تھی بلکہ اسے راستے سے ہٹایا گیا تھا۔ اب [illegible] کے پیچھے کون لوگ تھے اور ان کے مقاصد کیا تھے، مجھے یہ پتا [illegible] تھا۔ مجھے پتا نہیں چلا کہ کب سوچتے سوچتے نیند حاوی ہو گئی۔
صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ تیار ہو کر میں نے ریستوران کا رخ کیا لیکن خلافِ معمول اسے بند پایا۔ شیشے کے دروازے پر کلوزڈ کی تختی لگی تھی لیکن دروازہ بند نہیں تھا۔ میں اندر آیا جہاں ریستوران کا مالک کاؤنٹر پر موجود تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "ریستوران کیوں بند ہے؟"
"رات کسی نے یہاں سے جاتے ہوئے نورمان [illegible] لاش پارک [illegible] ملی ہے۔" [illegible]

[illegible] کے قتل کی وجہ میں ہوں، رات میں نے اس [illegible]
[illegible]
میں اس ریستوران تک آیا ہوں اور میں نے نورمان سے بات کی ہے؟ کیا میری نگرانی ہو رہی ہے؟ میں نے بے ساختہ ریستوران کے باہر سڑک کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک شخص کھمبے سے ٹیک لگائے بظاہر اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مجھے لگا کہ وہ میری نگرانی کر رہا ہے۔
"مجھے بہت افسوس ہوا.....۔" میں نے کہا۔ "پولیس کو اس کی لاش کب ملی؟"
"صبح پانچ بجے.....وہ اکیلی رہتی تھی اس لیے کسی نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کرائی۔ پارک میں گشت کرنے والی پولیس نے اس کی لاش دریافت کی ہے۔"
مجھے معلوم تھا کہ اس ریستوران میں دو ویٹرس کام کرتی تھیں۔ "ایک بات پوچھنی ہے۔ رات کتنے بجے تک دوسری ویٹرس بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے؟"
"ساڑھے نو بجے تک.....اس کے بعد وہ آف کر جاتی ہے کیونکہ پھر رش کم ہو جاتا ہے۔"
میں ریستوران کے مالک سے گیری کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ وہ چونک جاتا اور شاید پولیس سے بھی اس کا ذکر کر دیتا۔ میں نے ایک اور ریستوران کا رخ کیا۔ جب میں پیدل آگے بڑھا تو اخبار والا مناسب فاصلے سے میرے پیچھے تھا۔ جب تک میں ناشتا کرتا رہا، وہ ریستوران کے باہر گھومتا رہا اور جب میں گیری کے اپارٹمنٹ کی طرف آیا تب بھی وہ میرے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اپارٹمنٹ کے سامنے پارک کے ساتھ ایک کار موجود تھی اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا آدمی بظاہر سو رہا تھا۔ میں اوپر آ گیا۔ میری اس طرح نگرانی کا مقصد یہی تھا کہ میں وہ نہ جان سکوں جو گیری نے جان لیا تھا۔ اگر میں جان جاتا تو میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جو گیری کے ساتھ کیا گیا تھا۔ مجھے فرانز کا خیال آیا، میں اس سے مدد طلب کر سکتا تھا مگر پولیس چوبیس گھنٹے تو میری حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ میں فرانز سے رابطہ کر سکتا تھا لیکن پہلے مجھے ان لوگوں سے جان چھڑانی تھی۔ اگر میں اپنی کار میں نکلتا تو یقیناً یہ میرے پیچھے لگ جاتے۔ مجھے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا تھا۔ میں نے اپنی چیزیں لیں اور اپارٹمنٹ سے باہر آ گیا۔ گیری کا پرس اور اس کا موبائل

[illegible]
[illegible] گولڈی ہیئر نکل رہی تھی۔ وہ ایک تو جوان عورت تھی۔ [illegible]
[illegible] ہر ایک ٹی وی چینل میں کام کرتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ [illegible]
رہی۔ "جیری... مجھے گیری کا سن کر بہت افسوس ہوا۔"
میں نے اس کی تعزیت کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا۔ میں نے پوچھا۔ "تم کہیں باہر جا رہی ہو؟"
"ہاں، ذرا مارکیٹ جا رہی ہوں۔" اس نے کہا۔
"کیا تم مجھے لفٹ دے سکتی ہو؟ میری کار کچھ مسئل [illegible] رہی ہے۔"
"کیوں نہیں۔" وہ بولی۔
میں اس کے ساتھ نیچے پارکنگ میں آیا۔ مجھے امید [illegible] کہ نگرانی کرنے والے بلڈنگ سے باہر ہی ہوں گے۔ گولڈ[illegible] نے مجھے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب وہ بلڈنگ سے باہر نکلنے لگی تو میں نے جان بوجھ کر موبائل [illegible] گرا دیا اور اسے اٹھانے کے بہانے جھک گیا۔ اس طرح [illegible] نگرانی کرنے والے دیکھ رہے ہوتے تو میں ان کو کار میں [illegible] نہ آتا۔ میں یہ ظاہر کر رہا تھا کہ مجھے موبائل نہیں مل رہا [illegible] جب مجھے یقین ہو گیا کہ کار بلڈنگ سے دور نکل آئی ہے تو [illegible] نے موبائل اٹھا لیا اور سیدھا ہو گیا۔ گولڈی نے پوچ[illegible]
"موبائل کو نقصان تو نہیں پہنچا؟"
"نہیں، یہ ٹھیک ہے۔" میں نے عقبی آئینے [illegible] دیکھا۔ بلڈنگ خاصی پیچھے رہ گئی تھی۔ کوئی گاڑی بھی پیچھے [illegible] آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میں نے نگرانی کرنے وا[illegible] کو کامیابی سے جُل دے دیا تھا۔ "بس یہیں [illegible] دو..... مجھے یہیں اترنا ہے۔"
اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "تم نے مارکیٹ [illegible] جانے کو کہا تھا؟"
"نہیں، اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔" میں نے [illegible]
اس نے شانے اچکا کر کار روک دی اور میں نیچے اتر آیا [illegible] نے آس پاس دیکھا اور ٹیکسی کے لیے اشارہ کیا۔ ایک [illegible] آ کر رکی اور میں نے بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو اس اخبار [illegible] کا پتا بتایا جس کے لیے گیری کام کرتا تھا۔ اس اخبار کی [illegible] سے اخبار کے مالک سمیت کئی افراد نے گیری کے جنا[illegible] میں شرکت کی تھی لیکن اس وقت میں نے کسی سے بات [illegible] تھی کیونکہ اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ گ[illegible] موت کسی سازش کا نتیجہ ہو سکتی ہے..... لیکن اب میرا ان[illegible]

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

...نے گوگل ... پر ... کر ... یہ کام زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ اس کمیٹی میں تین سینیٹر شامل تھے۔

میں نے اس سوال کو براہ راست لکھ کر تلاش کرنے کی کوشش کی تو حیرت انگیز طور پر مجھے جواب مل گیا۔ جواب یہ تھا کہ کیا آپ سی پی ایم پروجیکٹ کے بارے میں جاننے کی کوشش کررہے ہیں؟ میں نے سی پی ایم پروجیکٹ کے الفاظ ڈالے تو فوراً ہی ایک معلوماتی ویب سائٹ کا آرٹیکل پیج کھل گیا۔ اس میں سی پی ایم پروجیکٹ کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ سی پی ایم کا مطلب کلین دی بیڈ ماس تھا۔ آسان الفاظ میں بدگوشت کی صفائی کہہ سکتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا آرٹیکل تھا۔ میں یہ دیکھ کر اچھل پڑا کہ یہ منصوبہ سینیٹر جان جیمس نے پیش کیا تھا۔ اس کا خلاصہ یوں تھا کہ ان مجرموں کو جو اپنے اثر اور طاقت کے بل بوتے پر سزا سے بچ نکلتے ہیں یا ان کو ان کے کیے کی قرار واقعی سزا نہیں ملتی ہے، معاشرے کو ان سے نجات دلائی جائے اور ان کو کسی بھی جرم میں جیل بھیجنے کے بعد ان کا جیل میں خاتمہ کردیا جائے۔ اس آرٹیکل میں بس اتنا ہی بتایا گیا تھا۔

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس معاملے میں پاپا کے دوست جان جیمس کا نام سامنے آئے گا۔ اس نے سرکار کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ وہ جب ہمارے گھر آتا اور پاپا سے بات ہوتی تو وہ مجرموں اور معاشرے کے لیے نقصان دہ لوگوں کے بارے میں شدید خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مجرموں سے ان کی سطح پر آئے بغیر نمٹنا ممکن نہیں۔۔۔ اور سرکار عام لوگوں کو ان سے بچانا چاہتی ہے تو اسے ان کا ماورائے قانون صفایا کرنا پڑے گا۔ پاپا اس سے متفق نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح ریاست خود ایک مافیا کا روپ دھار لے گی جو اپنے مخالفین کو بہ زور بازو راستے سے ہٹانے کی عادی ہوتی ہے۔ کیا جان جیمس کو علم تھا کہ اس کا بتایا ہوا منصوبہ ان دنوں روبہ عمل تھا؟ یہ بالکل واضح تھا کہ منصوبہ کام کررہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو گیری یوں نہ مرتا۔ یقیناً کچھ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ مجرموں کی صفائی کا یہ منصوبہ منظر عام پر آئے اور وہ اس کے لیے تشدد کے حربے سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کررہے تھے۔

اس کے بعد میں نے امریکی جیلوں میں ہلاک ہونے والے قیدیوں کی فہرست نکالی تو پتا چلا کہ گزشتہ دو سال میں جیلوں میں ... قیدی اہم مجرموں کی اموات میں ڈرامائی تیزی آئی میں سے بیشتر مجرم کسی نہ کسی مرض کا شکار ہوئے ... اکثر...... دل کے مرض کے ہاتھوں جان ہار گئے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مجرموں کی ہلاکت کے اس منصوبے کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ اس میں یقیناً طاقت ور ۔۔۔ سرکاری شخصیات شامل ہوں گی جن کے احکامات نظرانداز کرنا جیل حکام کے لیے بھی مشکل ہوگا۔ جیل میں بند قیدیوں کو ہلاک کرنا میرے خیال میں کسی مہذب معاشرے کا کام نہیں لیکن فی الحال مجھے مجرموں سے زیادہ اپنی فکر تھی اور ساتھ ہی میں گیری کے ممکنہ قاتلوں کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اگرچہ یہ کام ناممکن حد تک دشوار تھا کیونکہ میں ایک عام آدمی تھا اور ایک عام آدمی کے لیے ریاست سے لڑنا ممکن نہیں ہوتا۔

میں کوئی فلمی ہیرو نہیں تھا جو ریاستی اداروں سے لڑتا اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلیتا۔ میں ایک عام آدمی تھا جس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اپنی بقا کا ہوتا ہے۔ میں نے وہ بات جان لی تھی۔ ان سب معاملات کو بے نقاب کرنے کے لیے ضروری تھا کہ میں خود زندہ رہوں۔ یہ بھی یقینی تھا کہ میری گمشدگی کے بعد میری تلاش شروع کر دی گئی ہوگی اور اب میں ان کے ہاتھ آجاتا تو شاید میرا انجام بھی گیری جیسا ہی ہوتا۔ میرے لیے پہلا مسئلہ کوئی جائے پناہ تلاش کرنا تھا۔

مجھے ایک خیال اور آیا۔ میری نگرانی کا بنیادی مقصد یہ جاننا تھا کہ گیری نے مجھے اپنی اسٹوری تو نہیں پہنچا دی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ان کے بارے میں خطرناک حد تک جان گیا تھا۔ اگر ان کے بارے میں اتنا جان گیا تھا اور اگر اسے اپنی جان کا خطرہ بھی محسوس ہوا تھا تو اس نے یقیناً اپنی اسٹوری کو کہیں محفوظ کیا ہوگا تاکہ اسے کچھ ہوجائے تو اس کے قاتل بھی نہ بچ سکیں۔ مجھے خیال آیا کہ...... گیری نے وہ اسٹوری اگر مجھے بھیجی ہوگی تو کس طرح سے بھیجی ہوگی۔ میں نے اپنی ای میل چیک کی لیکن اس میں گیری کی طرف سے کوئی میل نہیں تھی۔ گیری کو ای میل کرنا بھی پسند نہیں تھا، اگر اسے کچھ کہنا ہوتا تو وہ مجھے کال کرتا تھا۔ اسی طرح اگر اسے کوئی چیز بھیجنی ہوتی... تو وہ پوسٹ کرتا تھا۔ لیکن گیری کی طرف سے مجھے گھر میں کوئی چیز بائی پوسٹ یا کوریئر سے نہیں ملی تھی۔ میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر گیری نے مجھے کوئی چیز بھیجی ہے تو وہ مجھے کہاں مل سکتی ہے۔ اس کا جواب جیسے خود بہ خود میرے ذہن میں آگیا۔ میں اٹھ کر باہر آیا۔ کار ...

... سے ملنا ضروری ہوگیا تھا۔ ٹیکسی اخبار کے دفتر کے سامنے رکی ... میں اتر کر عمارت میں داخل ہوگیا۔ صبح کے نو بجے تھے ... میں ابھی سناٹا تھا لیکن گیری کا باس میلک باؤنس آچکا تھا۔ ... نے اس کے دفتر کے شیشے کے دروازے پر دستک دی تو ... نے میری طرف دیکھا اور اٹھ کر دروازے تک آیا۔

’’مسٹر جیری گارفیلڈ۔‘‘ اس نے مجھے پہچان لیا۔ ’’آؤ ... تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟‘‘

میں اس کے ساتھ کمرے میں آیا۔ ’’مجھے گیری کے ... میں بات کرنی ہے۔‘‘

’’گیری کے بارے میں؟‘‘ اس نے سوالیہ نظروں ... میری طرف دیکھا۔

’’ان دنوں وہ کس اسٹوری پر کام کررہا تھا؟‘‘

’’کوئی خاص تو نہیں تھی۔‘‘ اس نے سوچ کر کہا۔ ’’تم ... یہ سوال کیوں کیا؟‘‘

’’تمہارے خیال میں اس کی موت حادثہ ہی تھی؟‘‘

’’ہاں کیونکہ پولیس کا بھی خیال ہے۔‘‘

’’تم جانتے ہو گیری پیتا نہیں تھا جبکہ پوسٹ مارٹم ... رپورٹ کے مطابق اس کے خون میں الکوحل کی مقدار معمول ... دس گنا زیادہ تھی۔‘‘

’’ہاں لیکن یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے... بعض ... اوقات آدمی زیادہ بھی پی جاتا ہے۔‘‘

’’گیری کا لیپ ٹاپ غائب ہے جس میں وہ اپنے کام ... متعلق فائلز رکھتا تھا۔ دفتر میں اس کا ذاتی سامان موجود ... ہے؟‘‘

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’یہاں کسی کو ذاتی سامان ... رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔‘‘

’’تب اس کا لیپ ٹاپ کہاں جاسکتا ہے جبکہ وہ اسے ... ہمیشہ ساتھ رکھنے کا عادی تھا؟‘‘

’’ممکن ہے وہ حادثے کے دوران سمندر میں گر گیا ہو۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔‘‘ میں نے فرانز کو کال کی۔ ’’گیری کی کار کے شیشے کھلے ... یا بند تھے؟‘‘

’’بند تھے۔‘‘ اس نے کہا۔

’’کیا سمندر کی تہ کی تلاشی لی گئی تھی جہاں کار گری ... ؟‘‘

’’نہیں، اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ نہ تو کار میں سے ... کی چیز گم تھی اور نہ اس میں سے کچھ باہر گرنے کا امکان تھا۔‘‘

مجھے خیال آیا کہ فرانز کو ... بارے میں بتاؤں جس کے ماتھے پر کٹ کا نشان تھا اور ... کار سے کوئی چیز باہر نہیں گری تھی۔‘‘

اس نے شانے اچکائے۔ ’’تب میں کیا کہہ سکتا ہوں؟‘‘

’’تم اس کے باس تھے اور وہ تمہیں بتائے بغیر کسی اسٹوری پر کام نہیں کرسکتا تھا۔‘‘

’’ظاہر ہے اور مجھے ایسی کسی خاص اسٹوری کا علم نہیں ہے جس پر وہ کام کررہا تھا۔‘‘

’’اوکے... تب وہ کون سا عام کام کررہا تھا؟‘‘

’’ایناپولس میں منشیات کے نیٹ ورک پر کام کررہا تھا۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’کیا اس نے تمہیں کچھ میٹر دیا تھا؟‘‘

’’نہیں۔‘‘ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’میرا خیال ہے کہ اس نے ابھی صحیح سے کام شروع بھی نہیں کیا تھا۔‘‘

میلک اگر کچھ جانتا بھی تھا تو مجھ سے تعاون نہیں کررہا تھا۔ میں مایوس ہوکر اٹھ گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ ’’کیا تمہیں کوئی شبہ ہے؟‘‘

میں دروازے پر رکا اور بولا۔ ’’شبہ نہیں مجھے یقین ہے کہ گیری کو قتل کیا گیا ہے۔‘‘

یہ کہہ کر میں دفتر سے نکل آیا۔ اپنے ایک رپورٹر کی موت پر اس کا رویہ سرد تھا۔ ممکن ہے اس کے پس پردہ یہ یقین ہو کہ گیری کی موت حادثہ تھی۔ مگر مجھے شبہ ہورہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا رویہ اپنا رہا تھا۔ گیری کی رپورٹ کا ایک صفحہ کسی حد تک وضاحت کررہا تھا کہ اس چکر کے پیچھے طاقت ور لوگ تھے ممکنہ طور پر وہ سرکاری شخصیات تھے اور انہوں نے طاقت سے گیری کو خاموش کرادیا تھا۔ لیکن وہ اس کے مرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں تھے۔ اس کا ثبوت ان کی طرف سے گیری کے اپارٹمنٹ میں مجھ پر حملہ اور پھر مسلسل نگرانی تھی۔ گیری کے پرنٹر سے نکلنے والے صفحے نے کہانی کی ایک چھوٹی سی جھلک دکھائی تھی اور ابھی اس کہانی کو پوری طرح جاننا باقی تھا۔

میری گاڑی گیری کے اپارٹمنٹ کی پارکنگ میں ... اور میں وہاں جا نہیں سکتا تھا اس لیے اب مجھے ایک ... کرائے پر لینا تھی۔ میں ایک رینٹ اے کار ایجنسی پہنچا ... اپنا کارڈ دکھا کر ایک طاقت ور انجن والی کار لے لی۔ ... سے میں نے ایک انٹرنیٹ کیفے کا رخ کیا اور وہاں ایک ... والا کمپیوٹر حاصل کیا جہاں کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔ ...

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

...ہو رہا تھا کہ موبائل کی بیل بجی۔ لورا کا نمبر آرہا تھا، میں نے ریسیو کی۔

"جیری! تم کہاں ہو... یہاں تمہاری کار کھڑی ہے۔"

وہ یقیناً گیری کے اپارٹمنٹ پر آئی تھی۔ "میں باہر ہوں... میری کار میں کچھ مسئلہ ہے۔"

"کہاں ہو تم... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"مجھے تم سے گیری کے بارے میں کچھ بات کرنی ہے۔"

"گیری کے بارے میں؟" میں نے سوچ کر کہا۔ "...ایسا کرو تم سٹی میوزیم آجاؤ۔"

"سٹی میوزیم میں کہاں؟"

"تم اس کے سامنے آجاؤ، میں تم تک خود پہنچ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میوزیم یہاں سے کچھ ہی ... میں نے کار میوزیم سے کچھ دور روکی اور پیدل سڑک ... نے والے پل پر آیا۔ یہاں سے میں میوزیم اور اس ... پاس نظر رکھ سکتا تھا۔ لورا اپنی گاڑی میں میوزیم... میری نظر اس کے پیچھے آنے والی کسی مشکوک گاڑی ... کر رہی تھی لیکن اتفاق سے اس کے پیچھے کوئی نہیں ... لورا نے گاڑی سے نکل کر تلاش کیا لیکن میں اسے نظر ... یا اس نے موبائل نکالا اور میرا نمبر ملایا۔

"لورا... تم پانچ منٹ بعد ایم ایک سوستر و کی طرف ... ہو جانا۔"

"ہائی وے کی طرف؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں... ٹھیک پانچ منٹ بعد۔" میں نے کہا اور اتر ... نیچے اپنی گاڑی تک آیا۔ جب تک میں اپنی گاڑی لے کر ... کے سامنے آتا، لورا وہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔ میں ... مناسب فاصلہ رکھ کر گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ میں ... مطمئن نہیں تھا کہ اس کے پیچھے تو کوئی نہیں ہے۔ ہائی ... تک آتے آتے میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے ... کوئی نہیں ہے۔ اس لیے ہائی وے پر آتے ہی میں نے ... کار کو اوور ٹیک کیا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر کار ... سے پیچھے روکنے کو کہا۔ اس نے کار روکی اور نیچے اتر ... میں نے کار روکی تو اس کا موڈ جارحانہ ہو رہا تھا۔ اس ... دیکھتے ہی کہا۔

"جیری! یہ کیا حرکت ہے؟ ہم کسی اسپائی مووی میں ... رہے ہیں؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" میں نے اس کا بازو پکڑا۔ "تم مجھ سے گیری کے بارے میں کیا بات کرنا چاہتی ہو؟"

"جیری! مجھے ... [illegible]

سوچ کر میرا دماغ پھٹنے والا ہو گیا ہے۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "لورا! مجھے شبہ ہے کہ گیری کو قتل کیا گیا ہے۔"

اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ "مگر کیوں؟"

"میں نہیں جانتا... میرا خیال ہے کہ وہ کسی اسٹوری پر کام کر رہا تھا اور کچھ لوگوں کو اس سے افشائے راز کا خوف تھا، اس لیے انہوں نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔"

"کن لوگوں نے؟" وہ چلا اٹھی۔

"میں نہیں جانتا لیکن شاید میں جلد جان جاؤں گا۔"

"کیسے جان جاؤ گے؟"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا... یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ چل سکتی ہو؟"

"کہاں؟"

"شہر سے باہر... ممکن ہے تمہیں ایک دو دن کے لیے کہیں رکنا بھی پڑے۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ "لیکن میں گھر سے یہ سوچ کر نہیں نکلی تھی۔"

"ٹھیک ہے، تب تم واپس چلی جاؤ۔" میں اپنی کار کی طرف بڑھا۔

"سنو... ایک منٹ۔" لورا نے کہا۔ "ٹھیک ہے، میں چل رہی ہوں۔"

"اپنی گاڑی میں میرے پیچھے آؤ۔"

کچھ دیر میں ہم دونوں آگے پیچھے جا رہے تھے۔ ... اپنے آبائی گھر جا رہا تھا اور اس وقت میرے ذہن میں ... نہیں تھا کہ میں وہاں کیوں جا رہا ہوں۔ ابھی ہم کچھ دور ... کہ موسم بدلنے لگا۔ آسمان پر بادل جمع ہو رہے تھے۔ ... ہم فارم ہاؤس کے سامنے پہنچے تو موسلا دھار بارش ہو رہی ... اور دن میں بھی اندھیرے کا سماں تھا۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ پورچ سے اتر کر اندر آتے آتے ہم کسی قدر ... گئے۔ لورا متجسس تھی۔ اس نے اندر آتے ہی کہا۔

"یہ شاید تمہارا آبائی مکان ہے؟"

"شاید نہیں یقیناً۔" میں نے تصحیح کی اور دروازہ ... ساتھ لگی چھتری لے کر دروازے سے باہر آیا۔ ڈاک ... ڈبے میں کئی لفافے تھے، میں انہیں بارش سے بچاتے ... اندر آیا۔ لورا میرے ہاتھ میں لفافے دیکھ کر چونکی۔

"یہ کیا ہے؟"

"... [illegible] ... میں نے کہا اور لفافے دیکھنے لگا۔ ان میں سے ایک دو دن پہلے آیا تھا اور اس پر بھیجنے والے کا نام پتا نہیں تھا۔ میں نے اسے کھولا تو اندر سے کمپیوٹر پرنٹ آؤٹس پر مشتمل کاغذات ملے۔ اس کا پہلا صفحہ دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ وہی اسٹوری تھی جس کی خاطر گیری جان سے گیا تھا اور میں حقیقت کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ میں ان کو دیکھنے لگا۔ لورا بھی اسے دیکھنے کے لیے قریب آگئی۔ ہم انہیں پڑھتے رہے۔ یہ کل سولہ صفحات تھے لیکن ان میں ایک ایسی کہانی تھی جو اگر شائع ہو جاتی تو پورا ملک ہل جاتا۔

"میرے خدا۔" لورا نے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے؟"

"تم خود دیکھ لو، اس میں غلط کیا ہے۔" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اقتدار پر قابض ٹولہ اس ملک کو ایک جنگل میں تبدیل کرنے جا رہا ہے جہاں وہ ماورائے قانون جو چاہے، کر سکے گا۔"

"یہ سب کون کر رہا ہے؟"

لورا کے اس سوال پر میرے ذہن میں سب سے پہلا نام سینیٹر جان جیمس کا آیا۔ یہ اسی کا منصوبہ تھا اور اس وقت اس کی پارٹی اقتدار میں تھی۔ وہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ سینیٹر جان کا خیال آتے ہی میری رگوں میں خون کی روانی تیز ہو گئی۔ اس کی پاپا سے دوستی تھی اور وہ ہمارے گھر آکر رکتا تھا۔ ہم بھائیوں کے ساتھ کھیلتا تھا اور ہمیں گھڑ سواری کے گر سکھاتا تھا۔ کیا سرکاری آدمیوں نے اس کے حکم پر گیری کی جان لی تھی؟ اگر ایسا تھا تو سینیٹر جان کے جرم کی سنگینی بڑھ جاتی تھی لیکن اس سے حساب کون لیتا؟ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود گیری کی اسٹوری دیکھی۔ میں سینیٹر سے حساب لے سکتا تھا۔ میرے پاس جو چیز تھی وہ اسے تباہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ مجھے اس کہانی کو میڈیا تک پہنچانا تھا۔ اس کے بعد سینیٹر جان کے پاس سوائے استعفے اور شاید پھر خودکشی کے اور کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ میں نے لورا سے کہا۔

"ہمیں اس کہانی کو میڈیا کے حوالے کرنا ہوگا۔"

"نہیں۔" وہ بولی۔ "یہ کہانی میڈیا تک نہیں جائے گی۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا لیکن مہلک پستول تھامے ہوئے تھی۔ "لورا! تم... تم؟"

"ہاں، میں سرکاری ایجنٹ ہوں۔ یہ لفافہ میری طرف پھینک دو اور دونوں ہاتھ سر پر رکھ لو۔"

"تم گیری کے پیچھے بھی تھیں؟" میرے لہجے میں نفرت آگئی۔ "اسے مروانے میں تمہارا بھی ہاتھ ہوگا۔"

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔" اس نے حاشر ہوئے بغیر کہا۔ "لفافہ میری طرف پھینک دو اور کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ میں تمہیں گولی مارنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"مجبوری کی کیا بات ہے، تم چاہو تو میرے بھائی کی طرح مجھے بھی مار سکتی ہو۔"

"نہیں، تمہیں مارنا ضروری نہیں ہے۔ گیری کی بات دوسری تھی۔ وہ ہمارے بارے میں بہت زیادہ جان گیا تھا۔"

"میں نے یہ رپورٹ دیکھی ہے۔" میں نے لفافہ بلند کیا۔ "کیا تمہیں ڈر نہیں کہ میں کسی اور کو اس بارے میں بتا سکتا ہوں؟"

"تم اس بارے میں بتا سکتے ہو لیکن کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا کیونکہ اس میں کسی کا نام نہیں ہے۔"

اگر اسے پتا ہوتا کہ میں نے سینیٹر جان جیمس کے بارے میں جان لیا تھا تو وہ یقیناً مجھے چھوڑنے کی بات نہ کرتی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں صرف اس رپورٹ کے بارے میں جانتا ہوں اور ظاہر ہے پرنٹس کے بغیر میری بات کہانی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی... کیونکہ ان کاغذات میں حوالے دیے گئے تھے۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پستول سیدھا کیا۔ "لگتا ہے تم اس طرح نہیں مانو گے؟"

"اوکے... اوکے! میں دے رہا ہوں۔" میں نے کہا اور لفافہ اس کی طرف اچھال دیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اگر اب بھی لفافہ اس کے حوالے نہ کیا تو وہ مجھے گولی مار دے گی۔ میں سینیٹر کو سزا دلوانا چاہتا تھا اور اس کے لیے میرا زندہ رہنا ضروری تھا۔ اس نے لفافہ کیچ کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ بہت تجربہ کار اور ہوشیار لگ رہی تھی۔ اس نے دوسرا حکم دیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ لفافہ لے کر وہاں سے رخصت ہو جائے گی۔ لیکن خلاف توقع اس نے پرس سے موبائل نکال کر کسی کو کال کی۔ "اندر آجاؤ، حالات میرے قابو میں ہیں۔"

"یہ کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ "تم دیکھ لوگے۔"

دروازہ کھلا اور دو افراد اندر آئے۔ وہ سرکاری ایجنٹس تھے اور انہوں نے سیاہ سوٹ پہن رکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے میری طرف دیکھا۔ "یہ ابھی تک زندہ ہے؟"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"اسے مارنا نہیں ہے۔" لورا نے سرد لہجے میں کہا۔ ...انجکشن دو اور یہاں ہماری آمد کے تمام آثار مٹا دو۔"

ان میں سے دوسرے نے بھی پستول نکال لیا اور ...والا اپنی جیب سے ایک انجکشن نکالتا ہوا میری طرف ...دو عدد پستولوں کے سامنے مزاحمت کا سوال ہی پیدا ...ہوتا تھا۔ اس نے آرام سے عقب سے آ کر انجکشن ...گردن میں اتار دیا اور پانچ سیکنڈ سے بھی پہلے میں ...حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو لورا اپنے ...ساتھیوں سمیت جا چکی تھی اور ظاہر ہے، وہ لفافہ بھی لے گئی ...میں صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ حیرت انگیز طور پر میں چار ...بعد ہی ہوش میں آ گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد کچھ ...میرا ذہن سُن رہا لیکن پھر میں چونک کر اٹھ بیٹھا اور مجھے ...کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میز پر ڈاک سے آنے ...باقی لفافے پڑے تھے۔ میں نے اٹھ کر پانی پیا تو ...حالت مزید بہتر ہوئی۔ گردن میں جہاں انجکشن لگا تھا وہاں ...سی تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے آئینے میں دیکھا گردن ...سا نشان تھا جو سرخ ہو رہا تھا۔ شکر ہے انہوں نے زہر کا ...نہیں لگایا تھا ورنہ مجھے دوبارہ ہوش ہی نہ آتا۔

...رات ہو چکی تھی۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی لیکن اس کا ...انداز دھیما پڑ گیا تھا۔ میں نے کافی بنائی اور نشست گاہ ...گیا۔ میں افسردہ تھا، گیری کی آخری کوشش بھی اس کے ...نے ناکام بنا دی تھی۔ اس نے جو کاغذات مجھے بھیجے ...انہوں نے حاصل کر لیے تھے اور یقیناً اب تک ضائع ...کیے ہوں گے۔ حکومت سے لڑنا ناممکن ہوتا ہے اور اس ...طرف آنے والے تمام نشانات مٹا دیے تھے۔ سوچتے ...میری نظر باقی لفافوں پر پڑی اور میں ایسے ہی ان کو دیکھنے ...بظاہر سارے ہی عام قسم کی ڈاک کے لفافے لگ رہے ...مختلف کمپنیوں اور اداروں کی طرف سے آتے رہتے ہیں ...ان میں سے ایک لفافہ اٹھاتے ہی میں چونک گیا۔

☆☆☆

...میں سینیٹر جان جیمس کے عالی شان مکان کی نشست گاہ ...میں ہوا تو وہ آتش دان کے پاس سرخ لیدر کی کرسی پر ...بیٹھا تھا۔ اس نے سنہری بارڈر والا ریشمی گاؤن پہنا ...اس تک رسائی سے پہلے میری مکمل تلاشی لی گئی تھی ...اس کے محافظ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نے ...مجھ سے میری طرف دیکھا اور صوفے کی طرف اشارہ ...کرتے ہوئے بولا۔ "کیسے آنا ہوا جیری؟"

...اس نے ...جانتے ... گیا ...

"گیری کو تمہارے حکم پر قتل کیا گیا تھا؟"

اسے جھٹکا لگا اور وہ کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "تو تم جان گئے؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ ویسے تم جواب نہ بھی دو، تب بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اگر تم نے براہ راست حکم نہیں بھی دیا ہے، تب بھی اس کا قتل اور گزشتہ دو سال میں جیلوں میں مارے جانے والے تمام مجرموں کا قتل تمہارے کھاتے میں جائے گا۔"

"وہ سب معاشرے کا بدگوشت تھے۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"بدگوشت......" میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان کا کیا قصور تھا؟"

"وہ طاقت کے بل بوتے پر معاشرے کو اپنی گرفت میں لے رہے تھے۔"

"تو تم کیا کر رہے ہو سینیٹر؟ کیا یہ طاقت کا استعمال نہیں ہے؟"

"ہم جو کر رہے ہیں، وہ لوگوں اور حکومت کے مفاد میں ہے۔"

"لوگوں اور حکومت کے مفاد میں کام کرنے کا طریقہ کار آئین میں موجود ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "تم نے اسی آئین کے تحت حلف لیا ہے۔"

اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔ "برخوردار... آج کے دور میں یہ کتابی باتیں نہیں چلتیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جب میرے آدمیوں نے تمہیں چھوڑ دیا تھا تو تم یہاں کیوں آئے؟"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میرے پاس جان بچانے کا ایک موقع تھا تو میں نے اسے تمہارے پاس آ کر کیوں گنوا دیا؟"

اس نے جواب دینے کے بجائے صرف سر ہلایا۔ بظاہر وہ یہاں اکیلا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ آس پاس اس کے محافظ لازمی ہوں گے جو میری طرف سے ذرا سی حرکت پر فوراً ہی حرکت میں آ جائیں گے... اتنا تو اسے بھی معلوم تھا کہ میں تربیت یافتہ کمانڈو ہوں اور خالی ہاتھ سے بھی اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔ "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں اپنے بھائی کے قتل کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔"

...نے ... کے بارے میں ... فیصلہ ... کے اعلیٰ افسران ... نے کیا ...

"ایجنسی کے اعلیٰ افسران نے۔" میں تلخی سے بولا۔ "کیا وہ تمہیں جواب دہ نہیں ہیں؟"

"بالکل ہیں اور میں ان کے فیصلے کی ذمے داری قبول کرتا ہوں کیونکہ ہم جو کر رہے ہیں، وہ ملک و قوم کے مفاد میں کر رہے ہیں۔"

"ملک و قوم سے چھپ کر؟" میں نے سادہ لہجے میں کہا تو وہ جھنجلا گیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟ تم نے یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر تمہیں حقیقت پتا چل بھی گئی ہے، تب بھی تمہیں منہ بند کر کے بیٹھنا چاہیے تھا۔"

"یعنی اب میں یہاں سے واپس نہیں جا سکوں گا؟"

"لازمی بات ہے۔" یہ بات لورا نے کہی وہ اچانک ہی کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے سینیٹر سے کہا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

سینیٹر جھنجلا گیا۔ "فضول باتیں مت کرو... یہ تم لوگوں کی حماقت ہے جس سے معاملات یہاں تک پہنچ گئے۔"

"سر! ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ گیری کو ہر صورت روکنے کا حکم تھا۔" لورا ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔ "اب اس کے لیے کیا حکم ہے؟"

"فی الحال اسے بند کر دو۔" اس نے حکم دیا۔ لیکن اس حکم کے پیچھے اصل حکم کو پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی، وہ اصل میں میرے قتل کا حکم صادر کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ لورا اور اس کے ساتھی مجھے وہاں سے لے جاتے، میں نے کہا۔

"سینیٹر... تم نے سوچا ہے کہ میں یہاں کیسے آیا ہوں؟ اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میں یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکوں گا۔"

جیمس سوچ میں پڑ گیا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"سینیٹر... تم ختم ہو چکے ہو، میں اس کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔"

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے لیے ایک جام اور بنایا اور لورا سے کہا۔ "تم لوگ جاؤ یہاں سے۔"

"لیکن سر یہ......"

"جاؤ۔" وہ دہاڑا تو لورا بات ادھوری چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گئی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے کہا۔ "تم نے کیا کیا ہے؟"

"میرا بھائی بے وقوف نہیں تھا۔" میرے لہجے میں ...آ گیا۔ "اس نے تمام امکانات کو مدنظر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف پارسل بھیج کر مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی تمام تحقیقات ایک جگہ محفوظ کی ہوئی تھیں اور وہ صرف اتنی نہیں تھیں جتنی تمہارے آدمیوں کے ہاتھ لگی ہیں۔ ان میں بہت سارے حوالے اور ثبوت موجود ہیں۔"

"تم نے اس کا کیا کیا ہے؟"

"میں نے وہ رپورٹ کئی...... اخبارات، ٹی وی چینلز اور ویب سائٹس کو بھیج دی ہے۔ یہ کام میں نے رات ...کر دیا تھا۔ اگر ابھی تم ٹی وی چیک کرو تو کہیں نہ کہیں اس کے بارے میں ضرور آ رہا ہوگا۔"

اس نے وہاں موجود ٹی وی آن کیا اور چینلز لگا کر دیکھنے لگا۔ چند منٹ میں اس پر واضح ہو گیا کہ میں نے غلط نہیں کہا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "سینیٹر اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ تم بچ جاؤ گے؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"میرا خیال ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "کیونکہ یہاں آنے سے پہلے میں نے اپنا پولیس پولیس کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا اور ممکن ہے، وہ اب تک یہاں آ چکے ہوں۔"

میرا اندازہ درست نکلا جب ایک آدمی نے نشست گاہ میں جھانک کر پولیس کی آمد کی اطلاع دی اور کچھ دیر بعد فراز اندر آیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں۔"

فراز اب سینیٹر کی طرف متوجہ ہوا۔ "پولیس باہر موجود ہے اور بہتر ہوگا، تم اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ وہ مزاحمت نہ کریں اور ہتھیار ڈال دیں۔"

سینیٹر جانتا تھا کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ جب اسے ہتھکڑیاں لگا کر لے جایا جا رہا تھا تو میں نے اس سے کہا۔ "اس ملک کو قانون کی حکمرانی نے سپر پاور بنایا ہے... تم جیسے لوگوں کے کالے منصوبوں نے نہیں۔"

میں باہر آیا تو آسمان بادلوں سے صاف ہو گیا تھا اور سورج کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ اس روشنی کو دیکھ کر مجھے لگا، گیری نے جس مقصد کے لیے اپنی جان قربان کی تھی... وہ پورا ہو گیا۔ اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

للکار

طاہر جاوید مغل

چودھویں قسط

ان عاشق پروانوں کا ماجرا ئے خاص جو للکار سننے اور للکارنے کے وحشی تھے

زمانۂ قدیم سے عاشق وہ غبارِ خاک ہے جو یہاں سے وہاں
اڑتا پھرتا ہے خود داری اور انا کو بالائے طاق رکھ کر کوئے
یار کے طواف میں محو رہتا ہے ...... مگر آج عشق کی اقدار میں
تبدیلی ...... وقت کی ضرورت اور حالات کا تقاضا ہے ...... جس نے
عشق کا منظر نامہ بدل ڈالا ہے ...... کرداروں میں بھی تبدیلی آچکی
ہے ...... سر پھرے عاشق نے اب ایسے شخص کا روپ دھارا جو اپنے
جذبے اور شعور سے کام لے کر محبت اور محبت کے ساتھ ساتھ
دیگر فرائض و منصب کو بھی پیش نظر رکھتا ہے ...... ایسے ہی
عاشقوں کے گرد گھومتی داستان محبت جہاں ایک عاشق عشق
پیشہ ہے ...... عشق میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی سچائی
اور قدر ہے ...... جبکہ دوسرے عاشق کا مطمع نظر مختلف ہے
زندگی اور دنیا کی وسعت نے اس کے قلب و نظر ...... عقل و
شعور اور جذبِ عشق میں کشادگی کو بھر دیا ہے ......
کائنات کا ہر مسئلہ اس کے پیش نظر ...... ایک للکار ہے۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible] سیٹھ سراج کے اوباش بیٹے واجد عرف واجی نے ایک چھوٹی سی بات سے [illegible] کر ثروت کو اغوا کرلیا۔ [illegible] ایک ایسا داغ لگ گیا جس نے نہ صرف اس کے والدین کی جان لے لی [illegible] نے مجھے زدوکوب کیا اور میں خودکشی کا سوچنے لگا لیکن پھر میری ملاقات [illegible] لیے عمران ہاتھ دھو کر سیٹھ سراج کے پیچھے پڑ گیا۔ جلد ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ سیٹھ سراج لال کوٹھیوں میں رہنے والی ایک ویمپ عورت میڈم صفورا کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ لوگ ہیروئن وغیرہ سے ناجائز دولت حاصل کرتے تھے۔ میڈم صفورا کی چھوٹی بہن نادیہ بڑی بے باک لڑکی تھی۔ وہ عمران پر بُری طرح فریفتہ ہوگئی۔ عمران سرکس کا ایک مقبول فن کار بھی تھا۔ وہ سرکس میں اپنے شوق کی خاطر کچھ نہایت خطرناک کھیل بھی کھیلتا تھا۔ ابرار صدیقی کے پاس [illegible] مجسمہ تھا جسے میڈم صفورا ہر صورت خریدنا چاہتی تھی مگر صدیقی بیچنے کو تیار نہیں تھا۔ کچھ اور نامعلوم لوگ بھی اس مجسمے کے پیچھے تھے۔ میڈم صفورا نے عمران کو ہائر کرلیا۔ میں اور اقبال بھی میڈم کی دسترس میں چلے گئے۔ وہاں عمران نے اپنی خوش بیانی سے صفورا کو قائل کرلیا کہ وہ اس کا مطلوبہ مجسمہ ابرار صدیقی کی تجوری سے نکال لائے گا۔ اس نے واقعی یہ کام خوش اسلوبی سے کردیا۔ میڈم کی چھوٹی بہن نادیہ بدستور عمران کے پیچھے تھی اور اسے حاصل کرنے کے لیے [illegible] آزما رہی تھی۔ نادیہ نے عمران کی سردمہری کا انتقام لینے کے لیے ہمارے ایک دوست سلیم کو بے دردی سے مار دیا۔ سلیم کی موت کا بدلہ لینے کے لیے عمران نے نادیہ کو گولی ماردی۔ میڈم کے کارندے ہمارے پیچھے لگ گئے۔ اس خوفناک تعاقب کے نتیجے میں عمران کے سینے پر رائفل کا برسٹ لگا اور وہ ایک ندی کے تاریک پانیوں میں اوجھل ہوگیا۔ اس کے بعد وہ میرے اہلِ خانہ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے اپنی بہن فرح اور بھائی عاطف کو موقع سے بھگا [illegible] سفاک سیٹھ سراج اور شیر نے میری والدہ کو مجبور کردیا کہ وہ موت کو گلے لگالیں۔ ماں کی اندوہناک موت نے میرے ہوش وحواس چھین لیے۔ میں [illegible] جنگل میں بھاگتا رہا۔ یہاں مجھے ایک راجپوت لڑکی سلطانہ ملی۔ اس نے مجھے یہ بتا کر حیران کیا کہ وہ میری بیوی ہے۔ راستے میں [illegible] ایک شیر خوار بچے سمیت ہم سے مل گیا۔ سلطانہ نے مجھے بتایا کہ یہ میرا اور اس کا بچہ ہے۔ پھر مجھ پر یہ حیرت ناک انکشاف ہوا کہ میں پاکستان میں نہیں [illegible] ایک دور دراز ریاست میں ہوں اور آج میں کچھ گمشدہ یادوں کے بعد ہوش میں آیا ہوں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] ایسے ہی... گرو نے کہا کہ تین دن بعد ہی اس طرح کی چتا کو آگ دی جا سکتی ہے۔ عمران اکیلا نہیں تھا بلکہ اقبال بھی اس کے ساتھ تھا۔ پھر عمران نے [illegible] ذریعے تاڑی میں دستور ملا دیا اور وہاں موجود تمام پہرے دار بے ہوش ہوگئے۔ ہم سلطانہ اور طلال کو لے کر وہاں سے نکل رہے تھے کہ [illegible] روکنے کی کوشش کی تاہم ہم فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ہم ایک سکھ سردار کی گھوڑا گاڑی میں وہاں سے فرار ہوئے۔ [illegible] ساتھ تھی۔ ہم استھان سے دور نکل آئے تھے اور ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں جنتر کے درخت تھے۔ عمران نے اپنے بارے میں تھوڑی تفصیل بتائی [illegible] کی بات ادھوری رہ گئی۔ ہمیں ایک جیپ کی آواز آئی۔ وہ ٹھکر جی کے آدمی تھے۔ ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ تاہم ایک فرار ہوتے ہوئے مارا گیا جبکہ دوسرا [illegible] سے بھاگ نکلا۔ ہم گھوڑا گاڑی اور جیپ لے کر وہاں سے نکلے۔ ہمارے تعاقب میں روشنیاں سی چمک رہی تھیں۔ ہم تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ [illegible] درختوں سے کسی کے چلانے کی آواز آئی۔ مجھے یہ آواز جانی پہچانی سی لگی...

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

عمران نے بھی تاریکی سے ابھرنے والی یہ روتی چلاتی آواز سن لی تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر عمران نے اپنی رائفل کا سیفٹی لاک ہٹایا اور جیپ کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

جیپ کو یوں رکتے دیکھ کر گاڑی بان ہوشیار سنگھ نے بھی گاڑی روک لی۔ عمران کے پیچھے پیچھے میں بھی جیپ سے باہر آگیا۔ تاریک جنگل میں کھلی جگہ پر ہونے کا احساس بھی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ آپ ہر طرف سے اندیشوں کے گھیرے میں ہیں۔ کسی وقت، کسی بھی طرف سے کوئی جان دار شے آپ پر جھپٹ پڑے گی یا پھر کوئی زہریلا کیڑا مکوڑا آپ کو مصیبت میں ڈال دے گا۔ موجودہ صورت حال تو مزید تشویش ناک تھی کیونکہ چند لمحے قبل ہم نے تاریک درختوں میں کسی شخص کی کرب ناک آواز سنی تھی۔ ایک سیکنڈ کے لیے میرے ذہن میں آیا کہ کہیں یہ ہمیں روکنے کے لیے کوئی چال تو نہیں مگر پھر فوراً ہی مجھے اپنے اس خیال کو رد کرنا پڑا۔ آواز دوبارہ ابھری، اس کی دردناکی گواہی دے رہی تھی کہ کوئی شخص سخت مصیبت میں ہے۔ اس بار ہم آواز کے رخ کا صحیح تعین کرنے میں بھی کامیاب رہے۔ ہماری دائیں جانب جنتر کے کوتاہ قد درخت پھیلے ہوئے تھے۔ یہ اتنے گھنے تھے کہ ان میں سے بس پیدل شخص ہی گزر سکتا تھا۔ ان درختوں کے عقب میں زمین کا ایک گہرا کٹاؤ تھا۔ ہم نے [illegible]

تھا۔ اس سطح مرتفع جیسے علاقے میں ایسے کٹاؤ کافی [illegible] تھے۔ ہموار زمین پر چلتے چلتے بندے کو ایک دم پتا چلتا [illegible] وہ ایک گہری کھائی کے کنارے کھڑا ہے۔ یہ کھائی نہیں [illegible] دراصل ایک اور سطح زمین ہوتی ہے جو گہرائی میں واقع [illegible] ہے۔

جو کرب ناک آوازیں ہم سن رہے تھے، وہ جنتر [illegible] درختوں اور گہرائی کے درمیان سے ابھر رہی تھیں۔ ہم [illegible] روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اس لیے تا[illegible] میں ہی راستہ بناتے آواز کی سمت بڑھے۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی جانور ہے۔“ میں [illegible] مدھم آوازوں پر کان دھرتے ہوئے کہا۔

”لیکن ہم گولی نہیں چلا سکتے۔“ عمران نے [illegible] انداز اختیار کیا۔

ایک دم انسانی آواز معدوم ہوگئی۔ جانور کی پھنکا[illegible] سنائی دیتی رہی۔ ہم نے چند قدم مزید اٹھائے تو ایک [illegible] خیز منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ ایک تنومند جانور کسی [illegible] جھنجوڑ رہا تھا۔ یہ ایک سرخی مائل ریچھ تھا۔ اس علاقے [illegible] سرخی مائل ریچھ پائے جاتے تھے اور میں نے ان [illegible] بارے میں کافی کچھ سنا تھا۔ آج میں ایک ایسے ہی جا[illegible] اپنے سامنے چند قدم کے فاصلے پر دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک [illegible] دینے والا تجربہ تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کرلی، تاہم [illegible] [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

میں نے ایک اور تحیر خیز منظر دیکھا۔ ایسا کام عمران ہی کر سکتا تھا۔ اس نے رائفل کو بیرل کی طرف سے پکڑ کر اسے لاٹھی کی طرح استعمال کرتا ہوا جانور پر جھپٹا۔ اس نے اس کی کمر پر ایک زوردار ضرب لگائی اور ساتھ ہی ''ہو... ہو'' کی بلند آواز نکالی۔

نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ مشتعل جانور نے اپنے نامعلوم شکار کو چھوڑا اور غضب ناک آواز کے ساتھ عمران کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی آنکھیں دو گول بٹنوں کی طرح تھیں اور چمک رہی تھیں۔ میں بے ساختہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور رائفل پر گرفت مضبوط کرلی۔

گھوڑا گاڑی پر سے ہوشیار سنگھ نے ڈری ہوئی آواز میں پکارا۔ ''بھائی جی! حملہ کردے گا۔ گولی مار دو۔''

عمران کا انداز بالکل مختلف تھا۔ مجھے اس کی بے پناہ اعصابی توانائی کا اندازہ ہوا۔ یوں محسوس ہوا کہ وہ کھلے جنگل میں ایک خطرناک درندے کے سامنے نہیں بلکہ سرکس کے پنڈال میں ہے اور کوئی سنسنی خیز کرتب دکھانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان لمحوں میں وہ اس حقیقت سے بھی بالکل بے پروا ہو گیا کہ کچھ لوگ ہمارے پیچھے ہیں اور ان کی طرف سے ہمیں شدید خطرہ ہے۔

ریچھ کا انداز جارحانہ تھا۔ وہ عمران کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور عمران رائفل کے ڈراوے سے اسے خود سے دور رکھ رہا تھا۔ اس نے ابھی تک رائفل کو لاٹھی کے انداز میں ہی پکڑا ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ منہ سے ''ہو... ہا'' کی آوازیں بھی نکال رہا تھا۔ شاید اسے امید تھی کہ جانور اس صورتِ حال سے ڈر کر پسپائی اختیار کر جائے گا مگر ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔

پھر میں نے اس کی آواز سنی۔ وہ التجا آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''مان جا... بڑے بھائی مان جا... تجھے اپنی پیاری ریچھنی کا واسطہ... اپنے بزرگوں کا واسطہ...''

ریچھ نے ایک بار پھر جھپٹنے کا انداز اختیار کیا اور غضب ناک آواز نکالی۔

''غصہ حرام ہوتا ہے یار... کیوں اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو۔ جاؤ شاباش۔ اچھے ریچھ بنو... شاباش... شاباش۔''

اس شاباشی کا الٹا اثر ہوا۔ ریچھ ایک بار پھر خطرناک

کے موڈ میں تھا۔ وہ بھیجے رنگ میں تھا اور ایک رنگ [illegible] [illegible] صورتِ حال سنگین تر ہوگئی۔ ریچھ نے ایک زوردار جھپٹا مارا اور مجھے اندازہ ہوا کہ رائفل عمران کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے۔

عمران ایک دم پلٹ کر دوڑا۔ جانور بھی شاید اسی انتظار میں تھا۔ وہ پورے جوش سے عمران کے پیچھے لپکا۔ میں نے ان دونوں کو آگے پیچھے درختوں میں گھستے دیکھا... ان لمحوں میں مجھے محسوس ہوا کہ عمران مہم جوئی کے شوق میں ایک سنگین غلطی کر چکا ہے۔ شاید اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا... ہوشیار سنگھ اور اقبال بھی افراتفری کے عالم میں گھوڑا گاڑی سے اتر آئے۔ ہم عمران کو آوازیں دیتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔

اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران کی آواز نہ جانور کی چنگھاڑیں۔ بس درختوں پر پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے تھے جنہیں ہمارے شوروغل نے نیند سے بیدار کر دیا تھا... رسک کے باوجود اقبال نے ٹارچ روشن کرلی۔ وہ چلا کر بولا۔ ''عمران! کہاں ہو... کہاں ہو؟''

''اس کو گانے والے انداز میں کہو تو اچھا لگے گا۔ کہاں ہو تم کو ڈھونڈ رہی ہیں یہ بہاریں یہ سماں۔'' عمران کی آواز نے ہمیں ہلا دیا۔ یہ چہکتی ہوئی جاں فزا آواز ہمارے سروں کے اوپر سے آئی تھی۔

اقبال نے ٹارچ کا روشن دائرہ گھمایا۔ وہ ایک گہری شاخ سے بندر کی طرح جھول رہا تھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے جسم کو دو تین ہلکورے دیے اور گھوم کر شاخ کے اوپر بیٹھ گیا۔ یہ بالکل وہی انداز تھا جو وہ سرکس میں کرتب کے جھولوں پر اختیار کرتا تھا۔ وہ جس درخت پر چڑھا بیٹھا تھا، وہ اس کھائی کے بالکل کنارے پر تھا جو ہمیں ٹارچ کی روشنی میں دور تک دکھائی دے رہی تھی۔

وہ جست لگا کر درخت سے اترا اور اپنے کپڑوں کی گرد جھاڑتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے یاروں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میں نے وہی کچھ کیا ہے جو انڈیانا جونز اور اس جیسی دوسری ایکشن فلموں میں اکثر ہیرو لوگ کرتے ہیں۔''

میں گرا دیا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے...'' اقبال ہکلایا۔ وہ [illegible]

''[illegible] بالکل یہی مطلب ہے [illegible] جیسا تم سوچ رہے ہو۔''

''مگر...''

''اگر مگر بعد میں۔ پہلے اس بے چارے کو تو دیکھو کہ زندہ ہے یا گزر گیا۔''

ہم لپکتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچے جہاں ہم نے مشتعل ریچھ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ خشک پتوں سے اٹی ہوئی نرم زمین پر وہ زخمی شخص بالکل ساکت پڑا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس کا کندھا ادھڑا ہوا نظر آیا۔ کندھے پر سے لباس کی دھجیاں اڑ گئی تھیں۔ وہ صرف بے ہوش تھا۔ عمران اور اقبال نے اسے الٹ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ سامنے آیا تو ہم بھونچکے رہ گئے۔ مجھے اس کی آواز یونہی جانی پہچانی نہیں لگی تھی۔ یہ وہ دوسرا شخص تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے لینڈ روور جیپ سے نکل کر راہِ فرار اختیار کر گیا تھا۔ اس نے اپنا نام راہول بتایا تھا۔ اس کے ساتھی نے خود کو دلیپ کے نام سے متعارف کرایا تھا اور وہ بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے میرے پستول کی گولی سے ہلاک ہوا تھا۔ اس کی لاش ابھی تک وہیں کہیں درختوں میں پڑی تھی۔ ہمیں ہرگز امید نہیں تھی کہ ہم اس کے دوسرے مفرور ساتھی کو اتنی جلدی دوبارہ دیکھیں گے اور وہ بھی اسی حالت میں۔

ہم نے اس زخمی کو فوراً اٹھا کر گھوڑا گاڑی میں پہنچایا۔ اقبال اس کے کندھے کا خون بند کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس راہول نامی شخص کو حیرت انگیز طور پر کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ کندھے کے بڑے زخم کے سوا اس کے جسم پر کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی۔ بس چند چھوٹی بڑی خراشیں تھیں۔ اس شخص کے بے ہوش ہونے میں شاید چوٹ سے زیادہ ذہنی صدمے کو دخل تھا۔

اس راہول نامی شخص کی طرف سے مطمئن ہو کر میں، عمران اور ہوشیار سنگھ پھر اس جگہ پر آئے جہاں عمران سرکس کے تماشے کی طرح درخت کی شاخ سے جھولتا نظر آیا تھا۔ عمران نے ٹارچ کا روشن دائرہ نیچے گہرائی میں پھینکا اور بولا۔ ''یہ ریچھ بھائی بڑے خوش قسمت نکلے ہیں۔ لگتا ہے کہ ریچھنی بھابی نے ان کے بازو پر امام ضامن باندھ کر شکار کے لیے بھیجا تھا۔''

اس نے ٹارچ کا روشن دائرہ ایک بار پھر گہرائی میں اور مجھے کچھ دکھانے کی کوشش کی۔ یہ گہرائی کی عمودی دیوار پر اگی ہوئی دو جڑواں جھاڑیاں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ نیم افقی رخ پر اگی ہوئی ہیں۔ ان جھاڑیوں پر کچھ ایسے نشانات دکھائی دیے جنہیں خون کے نشانات کہا جا سکتا تھا۔ بہرحال تیس چالیس فٹ کی گہرائی میں ٹھیک سے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''بھائی ریچھ صاحب بچ گئے ہیں۔ وہ کسی میزائل کی طرح اندھا دھند میرے پیچھے لپکے تھے۔ میں تو کنارے پر پہنچ کر شاخ سے جھول گیا اور وہ نیچے تشریف لے گئے لیکن قسمت اچھی تھی جو تحت الثریٰ میں جانے کے بجائے ان جھاڑیوں میں گرے اور پھر یہاں سے سنبھل کر نیچے اتر گئے۔ میرے خیال میں اگر ہمارے پاس سرچ لائٹ ہوتی تو ہم انہیں نیچے کہیں حرکت کرتے دیکھ سکتے تھے۔ اس طرح سے...'' عمران نے لنگڑاہٹ کے ساتھ تھوڑا سا چل کر دکھایا۔

ہوشیار سنگھ بولا۔ ''پھر ہمیں اتنی تسلی سے یہاں کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی ریچھ صاحب دائیں بائیں سے چکر کاٹ کر پھر ہمارے پاس پہنچ جائیں۔''

عمران مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''جگرا اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ نہ دیکھو کہ کس نے بات کی ہے، یہ دیکھو کہ کیا بات کی ہے۔ سردار ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اب ہمیں یہاں سے کھسکنا چاہیے۔ ویسے بھی ہمارے سسرالی اب قریب آتے جا رہے ہیں۔'' عمران نے دور نیچے درختوں میں حرکت کرتی روشنیوں کو دیکھ کر کہا۔

یہ ریچھ اور راہول والا سارے کا سارا واقعہ بہ مشکل چھ سات منٹ میں مکمل ہو گیا تھا... یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگے ہوں گے۔ اس دوران میں ہمارا تعاقب کرنے والی روشنیاں زیادہ واضح دکھائی دینے لگی تھیں۔ صاف پتا چلتا تھا کہ یہ روشنیاں بتدریج ہماری طرف بڑھ رہی ہیں۔

ہمارے واپس آنے تک گھوڑا گاڑی کے اندر اقبال نے راہول کے کندھے سے بہنے والا خون بند کر کے وہاں پٹی باندھ دی تھی۔ تاہم وہ ابھی تک شدید صدمے اور نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس کے لباس اور چہرے پر ریچھ کے سرخی مائل بال چپکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ راہول کو دیکھنے کے بعد میں جیپ میں واپس آ گیا۔ ہم پھر روانہ ہو گئے۔

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

رہی تھی۔ ہم اپنے عقب سے مکمل طور پر باخبر تھے۔ اچانک ایک نئی بات میرے ذہن میں آئی۔ میں نے گھوم کر ... کو دیکھا جو شکار شدہ پرندوں کے ساتھ ہی جیپ کی ... نشست پر پڑا تھا۔ میں نے کہا۔ "عمران! کہیں ہمارا یہ اندازہ غلط تو نہیں کہ ہمارے پیچھے حکم جی کے لوگ ہیں؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"جو انٹینا سگنل وصول کرتا ہے، وہ ہمارے پاس ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس کوئی دوسرا انٹینا نہیں ہے تو وہ ہمارے پیچھے کیسے آسکتے ہیں؟"

"ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس دوسرا انٹینا ہو۔"

"یہ تو ایک قیاس ہی ہے نا۔"

"چلو ابھی تھوڑی دیر میں پتا چل جاتا ہے۔" عمران نے کہا۔

میرا تجربہ ہے کہ بندہ بعض اوقات ایک چیز کے بارے میں قیاس کرتا ہے پھر اس کا قیاس پختہ ہوتا چلا جاتا ہے اور حالات کے سارے اشارے قیاس کو مضبوط کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ آخر میں وہ قیاس بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اب ہم سوچ رہے تھے کہ ہمارے پیچھے حکم جی کے لوگ آرہے ہیں۔ راہول اور دلیپ کے انٹینا سمیت پکڑے جانے کی وجہ سے ہمارے اندر ایک اندیشہ پیدا ہوا تھا اور اب یہ مضبوط ہوتا جارہا تھا۔ حالانکہ یہ غلط بھی ہوسکتا تھا۔ ممکن تھا کہ یہ ستیش اور اس کے ساتھی ہوں جو استھان سے ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہوں یا پھر ڈکیتوں کا کوئی گروہ ہو، جیسا کہ دلیپ اور راہول نے بتایا تھا کہ یہاں ایسے جتھے گھومتے رہتے ہیں... اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بالکل ہی غیر متعلق لوگ ہوں جو بس اپنے کام سے کام رکھتے ہوں اور اپنی راہ پر چلے جارہے ہوں۔

ہم آگے بڑھتے رہے، روشنیاں ہمارے پیچھے رہیں۔ گھنے درختوں کے درمیان سے ہمیں لگا ہے بگاہے ان کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ چونکہ ہم مکمل اندھیرے میں سفر کررہے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ہماری رفتار بھی کم تھی۔ عقبی روشنیاں ہمارے قریب آتی جارہی تھیں مگر پھر ایک موقع ایسا آیا جب ہمیں اندازہ ہونے لگا کہ یہ حکم جی کے لوگ نہیں ہیں... ہمارے پیچھے آنے والی روشنیاں واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گئیں۔ کچھ روشنیاں تو ہماری سیدھ میں سفر کرتی رہیں اور کچھ ایک نیم دائرے کی شکل میں بائیں رخ پر نکل گئیں۔ یہ

رہے ہیں، اس کی سمت کا ٹھیک پتا نہیں چل رہا ہے۔

... کیا ...

"شاید یہ حکم جی کے لوگ نہیں ہیں۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ یہ لوگ سیدھے ہمارے پیچھے نہیں آرہے مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ حکم کے ہرکارے ہی ہوں مگر ان کے پاس سگنل وصول کرنے والا انٹینا نہ ہو... ابھی تم نے یہی بات کی ہے نا؟"

"تمہاری بات درست ہے۔" میں نے تائید کی۔ "لیکن ایک اور بات بھی سوچنے کی ہے۔ اگر یہ حکم کے لوگ ہی ہیں اور دلیپ وغیرہ نے واکی ٹاکی پر انہیں ہمارے بارے میں اطلاع دی ہے تو پھر ابھی تک یہ واکی ٹاکی خاموش کیوں ہے؟"

"اب تمہاری عقل، کچھ کچھ کام کرنا شروع ہوگئی ہے۔" عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

واکی ٹاکی ابھی تک چالو حالت میں تھا اور ڈیش بورڈ پر رکھا تھا۔ اس کی رینج اتنی تو ضرور رہی ہوگی کہ چار پانچ میل کے دائرے میں کام کرسکے اور اگر واقعی ایسا تھا تو پھر اس کا کچھ نہ کچھ کھٹ پٹ تو ہونی ہی چاہیے تھی۔

ہم نے سفر جاری رکھا۔ جو ٹولی ہماری سیدھ میں آرہی تھی، اس کا فاصلہ اب ہم سے قریباً نصف کلومیٹر رہ گیا تھا۔ یہ لوگ یقیناً گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ شاید دو چار ٹارچیں بھی ہوں۔ مشعلوں کی سرخ روشنی ٹارچوں کی روشنی سے بالکل مختلف دکھائی دیتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جو ٹولی ہمارے پیچھے آرہی ہے، اس کے پاس کتے بھی ہیں۔ کتوں کی آوازیں ہم تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہماری کوئی نیکی ہمارے کام آنے والی ہے۔" عمران نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، لگ تو مجھے بھی رہا ہے۔"

اور واقعی صورت حال میں اچھی تبدیلی نظر آرہی تھی۔ ہمارے پیچھے آنے والی ٹولی ہمارے پیچھے آنے کے بجائے تھوڑا سا بھٹکی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

درختوں کا ایک گھنا جھنڈ نظر آرہا تھا۔ عمران نے کہا۔ "کیوں نہ ہم کچھ دیر کے لیے ان درختوں کے پیچھے جائیں؟"

"صرف ان معاملوں کی بات نہیں، میرا تجربہ ویسے بھی ...

"...

... کے نتھنوں سے بھاپ خارج ہورہی تھی۔ ان کے پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ عمران جیپ کو آہستہ روی سے چلا کر جھنڈ کے پیچھے لے گیا۔ ہوشیار سنگھ بھی گاڑی وہیں لے آیا۔

"کیوں جی، رک کیوں گئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

عمران بولا۔ "اسے رکنا نہیں، بریک لینا کہتے ہیں اور بریک ایسی چیز ہے جس کے بغیر آج کل کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ٹی وی چینل تو چلتے ہی بریک لینے کے لیے ہیں۔ بس بریکوں کے درمیان کہیں کہیں پروگراموں کی جھلک نظر آتی ہے۔ اور غور کرو، کتنی برکت ہے ان بریکوں میں۔ اب ہر طرف چینل ہی چینل اور بریکیں ہی بریکیں نظر آتی ہیں۔"

"تو آپ بھی برکت کے لیے رکے ہیں؟" ہوشیار سنگھ نے پوچھا۔

"بے شک، کبھی کبھی حرکت نہ کرنے میں بھی برکت ہوتی ہے۔" عمران نے کہا اور دور عقب میں متحرک روشنیوں کو دیکھنے لگا۔

یوں لگ رہا تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والے ہماری دائیں جانب کوئی دو تین سو میٹر کے فاصلے سے گزر جائیں گے۔ ہم اپنی جگہ دم سادھے بیٹھے رہے اور ان کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ روشنیاں قریب آتی گئیں۔ قریب آنے کے بعد ان کا رخ ایک بار پھر تبدیل ہونے لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ سیدھا اس جھنڈ کی طرف ہی آجائیں گے۔ یہ بڑے نازک لمحے تھے۔ ہمارے ذہنوں میں موجود تمام تر اندیشے ایک بار پھر جاگ گئے۔ کہیں واقعی ہمیں کسی ذریعے سے ٹریس تو نہیں کیا جارہا تھا؟

اگر ایسا تھا تو پھر ہمارا یہاں رکنا واقعی بہت بڑی غلطی تھی۔ یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ مناسب طریقے سے مورچا بندی کی جاسکتی۔ بہرطور ہم نے اپنی رائفلیں وغیرہ تیار کرلیں اور ہر طرح کی صورت حال کے لیے الرٹ ہوگئے۔

متحرک روشنیاں ہمارے سامنے سے صرف ساٹھ ستر میٹر کی دوری سے گزر گئیں۔ یہ قریباً پچاس کے قریب گھڑسوار تھے۔ ان کی مشعلوں کی روشنی تاریک جنگل میں عجیب منظر پیش کررہی تھی۔ وہ آپس میں بلند آواز میں باتیں بھی کررہے تھے۔ پھر ان میں سے کسی نے بجرنگ بلی کا زوردار نعرہ لگایا اور جواب میں گویا سب نے کارستانی دی۔ انہیں دیکھنے اور سننے

نئی لغت

پانی: جس کی قیمت دودھ میں ڈال کر معلوم کی جاسکتی ہے۔

حقہ: دس سگریٹ، ایک ہی کش میں۔

شوہر: کاش یہ خطاب مجھے نہ ملا ہوتا۔

زبان: یہ بغیر پیٹرول کے چلتی ہے۔

وادی: پرانا ماڈل۔

عورت: ایک خطرہ، بغیر سگنل کا۔

خبرنامہ: پی ٹی وی کا سب سے پرانا کھیل۔

آرٹسٹ: چلتی پھرتی مشین۔

معیاری کھیل: انتظار فرمایئے۔

ثابت قدم: جو شادی کرکے بھی نہ پچھتائے۔

جوتے: کنواروں کے پہننے کے لیے اور شوہر کے کھانے کے لیے۔

شعر: جس کے دونوں مصرعے آپس میں حقیقی بھ... ہوں۔

فورٹ عباس سے محمد عباس مرزا کی لغت

کے بعد ہمیں اس بات میں ذرا سا شبہ بھی نہیں رہا کہ یہ ... کے لوگ نہیں ہیں۔ دراصل یہ لوگ استھان سے ہ... پیچھے آئے تھے۔ یقیناً ان میں ستیش، مہندر، بھولا ناتھ ... کے بہت سے جنونی ساتھی بھی شامل تھے۔ یہ لوگ غ... بپھرے ہوئے تھے۔ ہم نے استھان میں ان کے ... تین بندوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور یہی نہیں ... مہا گرو اور اس کی بیٹی کو یرغمال بنانے کے قصور ... تھے... اور اس کے علاوہ ہمارا ایک بڑا پاپ یہ تھا کہ ... سلطانہ جیسی "اپرادھن" کو قرار واقعی سزا سے بچایا ... اسے استھان میں سے لے کر صاف نکل آئے تھے۔

یہ غضب ناک ٹولہ ہمارے قریب سے گزرتا رہا ... جھنڈ کے پیچھے ساکت و جامد موجود رہے۔ اس ... ہمارے گھوڑوں میں سے کوئی ہنہناتا یا پھنکارنا شروع ... تو بھی ہمارے لیے مشکل کھڑی ہوسکتی تھی۔ بہرطور ... خیریت گزر گیا۔ روشنیاں ہم سے دور ہوتی چلی گئیں ... دھیرے دھیرے تاریک درختوں کے پیچھے اوجھل ہو... اب بس کبھی کبھی ان کی جھلک سی دکھائی دیتی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

...یا صرف صبر وتحمل اور عمران کے مضبوط اعصاب کی وجہ سے ہو سکا تھا۔ اقبال، ہوشیار سنگھ اور طلال وغیرہ بھی گھوڑا گاڑی ... سے اتر آئے تھے۔

ہوشیار سنگھ عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں جی۔ کبھی کبھی واقعی حرکت نہ کرنے میں بھی برکت ہوتی ہے۔“

ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہوا لیکن اس مرتبہ رخ تھوڑا سا مختلف تھا۔ میں نے عمران سے پوچھا۔ ”ہم کہیں جا رہے ہیں یا بس یونہی سفر کرتے چلے جا رہے ہیں؟“

وہ فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ”ہم سب کے سب کہیں جا رہے ہیں۔ راستے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن منزل ایک ہی ہے۔ ایک دن ہم سب نے ایک تاریک اندھیرے میں گم ہو جانا ہے۔“

”وہ تو ہو ہی جانا ہے لیکن میں اب کی بات کر رہا ہوں۔“

”اب ہم ایک ڈراما کرنے جا رہے ہیں۔“ عمران روانی سے بولا۔

”مجھے بھی ڈرامے میں کام کرنے کا بڑا شوق ہے جی۔“ ہوشیار سنگھ نے کہا۔ ”ادھر ہم انڈین پنجاب میں پاکستانی ڈرامے بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ خاص طور سے اسٹیج ڈرامے۔ ہنس ہنس کر ہماری تو پسلیاں پیڑ کرنے لگتی ہیں۔“

”لیکن یہ اور طرح کا ڈراما ہے۔ یہ ہم جن کے لیے کر رہے ہیں، ان کو ہنسی نہیں آئے گی۔ رونا آ جائے تو اور بات ہے۔“

ہوشیار سنگھ نے عمران کو تھوڑا سا کریدنا چاہا مگر جب وہ مجھے بتا کر نہیں دے رہا تھا تو ہوشیار سنگھ کو کیسے بتا دیتا؟ ادھر ادھر کی ہانک کر اس نے ہوشیار سنگھ کو خاموش کر دیا۔

ہم نے مناسب رفتار سے تقریباً پانچ کلومیٹر تک سفر کیا۔ یہاں تک کہ ایک پتھریلی ڈھلوان کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ ڈھلوان نیچے بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی... خاکستری پتھروں والی یہ ”ڈھلوان سنگ“ دراصل اسی کھائی کا ایک حصہ تھی جہاں ہم کچھ دیر پہلے رکے تھے اور جہاں عمران نے ڈرامائی انداز سے ایک خطرناک جنگلی ریچھ سے پیچھا چھڑایا تھا۔ وہ مناظر ابھی تک ہم سب کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔

ہے لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ سب کچھ اس ... [illegible]

ڈھلوان میں اتارنے کے بجائے دائیں رخ پر موڑ ... گھوڑا گاڑی بھی ہمارے پیچھے آئی۔ صرف سو ڈیڑھ سو میٹر چلنے کے بعد ہم پھر رک گئے۔ اس مرتبہ ہمارے سامنے ایک آبی گزرگاہ تھی جو شیشم، چنار اور یوکلپٹس کے گھنے درختوں میں آہستہ روی سے بہتی ہوئی جنوب کی سمت جا رہی تھی۔ کناروں پر جنگلی گھاس تھی اور نیم تاریکی میں پانی کی قلقل سنائی دیتی تھی۔

”اب کیا کرنا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بس جھاڑو پھیرنا ہے اور تھوڑی سی جھاڑ پونچھ کرنا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں اجلاس ہونا ہے درختوں کے نیچے۔ دراصل امریکی ریاست ہونولولو میں ہمارے نیوز چینل فاکس پلس کے فوٹو گرافر کا کیمرا توڑا گیا ہے اور لیڈی رپورٹر کے بال کھینچے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر احتجاج کا پروگرام ہے۔ بہت سی چڑیلیں اور چڑیلے یہاں جمع ہونے والے ہیں...“

مجھے یقین تھا کہ عمران جھاڑو دینے والی بات مذاق میں کر رہا ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی جب دس پندرہ منٹ بعد عمران اور اقبال واقعی صفائی پر کمربستہ نظر آئے... انہوں نے چھوٹے دستے والی کلہاڑی کی مدد سے درختوں سے کئی ایک شاخیں توڑیں۔ ان شاخوں کے ساتھ پتے بھی موجود تھے اور وہ دیکھنے میں جھاڑوؤں کی طرح لگتی تھیں۔ عمران نے میرے علاوہ ہوشیار سنگھ، طلال اور گرو سوبھاش وغیرہ کو بھی یہ جھاڑو نما شاخیں تھما دیں۔

اگلے پندرہ بیس منٹ تک ہم کافی مصروف رہے۔ ڈھلوان سے واپس مڑ کر ہم نے قریباً ڈیڑھ سو میٹر کا فاصلہ طے کیا تھا۔ اس کچے راستے پر جیپ اور گھوڑا گاڑی کے پہیوں نے جو بھی ہلکے پھلکے نشانات بنائے تھے، وہ ہم نے شاخوں کی مدد سے یکسر ناپید کر دیے۔ یہاں خشک پتوں کی بہتات تھی۔ نشانات ختم کرنے میں ان پتوں نے بھی کافی مدد کی۔ عمران اور اقبال نے پہلی بار ٹارچیں جلائیں اور مختلف جگہوں سے جائزہ لے کر اس بات کا اطمینان کیا کہ نشانات واقعی اوجھل ہو چکے ہیں۔

... ہی، وہاں بھی تین فٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہم ... [illegible] ... کے گھوڑے پچکارتے اور ...

رہے۔ اب میرے لیے یہ جاننا دشوار نہیں تھا کہ عمران نے اپنے سفر کے نقوش مٹانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ اگر کچھ لوگ ہماری گاڑیوں کے پہیوں کے نشانات کے ذریعے ہمارا پیچھا کرتے تو سو فیصد بھٹک جاتے۔ وہ پتھریلی ڈھلوان تک پہنچتے اور یہی سمجھتے کہ ہم ڈھلوان پر اتر گئے ہیں... کیونکہ اس کے بعد انہیں اردگرد کہیں بھی ہمارے سفر کے نقوش نظر نہیں آتے۔

ہم نے پایاب پانی میں بہاؤ کے رخ پر قریباً آٹھ کلومیٹر تک سفر کیا۔ اس سفر کی رفتار تو سست رہی لیکن ہمیں کہیں بھی کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔ صرف ایک دو جگہ ایسا ہوا کہ گھوڑا گاڑی کے پہیے پانی کے اندر کسی گڑھے میں اٹکے اور ہمیں اپنی پتلونیں اور پاجامے اڑس کر اور یخ پانی میں اتر کر اسے دھکا لگانا پڑا۔

بالآخر ایک سنگریزوں کے اوپر پانی کا یہ سفر ختم ہوا اور ہم اس آبی گزرگاہ سے باہر نکل آئے۔ اس سفر کے دوران میں عمران کی دلچسپ گفتگو جاری رہی تھی۔ اس نے کہا کہ آج جس طرح اس نے آٹھ نو کلومیٹر تک ندی میں جیپ چلائی ہے، اسی طرح وہ عنقریب سڑک پر کشتی چلا کر دکھائے گا اور ملک وملت کا نام روشن کرے گا۔ اس بات پر ہوشیار سنگھ خوب ہنسا تھا۔

سفر میں لگنے والے مسلسل ہچکولوں کے سبب گھوڑا گاڑی میں زخمی راہول کو تکلیف ہوتی رہی تھی اور وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں ہی کراہتا رہا تھا۔ اس کی کراہیں بار بار ہمارے کانوں تک بھی پہنچتی تھیں۔ ان کراہوں میں تکلیف کے ساتھ ساتھ وحشت کا عنصر بھی شامل تھا۔ وحشت کی وجہ یقیناً وہ لرزہ خیز واقعہ ہی تھا جو اس شخص کے ساتھ تاریک درختوں میں پیش آیا تھا۔ جنگلی ریچھ کی وحشت، اس کا راہول کو چھوڑ کر عمران پر جھپٹنا اور ہونا اور پھر خطرناک انداز میں اچھلنا اور جھپٹنا... سب کچھ میری نگاہوں میں آیا اور سنسنی جگا گیا۔ پتا نہیں کیوں میرا دل چاہا کہ اس وقت عمران کی جگہ میں ہوتا، ریچھ اس کے بجائے میرا پیچھا کرتا اور عمران کے بجائے میں اس سے نمٹتا۔

ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔ میں نے عمران سے کہا۔ ”کچھ بتاؤ بھی کہ ہمیں جانا کہاں ہے؟“

...موت... یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ شعلے نے کہا تھا...“

”شعلے گیا بھاڑ میں۔ اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ میں ...

... چپ گیا۔

”اچھا... اچھا... اب ہم فتح پور جا رہے ہیں... واقعی فتح پور جا رہے ہیں۔ یہ کچے کے پاس ہی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ یہاں سے گومتی ندی کی ایک بڑی شاخ گزرتی ہے۔ بہت ساری مچھلی پائی جاتی ہے اس پانی میں۔ یہاں کے لوگ مچھلی پکڑتے ہیں اور مزے کرتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ میرے رشتے دار ہیں۔“

”رشتے دار ہیں؟“

”ہاں، میں نے یہاں کئی ایک شادیاں کر لی ہیں۔ آٹھ دس تو میرے سسرالی گھر ہیں۔ آگے ان کی رشتے داریاں ہیں۔ لمبا چوڑا سلسلہ ہے۔“

”کیا ہانک رہے ہو؟“

”مذاق نہیں کر رہا جگر! یہاں آ کر میں نے جلال الدین اکبر اعظم کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اس شخص کو بھی باہمی رواداری اور امن محبت قائم رکھنے کا ایک بڑا اچھا گر ہاتھ آیا ہوا تھا۔ اس نے ہر مذہب، فرقے اور ذات کی نیک بیبیوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ انجوائے منٹ کی انجوائے منٹ اور امن کا امن۔ جہاں کہیں بغاوت پھوٹنے کا اندیشہ ہوتا تھا، مغل اعظم صاحب دولہا بن کر پہنچ جاتے تھے اور مستقبل کے باغی ان کے قریبی رشتے دار بن کر ان کی عنایتوں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیتے تھے۔ اسی طرح بغاوتیں چل چل کر جناب چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کر گئے۔ میں نے بھی فتح پور میں اس طریقہ حکومت کو چھوٹے پیمانے پر آزمانے کی کوشش کی ہے۔“

”اکبر اعظم نے تو اپنا دین بھی بنا لیا تھا۔ تم نے کون سا شوشا چھوڑا ہے؟“ میں نے اس کی گپ میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”اب تم آ گئے ہو تو شوشا چھوڑنے میں کون سی دشواری ہے۔ مل بیٹھ کر کچھ کر لیں گے۔“

وہ ادھر ادھر کی ہانک رہا تھا لیکن اس بات کا صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ ایک طے شدہ راستے پر جا رہا ہے۔

قریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہمارے اردگرد درختوں کی بہتات دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔ پھر سرکنڈے اور جھاڑیاں نظر آنی شروع ہو گئیں۔ یہ مناظر اس بات ک...

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ہمیں ایک چھوٹی سی بستی کے آثار نظر آئے۔ کسی کسی گھر میں لالٹین کی مدھم روشنی موجود تھی۔ بستی کے بیچوں بیچ مندر کی مخروطی چھت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسجد کا مینار بھی تھا۔ رات کا اندھیرا اب دھیرے دھیرے صبح کے اجالے میں مدغم ہو رہا تھا۔ نیم تاریک آسمان پر صبح کا تارا بہت روشن نظر آ رہا تھا۔ یہ چھوٹی سی بستی رات بھر کی نیند کے بعد جیسے ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی۔

ہمارے بستی تک پہنچتے پہنچتے کافی روشنی ہو گئی۔ بستی کی کچی زمین اوس سے نم تھی، دھند کے ریلے گلی کوچوں میں گشت کر رہے تھے۔ جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے لوگوں نے گھروں کے اردگرد باڑیں سی بنا رکھی تھیں۔ بستی میں داخل ہونے سے پہلے ہی عمران نے جیپ ایک جگہ گھنے سرکنڈوں کے اندر کھڑی کر دی۔ شکار کا گوشت اور انٹینا وغیرہ جیپ سے نکال لیا گیا۔ اس انٹینا کو راستے میں ہی عمران نے ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ دوبارہ کسی کے ہتھے چڑھے اور ہمارے لیے مصیبت کا باعث بنے۔ ہم پیدل ہی آگے بڑھے۔ گھوڑا گاڑی ہمارے ساتھ ساتھ بستی میں داخل ہوئی۔ دو نوجوان مویشیوں کو ہانکتے ہوئے کھیتوں کی طرف لے جا رہے تھے۔ انہوں نے گھوڑا گاڑی کو اور اس کے سکھ کوچبان کو ذرا تعجب سے دیکھا۔ پھر ان کی نگاہ میرے پہلو میں چلتے عمران پر پڑی اور ان کے چہروں سے تردد دور ہو گیا۔ ایک نوجوان نے دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر ہانک لگائی۔ ’’سلام عمران بھیا۔‘‘ دوسرے نے کہا۔ ’’نمستے عمران بھائی۔‘‘

عمران نے دونوں کے سلام کا جواب خوش دلی سے دیا۔ کچھ آگے گئے تو ایک بڑھیا نے عمران کی بلائیں لیں۔ لگتا تھا کہ وہ ہر جگہ کی طرح اس بستی میں بھی کافی مقبول ہے۔ چھوٹے بڑے اس سے بے تکلف دکھائی دے رہے تھے۔ عمران کو دیکھ کر ان کے چہروں پر عجیب سی خوشی چمک جاتی تھی۔

ہم مختلف گلیوں سے گزرنے کے بعد مندر کے پچھواڑے واقع ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچے۔ عمران نے لکڑی کے بند دروازے پر دستک دی۔ دوسری دستک پر اندر سے کسی بڑی عمر کے شخص نے ڈری ڈری آواز میں پوچھا۔ ’’کون ہے؟‘‘

’’میں ہوں تایا۔‘‘ عمران نے جواب دیا۔

اندر والے کی پھر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے اپنا سوال دہرایا۔ عمران نے بھی جواب دہرایا۔ مزید تصدیق کے لیے

کسی نے دروازے کی جھری میں سے جھانکا [illegible] ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں [illegible]

عمران نے اسے ’’سلام تاؤ‘‘ کہا۔

وہ بھی گھوڑا گاڑی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ ’’اس میں کون ہے؟‘‘ اس شخص نے پھر ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا۔

’’اپنے ہی لوگ ہیں تاؤ۔ ڈرنے کی بات نہیں۔ دور سے آئے ہیں۔ کچھ کھانے دانے کا انتظام بھی کرنا ہو گا۔‘‘

اسی دوران میں مہاگرو سوبھاش، اس کی بیٹی رادھا، طلال، سلطانہ اور اقبال وغیرہ بھی گاڑی سے اتر آئے۔ [illegible] ہوش میں آ چکا تھا۔ اس کے اردگرد تین رائفلیں موجود تھیں اور وہ جانتا تھا کہ بھاگنے کا کوئی چانس نہیں ہے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ گھر کا مالک اقبال اور عمران کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا۔ ہم سب عمران اور اقبال کے ساتھ اندر آ گئے۔ گھر کا صحن کشادہ تھا۔ ایک برآمدہ اور اس کے عقب میں تین چار نیم پختہ کمرے تھے۔ ایک طرف سرکنڈوں کے چھپر کے نیچے دو بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ کچے صحن میں مرغیاں بھاگتی پھرتی تھیں۔ گھر کی حالت سے گھر والوں کی کمزور مالی حالت کا اندازہ ہوتا تھا۔

ایک کمرے کی کھڑکی کے پیچھے تھوڑی سی ہلچل نظر آئی جس سے اندازہ ہوا کہ یہاں کوئی پردہ دار عورت یا عورتیں موجود ہیں۔

عمران نے ادھیڑ عمر شخص کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ’’یہ تاؤ افضل ہیں۔۔۔ یہ یہاں کے پرانے چوکیدار ہیں۔ کچھ دن پہلے ان کی بیوی فوت ہوئی ہے۔ تب سے یہ چوکیداری چھوڑ چکے ہیں اور گھر میں ہی رہتے ہیں۔ ان کی دو بیٹیاں بھی ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔‘‘

میں سمجھ گیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کھڑکی کے بوسیدہ پردے کے پیچھے جو ہلچل نظر آئی تھی، وہ ان کی بیٹیوں کی ہی تھی۔

تاؤ افضل اتنے سارے مہمانوں کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ عمران نے زخمی راہول کو اقبال کی نگرانی میں دے دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ اس کی طرف سے پوری طرح ہوشیار رہے۔ راستے میں راہول نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ مختار کے لیے ہی کام کرتا ہے اور اپنے ساتھی دلیپ کے ساتھ مجھے ٹریس کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ تاہم اس نے اصرار کے ساتھ کہا کہ میری یہاں موجودگی کا علم ابھی اس کے کسی ساتھی کو نہیں ہوا۔ اس کے تقریباً دو درجن مسلح ساتھی سات آٹھ [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کی دوری پر ایک زرعی گودام میں موجود تھے۔ ... پانڈے کی کمان میں تھے۔ میرے ٹریس ہو جانے ... دلیپ اور راہول اپنے کمان دار رنجیت پانڈے سے رابطہ کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ وائی فائی پر کوشش کر رہے تھے لیکن اسی دوران میں وہ سگنل وصول کرتے ہوئے ہمارے زیادہ قریب چلے آئے اور ہمارے ساتھ ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔

عمران نے سلطانہ اور رادھا کو تاؤ افضل کی بیٹیوں کے پاس کمرے میں بھیج دیا اور ہمیں لے کر ایک دوسرے کشادہ کمرے میں آ گیا۔ جب سلطانہ اور رادھا کمرے میں جا رہی تھیں، میں نے دیکھا کہ افضل کی نظر سلطانہ پر پڑی ہے اور وہ کچھ چونکا ہے۔ اس کے بعد اس کے چہرے کی پریشانی میں ایک طرح کا تجسس بھی شامل ہو گیا۔ وہ بار بار سوالیہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس سے کچھ پوچھنا چاہ رہا ہو۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ عمران کو کندھے سے پکڑ کر برآمدے کی طرف لے گیا۔

عمران کی واپسی دس پندرہ منٹ بعد ہوئی۔ اس دوران میں گھر کے اندر سے تلے ہوئے انڈوں اور حلوے وغیرہ کی دیسی خوشبو آنے لگی تھی۔ حلوے کی خوشبو محسوس کرنے کے بعد مہاگرو کی بجھی ہوئی آنکھوں میں تھوڑی سی چمک نمودار ہوئی۔ سرد موسم میں بھوک زیادہ لگتی ہے جبکہ گرو اور رادھا نے قریباً چھتیس گھنٹے سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

کسی قریبی کمرے سے برتنوں کی کھن کھن اور چوڑیوں کی چھن چھن سنائی دیتی رہی اور پھر کھانا ہمارے سامنے آ گیا۔ دو بڑے چنگیروں میں پیٹ بھرنے کے مناسب لوازمات موجود تھے۔

کھانے کے دوران میں، میں نے اقبال سے سرگوشی میں پوچھا۔ "لگتا ہے کہ تم اس گھر میں رہتے رہے ہو؟"

"رہتے رہے ہو... سے کیا مطلب... ہم یہاں اسٹیٹ میں آنے کے بعد زیادہ دیر رہے ہی یہاں پر ہیں۔" اس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"یہ تاؤ افضل کچھ ڈرا ہوا سا بندہ لگتا ہے۔"

"بس حالات نے اسے ڈرایا ہوا ہے، ورنہ یہ دلیر شخص تھا۔ جو بندہ کالی راتوں میں جاگ کر بستی کا پہرا دیتا ہو اور یہاں رہنے والوں کی حفاظت کرتا ہو، وہ ڈرپوک تو نہیں ہوتا۔"

"حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے مدھم آواز میں پوچھا۔

اقبال نے ... کہا۔ "بے چارہ ...

... "کون لوگ تھے؟"

"وہی جن کے جان مال کی زیادہ حفاظت کرتا تھا تاؤ افضل۔ بستی کے کھیا رشید احمد کا بیٹا سلیمان اور اس کے یار دوست۔ وہ رات کو افضل کے گھر میں گھس آئے۔ اس کی جوان بیٹیوں سے زیادتی کرنا چاہی۔ نشے میں وحشت ہو کر ان کے کپڑے پھاڑ دیے۔ ان کے جسم نوچ لیے۔ ان کی والدہ آڑے نہ آتی تو وہ سب کچھ کر گزرتے۔ کمزور عورت نے اپنی جان دے کر بیٹیوں کی عزت بچائی۔"

"اوہ... تمہارا مطلب ہے افضل کی بیوی؟"

اقبال نے اثبات میں سر ہلایا۔ "افضل کو بیوی سے بڑا پیار تھا۔ اس کی موت کا غم اسے لے بیٹھا۔ کبھی کبھی تو خود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ تین تین دن فاقے سے گزار دیتا ہے۔ رات کو باہر والے دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھا رہتا ہے اور بیٹیوں کا پہرا دیتا ہے۔ جبلیوں کی طرح ان کی نگرانی کرتا ہے۔ ابھی تم نے دیکھا ہی ہوگا، جب ہم آئے تب بھی وہ لاٹھی لیے دروازے کے پاس بیٹھا تھا۔"

کھانے سے فارغ ہو کر میں اور اقبال کچے صحن میں بچھی چارپائی پر آ بیٹھے۔ یہاں دھوپ تھی جو ہمارے رات بھر ٹھٹھرے ہوئے جسموں کو سکون دے رہی تھی۔ دیہات کی مخصوص خوشبو جس میں ہری مٹی، گوبر اور نباتات کی باس ہوتی ہے، اطراف میں پھیلی ہوئی تھی۔ اقبال نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "افضل اور اس کی بیٹیوں کی کہانی کچھ مختلف نہیں ہے۔ ان کے ساتھ وہی کچھ ہوا ہے جو طاقتوروں کی طرف سے کمزوروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر عمران یہاں آ کر افضل اور اس کی بیٹیوں کا سہارا نہ بنتا تو اب تک یہ دونوں لڑکیاں کھیا کے اوباش بیٹوں کے ہتھے چڑھ چکی ہوتیں۔"

میں نے کہا۔ "عمران تو ڈھنگ سے کچھ بتا نہیں رہا، تم ہی بتاؤ کب سے ہو یہاں اور کیا کرتے رہے ہو؟"

"بس تمہیں ڈھونڈتے رہے ہیں اور کیا؟"

"لیکن تم یہاں پہنچے کیسے؟"

"میرے خیال میں یہ ساری تفصیل عمران ہی ... زیادہ اچھا ہے۔"

"اچھا اتنا بتا دو کہ یہاں تم کب سے ہو؟ میرا مطلب ہے فتح پور میں؟"

"پچھلے قریباً سات مہینوں سے۔ اب تو یہ ... بستی لگنے لگی ہے۔ عمران کا تو تمہیں پتا ہی ہے، جہاں ...

... ہے۔ سب سے بڑی مدد تو یہی ہے کہ اس نے رشید احمد اور اس کے بیٹوں کو لگام ڈالی ہے۔ انہوں نے اپنی من مانیوں سے بستی والوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے بستی والوں کے لیے کئی چھوٹے بڑے کام کیے ہیں۔ اب ہم پانچ چھ ہفتے بعد بستی واپس آئے ہیں۔ تم دیکھ لینا، تھوڑی دیر میں بہت سے لوگ یہاں ہماری خیر خیریت پوچھنے کے لیے جمع ہو جائیں گے۔"

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ تاؤ افضل اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا میری طرف آ گیا۔ میرے قریب بیٹھ کر غور سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "میری نظر کمزور ہو گئی ہے لیکن اتنی نہیں کہ میں تمہیں پہچان ہی نہ سکوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سمجھا تو میں بھی نہیں کہ تم انجان کیوں بن رہے ہو۔ میں تاؤ افضل ہوں... زرگاں میں تمہارے پڑوسی لوہار عبدالمجید کا بھائی۔ میں نے تمہاری بیوی سلطانہ کو بھی پہچان لیا ہے۔"

ایک دم ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ مجھے لگا کہ جیسے میں نے واقعی لمبی تھوڑی والے اس ادھیڑ عمر شخص کو کہیں دیکھا ہے لیکن کہاں اور کب؟ میں ٹھیک سے تعین نہ کر سکا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پھر وہی یادداشت والا معاملہ آ گیا ہے۔ کئی دوسرے لوگوں کی طرح یہ شخص بھی مجھے بڑی اچھی طرح جانتا تھا لیکن میرے لیے یہ اجنبی تھا۔

میں نے یونہی کہا۔ "مجھے تھوڑا تھوڑا یاد تو آ رہا ہے۔"

"مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ تمہیں تھوڑا تھوڑا یاد آ رہا ہے۔ مجھے تو ان دنوں کی ایک ایک بات یاد ہے۔ کہیں تم جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کر رہے ہو؟"

"نہیں، جان بوجھ کر تو نہیں کر رہا۔"

"میں پورے پانچ مہینے وہاں تمہارے پڑوس میں رہا تھا۔ عبدالمجید بیمار تھا۔ میں اس کی دیکھ بھال کے لیے وہاں رکا تھا۔ یاد آ رہا ہے؟"

"ہاں ہاں... میں سمجھ گیا۔" میں نے ایک بار پھر یونہی بات بنائی۔

افضل کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔ "تمہاری بچی کا کیا بنا؟" اس نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"بچی... وہ... تو... کون سی بچی؟"

"یار تم تو واقعی بڑے بھلکڑ ہو۔ ان دنوں کھاتے ...

... ہی تمہیں بچگی شروع ہو جاوت تھی۔ تین تین گھنٹے رکتی ... تھی۔ کتنے کمزور ہو گئے تھے تم۔ بخار تو ٹوٹتا ہی نا ... تمہارا۔"

"ہاں، اس بخار نے تو واقعی بڑا پریشان کیا تھا۔" ... نے گول مول بات کی۔

"تم اسے پریشانی کہت ہو۔ میں تو سمجھتا ہوں ... تمہارے بچنے کی کوئی آشا ہی نا تھی۔ یہ تو تمہاری بیوی ... ہمت اور کوشش ہے جس کی وجہ سے اوپر والے کو بھی تر... آ گیا۔ وید جی نہ آتے تو پتا نا ہیں کیا ہو جاتا۔"

"ہاں... وید واقعی قابل بندہ تھا۔"

"مگر جتنا قابل تھا، اتنا ہی مہنگا بھی تھا... بلکہ شاید یہ ... چاہیے کہ اتنا ہی لالچی بھی تھا۔ میں اندر خانے کی ساری با... جانت ہوں۔ اس نے تمہیں ٹھیک تو بے شک کر دیا لیکن ا... کے بدلے تمہاری بیوی کا ایک ایک گہنا اتروا لیا۔ میں نے ... سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ویسے بھی سلطانہ بیٹی ... مجھ سے کچھ چھپاتی نا ہیں تھی۔"

مجھے اس معاملے میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں ... نے ایک بار پھر گول مول بات کرتے ہوئے کہا۔ "زیور تو ... اس نے واقعی کوئی نہیں چھوڑا تھا۔"

"اور وہ رقم بھول گئے ہو جو نقد لی تھی اس نے؟"

"ہاں... رقم بھی تو تھی۔" میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی کوئی بھولا بسرا دھندلا سا منظر نگاہوں میں چمک گیا۔ جیسے کوئی فربہ ہاتھوں والا شخص کرنسی نوٹ گن رہا ہو اور سلطانہ مٹے ہوئے چہرے کے ساتھ میرے قریب کھڑی ہو۔

تاؤ افضل کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "بہت بڑا دل ہے سلطانہ کا۔ ایک ایک پائی جوڑ رکھی تھی اس نے بھائی کے علاج کے لیے۔"

"بھائی کے علاج کے لیے؟"

تاؤ افضل کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی۔ "ارے... تمہیں نا ہیں پتا وہ رقم کس لیے تھی؟"

"نن... نہیں... میں تو یہ بات... آج آپ کے منہ سے سن رہا ہوں۔"

تاؤ افضل کے چہرے پر نظر آنے والی حیرت بڑھ گئی۔ وہ غیر یقینی نظروں سے مجھے دیکھ کر بولا۔ "شاید تم مذاق کر رہے ہو۔"

"نہیں تاؤ... میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔"

تاؤ افضل چند لمحے تک مجھے بغور دیکھنے کے بعد بولا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"اب پتا نہیں کہ مجھے یہ بات تمہیں بتانی چاہیے [illegible] لیکن حقیقت یہی ہے کہ سلطانہ نے ویدجی کو زیورات کے علاوہ جو پندرہ ہزار روپے نقد دیے تھے، وہ اس نے اپنے اپاہج بھائی کے علاج کے لیے جمع کیے تھے، بچ بچ ایک ایک پائی جوڑ کر۔ وہ ساری رقم اس نے تمہارے علاج کے لیے ویدجی کو دے دی۔"

میں خاموشی سے تاؤ افضل کو دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہوں۔ تاؤ کی آنکھوں میں آنسو چمک گئے۔ وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "ایک اچھی بیوی اللہ کی سب سے خاص نعمت ہے۔ جس کو یہ نعمت ملے، وہ خوش بخت ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم خوش بخت ہو۔" اس نے چند لمحے توقف کرنے کے بعد پوچھا۔ "سلطانہ کے بھائی کا اب کیا حال ہے؟"

"ابھی تو ویسا ہی ہے۔" میں نے کہا اور یہ فقرہ ادا کرتے ہوئے مجھے سچ مچ بے پناہ افسردگی محسوس ہوئی۔

میں نے چند دن پہلے سلطانہ کے بیمار اور اپاہج بھائی نبیل کو اِل پانی کے دیوان میں دیکھا تھا۔ وہ کمر کی تکلیف کی وجہ سے لاچاری کی تصویر تھا۔ جو کچھ مجھے آج یہ تاؤ افضل نامی شخص بتا رہا تھا، وہ واقعی درست تھا تو پھر نبیل راجپوت کی حالتِ زار کی ذمے داری مجھ پر بھی عائد ہوتی تھی۔ تاؤ افضل کی باتوں نے میرے ذہن میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اپنے لیے سلطانہ کی قربانیوں کے بارے میں، میں پہلے بھی بہت کچھ سن چکا تھا۔ آج ایک اور قربانی میرے سامنے آ رہی تھی۔

میں نے وہیں دھوپ میں بچھی چارپائی پر بیٹھے بیٹھے، تاؤ افضل سے اس بارے میں کچھ مزید باتیں پوچھیں۔ اس مختصر گفتگو سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا، وہ کچھ اس طرح تھا... آج سے قریباً ایک سال پہلے میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ میرا بخار اترنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ میں بستر سے یوں لگا تھا کہ صحت مند ہونے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ رہی سہی کسر توڑ دینے والی ہچکی نے پوری کر دی تھی۔ یہ ہچکی کئی کئی گھنٹے میرے کمزور جسم کو جھٹکے دیتی رہتی تھی۔ میرے سر کے بال جھڑ گئے تھے اور ہونٹ سوکھ کر سیاہ ہو گئے تھے۔

زرگاں کے دو بڑے معالج مجھے لاعلاج قرار دے چکے تھے مگر انہی دنوں ایک خاص وید زرگاں آیا اور اس نے مجھے صحت یاب کرنے کی ضمانت دے کر گراں قدر رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا کہ وہ علاج کے شروع میں تیسرا حصہ

[illegible]
سلطانہ کی جمع پونجی میں وہ پندرہ ہزار روپے بھی شامل تھے جو وہ نبیل کے علاج کے لیے جمع کرتی رہی تھی۔

یہ ساری معلومات میرے لیے بہت حیران کن تھیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سلطانہ زیور نہیں پہنتی۔ میں یہ سمجھتا رہا تھا کہ شاید ایسا اس کے مزاج کی وجہ سے ہے لیکن آج کچھ اور بات سامنے آ رہی تھی۔ وہ اپنے تمام زیورات ایک جان لیوا بیماری کی نذر کر چکی تھی اور یہ میری بیماری تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے نبیل کا بیمار جسم گھوم گیا۔ بہن کے لیے بھائی کی اہمیت کیا ہوتی ہے، میں اچھی طرح جانتا تھا اور نبیل تو پھر اکلوتا بھائی تھا۔

میں سوچتا رہا اور ناقابلِ فہم سلطانہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ پتا نہیں کیا کیا کرتی رہی تھی میرے لیے۔ کچھ باتوں کا مجھے پتا چل گیا تھا اور کچھ ابھی تک میرے علم میں نہیں تھیں۔ وہ خود تو کچھ بھی بتاتی نہیں تھی۔ وہ وفا کی پتلی، ایثار کا پیکر... بڑی خاموشی سے ایک شمع کی طرح جلتی رہی اور میرے لیے روشنی فراہم کرتی رہی تھی۔ اب وہ پگھل کر کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ اس کی زندگی ٹمٹما رہی تھی۔ اس کے ساتھ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ان گنت دشمن اس کے پیچھے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں اس ٹمٹماتی شمع کے گرد اپنے ہاتھوں کا ہالہ بنا دوں۔ اپنے تن من سے اس طرح اسے ڈھانپوں کہ زمانے کی ساری سرد گرم ہوائیں اس تک پہنچنے میں ناکام ہو جائیں۔ میرا دل بے ساختہ اس کی طرف کھنچنے لگا۔

میں اس سے تنہائی میں ملنا چاہتا تھا۔ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دن پہلے تک وہ مجھے اپنے جسم کو چھونے نہیں دیتی تھی... لیکن کل والے واقعے کے بعد کم از کم اتنی تبدیلی تو آئی تھی کہ وہ میرے سینے پر سر رکھ کر روئی تھی۔ اس نے میری باہوں میں اپنا چہرہ چھپایا تھا۔

تاؤ افضل کے ساتھ میری گفتگو کے دوران میں ہی عمران اور اقبال بھی وہاں موجود رہے تھے۔ انہیں بھی میری بیماری کے بارے میں معلوم ہوا تھا اور یہ پتا بھی چلا تھا کہ مجھے صحت یاب کرنے کے لیے سلطانہ نے کس طرح تگ و دو کی تھی۔

رات کو مجھے سلطانہ سے ملنے کا موقع ملا۔ یہ موقع بھی عمران نے ہی فراہم کیا۔ وہ چائے کا پیالہ لیے ہوئے میرے

[illegible] "جبرا! ہم کنوارے سمجھتا [illegible] تم شادی شدہ [illegible] اوپر والے کمرے میں سو جانا۔"

میں نے اس کی بات پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم نے تو اطلاع دی تھی کہ تم اکبرِ اعظم کے نقشِ قدم پر چل کر یہاں فتح پور میں کئی شادیاں رچا چکے ہو۔"

"لیکن یار! میں نے یہ کب کہا تھا کہ میں نے یہ شادیاں لڑکیوں یا عورتوں سے کی ہیں۔"

"تو پھر کس سے کی ہیں؟"

"ان لوگوں کے مسائل سے کی ہیں، ان کی مشکلوں سے، ان کی پریشانیوں سے۔ شادی کا مطلب مصیبتوں کو گلے لگانا ہوتا ہے۔ سو میں نے لگایا ہے۔ بہرحال، اس بارے میں تمہیں پھر تفصیل سے بتاؤں گا۔ فی الحال میں تم سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ تم اوپر والے کمرے میں سو جانا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"بہت فرق پڑے گا۔ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ یعنی دو میاں بیوی اور نو بچے۔ تاہم اس کے لیے تنہائی اور یکسوئی وغیرہ ضروری ہے۔"

"تم فضول باتیں کر رہے ہو۔ سلطانہ کی حالت ابھی ایسی نہیں کہ وہ میرے ساتھ ایک کمرے میں سکون سے رہ سکے۔ اگر تم نے اسے ٹھیک کرنا ہے تو بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہوگا۔"

"تو یار میں کب کہہ رہا ہوں کہ ایک ہی رات میں نو بچے پیدا کر لو۔ لیکن تھوڑا بہت قدم بڑھاؤ گے تو سفر طے ہو گا نا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے... وہ میرے کمرے میں چلی آئے گی؟"

"کیوں نہیں آئے گی بھائی! سر کے بل آئے گی۔ جس دیوے سے اس کا پالا پڑا ہے، وہ کوئی معمولی شے نہیں ہے۔"

"کیا کہا ہے تم نے اس سے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس یہی بتایا ہے کہ تمہیں کل سے ہلکا بخار ہے اور... کبھی کبھی ہچکی بھی آتی ہے۔ وہ فوراً تمہیں دیکھنا چاہ رہی ہے... بلکہ شام کو ہی تمہارے پاس آنا چاہ رہی تھی۔"

"تم نے اسے کیوں پریشان کیا ہے... کیا پہلے کم

پریشانیاں ہیں؟" میں نے بیزار لہجے میں کہا۔

"یار! تم خود ہی تو بارہا دعا جیکی کا سنہری قول دہراتے ہو۔ پریشانیوں کے اندر سے ہی خوشی اور سکون کے شگوفے پھوٹتے ہیں۔"

"لیکن..."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ تم اوپر کمرے میں چلو۔ ابھی تھوڑی دیر میں سرکار کچے دھاگے سے بندھی تمہارے پاس چلی آئیں گی... لیکن..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس نے میرا گھٹنا دباتے ہوئے کہا۔ "یار! میرا بھرم رکھ لینا۔ دو چار بار ہچکی لے کر دکھا دینا ہے۔"

"سوری، میں تمہاری بونگیوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔"

"اچھا چلو، ایسا کرتے ہیں، میں تمہارے کمرے میں تمہارے پلنگ کے نیچے گھس جاتا ہوں۔ تم بس منہ پر ہاتھ رکھنا، پلنگ کے نیچے سے ہچکی کی آواز میں نکال دوں گا۔"

میں برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

وہ شرارت سے بولا۔ "میں سمجھ گیا، یہ اسکیم زیادہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ تم کافی دنوں بعد سلطانہ بھابی سے ملو گے۔ میں پلنگ کے نیچے رہوں گا تو پھر کیا خاک ملاقات ہوگی۔"

"تم فضول باتیں کر رہے ہو۔ اتنی جلدی کچھ نہیں ہو سکتا... وہ آہستہ آہستہ ہی اپنے صدمے سے نکلے گی۔"

"خیر یہ سب کچھ اتنی جلدی بھی نہیں ہے جبر از رخصتی وغیرہ تو رہی ایک طرف... کل ایک ہرن اپنی جان پر کھیل کر تمہارے ویسے کا سامان بھی کر چکا ہے۔ اچھے بچے شادی شدہ ہونے کے بعد اس طرح کچھوے کی رفتار سے نہیں چلتے۔"

وہ ادھر اُدھر کی ہانکتا رہا پھر اس نے مجھے اوپر کمرے میں بھیج دیا۔ یہ زیادہ بڑا کمرا نہیں تھا۔ دو پلنگ نما چارپائیاں تھیں۔ ایک طرف لکڑی کی الماری تھی۔ الماری کے اوپر لالٹین رکھی تھی۔ دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ نیم پختہ فرش پر ایک بوسیدہ نمدہ بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں مٹی کی انگیٹھی تھی جس میں انگارے سلگ رہے تھے۔ میں پلنگ نما چارپائی پر دراز ہو گیا۔ چہرے کی بڑھتی ہوئی شیو کو کھجانے لگا... 60 گھنٹے پہلے کے واقعات کسی فلم کی طرح میری نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ارجن کا زخمی ہو کر تالاب کی گہرائی میں گرنا اور پتھر لیے مجھ سے ٹکرا کر اس کا سر پاش پاش ہونا۔ دو اندھا دھند بھاگتے ہوئے پجاریوں کو گولیاں لگنا اور ان کا ننگی فرش پر لوٹنیاں کھانا... پھر تیش اور اس کے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ساتھیوں کا ہم پر اسلحہ تاننا اور ہمارا قدم قدم پیچھے ہٹتے جانا۔ تناؤ کی وہ شدید ترین کیفیت جس میں کسی بھی وقت فائرنگ شروع ہو سکتی تھی اور لاشیں گر سکتی تھیں۔ وہ سب کچھ میرے تصور میں آیا اور میں نے اپنے جسم میں سنسنی کی لہریں محسوس کیں۔

مجھے پلنگ پر دراز ہوئے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ قدموں کی چاپ نے میرا دل دھڑکایا، پھر دروازہ کھلا اور سلطانہ اندر آ گئی۔ اس کے گندمی چہرے پر پریشانی کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ میں اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

وہ جلدی سے بولی۔ ''لیٹے رہو... لیٹے رہو۔''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''تم ٹھیک نا ہیں ہو۔'' اس کے لہجے میں اضطراب تھا۔ ''تمہارا دوست کہہ رہا تھا کہ تمہیں ہچکی بھی آ رہی ہے۔ کیا تمہیں ہچکی آ رہی ہے؟''

''نہیں۔''

''تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ مجھے تسلی دینا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں بخار بھی ہے؟'' اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

''تم خود ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔''

وہ ذرا سا جھجکی پھر اس نے میرے بازو کو چھوا۔ ''بخار تو نا ہیں ہے لیکن... ہچکی تو آ رہی ہے نا... مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے... کہیں تم پھر بیمار تو نہیں ہو رہے۔ اللہ رحم کرے۔ اللہ نہ کرے ایسا ہو۔'' وہ سر تا پا لرز سی گئی۔

اس کے چہرے اور ہاتھوں پر چوٹوں کے نشان اس بات کے گواہ تھے کہ وہ پچھلے چند دنوں میں بڑے سخت حالات سے گزری ہے لیکن اس وقت وہ اپنی ساری سختیاں بھول کر میرے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا لباس بھی بدلا ہوا تھا۔

میں نے کہا۔ ''سلطانہ! تم خوامخواہ خود کو فکر مند نہ کرو۔ میرے دوست نے ایسے ہی مذاق کیا ہے۔''

''اس طرح کا مذاق میری جان لے سکتا ہے۔'' وہ آبدیدہ ہو گئی۔

''کیوں... ہچکی آ جانا کوئی بہت خطرناک بات ہے؟''

''ہاں مہروچ! تمہارے لیے خطرناک ہے... پتا نا ہیں کہ تمہیں یاد ہے یا نا ہیں۔ تم بہت جیادہ بیمار ہو گئے تھے۔ اتنے جیادہ کہ بس کیا بتاؤں۔ تمہیں جب بھی بخار ہوتا ہے میرے دماغ میں وہی باتیں آ جاتی ہیں۔''

''لگتا ہے کہ تم بہت وہمی ہو۔''

دو ہفتے میں نہایت کٹھن صورت حال سے گزری تھی۔ اس کے شفاف رخساروں پر ابھی تک چوٹوں کے مدھم نشان موجود تھے۔ مجموعی طور پر اس کے چہرے میں ایک خاص طرح کی سادگی اور کشش تھی۔ خاص طور سے اس کے چوڑے رخساروں کی قدرے ابھری ہوئی ہڈیاں اور اس کی چوڑی پیشانی، نگاہ کو جذب کرتی تھی۔ اس کے شانے کشادہ اور جسم چھریرا تھا۔ وہ بولی۔ ''دیکھو، کتنی عجیب بات ہے مہروچ! آج یہاں کتنے عرصے بعد تاؤ افضل سے ہماری ملاقات (ملاقات) ہو گئی۔ تم نے تاؤ کو پہچان لیا ہے نا؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ ٹٹولنے والی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے جاننا چاہ رہی ہو کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط۔

میں نے کہا۔ ''ایک بات تو بتاؤ سلطانہ! یہاں کی تقریباً تمام عورتیں ہلکے پھلکے زیور پہنتی ہیں لیکن میں نے کبھی تمہیں زیور پہنے نہیں دیکھا؟''

''بس شروع سے ہی ایسا ہے۔ مجھے شوق نا ہیں۔''

میں نے اپنی دو انگلیوں سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں شوق تھا! تمہارے پاس زیور ہی نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ذرا چونکی۔

''کچھ نہیں، بس یونہی کہہ رہا تھا۔''

''بالو کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا اور اس کے چہرے پر ممتا کا گہرا دکھ جھلکنے لگا۔

''وہ بالکل خیریت سے ہے۔ دیوان میں صفیہ اور باشو اس کی بڑی اچھی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ لیکن تمہاری کمی بہت زیادہ شدت سے محسوس کر رہا ہے۔ صبح اٹھتے ہی رو رو کر ہلکان ہو جاتا ہے۔'' میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

''تم اس کا بہت خیال رکھو مہروچ۔'' وہ آزردہ لہجے میں بولی۔

''یہی بات میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ دنیا کے جرموں کی سزا اپنے بچے کو مت دو۔ تمہارے بغیر بہت دکھ اٹھا رہا ہے۔''

''میں کیا کروں؟'' وہ عاجز نظر آ رہی تھی۔

''تم کچھ نہ کرو۔ تم بس ایک ماں بن جاؤ... اور ایک بیوی بن جاؤ۔ باقی سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اب وہ پہلے والا مہروچ نہیں ہوں سلطانہ... میں تمہاری حفاظت کر سکتا

اس نے سسک کر اپنا سر میرے کندھے سے لگا دیا۔ اس کے گھنے بالوں کی عجیب سی دیہاتی خوشبو میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔ اس نے میرا دایاں ہاتھ تھاما، اسے موڑا اور ہتھیلی کا رخ اپنے ہونٹوں کی طرف کر کے ہتھیلی کو چوم لیا۔ اس کے گرم ہونٹوں کے ریشمی لمس نے میرے پورے بازو اور جسم میں پھریری سی دوڑا دی۔

''یہ کیا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بس نفی میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں میں نمی تھی۔

میں نے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اس کا چہرہ پھر اوپر اٹھایا۔ ''بتاتی کیوں نہیں ہو... کیوں چوما میرا ہاتھ؟''

اس نے پلکیں اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے اس کی بھیگی آنکھوں میں پہلی بار ایک ہلکی سی چمک یا مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ اپنے بائیں رخسار پر انگلی رکھتے ہوئے بولی۔

''اس لیے۔''

''کیا مطلب؟''

لیکن اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی، میں نے غور سے اس کے رخسار کو دیکھا۔ وہاں ابھی تک اس طمانچے کا مدھم نشان موجود تھا جو میں نے پرسوں اس کے رخسار پر مارا تھا۔

میں نے حیرانی سے کہا۔ ''تو تم اس لیے میری ہتھیلی چوم رہی ہو کہ میں نے تمہیں طمانچے مارے؟''

''کوئی اپنا سمجھ کر ہی ڈانٹتا اور مارتا ہے نا۔'' وہ میرے سینے میں منہ چھپا کر بولی۔

''اگر تم بھی مجھے اپنا سمجھتی ہو تو پھر... مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ جو کچھ ہوا، سب کچھ بھول جاؤ گی۔ اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھو گی...''

''میں جانتی ہوں مہروچ! تم کیا کہنا چاہ رہے ہو لیکن... مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا سا وقت دو۔ ابھی میرا دل ٹھکانے پر نا ہیں ہے۔ اس میں تھوڑا وقت لگیں گا۔''

''جتنا مرضی وقت لے لو۔ مگر سلطانہ! اتنا وعدہ تو کرو کہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر اب کوئی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ تمہارے دیوان سے اچانک گم ہو جانے کا جتنا صدمہ مجھے ہوا تھا، میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں، چوہان اور انور خاں تمہیں دیوانوں کی طرح تل پانی کی گلیوں میں ڈھونڈتے رہے تھے۔''

''مجھے بہت دکھ ہے کہ میں نے ایسا کیا۔ لیکن کیا کروں

بے بس باپ

☆ اسپتال سے خبر آئی۔ زچہ و بچہ خیریت سے ہیں، کسی نے اس بے چارے کو نہ پوچھا جو نیا نیا باپ بنا تھا۔

☆ لیڈی ڈاکٹر نے زچہ و بچہ کے لیے کھانے پینے کا پورا نسخہ لکھ دیا مگر باپ؟ آہ اسے کون پوچھتا ہے۔ کاش وہ اس کے لیے کم از کم ایک پیکٹ سگریٹ ہی لکھ دیتی۔

☆ جب باپ بننے کا پہلا تجربہ ہی ایسا دل شکن ہو تو وہ کون ہے جو باپ بننا پسند کرے گا؟

☆ زچہ اور بچہ کو دیکھنے اور تحائف دینے والیاں بے شمار نازنینان خوش جمال اور خوش کلام آئیں مگر کسی نے باپ کو ذرہ برابر لفٹ دینا گوارا نہ کیا۔ حالانکہ بچے نے رو رو کر محلے والوں کی نیند حرام کر دی تھی اور میں تھا انتہائی مہذب اور خاموش۔ زچہ و بچہ دونوں کے لیے آرام کا حکم تھا اور میرے لیے کام کا۔

☆ یہی تاریخ ہر بچے کے ساتھ دہرائی گئی۔

لورالائی سے کشمالا خان کی نکتہ بینی

مہروچ! کچھ بھی میرے بس میں نا ہیں ہے۔ مجھے جب وہ سب کچھ یاد آتا ہے تو میرا دل زندہ رہنے کو نا ہیں چاہتا۔''

''تمہیں اپنے بالو کے لیے زندہ رہنا ہو گا اور میرے لیے رہنا ہی ہو گا۔'' میں نے اسے ایک بار پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔ بالوں سے اٹھنے والی دیہاتی خوشبو فزوں تر ہو گئی۔ میں نے اس سیدھی سادی عام سی لڑکی کے لیے اپنے دل میں بے پناہ محبت محسوس کی۔ مجھے لگا کہ اگر میں اس لڑکی سے دور رہوں گا، اسے ایک شوہر کی محبت نہ دے سکوں گا تو بہت بڑا جرم کروں گا۔ ایک ایسا جرم جس کے لیے قدرت مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ میں نے اپنی انگلیاں بہت آہستہ سے اس کے بالوں میں چلائیں۔ اس کے شفاف رخسار کو چھونے کے لیے اپنے ہونٹوں کو آگے بڑھایا لیکن... عین اس وقت جیسے ایک روشنی سی سلطانہ کے اندر بجھ گئی۔ وہ ٹھٹک کر پیچھے ہٹی اور اس کے پورے سراپا کو ایک نامعلوم گریز نے ڈھانپ لیا۔

''کیا ہوا سلطانہ؟''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"کچھ نا ہیں۔" اس نے اپنا سر دائیں بائیں ہلا دیا۔ اس کی سانس قدرے تیزی سے چل رہی تھی۔ میں ٹھیک نہیں جان سکا کہ سانسوں کی یہ تیزی جذبات کے سبب تھی یا گریز کے سبب۔

تاہم مجھے ان سانسوں کی خوشبو کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ جیسے یہ سانسیں کسی وقت میرے بہت قریب رہی ہیں۔ میرے کانوں میں سرسراتی رہی ہیں اور میرے رخساروں سے لپٹتی رہی ہیں۔ کب ہوا تھا ایسے؟ اور کب تک ہوتا رہا تھا؟ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں تھا۔ ایک دھندلا سا پردہ تھا جس کے پیچھے سب کچھ چھپا ہوا تھا۔ یہ پردہ پہلے سے کچھ ہلکا ضرور ہو گیا تھا لیکن اب بھی مجھے اس کے پار دکھائی نہیں دیتا تھا۔

میں نے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "سلطانہ! ایسا کیوں کرتی ہو؟ میں تمہارا شوہر ہوں، تمہارے بچے کا باپ ہوں۔"

اس کا سر جھکا رہا۔ دو موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر اس کی جھولی میں جذب ہو گئے۔ اس کے جسم میں وہی ہلکی سی لرزش نمودار ہو چکی تھی جو میں اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ دیوان میں جب میں نے بالو کو زبردستی اس کی گود میں دیا تھا اور پھر اسے دودھ پلانے کے لیے کہا تھا تو وہ اسی طرح سرتاپا کانپنے لگی تھی۔

"سلطانہ! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اس کے بازو کو ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کر دو مہروج! بس مجھے معاف کر دو۔" اس نے تیزی سے کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کمرا خالی ہو گیا تھا۔

میں اپنی جگہ حیران بیٹھا رہ گیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح کا ردعمل ظاہر کرے گی لیکن وہ ریشم کی طرح نرم تھی تو کہیں فولاد کی طرح سخت بھی۔ میں اس کے بارے میں جتنا سوچتا تھا، اتنا ہی الجھ جاتا تھا۔

وہ رات عجیب سی بے چینی میں گزری۔ بس پچھلے پہر تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگی۔ میں اٹھا تو ایک حیران کن منظر دیکھنے کو ملا۔ مہا گرو سوبھاش میرے لیے ایک ٹرے میں چائے لے کر آ رہا تھا۔ ساتھ میں گھر کے بنے ہوئے بسکٹ اور رس وغیرہ تھے۔ کچھ مٹھائی اور دودھ بھی تھا۔ چلتے ہوئے مہا گرو کی توند ہولے ہولے ہل رہی تھی۔ وہ سفید دھوتی کرتے میں تھا۔ بالائی جسم پر ایک ڈبی دار کمبل لپٹا ہوا تھا۔

عورت تھی۔ اسے تھوڑی سی رعایت کے ساتھ لڑکی بھی کہا [illegible]

میں نے مہا گرو کو دیکھ کر کہا۔ "یہ سب کیا ہے گرو جی؟"

"تمہارا ناشتا ہے۔"

"لیکن یہ آپ کیوں لے کر آئے ہیں؟"

گھاگرے چولی والی کھنک دار آواز میں بولی۔ "یہ آپ کا سیوک ہے جی۔ آپ کی خاطرداری کرے گا۔ اس نے یہ کام اپنی مرضی سے چنا ہے۔ اس کی پتنی ادھر دوسری طرف عورتوں کی خاطرداری کرے گی۔"

"یہ تو زیادتی ہے۔" میں نے کہا۔

"زیادتی تو تب ہوتی جب یہ کام کرنے میں ان کی اپنی مرضی نا ہیں ہوتی۔" گھاگرے چولی والی نے کمر لچکا کر کہا۔

میں نے گرو کو دیکھا۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ٹرے تھاما، چنگیر لے لی اور اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"نا ہیں، میں کھڑا ہی ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا۔

وہ بے بسی کی تصویر نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ عمران اور اقبال نے اسے یہاں یہ رول ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ پرسوں صبح سویرے گرو اور رادھا کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، وہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ وہ زندہ رہنے کے لیے بلکتے رہے تھے... گرو اوندھے منہ زمین پر لیٹ گیا تھا اور عمران کے قدموں پر سر رکھ کر کہا تھا کہ اگر اس کا جیون بخش دیا جائے تو وہ عمر بھر غلام بن کر رہے گا۔

اور آج وہ واقعی غلام دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے میرے دل میں گرو کے لیے ترس کا جذبہ ابھرا... لیکن پھر فوراً ہی ایک چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا اور یہ جذبہ معدوم ہو گیا۔ یہ شکیلہ کا اجڑا بکھرا چہرہ تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی، آنکھوں میں کھنڈروں کی ویرانی... جسم پامال۔ وہ اس گرو کے استھان میں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتی رہی تھی اور پھر خود اپنی قبر کھود کر اس میں دفن ہو گئی تھی۔ یہ نام نہاد گرو اس سے بھی انکار کرتا لیکن وہ خود کو اس انسانیت سوز جرم سے [illegible] نہیں کر سکتا تھا۔

تیز طرار لڑکی نے گرو کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "منہ کیا دیکھ رہا ہے موئے! چل منہ ہاتھ دھلا بابو جی کا۔"

گرو نے کھلے منہ والی بانٹی چارپائی کے سامنے رکھ دی اور گرم

گرو لوٹا لے کر میری طرف جھک گیا۔ میرے دل میں [illegible]

تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو تمہارا ظلم یاد آتا ہے۔"

لڑکی نے چہک کر کہا۔ "اوئی ماں... بابو جی! تم تو بڑا اچھا ڈائیلاگ بولتا ہے۔ بالکل ایتا بھ بچن کی طرح۔"

"تم کون ہو؟" میرے لہجے میں بدستور بیزاری تھی۔

"میرا نام نوری ہے جی۔ میں عمران بابو کی نوکرانی ہوں... بلکہ آپ مجھ کو ان کی لونڈی بھی کہہ سکت ہیں۔"

"لونڈی؟ یہ کیا بات ہوئی؟"

"ہاں جی، عمران بابو نے مجھے پیسے دے کر خریدا ہے۔ کھیا کے بڑے بیٹے سلمان سے... لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ عمران بابو بڑے نیک بندے ہیں۔ بالکل فرشتہ ہیں فرشتہ۔ کبھی میلی نظر سے نا ہیں دیکھا مجھے اور نہ کسی دوسرے کو دیکھنے دیوت ہیں۔ کہتے ہیں کوئی اچھا سا بر دیکھ کر تیرا بیاہ کروں گا۔ وہ ہر کسی کا بھلا سوچت ہیں۔ میرے جیسی نیچ کمینی کے لیے بھی ان کی سوچ ایسی ہی ہے۔" وہ بولتی چلی جا رہی تھی۔

"اچھا ابھی تم جاؤ۔ میں ناشتا کر لوں گا تو برتن لے جانا۔"

"آپ اکیلے ہی ناشتا کریں گے؟"

"تو کیا تجھے ساتھ بٹھا کر کروں گا؟" میں نے تپ کر کہا۔

"اوئی ماں! آپ تو غصے بھی ہوتے ہیں۔ میرا مطلب تھا کہ اتنا سارا ناشتا آپ اکیلے کیسے کریں گے؟"

میں نے غور کیا، واقعی ناشتا زیادہ تھا۔ میں سمجھ گیا کہ عمران اور اقبال بھی آنے والے ہیں۔ اسی دوران میں وہ دونوں دروازے پر نمودار ہو گئے۔ نوری ذرا شوخی سے بولی۔ "لو جی، ناشتے میں آپ کے ساجھے دار آ گئے۔ اب میں جاوت ہوں۔" وہ کمر لچکاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیسے ہو جگر؟" عمران نے میرے سر کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بلا کون تھی؟" میں نے اس کا سوال نظرانداز کر دیا۔

"اچھی بھلی خوب صورت لڑکی کو بلا کہہ رہے ہو۔ کیا تم نے خدا کو جان نہیں دینی؟" عمران بولا۔

"میں نے تو خدا کو جان دینی ہے لیکن تم نے کس کو دینی

ہے جو یہاں سچ پور میں لڑکیاں خریدتے پھرتے ہو۔"

"میں فسادپس کا نمائندہ ہوں۔ مجھ سے ایسی بات مت کرو۔ ہر خبر کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر خبر بے مطلب ہوتی ہے۔ تمہیں یہ تو پتا چل گیا ہے کہ میں نے اس کو خریدا ہے لیکن کیسے خریدا ہے اور کیوں؟ اس بات کا پتا چلے گا تو تمہاری رائے بدل جائے گی۔"

"خیر، یہ تو مجھے پتا ہے کہ تم راہن وڈ کی نسل سے ہو لیکن راہن وڈ بھی تو انسان ہی تھا اور انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ایسی خطرۂ ایمان لڑکی کو خریدو گے اور وہ داسی بن کر تمہارے آس پاس رہے گی تو پھر کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

ایک دم اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ اپنے خوب صورت دانتوں کی نمائش کر کے بولا۔ "ہمارے ساتھ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے جگر! اب اور کچھ نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو بس مذاق ہوگا۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک بار پھر دل نے گواہی دی کہ عمران اپنے اندر کوئی سربستہ راز چھپائے پھرتا ہے۔ کوئی درد بھری کہانی۔ کوئی انوکھی کتھا، کوئی المیہ یا حادثہ...!

اسی دوران میں نوری نامی وہ لڑکی پھر کمر لچکاتی وہاں پہنچ گئی۔ وہ کچھ تازہ بہ تازہ پراٹھے اور انڈوں کا حلوہ لائی تھی۔ وہ انڈوں کا حلوہ میرے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "تابش بابو! یہ خاص آپ کے لیے ہے۔"

"خاص میرے لیے کیوں؟" میں نے بھویں اچکائیں۔

"اس لیے کہ آپ نئے آئے ہیں۔"

عمران جھٹ بولا۔ "اور تم نے وہ گانا تو سنا ہی ہوگا۔ بمبئی سے آیا میرا دوست... دوستو سلام کرو۔"

"لیکن میں بمبئی سے نہیں آیا اور نہ مجھے فضول بکواس پسند ہے۔"

"یار! دیکھو تم نے پھر ایک لفظ ضائع کر دیا۔" عمران نے اعتراض کیا۔ "بکواس تو ہوتی ہی فضول ہے... اس کے ساتھ فضول لگانے سے مطلب؟"

حلوہ میرے سامنے رکھتے ہوئے نوری گھٹنوں کے بل جھک گئی تھی۔ گردن سے نیچے اس کا چمکیلا جسم خطرناک حد تک دکھائی دینے لگا تھا۔ میں نے نگاہ پھیر لی۔

"چلو، جاؤ تم۔" اقبال نے نوری سے تحکمانہ انداز میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible]
تمہارے کے لیے اس کا ہاتھ بے ساختہ میرے کندھے پر آیا۔ اس کے بال لہرا کر میرے چہرے سے ٹکرائے۔ ان میں چنبیلی کے تیل کی خوشبو تھی۔

”مم... اف کردیں جی... پھسل گئی تھی۔“

”تمہارا پھسلنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اب جاؤ۔“ اقبال نے پھر تحکم سے کہا۔

وہ مجھ پر ترچھی نظر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔

عمران نے اپنے مخصوص لہجے میں بتایا۔ ”یہاں کا مکھیا رشید احمد بڑا جابر قسم کا شخص ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں سلمان اور مستان عرف مانی۔ یہ دونوں بھی اول درجے کے تلنگے اور بدمعاش ہیں۔ یہ لڑکی نوری دراصل سلمان کی رکھیل تھی۔ اس نے خانہ بدوشوں کو پیسے دے کر اسے خریدا تھا۔ یہ وہاں رشید کی حویلی میں گناہ کی زندگی گزار رہی تھی لیکن اس کے دل میں ہر عورت کی طرح یہ خواہش موجود تھی کہ یہ اپنا گھر بسائے۔ یہ خواہش صرف اس صورت میں پوری ہو سکتی تھی جب یہ سلمان کی غلامی سے نکلتی۔ میں نے کوشش کی اور بیس ہزار روپے نقد دے کر اسے سلمان سے حاصل کر لیا۔“

”لیکن رابن ہڈ صاحب! یہ بیس ہزار روپے تمہیں ملے کہاں سے؟“

”یہ تم نے بہت بونگا سوال پوچھا ہے۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ جہاں عمران موجود ہو، وہاں پیسا خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ یعنی دولت مابدولت کے لیے بھی کوئی مسئلہ نہیں رہی۔“ وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

اقبال نے شوخی سے کہا۔ ”مزے کی بات یہ ہے کہ عمران نے مکھیا کے بیٹے سے لڑکی کو چھڑانے کے لیے مکھیا سے ہی پیسے دلوائے ہیں۔ یعنی وہ بیس ہزار روپیا مکھیا کی گرہ سے ہی نکلا ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”جیسے اس طرح کے بہت سے دوسرے کام ہمارے ہیرو صاحب نے کیے ہیں۔ آخر اسے یونہی تو ہیرو نہیں کہا جاتا۔“

پھر اس نے تفصیل بتائی۔ پتا چلا کہ یہاں اس بستی میں تماشا دکھانے والے کچھ بازی گر آئے تھے جنہیں یہاں نٹ کہا جاتا ہے۔ وہ تنے ہوئے رسّے پر چل کر دو چار کرتب دکھاتے تھے... مکھیا اور اس کے یار دوست ایک بازی گر [illegible]

[illegible] کہیں بڑھ کر مہارت دکھا سکتا ہے۔ عمران نے رسّے پر [illegible] شرط جیت لی [illegible] ہزار روپے دے کر لڑکی کو آزاد کرایا۔

سارا دن مجھے سلطانہ کی جھلک دکھائی نہیں دی۔ پتا نہیں وہ کہاں چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔ ڈر تھا کہ وہ اپنی جذباتی کیفیت میں پھر کوئی الٹی پلٹی حرکت نہ کر بیٹھے۔ عمران مجھ سے رات کی ملاقات کا احوال پوچھنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مختصر لفظوں میں بتایا کہ کیا ہوا تھا۔ اس نے میرے لتّے لینے شروع کر دیے۔ مجھے نکما، گاؤدی، احمق اور پتا نہیں کیا کیا قرار دیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے سلطانہ کے سامنے خود کو بیمار ظاہر نہ کر کے غلطی کی ہے۔ اگر میں اس کی ہدایت کے مطابق سلطانہ کو ہچکیاں وغیرہ لے کر دکھاتا تو سلطانہ کا ردعمل یکسر مختلف ہوتا تھا۔

میری اور عمران کی گفتگو کے دوران میں ہی ہمیں طلال اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے شکن پاجامہ کرتہ پہن رکھا تھا، اوپر سویٹر تھا اور کمبل کی بکل مار رکھی تھی... اسے دیکھ کر بالکل نہیں لگتا تھا کہ یہ لڑکا سلطانہ کے ساتھ مل کر رزگاں میں چار اہم افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ طلال کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے طلال؟“ میں نے محبت سے پوچھا۔

”خالہ صبح سے رو رہی ہے۔ اس نے کھانا بھی نا ہیں کھایا۔“

”کیا کہتی ہے؟“

”کچھ بھی نا ہیں۔“ طلال سادگی سے بولا۔

”چلو آؤ میرے ساتھ۔“ میں نے کہا اور طلال کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

تاؤ افضل بیرونی دروازے کے پاس لکڑی کی ایک چوکی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں لٹھ تھی۔ میں اور طلال ایک اندرونی کمرے میں پہنچے۔ سلطانہ کے ساتھ تاؤ افضل کی دونوں بیٹیاں بھی موجود تھیں۔ وہ دوا [illegible] کرتی تھیں۔ میری آمد کا جان کر وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ طلال بھی کمرے سے باہر ہی رک گیا۔ سلطانہ کروٹ لیے چارپائی پر لیٹی تھی۔ مجھے اندر آتے دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ [illegible] کے دونوں ٹخنے زخمی تھے اور ان پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ [illegible] امتحان میں ہونے والے ظلم کی ایک نشانی [illegible]

[illegible] سنجیدہ لہجے میں سوال پوچھا۔

”وہ... بس... دل اچاٹ ہو رہا تھا۔“

”تم خود کو تماشا بنا رہی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی۔“ میرے لہجے میں غصہ در آیا۔

وہ کانپ گئی۔ ”ایسا نہ کہو مہروج۔ اللہ نہ کرے میری وجہ سے آپ تماشا بنیں۔ آپ کی عزت کے لیے تو میں جان دے سکتی ہوں۔“

”طلال!“ میں نے آواز دی۔

”جی خالو۔“ اس نے مجھے نئے خطاب سے نوازا اور جلدی سے اندر آگیا۔

”کھانا منگواؤ۔“ میں نے کہا۔

وہ ”جی اچھا“ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ سلطانہ اپنی جگہ بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی۔ اس کی لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں۔ وہ ایک راجپوت تھی۔ اس کے خانوادے کی رگوں میں ایک جوشیلا خون تھا اور اس خون میں ایک خاص قسم کی آن بان تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، وہ کسی طور بھی اس کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر پا رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد نوری اپنی چوڑیاں چھنکاتی اور کمر لچکاتی اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چنگیر نما ٹرے تھی۔ میرے اشارے پر اس نے کھانا سلطانہ کے سامنے رکھا اور بولی۔ ”لو جی، اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اور نوری جو کچھ کرت ہے، جی جان سے کرت ہے۔“

میں نے تحکمانہ انداز میں سلطانہ کو کھانے کا کہا تو وہ لقمہ توڑنے پر مجبور ہو گئی۔ میں نے بھی اس کا تھوڑا سا ساتھ دیا۔ اسی دوران میں نوری پھر وارد ہو گئی۔ وہ پانی لے کر آئی تھی۔ بڑے انداز سے میری طرف دیکھ کر بولی۔ ”بابو جی! یہ سالن بھی ذرا چکھ کر دیکھو۔ میں نے خود بنایا ہے۔ یہ ڈولا مچھلی ہے۔ مچھلی تو بہت ساری ہووت ہیں لیکن ڈولے کی تو بات ہی اور ہووت ہے جی۔ اس کو کاٹ ڈالو، تب بھی اس کی بوٹیاں پھڑکتی رہتی ہیں۔ وہ کہاوت تو آپ نے سنی ہی ہووے گی۔ ڈولا جب مچھیرے کے جال میں آجاوت ہے تو اپنی ماں سے کہوت ہے کہ ہانڈی میں پکنے تک میرے واپس آنے کی امید رکھنا۔“

”اچھا، اب تم جاؤ۔“ میں نے بیزاری سے کہا۔

[illegible] پایا ہے۔“

میں نے نوالہ لیا اور کہا۔ ”بہت اچھا ہے۔“

وہ معنی خیز انداز میں بولی۔ ”بھوک کے ساتھ تو سب ہی کھاوت ہیں لیکن اگر عورت کے ہاتھ میں کرامات ہو تو پھر مرد بھوک کے بغیر بھی کھاوت ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ عورت اپنی ہوشیاری سے اسے بھوک لگا دیوت ہے۔“ وہ پتا نہیں کس بھوک کی بات کر رہی تھی۔

”اچھا، اب تم جاؤ۔“ میں نے طیش بھرے انداز میں کہا۔

”اوئی ماں! آپ تو بڑی جلدی خفا ہو جاوت ہیں۔“

”میں بڑی جلدی ہاتھ بھی اٹھا لیتا ہوں۔“

”اف ماں! آپ تو واقعی بڑے کڑک ہیں۔“ اس نے پھر معنی خیز انداز اختیار کیا اور مجھ پر ترچھی نظر ڈال کر باہر چلی گئی۔ سلطانہ ذرا چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد میں واپس جانے کے لیے برآمدے سے گزرا تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ گرو کی سندر پتنی رادھا ایک کمرے کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھی۔ اسے اور گرو کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ جس بارودی بیلٹ کے ڈراوے میں آ کر وہ اور گرو دربدر ہوئے ہیں اور ایک بڑی آفت میں پھنسے ہیں، اس بیلٹ میں پسے ہوئے نمک کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میں عمران اور اقبال کے پاس پہنچا تو وہ کمرے میں انگیٹھی دہکائے بیٹھے تھے۔ پرسوں راستے میں جیپ سے پکڑا جانے والا راہول بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے کندھے پر ایک بڑی پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ وہ کراہ کر بات کر رہا تھا۔ وہ طاقتور واکی ٹاکی بھی اس کے قریب رکھا تھا جو ہمیں جیپ میں سے ملا تھا۔ واکی ٹاکی آن تھا لیکن پرسوں رات کی طرح آج بھی اس سے کوئی آواز برآمد نہیں ہو رہی تھی۔ عمران اور اقبال کل بھی کوشش کرتے رہے تھے مگر اس واکی ٹاکی کے ذریعے کسی سے رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔

عمران نے راہول سے کہا۔ ”دیکھو، سچ بولو گے تو تمہاری نسل آگے چلے گی، ورنہ آج اسی جگہ وہ سارے بچے اور ان کے بچے بھی ختم ہو جائیں گے جنہوں نے تمہاری وجہ سے پیدا ہونا ہے... ہنسنا کھیلنا ہے اور زندگی کے مزے لینے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی عمران نے اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھے ہوئے ریوالور کی تھوڑی سی جھلک راہول کو دکھائی اور اسے یہ بھی باور کرایا کہ اس نے انگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی ہے۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ہاضمہ برقرار، صحت پائیدار

نئی کارمینا

اب جدید سیل بند پیک میں

زیادہ مؤثر، زیادہ مفید

نباتی اجزا اور مجرب نمکیات زیادہ محفوظ، آپ کو ملے بہترین ذائقہ اور افادیت

سالہا سال سے آزمودہ نئی کارمینا قبض، گیس، سینے کی جلن، پیٹ کے درد یا متلی کی کیفیت کو فوری رفع کر کے صحت بحال رکھتی ہے۔

ہمدرد

نئی کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہوتا ہوں، پانڈے صاحب اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرا انٹینا نہیں ہے۔ بس ایک یہی انٹینا تھا جو ... میں رکھا ہوا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لوگ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔ اگر وہ سگنل ریسیو کر رہے ہوتے تو کب کے آپ سب کو گھیر چکے ہوتے۔“

”اچھا، یہ واکی ٹاکی اب تک خاموش کیوں ہے؟“ اقبال نے راہول کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو پانڈے صاحب اور دوسرے لوگ ہم سے پندرہ بیس کلومیٹر سے زیادہ کی دوری پر ہیں یا پھر ان کے واکی ٹاکی کی بیٹری ختم ہو چکی ہے۔“

”اگر تمہارے والے سیٹ کی بیٹری ابھی ختم نہیں ہوئی تو اس کی کیسے ہو سکتی ہے؟“ اقبال نے سوال اٹھایا۔

”اس سیٹ کی بیٹری میں پہلے بھی مسئلہ تھا۔“ راہول نے کہا۔

”اگر واقعی بیٹری ختم ہو چکی ہے تو کیا پانڈے وغیرہ اسے دوبارہ چارج کر سکتے ہیں؟“

”ہاں... میرا وچار ہے کہ وہ کوشش کر رہے ہوں گے۔ پانڈے صاحب کے ساتھیوں میں کشور نام کا ایک الیکٹریشن بھی ہے۔ اس سے پہلے بھی اس نے گاڑی کے چارجر کے ساتھ کچھ تار لگا کر واکی ٹاکی چارج کر لیا تھا۔“

ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ ایک کرشمہ ہو گیا۔ اچانک لونگ رینج کے اس واکی ٹاکی پر ایک سرخ بلب روشن ہوا اور اس کے اسپیکر میں کھٹ پٹ کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ پہلے تیز شائیں شائیں سنائی دیتی رہی پھر اقبال نے ایک ناب کو دائیں بائیں گھمایا تو واضح انسانی آواز ابھر کر ہمارے کانوں تک پہنچی۔ ”ہیلو... ہیلو... کہاں ہو تم لوگ... ہیلو۔“

میں اس آواز کو بہ آسانی پہچان گیا۔ یہ منحوس لب و لہجہ پانڈے کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا۔

آواز پھر ابھری۔ ”ہیلو راہول... ہیلو دلیپ... ہیلو، میں پانڈے بول رہا ہوں۔ تم میری آواز سن رہے ہو نا؟“

مجھے دوسرا شاک لگا جب راہول کے بجائے اقبال نے پانڈے کے سوال کا جواب دیا لیکن یہ آواز ہو بہو راہول کی تھی۔ اقبال نے کہا۔ ”ہاں پانڈے صاحب! میں راہول بات کر رہا ہوں۔“

”یار! کہاں مر گئے تھے تم۔ ہم تمہارے انتظار میں سوکھ کر لکڑی ہو گئے ہیں۔ ماں قسم اتنا انتظار فلمسٹار زینت امان کا ... ہو گئے ہیں تمہاری جان کو روتے ہوئے۔“

... یہاں بڑا پھڈا ہو گیا ہے۔“

”کیا چھوٹے سرکار اجیت صاحب کی بہن نے بکری بچہ جن دیا ہے جنگل میں؟“

”بس ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔“ اقبال نے ہو بہو راہول کی آواز کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اقبال مختلف آوازوں کی شان دار نقل کرتا ہے۔ اس نے لاہور میں بھی سیٹھ سراج کی آواز کی زبردست نقل کی تھی اور جب ہم عمران کے گھر تھے تو اقبال نے سیٹھ سراج کی آواز میں مولانا ابرار کو فون کر کے اس سے اہم معلومات حاصل کی تھیں۔ لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح واکی ٹاکی کے اچانک جاگنے پر وہ فوراً ہی راہول کی آواز میں گفتگو شروع کر دے گا۔ اندازہ تھا کہ عمران اور اقبال نے اس کے لیے پہلے سے تیاری اور ریہرسل وغیرہ کر رکھی تھی۔ راہول کی آواز سن کر اس کی نقل کرنے میں اقبال کو دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے۔

”یار! کچھ منہ سے پھوٹو گے یا پہیلیاں ہی بجھواتے رہو گے؟“ پانڈے نے ذرا کرخت آواز میں کہا۔

”پہلے آپ یہ بتائیں کہ کس جگہ پر ہیں؟“ اقبال نے راہول کی آواز میں پوچھا۔

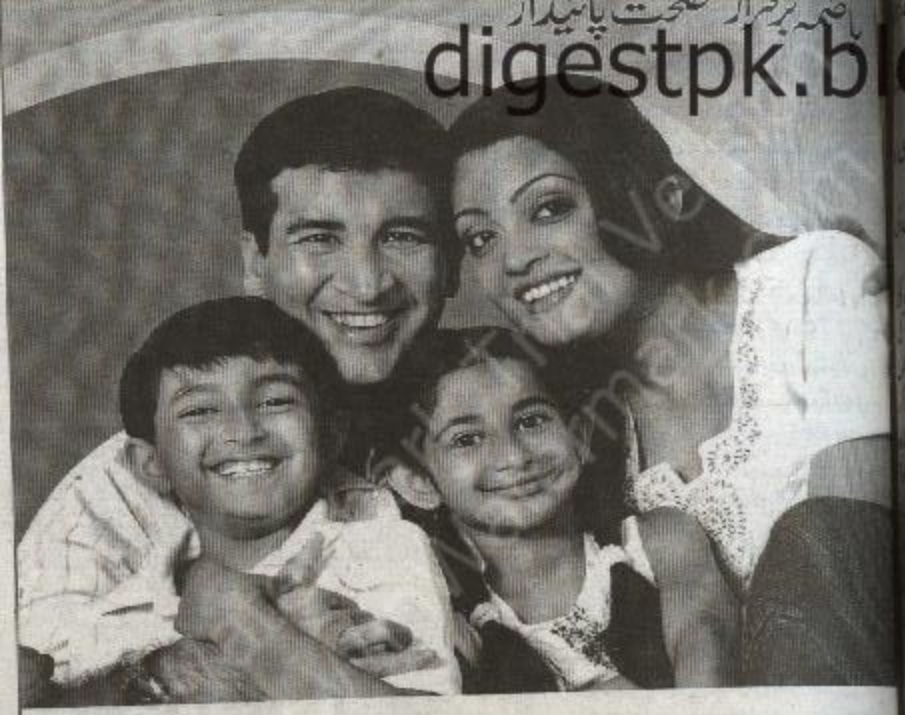

پانڈے نے کہا۔ ”ہم نے لکڑی کی چھوٹی پلیا پر سے ندی پار کر لی ہے۔ سامنے جو دو بڑے ٹیلے نظر آ رہے تھے ان کے بالکل پاس ہیں۔ کل رات بھی اسی جگہ پر گزاری ہے، تم دونوں کے نام کی مالا جپتے جپتے... اب تم بتاؤ کہ کھوج کھرا اس پاکستانی کا ملا؟“

”لگتا ہے کہ اس کی قسمت اچھی ہے پانڈے صاحب... بس شکنجے میں آتے آتے نکل گیا ہے۔ کل شام تک ہم کو بڑے اچھے سگنل مل رہے تھے۔ وہ پیچھے کی طرف تھا۔ شام کے وقت سگنل بالکل کمزور پڑے اور پھر بند ہو گئے۔ رات پچھلے پہر پھر ایک آدھ گھنٹے کے لیے سگنل ملے۔ اب پھر کوئی پتا نہیں چل رہا۔ اب جیپ کا ڈیزل بھی ختم ہونے کو ہے۔ میرا خیال ہے، ہم اور آگے نہیں جا سکیں گے۔“

”کوئی اچھی جانکاری نہ دینے کی تو شاید تم نے سوگند کھا رکھی ہے۔“ پانڈے کی آواز میں بیزاری تھی۔ پھر وہ ...

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

گی۔ میں جان گیا تھا کہ یہ گفتگو میرے بارے میں ہو رہی ہے۔ وہ میرے لیے بڑی حقارت سے پچو کا لفظ [illegible] تھا۔ حالانکہ یہ پچو اسے دیوان میں ناکوں چنے چبوا چکا تھا۔

پانڈے نے اپنے کسی ساتھی سے بات کی۔ الفاظ ہماری سمجھ میں نہیں آسکے۔ تب وہ راہول سے مخاطب ہو کر مائیک میں بولا۔ "راہولے! اس پچو نے ہم کو چیلنج مارا ہے۔ جب تک اسے ننگا کر کے الٹا نہ لٹکاؤں گا، مجھے بھوجن ہضم ناہیں ہووے گا اور نہ ہی حاجت ہووے گی۔ جیسے بھی ہو، ہم نے اس کتے کو پکڑنا ہے اور اس کے جسم کے کسی نازک حصے کو دبوچ کر اسے کھینچتے ہوئے یہاں لانا ہے۔"

"لیکن اس کے لیے ہم کو تھوڑا سا دھیرج کرنا پڑے گا پانڈے صاحب! معاملہ کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پہلے آپ ذرا جلدی سے مجھے یہ بتائیں کہ آپ سے رابطہ کیوں ناہیں ہو پا رہا تھا؟" اقبال نے راہول کی آواز میں پوچھا۔

"وہی بھوتنی کی بیٹری خسس ہو گئی تھی۔ پہلے ہر ایک گھنٹے بعد پاؤں بھاری ہو جاتا تھا پھر بالکل لمبی ہی لیٹ گئی۔ بڑی کوشش سے ٹھیک کیا ہے کشور نے۔۔۔ اب پتا ناہیں پھر کب حاملہ ہو جائے۔" پانڈے نے بیٹری پر غصہ نکالتے ہوئے کہا۔

اقبال نے راہول کی آواز میں کہا۔ "پانڈے صاحب! ابھی کچھ دیر پہلے ہم نے تل پانی کے دو مسٹنڈے سپاہی پکڑے ہیں۔ پہلے تو وہ کچھ بتاوت ناہیں تھے۔ اب دس پندرہ منٹ پیٹھ پر جوتوں کی ٹکور کرانے کے بعد انہوں نے زبان کا تالا کھولا ہے۔ آپ اس وقت سخت خطرے میں ہو جی۔ ہمارا وچار ہے کہ آپ جتنی جلدی یہاں سے نکل جاویں، اتنا ہی اچھا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق یہاں سے روانہ ہونے کے لیے آپ کے پاس آدھ گھنٹے سے زیادہ کا وقت ناہیں ہے۔"

"یار! کیا بک رہے ہو؟"

"میں تفصیل آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ چھوٹے سرکار اور مراد شاہ کو جانکاری مل گئی ہے کہ آپ چھوٹی پلیا کے آس پاس موجود ہیں۔ آپ کو گھیرے میں لینے کے لیے ایک بڑا جتھا آپ کی طرف آ رہا ہے۔ پکڑے جانے والے دونوں لڑکوں نے بتایا ہے کہ یہ کم از کم ڈیڑھ سو گھڑ سوار ہیں۔ تین چار جیپیں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ چھوٹے سرکار یہ سمجھتا ہے کہ

[illegible] ہم سے چھڑانا عاجت ہے۔"

[illegible]

"میں اس سے اپنی لوکیشن کے بارے میں ٹھیک کچھ کہہ ناہیں سکتا۔ بس چاروں طرف درخت ہی درخت ہیں۔" اقبال بڑے اعتماد سے جھوٹ پر جھوٹ بول رہا تھا۔

"یعنی تم اس سے بالکل کھلی جگہ پر ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کوئی آبادی کوئی مکان وغیرہ دکھائی ناہیں دیتا؟"

"ناہیں۔۔۔ اور میں آپ کو پھر کہہ رہا ہوں، آپ باتوں میں سمے ضائع نہ کریں۔ جتنی جلدی ہو سکتا ہے، زرگاں کی طرف رخ کر لیں۔"

"اور تم دونوں؟"

"ہماری زیادہ چنتا ناہیں کریں۔ ہم بھی کسی نہ کسی طرح نکل ہی جاویں گے۔"

"جو دونوں لڑکے تم نے پکڑے ہیں، کیا ان سے ایک منٹ میری بات کرا سکت ہو؟"

"ٹھیک ہے میں کرا دیتا ہوں لیکن آپ کے پاس ٹائم۔۔۔" اس کے ساتھ ہی اقبال نے بٹن دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

سلسلہ چونکہ فقرے کے درمیان منقطع ہوا تھا، دوسری طرف یقیناً یہی سمجھا گیا ہوگا کہ کسی وجہ سے رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔

اقبال نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور داد طلب نظروں سے عمران کو دیکھا۔ عمران نے اس کے سینے پر ہلکا سا گھونسا جما کر اسے داد دی۔ یقیناً وہ تعریف کے قابل تھا۔ خود راہول بھی اس کی کامیاب نقالی پر حیران نظر آ رہا تھا۔ آواز کا اتار چڑھاؤ، فقروں کی بناوٹ، لفظوں کا چناؤ۔۔۔ سب کچھ پرفیکٹ تھا۔

راہول کو باہر بھیج دیا گیا۔ عمران کافی حد تک مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "چلو اس دوسری بلا سے بھی جان چھوٹی۔"

"وقتی طور پر۔" اقبال نے فقرہ مکمل کیا۔

"اور پچھلی بلا سے کیا مراد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یار! اتنی جلدی بھول گئے۔ استھان کے وہ سارے جنونی بلاؤں سے کم تو نہیں تھے۔ اگر پرسوں رات جنگل میں ان سے ٹاکرا ہو جاتا تو پانی پت کی تیسری لڑائی ہو جاتی۔"

[illegible]

"ابھی ہم دو چار دن آرام فرماؤ۔ ہمارے تابی کے ہاتھ کی گرم گرم روٹیاں کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ۔" آخر میں اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

رنجیت پانڈے کی منحوس آواز ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔۔۔ عمران نے میرے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا۔ "یار یہ پانڈے کیا شے ہے؟ بڑا اچھلتا ہے اس کا۔ کہتے ہیں کہ ٹھم جی کی مونچھ کا بال کہلاتا ہے۔"

اقبال بولا۔ "ظاہر ہے بھائی! جو شخص میڈم صفورا اور مولانا ابرار جیسے بندوں کو مرغیوں کی طرح دبوچ کر پاکستان سے انڈیا لا سکتا ہے، وہ معمولی چیز تو نہیں ہوگا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تابی سے اتنی محبت کیوں ہے اسے۔ بڑی شفقت سے اس کا نام لے رہا تھا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ ماضی قریب میں کہیں تابی نے اس کی دُم پر پاؤں رکھا ہے یا شاید دُم اکھاڑنے کی کوشش ہی کی ہو۔"

عمران اور اقبال سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگے۔

میں نے انہیں مختصر الفاظ میں اس زوردار جھڑپ کے بارے میں بتایا جو تل پانی کے دیوان میں میرے اور پانڈے کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جھڑپ میں تو پانڈے کو کامیابی نہیں ملی تھی لیکن وہ جاتے جاتے ایک بڑا نقصان پہنچا گیا تھا۔ اس کے رکھے ہوئے بم نے پھٹ کر دیوان میں کئی افراد کی جان لے لی تھی۔

عمران اور اقبال نے بڑی دلچسپی اور حیرت سے یہ روداد سنی۔ عمران نے میرے بازوؤں کے مسل تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اقبال! میں تجھ سے کہتا تھا نا، اپنے تابی کی جون بدل چکی ہے۔ اب یہ ہم سے دو ہاتھ آگے ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہمیں اس کی شاگردی اختیار کرنی پڑے گی۔ پہلوانی کے سارے داؤ پیچ اس سے سیکھنے پڑیں گے۔ پھر جب کہیں کوئی دنگل ہوگا تو پوسٹرز پر میرا اور تمہارا نام کس طرح لکھا جائے گا۔ اقبال پٹھا عمران، پٹھا تابش، پٹھا بابا نندا جی نیپال والا، پٹھا فلاں فلاں۔"

اقبال مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "مذاق تو رہا ایک طرف، ویسے یار! تابش! تم بہت تبدیل ہوئے ہو۔ میں سچ سچ

چندہ

رابی اسرائیل سے نقل وطن کر کے امریکا میں آباد ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے پولیس میں بھرتی ہونے کے لیے درخواست دی۔ انٹرویو کے دوران میں اس سے پوچھا گیا۔ "لوگوں کے ایک بڑے مجمع کو منتشر کرنے کے لیے تم کیا کرو گے؟"

رابی نے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ امریکا میں مجمع منتشر ہونے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ البتہ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ تل ابیب میں مجمع منتشر کرنے کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔"

کہا گیا۔ "اچھا یہی بتا دو کہ تل ابیب میں مجمع منتشر کرنے کے لیے کیا کرو گے؟"

رابی نے کہا۔ "میں چندہ مانگنا شروع کردوں گا۔"

ام کلثوم۔ کوٹ غلام محمد

حیران ہوتا ہوں۔۔۔ اب بھی تم نے سخت سردی میں صرف ایک قمیص پہن رکھی ہے۔ آج صبح تم نے ٹھنڈے پانی سے ہی نہانا شروع کر دیا تھا۔ کسی وقت تو لگتا ہے کہ جس تابش سے ہم لاہور میں ملے تھے، وہ کوئی اور تھا۔۔۔ اب جو تابش ہمارے سامنے ہے، وہ کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں پہ بھٹکنے والا کوئی درویش ہے جو دن رات چلہ کشی کی تکلیفیں اٹھانے میں سکون محسوس کر رہا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اب تکلیف میں راحت ملنا شروع ہو گئی ہے۔ میں بڑ نہیں مار رہا ہوں۔ مجھے اب سردی محسوس ہی کم ہوتی ہے۔"

اقبال نے میرے ہاتھ تھامے اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ میرے ہاتھوں کی رنگت گندمی ہو چکی تھی۔ ہاتھوں کی گانٹھوں پر چنڈیاں سی پڑ گئی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کی کھال بتدریج سخت اور موٹی ہو گئی تھی۔ سینڈ بیگ پر میں نے اتنی زیادہ مشق کی تھی کہ اب ٹھوس دیوار پر بھی مکا چلا سکتا تھا۔

اقبال بولا۔ "جو کچھ بھی ہے، میں تمہارے اس فلسفے سے کچھ زیادہ اتفاق نہیں کر پا رہا۔ اگر قدرت نے ہمیں کچھ آسانیاں دی ہوئی ہیں تو ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔۔۔ زندگی جینے کے لیے ہے، خود کو مسلسل تکلیف میں ڈالے رکھنے کے لیے نہیں۔"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تکلیف نہ خوشی۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مسئلہ تو صرف یہ ہے کہ ہم کتنی خوشی پانے کے لیے کتنی تکلیف اٹھانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم کچھ زیادہ ہی کتابی باتیں نہیں کرنے لگے ہو۔" اقبال نے جواب دیا۔

"یار اقبال! یہ اپنا جگر بڑی گہری بات کر رہا ہے۔" عمران نے مداخلت کی۔ "کسی وقت دھوپ میں بیٹھ کر، سگریٹ سلگا کر اور سامنے کڑک چائے رکھ کر اس کی بات پر غور کریں گے۔"

اسی دوران میں ایک قریبی کمرے سے رونے کی آواز آئی۔ یہ مردانہ آواز تھی۔ "میرا خیال ہے کہ یہ گرو ہے۔" عمران نے کہا۔

ہم اٹھ کر گرو کے پاس پہنچے۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں منہ دیے کھڑا تھا اور ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ ہر ہچکی کے ساتھ اس کی توند ہلتی تھی اور توند کے ساتھ پورا جسم بھی دہل جاتا تھا۔ اس کی پتنی رادھا کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ وہ اپنے آنسو پونچھنے کے ساتھ ساتھ اپنے پتی کو دلاسا دینے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ نوری بھی وہیں موجود تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہارے گرو کو؟" عمران نے رادھا سے پوچھا۔

وہ بس منہ میں منمنا کر رہ گئی۔ اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

نوری بولی۔ "میں بتاتی ہوں جی... اس موٹے کو رلانے کا کارنامہ میں نے انجام دیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" عمران نے پوچھا۔

"دراصل جی، ٹھیک سے تو مجھے بھی پتا نا ہیں تھا کہ یہ خبر اس طرح تباہ کر کے اس موٹے کی چھاتی پر لگے گی اور یہ یوں بھوں بھوں رونا شروع کر دیوے گا۔ خبر یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بستی میں اطلاع پھیلی ہے کہ تل پانی کی بڑی پھلواری کے پاس کسی پرانے استھان میں درگھٹنا ہوئی ہے۔ مندر کے بارہ سیوکوں کو کسی نے زہر دے کر مار دیا ہے اور کچھ لوگن کو اغوا بھی کر لیا ہے۔"

میں، عمران اور اقبال چونک گئے۔ عمران نے پوچھا۔

"یہ خبر پہنچائی کس نے ہے؟"

"ٹھیک سے تو پتا نا ہیں عمران بابو! کسی مسافر نے ہی پہنچائی ہوگی۔ بس اتنی جانکاری ہوئی ہے کہ ڈاکوؤں کو ڈھونڈنے کے لیے استھان کے بہت سے لوگن جنگل میں گھوم

رہے ہیں۔"

عمران ... [illegible]

ہوتا تھا، وہ ہو چکا۔ اب تمہارے رونے دھونے سے کیا فرق ہوگا؟"

گرو آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ بولا۔ "تم لوگوں نے مجھے برباد کر دیا۔ میرے ہاتھوں سے بارہ ہتھیا ہو گئیں۔ بھگوان کے اتنے سارے سیوک مارے گئے۔ اب میرا کیا ہووے گا۔ یہ لوگن مجھے جینے دیں گے نہ مرنے۔"

عمران نے گرو کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ تم نے خود ہی تو اس دن اشلوک پڑھا تھا کہ بندے کے ہر کام کو اس کی نیت سے جانچا جاتا ہے۔ تمہاری نیت کسی کو مارنے کی نہیں تھی۔ تم ان لوگوں کو صرف بے ہوش کرنا چاہتے تھے... اور وہ بھی صرف اس لیے کہ ایک بے گناہ لڑکی کو زندہ جلنے سے بچایا جا سکے۔ ان لوگوں کا جیون پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اپنے کرموں کا حساب دینے کے لیے بھگوان کے پاس پہنچ گئے۔ اور جس طرح کے ان کے کرم تھے، ان کا حساب جلدی ہی چاہیے تھا۔ اس میں تمہارا کوئی دوش نہیں۔"

گرو بولا۔ "دوش ہے یا نہیں لیکن مجھے اتنا پتا ہے کہ ستیش اور اس کے ساتھی کسی طرح اس گاؤں میں پہنچ گئے تو مجھے اور رادھا کو زندہ نا ہیں چھوڑیں گے۔ وہ اب تک بات وہاں تک پہنچ چکے ہوں گے۔ بڑے گرو نے انہیں میرے خلاف اور بھڑکا دیا ہووے گا۔"

"اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس بستی تک پہنچ سکیں گے۔ ان کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم ... پھیرا بستی میں ہیں۔ ان کی ساری بھاگ دوڑ ... کے پاس رہے گی۔" عمران نے پورے وثوق سے کہا۔

"پرنتو، ہونے کو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کل کی جانکاری ایشور کے سوا اور کسی کو نا ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تمہارے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں؟ خواہ مخواہ خود کو ہلکان مت کرو۔ دیکھو، تم ... جوان ہے۔ اسے زندگی کی زیادہ ضرورت ہے لیکن ... حوصلے میں ہے۔ تم تو سارے مزے لوٹ چکے ہو۔ ... کتنی داسیوں کے ساتھ خفیہ اور اعلانیہ بیاہ رچا چکے ... ہزاروں من حلوہ تو تمہارے پیٹ میں اتر ہی چکا ہوگا ... کے علاوہ ویسی گھی کے پراٹھے، باداموں والی ...

... جیون رکھشا کے لیے آپ کی بنتی کرت ہوں۔"

"دیکھ رے موٹے۔" اقبال نے کہا۔ "یہ سیدھی سادی لڑکی اب بھی تیرے بارے میں سوچ رہی ہے جبکہ تو صرف اپنے بارے میں فکرمند ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ گرو ہونے کے باوجود اپنے دھرم پر تیرا وشواس اس لڑکی سے کم ہے۔"

رادھا لرز گئی۔ "نا ہیں جی! ایسا مت کہیں۔ مجھ کو پاپ لگے گا۔ ہم سب کو پاپ لگے گا۔" اس نے جلدی سے نیچے بیٹھ کر گرو کے قدموں کو انگلیوں سے چھوا اور پھر یہی انگلیاں اپنی مانگ میں پھیریں۔

اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ دھرم کی خاطر اپنا تن من پورے یقین سے گرو کے سپرد کر چکی ہے اور ادھیڑ عمر گرو اس کی خود سپردگی اور سادگی سے "خاطر خواہ" فائدہ اٹھاتا ہے۔

عمران نے رادھا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اپنے اس گرو پتی کو میری طرف سے پوری تسلی دے۔ یہ اگر ہمارا سیوک بن گیا ہے تو پھر یہ ہماری حفاظت میں آ گیا ہے۔ اوپر والے نے چاہا تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ لیکن اسے سیوا پوری کرنی پڑے گی، تب ہی اس کے اور تمہارے گناہ دھل سکیں گے۔"

رادھا نے جلدی جلدی اثبات میں سر ہلایا۔

نوری سارا دن میرے آگے پیچھے ہی رہی۔ اس کا جسم مچلتے پارے کی طرح تھا۔ وہ اس پارے کے لشکارے دکھاتی پھرتی رہی۔ عمران اور اقبال نے اسے کھیا کے حوالے سے مظلوم بتایا تھا مگر فی الحال مجھے تو اس میں مظلومیت کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔ وہ چوڑیاں چھنکاتی ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے بھی کوئی معنی خیز فقرہ اچھال دیتی، کبھی مسکراہٹ کی چمک دکھاتی، کبھی چائے یا حقے کی بے وقت پیشکش کرتی۔ شام کو جب میں کمرے سے نکل رہا تھا، وہ دفعتاً اپنے پورے جسمانی گداز کے ساتھ مجھ سے آ ٹکرائی۔ اس کے ہاتھوں سے پیتل کی تھالی نکل کر دور جا گری۔ وہ خود بھی لڑکھڑا گئی۔ "اوئی ماں!" وہ اپنے کندھے کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "بابو جی! آپ تو ایک دم لوہا ہیں۔ مجھ غریب کی چولیں ہلا ڈالیں۔"

"زیادہ تو نہیں لگی؟" میں نے رسماً پوچھا۔

وہ تو شاید کسی ایسے ہی سوال کی تلاش میں تھی۔ سسکاری

... زیادہ ہی ... ہے جی۔ پر ... آپ نے ہی لگائی ہے نا۔"

"تم کیا شے ہو؟" میں نے حیرانی ظاہر کی۔

"یہی سوال اگر آپ سے کروں تو؟ میرا مطلب آپ کی کچھ سمجھ نا ہیں آوت ہے۔ نہ آپ کو سردی لگت ... گرمی، آپ ٹھنڈے پانی سے نہا لیوت ہیں۔ آپ لوہے کی مافق سخت ہے۔ لگتا ہے کہ آپ پہلوانی کرت ... لیکن پہلوان تو بہت موٹے موٹے ہووت ہیں گرو کی ... آپ تو دبلے پتلے ہیں۔" اس نے پھر دزدیدہ نظروں ... میرا سراپا دیکھا۔

"تم باتیں بہت کرتی ہو اور جتنی بھی کرتی ہو، وہ ... ہوتی ہیں۔ اپنے کام سے کام رکھو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اس وقت مجھے سامنے کھڑکی کے پیچھے ہلچل سی نظر ... جیسے کوئی ہمیں وہاں سے دیکھ رہا ہو اور پھر پردہ برابر ... چلا گیا ہو۔ یہ دو افضل کی بیٹیاں ہو سکتی تھیں... اور ... بھی۔ اگر یہ سلطانہ تھی تو پھر میرے لیے تشویش کی بات ... وہ نوری سے میری بات چیت کا کوئی غلط مطلب بھی ... تھی۔

مجھے شک تھا کہ نوری جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرائی ... تاہم یہ اتفاق بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے واقعی حیرانی ہو رہی تھی ... عمران نے یہ کیا شے پالی ہوئی ہے۔

میں سارا دن سلطانہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ ا... تمام تر سادگی، خاموشی اور وفاکشی کے ساتھ میرے حواس ... مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مجھ سے گریز کر رہی تھی اور ... گریز مجھے اس کی طرف کشش کر رہا تھا۔ میں اس کی نفسیا... کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ جارج گورا کے ہاتھوں اس کا ... ہی نہیں، اس کی روح بھی زخمی ہوئی تھی۔ وہ خود کو اس قا... نہیں سمجھ رہی تھی کہ میری بیوی اور بالو کی ماں کہلاتی۔ میرے نزدیک اس کی یہ سوچ یکسر غلط تھی۔ میں اپنے دل ... گہرائیوں سے یہ سمجھتا تھا کہ وہ آج بھی ویسی ہے جیسی ... بے مہرات سے پہلے تھی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہو... کہ وہ میرے نزدیک پہلے سے زیادہ عزیز اور محترم تھی۔ ا... کے جذبۂ قربانی اور ایثار نے میری نظروں میں اسے گرا... کے بجائے اور ابھارا تھا۔

رات کو میں اوپر کمرے میں بستر پر لیٹا ہی تھا ... میں الجھا ہوا تھا کہ نوری ... کی پھینی دھکا کر کمرے ... میں لے آئی۔ وہ حسب معمول بے باک لباس میں تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible] شاید جان بوجھ کر سرکا دی تھی۔ اب وہ گلابی چنری ایک بے مصرف شے کی طرح اس کے کندھے پر پڑی تھی۔ انگیٹھی کی لو سے اس کا چہرہ بھی دہکتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

وہ انگیٹھی میرے بستر کے بالکل قریب رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کو سردی نا ہیں لگتی لیکن مہمان نوازی تو ہمارا فرض ہے نا جی۔" اس کے ساتھ ہی وہ نیچے دری پر اکڑوں بیٹھ گئی۔

"چلو فرض پورا ہو گیا ہے۔ اب جاؤ۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"تابش بابو! آپ تو بہت روکھے ہو جی۔"

"روکھا ہی نہیں ہوں... مار پیٹ بھی کر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

وہ ڈرے بغیر بولی۔ "یہ تو میں نے آج دوپہر دیکھ ہی لیا ہے۔ اتنی زور سے مارا ہے کہ... اُف... ہاتھ بھی نہیں لگتا۔"

"کیا مطلب؟"

اس نے اپنا کندھا دوسرے ہاتھ سے دبایا اور سسکاری لے کر "اوئی اللہ" کہا پھر بے تکلفی سے بولی۔ "اتنی زور سے ٹھڈا مارا ہے جی کہ مجھ غریبنی کے کندھے پر نیل پڑ گیا ہے۔"

"اچھا، اب تم یہاں سے جاؤ۔ تمہیں مزید نیل پڑ سکتے ہیں۔"

"زہے قسمت۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ پھر میرے تیور دیکھ کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا جی، میں جاوت ہوں۔" اس نے کہا۔

وہ دروازے کی طرف مڑی مگر دو قدم چل کر رک گئی۔ تب پلٹی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر گویا ہوئی۔ "غصہ نہ کرنا جی... ایک بات کہوں آپ سے... آپ ہی کے فائدے کی ہے۔"

"کہو۔" میرے تیور بدستور خراب تھے۔

"آپ کی گھر والی شاید آپ سے ناراض ہیں۔ اگر آپ نے انہیں منانے کے لیے کوئی پیغام شیغام دینا ہے تو مجھے بتائیں۔ میں ان تک پہنچا دوں گی۔"

میں نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ادا سے مسکرائی۔ آنکھوں میں شوخی تھی۔

"کیا تم اس سے بات کر لیتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں ناہیں جی۔ بات بھی کر لیوت ہوں اور ہنسی مذاق بھی۔ آپ فرمائیں، آپ نے کہنا کیا ہے؟" وہ بے تکلفی [illegible]

وہ ایک دم کھڑی ہوئی اور [illegible]

"بڑے سخت ہو جی۔" اس نے کہا۔

"کیا سختی کی ہے میں نے؟"

"یہ دوپہر والی سختی کیا کم ہے؟" وہ بولی۔

پھر اس نے اپنا کندھا عریاں کر کے مجھے دکھایا۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے انتہائی بے باکی سے اپنی چولی کندھے سے نیچے تک کھسکا دی۔ اس کا شفاف کندھا اور سامنے سے جسم نیم عریاں ہو گیا۔ اس کے کندھے پر ہلکا نیل نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" میں سچ مچ تپ گیا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "یہ بے ہودگی نا ہیں جی... چوٹ ہے... اور ایسی ہی چوٹ میرے دل پر بھی آئی ہے۔ آپ حکم دیویں تو یہ دوسری چوٹ بھی دکھاؤں۔" اس نے دلیری سے چولی کے دوسرے مونڈھے پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔

وہ حد پار کر رہی تھی۔ "چولی اوپر کرو۔" میں گرجا۔

مجھے تعجب ہوا جب وہ ڈری نہیں۔ بس اتنا ہوا کہ اس نے چولی کو بائیں جانب سے نہیں اتارا۔ وہ لجاجت سے بولی۔ "آپ بڑے ظالم ہو جی۔ مارتے بھی ہو اور چوٹ نہیں دکھانے دیتے۔"

"تم بکواس بند کرو اور نکلو یہاں سے۔ نہیں تو میں اٹھا کر پھینک دوں گا۔"

"چلو حضور، کسی بہانے اس داسی کو اٹھائیں گے تو سہی۔" وہ بولی اور میرے مزید غصے سے بچنے کے لیے عریاں کندھا ڈھانپ لیا۔

"میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں۔ شرافت سے چلی جاؤ... نہیں تو..."

ابھی میرا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا اور سلطانہ اندر داخل ہوئی۔ لالٹین کی روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے نوری کی طرف دیکھا اور اس کی طرف بڑھی۔ نوری گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی چنری سر پر رکھ لی۔ سلطانہ نے بے دریغ اسے چوٹی سے پکڑا اور جھٹکا دے کر کمرے کے وسط میں پہنچا دیا۔ وہ انگیٹھی کے اوپر گرتے گرتے [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

"نہیں ہو... میں لوں گی۔" نوری چلا کر رو دی۔ [illegible] سلطانہ کو اپنے ہاتھ پر روکا۔ سلطانہ پھنکاری۔ "مجھے چھوڑو میں اس کی جان لے لوں گی۔ یہ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو؟"

میں نے بمشکل سلطانہ کو سنبھالا اور نوری کو دھکیل کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ اس کشمکش میں نوری کی کئی چوڑیاں ٹوٹیں۔ سلطانہ کو نوری کے پیچھے جانے سے روکنے کے لیے میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ وہ طیش سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس کا سینہ پھول پچک رہا تھا۔ گھنے بالوں کی لٹیں چہرے پر تھیں۔ میں نے اس کے کندھے تھامے۔ "چھوڑو سلطانہ! ایسی دو ٹکے کی عورت کے لیے خود کو کیوں طیش میں لا رہی ہو؟ اسے اس کی بے شرمی کا بڑا اچھا جواب مل گیا ہے۔"

"اس کی نجر اِچ خراب ہے۔ مجھے کل اِچ اندازا ہو گیا تھا۔ اس حرامجادی کمینی کی اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ تمہارے کمرے میں آئی۔ میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک مدھم مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میرے دونوں ہاتھ سلطانہ کے کندھوں پر تھے۔ میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "سلطانہ! اگر تم برا نہ مانو تو تمہاری بات کا جواب دوں؟"

"کس بات کا مہروج؟"

"یہی کہ اس کمینی کو جرأت کیسے ہوئی کہ میرے کمرے میں آئی؟"

وہ اپنی بھیگی ہوئی سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "اسے یہ جرأت اس لیے ہوئی کہ تم یہاں میرے پاس نہیں تھیں۔"

وہ ایک دم ٹھٹک گئی۔ پھر اس نے اپنا جسم چرایا اور اپنے کندھے میرے ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیے۔ میری پلنگ نما چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئی اور اپنی اوڑھنی سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ اس کی غم زدہ سادگی میں ایک خاص طرح کی کشش تھی۔ نوری اور نوری جیسی دوسری گوری چٹی چھم چھم کرتی تیز طرار لڑکیوں میں ایسی کشش کم ہی ہوتی ہے۔ میں ناقدانہ نظروں سے سلطانہ کو دیکھنے لگا۔ اس کے شانے چوڑے تھے اور شانوں کے مقابلے میں کمر نہایت دبلی پتلی اور چست تھی۔ غالباً اس کے جسم کی زیادہ تر کشش اس کی کمر کی وجہ سے ہی تھی۔ یہ کمر اب [illegible]

[illegible] بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو مہروج! میں اِچ بدقسمت (بدقسمت) ہوں۔ تمہارے قریب ہوتے ہوئے بھی قریب ناہیں ہوں۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ کچھ بھی میرے بس میں ناہیں۔ بس خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ میرے دل کو سکون دے دے یا پھر موت دے دے۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے اندر جیسے ایک زبردست کشمکش تھی۔ کشمکش کے اس آشوب میں اس کا لرزاں جسم کسی کشتی کی طرح ڈولتا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر چلی گئی۔ کمرے کی طرح میرا دل بھی ایک دم خالی ہو گیا... میں بے دم سا ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ بستی کے گلی کوچوں میں سرد ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی... میرے سینے میں انگارے سلگ رہے تھے۔ جارج گورا کی صورت بار بار نگاہوں کے سامنے آتی تھی۔ یہ وہی تھا جس نے پہاڑی جھرنوں جیسی صاف شفاف چنچل سلطانہ کو اپنی ہوس سے داغ دار کیا تھا اور اسے زندگی اور زندگی کی ساری رعنائیوں سے بہت دور کر دیا تھا۔ دوسری طرف جارج گورا ابھی اپنی قرار واقعی سزا سے بہت دور تھا۔ اپنے حفاظتی حصار میں معمول کی زندگی جی رہا تھا۔ سلطانہ نے اپنے طور پر اس سخت حصار کو توڑنے کی کوشش تو کی تھی مگر ناکام رہی تھی۔

میرے دل نے گواہی دی کہ میں جب تک سلطانہ کے ادھورے کام کو مکمل نہ کروں گا، وہ بھی نارمل زندگی کی طرف نہیں آ سکے گی۔ اس پر عملاً ظلم ہوا تھا۔ اسے عملی دادرسی کی ضرورت تھی۔ زبانی باتوں سے اس کے زخم مندمل ہونے والے نہیں تھے۔

رات کو انگیٹھی کے گرد بیٹھ کر الائچی والا قہوہ پیتے ہوئے عمران اور اقبال کے درمیان اہم گفتگو ہوئی۔ عمران کی رائے تھی کہ ہم اگلے کم از کم پندرہ بیس دن بڑی خاموشی کے ساتھ گزاریں اور حالات کا جائزہ لیں۔ اس نے کہا۔ "اس وقت یک نہ شد دو شد والا معاملہ ہے۔ ہم دو طرفہ مصیبت میں ہیں۔ حکم جی کے ہرکارے اور استھان کا جنونی ٹولہ دونوں ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ جب ہوا تیز ہو تو لچک دار شاخیں جھک جاتی ہیں اور ٹوٹنے سے بچ جاتی ہیں۔"

"لیکن یہ مثال ہم پر صادق نہیں آتی۔" میں نے کہا۔

"اور ویسے بھی کبھی کبھی خاموشی گناہ بن جاتی ہے۔ جارج گورا اور حکم جی وغیرہ جو کچھ ہمارے ساتھ کر چکے ہیں، اس کے بعد

بڑے بہادر جنگجو بھی میدانِ جنگ میں حکمت عملی کے تحت پسپا ہوتے ہیں۔''

''تم چاہتے ہو کہ ہم کچھ دن کے لیے چپ سادھ لیں لیکن مگر تم ایک بات بھول رہے ہو۔ ہم چپ بھی نہیں سادھ سکتے۔ کم از کم میری موجودگی میں تو تم دونوں ایسا نہیں کر سکتے۔''

''کیا مطلب؟'' اقبال نے پوچھا۔

''میں اس کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' عمران بولا۔ ''یہ چپ کی بات کر رہا ہے... چپ اس کے اندر موجود ہے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ ہماری نشاندہی بھی کر سکتی ہے۔ کیوں، یہی بات ہے نا؟'' اس نے آخری جملہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تو کیا یہ غلط ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''درست ہے لیکن اس کا انتظام بھی میں کر چکا ہوں۔ بلکہ یہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں اس کے بارے میں سوچ چکا ہوں۔ وہ مندر دیکھ رہے ہو؟'' عمران نے کھڑکی سے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تاؤ افضل کے گھر کے بالکل عقب میں مندر کی مخروطی چوٹی نظر آ رہی تھی۔ ''مندر میں کیا ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''مندر میں نہیں ہے، مندر کے نیچے ہے۔'' عمران بولا۔ ''اس مندر کے نیچے تین منزلہ تہ خانہ ہے۔ یعنی تہ خانہ پھر اس کا تہ خانہ پھر اس کا تہ خانہ۔ کچھ نہیں تو پچاس فٹ گہرائی تو ہوگی۔ ہم کل تک اس مندر کے سب سے نچلے تہ خانے میں شفٹ ہو جائیں گے اور اگلے کم از کم تین ہفتے وہیں گزاریں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنی گہرائی میں تمہاری مخبر چپ کسی طرح کے سگنل چھوڑ سکے گی۔''

''یہ تہ خانوں والی بات تم مذاق سے کہہ رہے ہو یا واقعی ایسا ہے؟''

''مذاق کی بات پر ہنسی آتی ہے۔ کیا اس تہ خانوں والی بات پر تمہاری ہنسی چھوٹی ہے؟'' عمران نے الٹا سوال جڑ دیا۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''واقعی اس مندر کے نیچے ایک سہ منزلہ تہ خانہ موجود ہے۔ یہ تہ خانہ اور مندر قریباً چھ سو سال پرانے ہیں... تہ خانہ مندر کا حصہ تو نہیں مگر اس کے ساتھ اٹیچ ہے۔ پرانے دور میں بیرونی حملہ آوروں سے بچنے کے لیے فتح پور کے خاص خاص باشندے اپنے بال بچوں سمیت ان تہ خانوں میں اتر جایا کرتے تھے۔ اب یہ تہ

بھی اس کے پاس ہے۔''

[illegible]

''گھبراؤ مت۔ جب تم سر سے پیر تک ... چوہے دان میں کیسے پھنسو گے۔ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ توقع رکھتا ہے۔''

عمران اور اقبال دیر تک انگیٹھی کے سامنے بیٹھے گپ شپ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن میرا دھیان اوپر کمرے کی طرف تھا۔ دل میں یہ آس سی موجود تھی کہ شاید آج سلطانہ کے خیالات میں کچھ تبدیلی واقع ہو جائے اور وہ کمرے کا رخ کرے۔ وہ شدید تذبذب میں نظر آتی تھی۔ شاید اس تذبذب کا نتیجہ مثبت نکل آتا۔

میں نو بجے کے قریب کمرے میں چلا گیا اور اس کے قدموں کی آہٹ کا انتظار کرنے لگا۔ نوری کا دور دور تک نہیں تھا۔ سلطانہ کے طیش کا شکار ہونے کے بعد وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ میں سلطانہ کا انتظار کرتا رہا۔ میں حکم دیتا تو وہ فوراً آ جاتی لیکن میں اختیار استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے آئے۔ بستی کے نیم گرم مکانوں سے باہر ایک دھند آمیز سرد رات آہستہ خرامی سے گلی کوچوں میں سرسراتی رہی۔ دور جنگل سے رات کو گشت لگانے والے جنگلی جانوروں کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ کمرے کی ادھ بجھی انگیٹھی میں انگارے سلگتے رہے اور دھیرے دھیرے راکھ میں تبدیل ہوتے رہے۔ میری نظر گاہے بگاہے دروازے کی طرف اٹھتی رہی اور ناکام لوٹتی رہی۔

نصف شب گزر گئی تو ایک عجیب سی تپش میرے رگ و پے کو جھلسانے لگی۔ میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر خاموشی سے دروازہ کھول کر چھت پر چلا گیا۔ سرد یخ ہوا میری ہلکی پھلکی قمیص سے گزر کر میرے جسم سے ٹکرائی، میری ہڈیوں میں اتری، درد کی ٹیسیں اٹھیں اور میرے بدن میں گھل گئیں۔ بارو ماجیکی مجھے جینے کے کئی ڈھنگ سکھا گیا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا... جب دل کا درد یعنی اندر کا درد حد سے گزر جائے اور بہت بے چین کر دے تو اسے جسمانی درد میں تبدیل کر دو... خود کو کسی بڑی مشقت میں غرق کر دو...

وہاں چھت پر ایک چارپائی کی ٹوٹی ہوئی ادوائن پڑی تھی۔ میں نے ادوائن کو ایک رسّے کی طرح استعمال کیا اور

[illegible] پاؤں [illegible] پانچ دس منٹ کے اندر ہی [illegible] شق ہوتا ہے [illegible]

[illegible] کیفیت انتہا کو [illegible] جائے گی۔ یہ کیفیت [illegible] پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ بس یہی کیفیت مجھے درکار ہوتی تھی۔ میں اسی کو جھیلنے اور بڑھاوا دینے کی عادت ڈال رہا تھا۔

جب ٹانگیں جواب دینے لگیں اور مجھے لگا کہ میں بے دم ہو کر گر جاؤں گا تو میں نے رسّا ایک طرف پھینک دیا اور ٹھنڈی یخ چھت پر چت لیٹ کر اپنی سانسیں درست کرنے لگا۔ مجھے سینڈ بیگ کی ضرورت تھی جس پر میں اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلا سکتا... اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو خون اگلنے پر مجبور کر سکتا... یا پھر میرا کوئی مدمقابل روبرو ہوتا۔ میں پوری بیدردی سے اسے مارتا اور وہ مجھے مارتا... اور اگر یہ مدمقابل جارج گورا ہوتا تو پھر کیا ہی بات تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں ہر اندیشے کو بالائے طاق رکھ کر دیوانہ وار اس سے ٹکرا جاؤں۔ اس وقت تک اس سے لڑتا رہوں جب تک وہ مجھے مار دے یا میں اسے مار ڈالوں۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی چھت کے اندھیرے میں میرے پاس موجود ہے۔ سلطانہ...؟ میرے ذہن میں یہ جاں افزا سوال برق کی طرح لہرایا۔

''کون؟'' میں نے سیڑھیوں کے قریب ایک ہیولے کو دیکھ کر کہا۔

میرے سوال کے جواب میں ہیولے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ میرے سامنے آ گیا۔ وہ اقبال تھا۔ ''تم نے تو ڈرا ہی دیا۔'' وہ میرے قریب آ کر بولا۔ ''مجھے کھانسی ہو رہی تھی اس لیے جاگ رہا تھا۔ اوپر سے دھم دھم کی مسلسل آوازیں آئیں تو دیکھنے کے لیے چلا آیا۔ یہ کیا کر رہے ہو یار تم؟''

''تم دیکھ تو رہے ہو۔''

''یار! یہ ایک ترانہ ہے مانا، مجھے تو لگ رہا ہے جیسے کوئی ٹین ایجر لڑکا مارشل آرٹ کی کسی جاپانی فلم سے متاثر ہو گیا ہے اور بروس لی بننے کی کوشش میں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہا ہے۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''تم جو بھی سمجھو لیکن میں کسی کو دکھانے کے لیے کچھ نہیں کر رہا۔ یہ میری اپنی FEELINGS تھیں۔ غلط ہیں یا صحیح، میں اس پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔''

''مجھے تو ڈر ہے کہ تم خود کو بیمار کر بیٹھو گے۔ تم اپنے ذہن

لوگے یا مارشل آرٹ کے حوالے سے غیر معمولی صلاحیت حاصل کر لو گے تو یہ جذباتی سوچ ہی ہو سکتی ہے۔ ایسے کاموں اور تبدیلیوں کے لیے ایک لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے یار... مستقل مزاجی سے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہوتا ہے۔''

میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اقبال! مستقل مزاجی تو ہے یہاں... لیکن میں آہستہ آہستہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ میرے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ جب کہیں آگ لگی ہو تو اسے بجھانے کے لیے آہستہ آہستہ پانی نہیں لایا جاتا۔ سب کچھ تیز رفتاری سے کرنا پڑتا ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اپنا لہجہ خود مجھے بھی عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

''تم کس آگ کی بات کر رہے ہو؟'' وہ میرے قریب ایک چٹائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''وہی آگ جو سیٹھ سراج اور جارج گورا جیسے لوگوں نے میرے اندر لگائی ہے۔ میں اس آگ کو اب اور برداشت نہیں کر سکتا۔ میری ماں کی موت جن حالات میں ہوئی فرح، ثروت اور عاطف کو جس طرح مجھ سے چھینا گیا، وہ سب کچھ تم لوگوں کو معلوم ہی ہے... اور اب یہاں صرف میری کم ہمتی اور کمزوری کی وجہ سے جو کچھ سلطانہ کے ساتھ ہوا ہے، وہ بھول جانے کے قابل نہیں ہے۔ میں چاہوں بھی تو اسے نہیں بھول سکتا۔ اب میں آہستہ آہستہ نہیں چل سکتا اقبال... مجھے کچھ کرنا ہے یا پھر مرنا ہے۔''

''تو ایسی باتیں کرتا ہے تو مجھے لگتا ہے کہ تو ہمیں اپنا دوست ہی نہیں سمجھتا۔ تو اکیلا نہیں ہے تابی... جو کچھ گزری ہے، ہم سب پر گزری ہے۔ جو مری ہے، وہ ہم تینوں کی ماں تھی... جو بچھڑے ہیں، وہ ہم تینوں کے بہن بھائی تھے اور یہاں جو واقعہ سلطانہ کے ساتھ ہوا ہے، اس کا زخم ہم تینوں کے سینوں پر لگا ہے اور اس کا بدلہ بھی ہم تینوں چکائیں گے۔''

''تم اس طرح بات کرتے ہو تو میرا حوصلہ پہاڑ ہو جاتا ہے لیکن یار! مجھے ایک سچی بات کہنے دو۔ میں نے آج تک تم دونوں سے لیا ہی لیا ہے، دیا کچھ نہیں۔ میں اپنی ساری کمزوریوں سمیت تم دونوں پر بوجھ ہی بنا رہا ہوں۔ تمہارے لیے مصیبتیں ہی کھڑی کرتا رہا ہوں۔ میں اب مزید بوجھ بننا نہیں چاہتا۔ تمہاری دوستی سے بڑھ کر قیمتی شے میرے لیے اور کوئی نہیں لیکن میں اس دوستی کو اپنی بیساکھی بنانا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہتا ہوں

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

شاید مصیبت کی گھڑی میں تم سے دو قدم آگے رہنا چاہتا ہوں۔"

"اور دو قدم آگے رہنے کے لیے تم اس وقت اس ٹھنڈی چھت پر چت لیٹے ہوئے ہو؟"

"میں اپنے طریقے سے جو کچھ کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ یہ طریقہ جیسا بھی ہے لیکن مجھے اس میں حوصلہ اور جوش ملتا ہے... اور اس کے ساتھ ساتھ سکون بھی۔ اگر میں اس کام میں ناکام بھی ہوا تو یہ میری ناکامی ہوگی۔ کسی دوسرے پر اس کا الزام نہیں آئے گا۔"

"نہیں یار! یہ بات نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آہستہ آہستہ تم سب سے ہی دور ہوتے جا رہے ہو۔ اپنی الگ دنیا بسا رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں۔ یا کسی طرح ہمیں قائل کر لو یا خود قائل ہو جاؤ۔"

"یہ قائل کرنے یا ہونے کی بات نہیں ہے اقبال۔" عمران نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ "یہ تو دیوانہ پن ہے... اور ہر کسی کا اپنا اپنا دیوانہ پن ہوتا ہے۔"

"تم قائل کرنے کی کوشش تو کرو۔ مجھے سمجھاؤ تو سہی کہ سردی برداشت کرکے، کھردرے فرش پر سو کر، گھنٹوں اندھا دھند بھاگ کر اور خود کو تکلیف دہ زخم دے کر تم خراج پا سکتا ہوں۔"

میں مسکرایا۔ "میں تمہیں کیسے قائل کروں... تم اس الخنت شخص سے ملے ہی نہیں جسے بارودما جنگی کہا جاتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کسی کھوہ میں سردیوں کی سخت ترین راتیں گزاری ہیں... اس کی باتیں سنی ہیں... اس کے ساتھ دیکھے اور یہ اس آگ کو محسوس کیا ہے جو اس کے اندر دہکتی تھی۔" میں نے چند لمحے توقف کیا اور پھر سانس لے کر کہا۔ "اقبال! وہ انوکھا شخص تھا۔ اسے عشق کا روگ نہ لگ جاتا اور وہ چند برس اور زندہ رہتا تو وہ بہت اوپر تک جاتا۔ ہم نے فائٹنگ آرٹ کی، بروس لی، محمد علی اور سونی لسٹن وغیرہ کے نام سنے ہیں، وہ ان سے کم پائے کا شخص نہیں تھا۔ اور کیا پتا کہ وہ ان سے کچھ آگے جاتا کیونکہ وہ صرف ایک فائٹر ہی نہیں تھا، روحانی شخص بھی تھا۔ اس کا فن اس شگوفے کی طرح ہے جو پوری طرح کھلنے سے پہلے مرجھا جاتا ہے۔ میں خود پر فخر کرتا ہوں کہ مجھے اس شخص کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا ہے۔"

اقبال ہار ماننے والے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور مزاحیہ انداز میں بولا۔ "اچھا جی بارودما ثانی

صاحب! [illegible] گرو کی [illegible] تعلیمات [illegible] ٹھنڈ بھی کچھ زیادہ ہے۔ چلیں، نیچے تشریف لے چلیں۔"

اگلے روز صبح سویرے نوری نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔ میں اٹھا تو وہ بولی۔ "بابو جی! آپ کو تازہ خبر ملی ہے؟"

"کیا ہوا؟"

"وہ مشٹنڈا... موٹا گرو بھاگ گیا۔ رات کسی وقت پچھلے [illegible] سے کہیں نکل گیا۔ وہ بستی میں اور آس پاس کہیں بھی نہیں ہے۔ اس کی بچی رو رو کر بے حال ہو رہی ہے۔"

میں چپل پہن کر اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کر عمران اور اقبال کے پاس پہنچا۔ عمران ابھی ابھی کہیں سے واپس آیا تھا۔ اقبال ادھیڑ عمر تاؤ افضل کے سر کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ سر سے بہنے والا خون تاؤ کی نیم سفید داڑھی تک پہنچا ہوا تھا۔ آنکھیں بند کیے، ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

میرے پوچھنے پر عمران نے بتایا۔ "لگتا ہے کہ وہ خبیث کہیں دور نکل گیا ہے۔ تاؤ نے بھی یہی بتایا ہے کہ اسے نکلے تین چار گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

"تاؤ کو کیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تاؤ رات کو باہر والے دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھا رہتا ہے۔ رات کو بھی یہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس موٹے نے نمک مرچ پیسنے والے ڈنڈے سے تاؤ کے سر پر چوٹ لگائی ہے۔ تاؤ بالکل بے ہوش ہو گیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی جان بچ گئی ہے۔"

اندر سے رونے کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ سلطانہ کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ گرو کی اکلوتی بچی کو دلاسا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں بھی کمرے میں چلا گیا۔ رادھا سوگوار انداز میں چٹائی پر بیٹھی تھی۔ سلطانہ نے اسے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ رادھا سسکی۔ "مجھ کو بہت پاپ لگے گا۔ وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اگر ناراض نہ ہوتے تو مجھے بھی اپنے سنگ لے کر جاتے۔"

اتنے میں اقبال اندر داخل ہوا اور طنز سے بولا۔ "وہ بھگوڑا تجھ سے ناراض نہیں ہوا، وہ اس لیے تجھے ساتھ نہیں لے جا سکا کہ اسے صرف اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ تو اس کمرے میں باقی عورتوں کے ساتھ سو رہی تھی۔ تجھے جگانے کے لیے وہ یہاں آتا تو اس کا "فراری پروگرام" گڑبڑ ہو جاتا۔"

"ان کو ایسا مت کہو... ان کو بھگوڑا نا ہیں کہو۔" رادھا کانپ کر بولی۔

[illegible] نہیں لے رہا تھا۔ ایسے پتی پر رونے سے کہیں بہتر ہے کہ آلو کریلے پکاؤ، ساتھ میں حلوہ بناؤ۔ خود کھاؤ، ہمیں بھی کھلاؤ۔ اس موٹے سے چھٹکارے کا جشن مناؤ..."

رادھا اور زور زور سے رونے لگی۔ عمران نے اقبال کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "خیر، یہ جشن کا موقع بھی نہیں ہے۔ گرو کے یہاں سے نکلنے میں ہمارے لیے بھی خطرے چھپے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی کے ہاتھ آ جاتا ہے تو پھر یہاں اس گاؤں میں ہماری موجودگی کا بھانڈا بھی پھوٹ سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟ ہم بھی اس لڑکی کے ساتھ رونا شروع کر دیں؟" اقبال نے اعتراض کیا۔

اقبال اور عمران کے مکالمے کے دوران میں ایک دو بار سلطانہ سے میری نظر ملی... میں اس کے انداز میں تذبذب اور جھجک صاف محسوس کر رہا تھا۔ وہ جیسے میری دلی کیفیت کو جانتی تھی اور اس حوالے سے پشیمان بھی تھی لیکن اس کے مداوے کے لیے کچھ کرنے سے قاصر تھی۔

اس دن بہت سے لوگ عمران سے ملنے کے لیے آئے۔ ان میں بوڑھے، بچے جوان سب ہی شامل تھے۔ سب اسے عمران بیٹا یا عمران بھیا کے نام سے پکار رہے تھے۔ وہ اس کی سحر کن شخصیت کے اسیر تھے، اس کی دل نواز مسکراہٹوں کے شیدائی تھے۔ وہ ان کا ہمدرد و غم گسار تھا۔ وہ کسی کی بیماری کا علاج اپنی گرہ سے کرا رہا تھا۔ کسی کے جھگڑے نمٹانے میں اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ کسی بڑھیا کی لاٹھی بنا ہوا تھا۔ نوری جیسی ایک دو اور لڑکیاں بھی تھیں جن کے ہاتھ پیلے کرنے کا بیڑا اس نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ جس نوجوان مچھیرے سے نوری کا بیاہ کرنا چاہ رہا تھا، وہ بھی وہاں آیا ہوا تھا۔ وہ کھلے ہڈ پیر والا ایک سادہ سا نوجوان تھا۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ عمران نے اسے ایک چھوٹا جال خرید کر دیا تھا۔ اس جال کی مدد سے انور نامی اس نوجوان نے معقول پیسے بنا لیے تھے اور اب ایک پرانی کشتی خریدنے اور اسے مرمت کر کے قابل استعمال بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ عمران کے ملنے والوں میں سے ہی ایک بیوہ عورت ایسی تھی جو اپنی ضروریات کے لیے اپنے مرحوم شوہر کی دو کشتیاں بیچنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ عمران نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑی خوش اسلوبی سے ان دونوں افراد کا مسئلہ حل کرا دیا۔ بیوہ عورت اپنی ایک کشتی بیچ کر از حد خوش ہوئی اور انور کشتی خرید کر۔

عمران نے میری طرف دیکھا اور اپنی مخصوص پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "کیسی رہی یہ ڈیل؟"

"اچھی تھی۔"

"اچھی نہیں، بہت اچھی تھی۔ دراصل جگر! ہمارے ارد گرد لوگ اپنے اپنے مسئلے اور اس کے حل کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ پرابلم صرف یہ ہوتا ہے کہ حل کسی کے پاس اور مسئلہ کسی دوسرے کے پاس ہوتا ہے۔ کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ ان دونوں افراد کو خوش اسلوبی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ ملانے والا خواہ مخواہ میں نیک نامی کما لیتا ہے اور جب لوگ اس پر بہت زیادہ اعتماد بھی کرنے لگتے ہیں تو وہ ہیرو بن جاتا ہے۔"

کچھ دیر بعد جب گھر کے صحن میں سے عمران کے پرستاروں کا مجمع چھٹا تو میں نے عمران سے کہا۔ "یار! تم نوری والے معاملے میں اس انور نامی لڑکے سے کچھ زیادتی نہیں کر رہے ہو؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟ وضاحت فرماؤ۔"

"نوری جس قماش کی ہے، تم نے دیکھا ہی ہوگا اور میں نے بھی تھوڑا بہت دیکھا ہے۔ تم اس سیدھے سادے لڑکے کو ایک آفت کے حوالے کر دو گے۔ اس بے چارے کی زندگی خراب ہو جائے گی۔"

"بھئی زندگی خراب ہوگی تو خبر بنے گی نا۔ اور ہم فساد پلس کے نمائندوں کو خبریں ہی تو درکار ہوتی ہیں۔ ہم صبح سویرے اٹھتے ہی دعا مانگتے ہیں، یا اللہ ہماری روزی میں برکت ڈال، ہم پر اپنی رحمت کا سایہ رکھ... اور باقی سب پر سے یہ سایہ اٹھا لے۔"

"ہم لٹھ لے کر خبر نویسوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حالانکہ وہ صرف آئینہ دکھاتے ہیں۔"

"آئینہ تو دکھاتے ہیں لیکن عام طور پر یہ شکلیں بگاڑنے والا آئینہ ہوتا ہے۔"

"اچھا چھوڑو اس بات کو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ نوری جیسی واہیات کو اس لڑکے کے پلے کیوں باندھ رہے ہو؟"

"بھئی ہو سکتا ہے کہ یہ اتنی واہیات نہ ہو جتنی تمہیں نظر آتی ہو۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ۔"

"تو تمہارے خیال میں وہ نیک بی بی ہے؟"

"میں یہ تو نہیں کہہ رہا لیکن... چلو... اس بارے میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔" وہ ایک دم بات ٹال گیا۔

"ہر بات کے بارے میں تم یہی کہتے ہو کہ بعد میں بتاؤں گا... تمہاری یہ "بعد" کب آئے گی؟"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اسی دوران میں گرو کی تلاش میں گئے ہوئے کچھ لوگ منہ لٹکا کر آگئے۔ عمران ان سے مصروف گفتگو ہو گیا۔

اگلے روز آدھی رات کو عمران نے ہی مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ عمران کے چہرے سے گہری سنجیدگی ٹپک رہی تھی۔ وہ تیزی سے بولا۔ ''تابی! ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہوگا۔ گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

''کیا ہوا؟''

''وہ الّو کا پٹھا گرو سوبھاش پکڑا گیا ہے۔ استھان کے لوگ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''ایک بھروسے والا بندہ ہے۔ ہمارے پاس اب اور کوئی راستہ نہیں۔ ہمیں فوری طور پر یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔''

میں نے دیکھا، سارے گھر کے اندر ہلچل نظر آرہی تھی۔ میں نے جلدی سے جیکٹ پہنی اور گرم چادر کی بکل ماری۔ بھرا ہوا پستول بھی میں نے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ نیچے پہنچا تو اقبال اور طلال وغیرہ بھی روانگی کے لیے تیار نظر آرہے تھے۔ تاؤ افضل کی دونوں بیٹیاں برقعے پہنے ڈیوڑھی میں کھڑی تھیں۔ ڈرا ہوا تاؤ افضل بھی اپنی لٹھ سمیت ان کے پاس موجود تھا۔

اسی دوران میں سلطانہ گرم چادر میں لپٹی ہوئی میرے پاس پہنچی۔ اس کے چہرے سے بھی پریشانی ٹپک رہی تھی۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں بولی۔ ''مہروج! یہ تمہارے دوست کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ وہ گرو پکڑا گیا ہے۔ استھان والے اس کو لے کر بڑی جلدی یہاں پہنچ جائیں گے۔ کیا سچ ایسا ہوئیں گا؟''

''ہاں لگ تو یہی رہا ہے۔''

''لیکن مہروج! اتنی اندھیری رات میں اور ایسی سردی میں ہم گھر سے نکل کر کہاں جائیں گے؟''

''مجھے خود پتا نہیں لیکن مجھے عمران پر پورا بھروسا ہے۔ وہ جو کرے گا ٹھیک ہی کرے گا۔''

''لیکن وہ تو کوئی سیدھی بات ا ج تاہیں کرتا۔''

''اس کی باتوں پر نہ جاؤ۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

پانچ دس منٹ کے اندر اندر ہم آدھی رات کے وقت یہ گھر چھوڑنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ تاؤ افضل کے ہاتھ میں لوہے کا بڑا تالا نظر آرہا تھا۔ یہ تالا وہ گھر کے بیرونی

راہول کو بھی عمران نے ساتھ لے لیا تھا۔ احتیاطاً اس [illegible] کھڑی کی۔ حالات کی سنگینی کا احساس اسے گھر کا [illegible] مجبور کر رہا تھا۔

رات واقعی خوفناک حد تک سرد تھی۔ دھند کی ایک دبیز چادر نے بستی کو ڈھانپ رکھا تھا۔ رات کے اس پہر یہ بستی سکوت اور سناٹے کی مکمل تصویر تھی۔ اور تو اور کسی چوکیدار کی ''جاگتے رہو'' بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس اندھیری رات میں یوں عمران کا اس گھر سے نکل آنا میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ہم اس چاردیواری اور اس بستی سے نکل کر ایک خطرے سے تو بچ رہے تھے مگر بے شمار دوسرے خطروں کو دعوت دے رہے تھے۔ ان میں رات کو گشت لگانے والے جنگلی جانوروں کا خطرہ بھی شامل تھا۔

ہم گھر سے نکلے تو گلی سنسان تھی۔ شاید تاؤ افضل کے بعد اس بستی کو کوئی پاسبان میسر ہی نہیں آیا تھا لیکن یہ اندازہ غلط تھا۔ ابھی ہم دس پندرہ قدم ہی گئے تھے کہ ایک دراز قد شخص اپنے جسم کے گرد کمبل لپیٹے سامنے آگیا۔ ایک طرف کونے میں اس نے اپلوں کی تھوڑی سی آگ جلا رکھی تھی۔ ''کون ہے بھائی؟'' اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

پھر اس نے ٹارچ کا روشن دائرہ عمران کے چہرے پر پھینکا اور اسے پہچان لیا۔ ''عمران بھائی آپ ہیں۔''

اسی دوران میں ایک قریبی گھر کی کھڑکی بھی کھلی اور کسی نے باہر جھانکا۔ ''کون ہے؟'' کھڑکی کی دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''عمران بھائی ہیں۔'' دراز قد چوکیدار نے بلند آواز میں کھڑکی والے کو بتایا۔

ایک دو مزید کھڑکیاں کھل گئیں۔ ''عمران بیٹا! اس وقت کہاں جا رہے ہو؟'' کسی بوڑھے شخص نے کھانستے ہوئے دریافت کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کئی افراد گلی میں نکل آئے۔ دو تین لالٹینیں بھی ہمارے گرد چکرانے لگیں۔ عمران اور تاؤ افضل یوں کوچ کرتے دیکھ کر سب پریشان نظر آرہے تھے۔ کھڑکی سے جھانکنے والا بوڑھا بھی لاٹھی ٹیکتا ہوا نیچے اتر آیا تھا۔ عمران اس بوڑھے کے علاوہ دراز قد چوکیدار اور ایک فربہ اندام کو ایک طرف لے گیا اور ان سے تین چار منٹ تک گفتگو

اپنے ان لوگوں [illegible] صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ کچھ مجبوریوں [illegible] دی تھیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر ہم عجلت میں آگے بڑھ گئے۔ جانے سے پہلے عمران نے دراز قد چوکیدار آفتاب خاں کو ایک بار پھر اپنے پاس بلایا تھا اور اس سے کوئی بات کی تھی۔

سخت سردی اور دھند آلود تاریکی میں ہم نے اونچے نیچے راستوں پر قریباً تین میل تک سفر کیا اور نہایت گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔ یہاں خطرات منہ کھولے کھڑے تھے۔ کسی بھی وقت کسی موذی جنگلی جانور سے سامنا ہو سکتا تھا۔ سب کے دل میں ڈر تھا لیکن زخمی راہول کا خاص طور سے برا حال تھا۔ یقیناً اسے چار دن پہلے والا بھیانک تجربہ یاد آرہا تھا۔ سرخی مائل ریچھ نے اسے عدم آباد کا ٹکٹ تھما دیا تھا، یہ تو عمران کی ہوشیاری تھی کہ اس نے بروقت یہ ٹکٹ اس کے ہاتھ سے چھین کر ''ریچھ بھائی'' کو اپنے پیچھے لگا لیا اور پھر گہرائی میں لڑھکا دیا۔ دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر ہم اسی طرح اس گھنے جنگل میں آگے بڑھتے رہے تو ریچھ کی طرز والا کوئی اور واقعہ پیش آجائے گا۔ اس سفر کے دوران میں ایک جگہ مجھے ذرا سی ہچکی آئی تو میرے پہلو میں چلتی ہوئی سلطانہ بری طرح چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ڈر امڈ آیا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ یہ کوئی خاص ہچکی نہیں ہے۔ یوں لگتا تھا کہ میری ہچکی والی تکلیف کے حوالے سے اس کے دل میں خوف بیٹھ چکا ہے... ہمارا سفر جاری رہا۔

ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور ہم کسی بھی ناخوشگوار صورت حال کے لیے بالکل تیار تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر عمران رک گیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے رک گئے۔ ہوشیار سنگھ نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے جی... آگے کوئی خطرہ ہے؟''

''ہاں خطرہ ہی ہے۔ پانچ منٹ کے فاصلے پر۔'' عمران نے چمکیلے ڈائل والی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''گیارہ بج کر پچپن منٹ ہو چکے ہیں۔ جونہی بارہ بجیں گے، تم کوئی فائیو اسٹار قسم کی حماقت کر ڈالو گے۔ اس لیے رک گیا ہوں۔''

''بارہ بجے کا وقت تو یونہی بدنام ہو گیا ہے جی۔ سچا خالصہ کسی بھی وقت کام دکھا سکتا ہے۔ جیسا ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے دکھایا ہے۔''

''کیا کیا ہے؟''

''وہاں پیچھے جھاڑیوں میں ذرا رک کر پیشاب کیا ہے۔''

کیا آپ
لبوب مقوی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے اعصابی کمزوری دور کرنے تھکاوٹ سے نجات اور مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے کستوری عنبر زعفران جیسے قیمتی اجزاء والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب ایک بار آزما کر دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بے پناہ اعصابی قوت والی لبوب مقوی اعصاب ٹیلیفون کرکے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی VP منگوالیں فون صبح 10 بجے تا رات 9 بجے تک

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
(دیسی یونانی دواخانہ)
ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0301-6690383

آپ صرف فون کریں۔ آپ تک لبوب مقوی اعصاب ہم پہنچائیں گے

http://jasoosnovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

پاجامہ پھٹا ہوا ہے۔ سارا جھیک لیا ہے۔ ہوشیار سنگھ نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"میرے خیال میں ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ یہ بڑا بُرا شگون ہے۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جب سفر کے دوران میں اچانک کسی سردار کی پگڑی گر جائے تو سفر روک کر واپس پلٹ جانا چاہیے۔" عمران نے کہا۔

"کیا مطلب جی... میری پگڑی کہاں گری ہے؟" ہوشیار سنگھ حیران ہوا۔

"تم واقعی بے وقوف ہو۔ بات کی تہ تک نہیں پہنچ رہے۔ اب تمہارا پاجامہ پیشاب سے گیلا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد تمہاری ٹانگوں میں خارش شروع ہو گی۔ تم ہماری عورتوں کے سامنے بار بار ٹانگیں اور ران میں کھجاؤ گے تو انہیں غصہ آئے گا۔ خاص طور سے تانی تو بالکل برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی اس کی جوان گھر والی کے سامنے اس طرح بے شرمی سے ٹانگیں کھجائے۔ وہ یقیناً تمہیں تھپڑ دے مارے گا اور اس کا تھپڑ تو تم نے دیکھا ہی ہے۔ تمہاری پگڑی گرے ہی گرے۔"

میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ عمران واقعی واپس پلٹ رہا ہے۔ اس نے سب کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ اقبال کے سوا سب ہی حیران تھے۔ میں نے زچ ہو کر کہا۔

"عمران! یہ کیا بے وقوفی ہے۔ پہلے تم نے اتنے خراب موسم میں ہمیں گھروں سے نکالا، اب واپس چلنے کا کہہ رہے ہو۔ تم اور اقبال خود ہی کوئی فیصلہ کر لیتے ہو اور پھر ہم سے پہیلیاں بجھواتے رہتے ہو۔"

"تم کون سا کوئی پہیلی بوجھ لیتے ہو... چلو یہی پہیلی بوجھو کہ ہم واپس کیوں جا رہے ہیں؟" وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔ اب وہ بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"واپس فتح پور۔ گرما گرم کمرے ہمارا انتظار کر رہے ہیں اور اُبلے ہوئے انڈے، زبردست دودھ پتی اور باداموں والا گڑ۔ ہم بڑی خاموشی سے فتح پور میں داخل ہوں گے اور سیدھے اپنے لحافوں میں گھس جائیں گے... اتنی سردی میں لحافوں کا ذکر مزے دار لگ رہا ہے نا؟"

میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ میری سمجھ میں آنے لگا کہ عمران نے یہ کیا چکر چلایا ہے۔ وہ استھان کے جنوبی ٹولے کی بستی میں پہنچنے سے پہلے ہی بستی چھوڑ آیا تھا لیکن یہ سب کچھ شاید دکھاوے کے لیے تھا۔ اب وہ بڑی خاموشی

اسی ہی دماغ چکرا دینے والی ہوتی تھیں۔ میں نے تصدیق [illegible]

[illegible]

میری بات کی تصدیق کی۔

ایسی بے مہر رات میں دربدر بھٹکنے کے بجائے دوبارہ کسی نیم گرم کمرے میں ہونے کے خیال نے لطف دیا... اور اندیشے ہوا ہونے لگے۔ عمران نے بتایا کہ اب ان کی واپسی تاؤ افضل کے گھر میں نہیں کسی اور جگہ ہو گی۔

"اب پھر معمے حل کروا رہے ہو۔ سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ کہاں جانا ہے؟" میں نے پھنکار کر کہا۔

"یار! تم تو ٹی وی ٹاک شوز کے شرکا کی طرح منہ سے آگ نکالنے لگتے ہو۔ میں نے تمہیں اشاروں کنایوں میں بتا تو دیا تھا مگر تم نے غور ہی نہیں فرمایا۔ ہم اب مندر کے تہ منزلہ تہ خانے میں اتریں گے... اور اللہ کو منظور ہوا تو دو چار دن کے لیے چین کی بانسری بجائیں گے۔ بانسری بجانی آتی ہے نا تمہیں؟"

میں نے اسے کڑی نظروں سے گھورا تو وہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اچھا نہیں بجانی آتی تو بچھو اور بجا لینا۔ لیکن خدارا اس طرح تو نہ گھورو... میرے پیٹ میں گڑگڑ ہونے لگتی ہے۔"

ہم چین کی بانسری کی بات کر رہے تھے مگر جس چیز کی آواز آئی وہ بانسری سے بالکل مختلف تھی۔ ہم سب مل کر رہ گئے۔ یہ رائفل چلنے کی آواز تھی۔ گولی ہمارے سروں کے اوپر سے سنسناتی اور پتوں، شاخوں سے ٹکراتی گزر گئی۔ ہم ایک دم نیچے جھکے۔ "لیٹ جاؤ۔" عمران نے چلا کر کہا۔

یکے بعد دیگرے ہم سب اوندھے منہ زمین پر گر گئے۔ دو گولیاں مزید چلیں... دھماکوں سے جنگل گونج اٹھا۔ ہمیں نشانہ نہیں بنایا جا رہا تھا صرف ڈرایا جا رہا تھا۔ گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے نکل رہی تھیں۔ پھر کسی قریبی درخت پر سے گرج دار آواز سنائی دی۔ کسی نے مقامی لب و لہجے میں کہا۔ "اگر کوئی ہتھیار پاس ہے تو خود سے دور پھینک دو، ورنہ بُری طرح سے پچھتاؤ گے۔"

"یہ رانی خاں کا سالا کون ہے؟" عمران نے اقبال سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کوئی انسان ہی ہے۔ جنگلی جانور تو انسانی آواز میں بات نہیں کر سکتا۔"

آواز پھر گونجی۔ "تم سب کے سب نشانے پر ہو۔ اگلی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible]

سلطانہ اور رادھا نے دو ایک تناور درخت کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ نوری زمین پر اوندھی پڑی تھی۔ عمران نے دبی آواز میں کہا۔ "رانی خاں کا سالا ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے ستارے عروج پر ہیں۔ یہ ہمیں نشانہ بنا سکتا ہے۔ ہتھیار پھینک دینے چاہئیں۔"

سب سے پہلے عمران نے ہی اپنی رائفل خود سے دور پھینکی۔ اس کے بعد اقبال نے رائفل پھینکی۔ آخر میں، میں نے بھی پستول نکالنا چاہا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ میرا پستول دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اسے جیب سے تو نکال لیا مگر ہاتھ میں نہیں لیا۔

کسی درخت کے اوپر سے کرخت آواز پھر گونجی۔

"بہرے جاؤ۔ ان کی بندوقڑیاں اٹھا لاؤ۔"

سامنے والے چھتاور درخت سے ایک پرچھائیں جست کرتے ہوئے نیچے آئی اور ہماری طرف بڑھی۔ یہ ایک چاق و چوبند شخص تھا۔ یہ شخص قد میں چھوٹا لیکن چوڑائی میں بہت زیادہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جتنا لمبا ہے، اتنا ہی چوڑا بھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں جدید پمپ ایکشن رائفل تھی۔ اس نے ایک بڑی ٹارچ کی روشنی ہم پر پھینک کر تیز نظروں سے ہمارا جائزہ لیا۔ پھر اس کی ٹارچ کا دائرہ درخت کے پیچھے دبکی ہوئی سلطانہ اور رادھا پر جم کر رہ گیا۔ اس روشن دائرے نے ان کے سراپا پر اوپر سے نیچے تک حرکت کی۔ تب چوڑے جسم والے شخص کی چہکتی آواز ابھری۔ "استاد! دو لونڈیا بھی ہیں... نا ہیں نا ہیں، تین ہیں۔ ایک وہ نیچے زمین پر پڑی ہے۔" اس نے ٹارچ کی روشنی نوری پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"ارے ذرا غور سے دیکھ۔ لونڈیا اور تین تین۔ کہیں مردوں نے تو زنانے کپڑے نا ہیں پہنے ہوئے؟"

"نا ہیں استاد۔ ایک دم چکنی لونڈیا ہیں۔ یہ دیکھو، سارا سامان پورا ہے۔" اس نے ایک بار پھر ٹارچ کا دائرہ رادھا کے جسم پر دوڑایا۔

اقبال نے اپنی جگہ سے ذرا سر اٹھانے کی کوشش کی تو درخت پر بیٹھا شخص غرّایا۔ "خبردار! بھیجا پھاڑ دوں گا۔ چپ چاپ لیٹے رہو اپنی جگہ۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور فائر کیا۔ یہ بھی ڈراوے والا فائر تھا۔ گولی اقبال کے کان کے پاس سے گزر کر زمین میں دھنس گئی۔

چلائی گئی ہے۔ چوڑے چکلے جسم والے بہرے نے بڑی احتیاط سے ہمارا جائزہ لیا تاکہ اسے پتا چل سکے کہ ہمارے پاس کوئی اور ہتھیار تو نہیں ہے۔ اسے ہوشیار سنگھ پر شک ہوا۔ اس نے اسے کھڑا کر کے اچھی طرح اس کی تلاشی لی اور اس کی قمیص کے نیچے سے کرپان برآمد کر لی۔ خوش قسمتی سے میرا پستول میرے پیٹ کے نیچے دبا رہا۔ بہرا دونوں رائفلیں اور کرپان وغیرہ سمیٹ کر واپس اس درخت کے پاس چلا گیا جہاں سے جست لگا کر نیچے اترا تھا۔

اندازے کے مطابق ہمارا واسطہ ان راہزنوں سے پڑا تھا جو اس علاقے میں عام پائے جاتے تھے۔ ان کی تعداد ہمارے قیافے کے مطابق دو یا تین تھی اور یہ ہمیں شوٹ کرنے کے لیے بڑی شاندار پوزیشن میں تھے۔ عمران اس صورت حال سے پریشان ہونے کے بجائے شاید انجوائے کر رہا تھا اور نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ وہ اس صورت حال سے بہ آسانی نکل سکتا ہے۔ لیکن میرے دل میں ایک اور طرح کی امنگ پیدا ہو رہی تھی۔ اپنا حوصلہ آزمانے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں نے سرگوشی میں عمران سے کہا۔ "مجھے کچھ کرنے دو۔"

"کیوں؟"

"بس میرا دل چاہتا ہے۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ بھابی کے سامنے نمبر بنانا چاہتے ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ وہ مجھ پر اعتماد کرنا سیکھے۔"

"لیکن یہ تمہارے لیے خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

"خطرناک کا لفظ عمران عرف ہیرو کے منہ سے کچھ اچھا نہیں لگتا۔" میں نے کہا۔

ایک اور وارننگ فائر ہوا۔ گولی ہمارے اوپر سے گزر کر کسی درخت کے تنے میں لگی۔ اقبال سب سے آگے لیٹا تھا۔ درخت کے اوپر سے ایک رسی اچھلتی ہوئی آئی اور اقبال کے قریب گری۔ اس کے بعد رسی کے ایسے ہی دو ٹکڑے اور اس کے پاس گرے۔

"یہ کیا ہے؟" اقبال نے پوچھا۔

کرخت آواز ابھری۔ "تجھے بھی نظر آ رہا ہووے گا۔ رسیاں ہیں۔ اٹھو اور ان سے اپنے ان یاروں کے ہاتھ ان کی پیٹھ پر باندھو۔ چلو جلدی کرو۔ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ

digestpk.blogspot.com

"کیا بولتے ہو... میں جاؤں؟" میں نے دوبارہ عمران کے کان میں سرگوشی کی۔

عمران نے میری طرف دیکھا اور پھر [illegible] دلیرانہ انداز میں بولا۔ "اوکے... وش یو گڈ لک۔"

میں نے سرگوشی میں کہا۔ "پستول میرے پیٹ کے نیچے ہے۔ میں اسے یہیں چھوڑ رہا ہوں۔ تمہارے کام آئے گا۔"

عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں زمین سے اٹھا اور دونوں ہاتھ اپنے ... "کیا بات ہے...؟" درخت کے اوپر سے کرخت آواز ابھری۔ "لیٹ جاؤ ورنہ کھوپڑا پھوڑ دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی ایک گولی سنسناتی ہوئی عین میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔

ثابت ہوتا تھا کہ درخت پر چڑھے ہوئے شخص کا نشانہ شاندار ہے۔

میں بدستور بیٹھا رہا اور پکارنے والے انداز میں بولا۔ "استاد جی! میری بات سنو۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ میں ان حرام جادوں کا ساتھی نہیں ہوں۔ میں آپ کو سب کچھ بتاوت ہوں۔"

درخت پر چند لمحے سناٹا رہا، تب چوڑے چکلے جسم والے ہیرے نے ٹارچ کی روشنی مجھ پر پھینکی اور بڑے دھیان سے میرا جائزہ لیا۔ میں نے درخت والے کو مخاطب کر کے کہا۔ "استاد جی! آپ ان حرام جادوں کو اکیلا مت سمجھیں۔ ان کتوں کے ساتھ پندرہ بیس کتے اور بھی یہاں ہیں۔ وہ آپ کو گھیر لیویں گے۔ آپ مجھے پاس آنے دیں، میں آپ کو سب کچھ بتاوت ہوں۔"

ایک بار خاموشی کا ایک متذبذب وقفہ آیا۔ تب درخت والے نے ہیرے کو حکم دیا۔ "اس کی پھر تلاشی لو اور اسے آگے لاؤ۔"

میں کھڑا ہو گیا۔ چوڑا چکلا ہیرا محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے میری کیچڑ آلود جیکٹ کی جیبیں اچھی طرح ٹٹولیں۔ تھوڑی بہت نقدی تھی جو اس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ٹھونس لی۔ اس کے بعد میری کلائی سے گھڑی اتروائی۔ پستول زمین پر پڑا تھا۔ وہ بھی کیچڑ آلود تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہیرے کی نظر میں نہیں آئے گا۔ میری یہ امید پوری ہوئی۔ ہیرے نے مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ میں آگے بڑھا۔ ہیرا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ خوفناک بیرل والی پمپ ایکشن بدستور اس کے ہاتھ میں تھی۔ کسی ذرا سی غلط فہمی کے

عمران کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ "اس [illegible] گا۔"

میں اس درخت کے عین نیچے پہنچ گیا جہاں وہ [illegible] شخص گھات لگائے بیٹھا تھا اور ہم سب اس کے نشانے پر تھے۔ اب یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ پہلے یہاں موجود تھے یا انہوں نے ہمیں ان گھنے درختوں میں [illegible] دیکھا تھا اور پوزیشن لی تھی۔ ہم یہاں جنگلی جانوروں [illegible] سے خوف محسوس کر رہے تھے مگر یہ خوف انسان نما جانوروں کے روپ میں سامنے آ گیا تھا۔ یہ اتر پردیش کے [illegible] علاقوں میں گھومنے والے وہی راہزن یا ڈکیت تھے جن کے بارے میں بہت سی کہانیاں لکھی گئی ہیں اور فلمیں بنائی گئی ہیں... ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنی گفتگو میں سلطانہ [illegible] رادھا کا ذکر جس انداز سے کیا تھا، اس سے صاف پتا چلتا تھا کہ اگر کہیں یہ لوگ ہم پر حاوی ہو گئے تو واقعی ان لڑکیوں کے لیے جنگلی جانور بن جائیں گے۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان کی تعداد دو سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک شخص اوپر درخت پر چڑھا ہوا تھا اور دوسرا پمپ ایکشن گن کے ساتھ ہمارے سروں پر مسلط تھا... یہ بات باعث حیرت تھی۔ تعداد میں صرف دو ہونے کے باوجود انہوں نے بڑی دیدہ دلیری سے ہمارا راستہ روکا تھا اور ہمیں نشانے پر رکھ لیا تھا۔ اسے ان کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بھی کہا جا سکتا تھا۔

"کیا کہنا چاہتا ہے تو؟" اوپر سے کرخت آواز میں پوچھا گیا۔

"میں ان کے سامنے نہیں بتا سکتا۔ آپ نیچے آ جاؤ یا مجھے اوپر آنے دیں۔" میں نے کہا۔

"کوئی ہوشیاری تو دکھانا نہیں چاہ رہے ہو؟"

"میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ آپ کے پاس [illegible] ہے۔"

"تم نے جو کچھ کہنا ہے ہیرے سے کہو۔ یہ مجھے دیوے گا۔"

"لیکن..."

"بس جو کہہ دیا، وہ کہہ دیا۔" اوپر سے کرخت آواز میں کہا گیا۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر پاٹ دار آواز سے لگتا تھا کہ کافی [illegible] شخص ہے۔

[illegible] پستول کا فائر تھا... اور یہ وہی پستول تھا جو میں [illegible] کی چلائی ہوئی گولی نشانے پر لگی۔ درخت میں چھپا تھا۔ اس کا [illegible] شخص ایک کراہ کے ساتھ شاخوں سے ٹکرایا اور پھر دھم سے زمین پر گرا۔ اس نے گرنے کے بعد بھی اپنے حواس برقرار رکھے اور اوپر تلے دو فائر کیے۔ ایک گولی میرے اور ہیرے کے اوپر سے گزری اور کسی درخت کے تنے میں لگی۔ دوسری گولی جان لیوا ثابت ہوئی۔ اس نے اقبال کے قریب کھڑے زخمی راہول کو ہٹ کیا۔ اس کے منہ پر لگ کر یہ گولی اس کے سر کے پچھلے حصے سے نکل گئی تھی۔

پہلے فائر کے ساتھ ہی میں چوڑے چکلے ہیرے پر جھپٹا تھا۔ میں نے اس کی پمپ ایکشن پر ہاتھ ڈالا اور اس کا رخ اوپر کی طرف موڑ دیا۔ اسی دوران میں ہیرے نامی اس شخص [illegible] چھرے اوپر کی طرف نکل گئے۔ میں اور ہیرا گتھم گتھا ہو گئے۔ وہ عجیب جسمانی ساخت کا شخص تھا۔ اس کے جسم میں بیڈفورڈ ٹرک جیسی طاقت تھی۔ میں اس سے رائفل چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میرے پیٹ پر ٹانگ مار کر مجھے دور پھینک دیا۔ خوش قسمتی یہ رہی کہ میں اس کے ہاتھ سے پمپ ایکشن نکالنے میں کامیاب رہا۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ رائفل میرے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ کسی کے ہاتھ میں بھی نہ رہی۔ اچھل کر تاریکی میں کہیں جا گری۔ گرتے ہوئے میرا چہرہ کسی تنے سے ٹکرایا اور گردن کے پچھلے حصے پر بھی چوٹ آئی۔ ان چوٹوں کو خاطر میں لائے بغیر میں تیزی سے اٹھا۔ میں اور چوڑا چکلا ہیرا آمنے سامنے تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے میری مرضی کا مدمقابل ملا ہے۔ میں اور وہ، پوری طاقت سے بھڑ گئے۔ اس تصادم سے تین چار سیکنڈ پہلے عمران نے میرے پستول سے اوپر تلے دو فائر کیے تھے اور زمین پر

نسیم حجازی کے شاہکار تاریخی ناول

آخری معرکہ 350/-
اندھیری رات کے مسافر 325/-
ثقافت کی تلاش 150/-
قیصر و کسریٰ 380/-
اور تلوار ٹوٹ گئی 350/-
گمشدہ قافلے 350/-
داستان مجاہد 200/-
پردیسی درخت 325/-
یوسف بن تاشفین 325/-
معظم علی 325/-
خاک اور خون 350/-
کلیسا اور آگ 300/-
قافلہ حجاز 350/-
محمد بن قاسم 300/-
پورس کے ہاتھی 180/-
انسان اور دیوتا 280/-
پاکستان سے دیارِ حرم تک 160/-
آخری چٹان 325/-
سو سال بعد 150/-
سفید جزیرہ 225/-
شاہین 325/-

Buy online:
www.anarkalimall.com
www.jbdpress.com

جہانگیر بک ڈپو
061-4781781
022-2780128
051-35539609
021-2765086
042-37220879
041-2627568

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

گرے پڑے استاد کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

ہیرا ان علاقوں میں گردش کرنے والا ایک [illegible] تھا۔ بھوری چٹان کی طرح سخت اور بپھرے ہوئے جانور کی طرح خطرناک۔ اس نے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے حملہ کیا۔ اس کا طوفانی مکا میری ٹھوڑی پر پڑا اور میں لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے چلا گیا۔ اس مکے نے میرے دماغ میں چنگاریاں سی بھر دیں لیکن ان چنگاریوں نے مجھ پر کچھ اور طرح کا اثر کیا۔ بجائے اس کے کہ میں دیوانہ وار مدِمقابل پر ٹوٹ پڑتا، میرے اندر ایک غضب ناک ضد سی پیدا ہوئی۔ میں نے مدِمقابل کو خود پر مزید حملے کرنے کا موقع دیا اور خود کو ان حملوں سے بچانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ہیرے نے کم از کم تین طوفانی مکے میرے جبڑے پر رسید کیے جنہیں میں نے حیران کن طور پر جھیلا۔ تیسرا مکا کھانے کے بعد میں نے بھی پوری طاقت سے ہیرے کے جبڑے پر ہاتھ رسید کیا۔ وہ قوی ہیکل ہونے کے باوجود لڑکھڑایا۔ اس کے بعد جیسے یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ پھنکار کر مجھے مکا رسید کرتا، میں اسے اپنے چہرے پر لگنے دیتا اور پھر اسے جوابی مکا مارتا جسے وہ بھی چہرے پر لگنے دیتا۔ چند ہی سیکنڈ کے اندر یہ ضد انا اور برداشت کی لڑائی بن گئی تھی۔

یہ بات تو طے تھی کہ ہم اب خطرے سے باہر آ گئے تھے۔ ہیرا اور اس گوریلا نما شخص کا تصادم اب ایک تماشے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا... لیکن یہ ایک سنگین تماشا تھا۔ عمران اور اقبال سمیت سارے افراد اس سنگین تماشے کے تماشائی تھے۔ ہیرا نامی یہ شخص جسمانی طور پر مجھ سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اس کے بہت بڑے تھوبڑے پر زخموں کے کئی پرانے نشان تھے جو اس کی جنگجو فطرت کو ظاہر کرتے تھے۔ اگر میں اس کے مکوں کی تاب لا رہا تھا اور بدستور اپنے پاؤں پر کھڑا تھا تو یہ میری وہ قوتِ برداشت ہی تھی جو پچھلے کچھ عرصے میں، میں نے اپنے اندر پیدا کی تھی۔ آج یہاں اس تاریک جنگل میں اس برداشت کا مظاہرہ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عمران مجھے دیکھ رہا تھا... اور سلطانہ بھی۔

میری ٹھوڑی پر ایک دو گہری چوٹیں لگی تھیں۔ منہ میں نمکین ذائقہ گھلا ہوا تھا اور ناک سے بھی خون رس رہا تھا۔ دوسری طرف مدِمقابل کا تھوبڑا بھی لہولہان تھا۔ یہ لڑائی جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی، اسی طرح اچانک ہی ختم ہو گئی۔ میرا ایک زوردار پنچ کھا کر مدِمقابل گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پھر پہلو کے بل کیچڑ میں گر گیا۔

عمران کسی ریفری کی طرح میرے اور میرے [illegible] میان [illegible] سے آگے بڑھ کر دو، دو وار [illegible] کیں اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہمارا خیال تھا اس شخص نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور اب ہمارے رحم پر ہے لیکن یہ ہماری توقع سے زیادہ آتش مزاج اور خطرناک نکلا۔ اچانک اس نے اپنے میلے کچیلے لباس کے اندر سے ہوشیار سنگھ والی خم دار کرپان برآمد کی اور ایک چیتے کی طرح ساتھ اقبال پر جھپٹا۔ اقبال کو اپنی جگہ چھوڑنے میں ایک پل کی دیر بھی ہوتی تو اس کا پیٹ چاک ہو جاتا اور انتڑیاں باہر آ جاتیں۔ تیز دھار کرپان کی نوک اس کی جیکٹ کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ عمران نے بے دریغ پستول کا فائر کیا جو سیدھا اس کی کنپٹی پر لگا... وہ مُردہ چھپکلی کی طرح پتا نہیں سے نیچے گرا اور دوبارہ اینٹھ کر ساکت ہو گیا۔ وہ اوندھا پڑا تھا۔ [illegible] کے گرد آلود سر سے بہنے والا خون اس کی جھاڑ جھنکاڑ داڑھی میں جذب ہو رہا تھا۔ اس کے شانوں کی چوڑائی غیر معمولی تھی۔ اگر میرے پاس ناپنے والا فیتہ ہوتا تو میں ضرور اس چوڑائی کو ناپتا۔ اس کے ایک شانے پر ابھی تک گولیوں کی بیلٹ موجود تھی۔ یہ ان اونچی نیچی گھاٹیوں میں گھومنے والا روایتی ڈکیت تھا جس کے بارے میں ہم نے بہت کچھ پڑھا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنے تمام طمطراق کے ساتھ زندہ تھا، اب ماضی کا حصہ بن چکا تھا۔

اس کا ساتھی جو عمران کے شان دار نشانے کا شکار ہو کر درخت سے نیچے گرا تھا، اب ساکت وجامد پڑا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ یہ بھی کافی جسیم شخص تھا۔ عمر کوئی پینتیس چالیس سال رہی ہو گی۔ گرانڈیل ہیرے نے اسے استاد کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ یہ بھی شکل وصورت سے خطرناک قاتل نظر آتا تھا۔ اس کے پاس جدید "اے کے 56" رائفل تھی۔ گولیوں والی بیلٹ اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا، ایک قریبی درخت پر ایک چھوٹی سی مچان بھی موجود ہے۔ مچان تک پہنچنے کے لیے سن کے رسّے کی ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ اقبال نے اوپر چڑھ کر اس خستہ حال مچان کی تلاشی لی... یہاں سے تاڑی کی دو بوتلیں، سگریٹوں کے پیکٹ، کچھ نقدی وغیرہ برآمد ہوئی۔ سری دیوی اور مادھوری ڈکشٹ کی نیم عریاں تصویریں بھی اس سامان کا حصہ تھیں۔

میری گردن کے پچھلے حصے سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ یہاں درخت کی کوئی ٹوٹی ہوئی شاخ لگی تھی۔ میرے [illegible] خون کو دیکھ کر سلطانہ [illegible] جھاڑی اور میرا خون بند کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

حکم کا ہرکارہ راہول بھی ایک جھاڑی میں مُردہ پڑا تھا۔ "اے کے 56" رائفل کی گولی اس کا سر پھاڑ کر نکل گئی تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک پشت پر بندھے تھے اور منظر کو حسرت ناک بنا رہے تھے۔ عمران نے اس کے ہاتھ کھول دیے اور اس کی کھلی ہوئی آنکھیں ہاتھ سے بند کر دیں۔ یہ شخص چار دن پہلے جنگلی جانور کے حملے سے تو بچ گیا تھا لیکن آج "جنگلی ڈاکوؤں" کے حملے سے نہ بچ سکا۔

تینوں لاشوں کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں رکھا گیا اور ان کے اوپر گھاس پھوس اور پتے وغیرہ ڈال دیے گئے۔ دونوں ڈاکوؤں کی قیمتی رائفلیں اور ایمونیشن ہم نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ یقیناً ان چیزوں پر ہمارا حق تھا۔ عین ممکن تھا کہ عام رواج کے مطابق ان لوگوں کے سر کی قیمت وغیرہ بھی مقرر کی گئی ہو۔ ہم وہ قیمت تو حاصل نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ قیمتی رائفلیں تو ہمیں انعام میں مل سکتی تھیں۔

عمران نے کہا۔ "ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔ یہاں فائرنگ ہوئی ہے۔ اگر ان کے کچھ ساتھی آس پاس موجود ہیں تو وہ یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

ہم فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے۔ عمران نے میرا پستول میرے حوالے کر دیا اور پمپ ایکشن بھی مجھے تھما دی۔ "یہ تمہارا انعام ہے جگر! تمہاری پہلی ٹرافی۔" وہ میرا شانہ تھپک کر بولا۔ اقبال بھی مجھے قدرے حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاہم وہ اس حوالے سے کچھ بولا نہیں۔ میں واقعی اپنے اندر فخر وانبساط محسوس کر رہا تھا۔ میں نے آج پھر خود کو آزمایا تھا اور اس آزمائش سے مطمئن ہوا تھا۔ اب میرا دل گواہی دینے لگا تھا کہ کل کلاں میرا سامنا جارج گورا یا اس جیسے کسی اور بدمعاش سے بھی ہوا تو میں مزاحمت کا حق ادا کر سکوں گا۔

سلطانہ میرے پہلو میں چل رہی تھی اور بار بار میری خونچکاں گردن کو دیکھ رہی تھی۔ وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "اب میں کیا کروں؟ چوٹ بھی ایسی جگہ لگی ہے جہاں پٹی بھی نہیں باندھی جا سکتی۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "بڑی ٹھنڈ ہے۔ تھوڑی دیر میں خون کا رِسنا خود ہی بند ہو جائے گا۔"

"لیکن چوٹ تو اپنی جگہ پر ہے نا۔ تمہیں مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔" اس کے لہجے میں فکرمندی کے ساتھ ساتھ گونا گوں حیرت بھی تھی۔ وہ بار بار تعجب سے میری طرف دیکھنے لگتی تھی جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک خطرناک ڈکیت سے دو بدو مقابلہ کیا ہے اور اس خونی مقابلے کو کھیل تماشے کی سی حیثیت دی ہے۔

عمران بھی گاہے بگاہے کن انکھیوں سے مجھے دیکھ لیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، کیوں کیا ہے۔ وہ میری اس کارروائی کو بجا طور پر سلطانہ کے ساتھ نتھی کر رہا تھا۔ وہ میرے بارے میں سلطانہ کی فکرمندی بڑھانے کے لیے بولا... "گردن کے پچھلے حصے پر لگنے والی چوٹ اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں مکمل آرام اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ ہم جتنی جلدی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں، اتنا ہی اچھا ہے۔"

"مگر ہم نے جانا کہاں ہے؟" سلطانہ نے پوچھا۔

"وہیں پر جہاں سے آئے ہیں بھابی... ٹھکانے پر پہنچ کر تابی آپ کو سب کچھ بتا دے گا۔"

نوری اور رادھا بالکل گم صم تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تین بندے موت کے گھاٹ اترے تھے، اس واقعے نے انہیں دم بخود کر رکھا تھا۔ خاص طور سے رادھا تو بالکل نیم جان ہو رہی تھی۔ ہوشیار سنگھ اس کی ہمت بندھانے میں لگا ہوا تھا۔

ہم قریباً ڈیڑھ گھنٹے کے یخ بستہ سفر کے بعد واپس فتح پور کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اب رات کا چوتھا پہر شروع ہونے والا تھا۔ فتح پور تاریکی اور سناٹے کی لپیٹ میں تھا۔ بس کسی کسی گھر میں لالٹین یا دیے کی مدھم روشنی دکھائی دیتی تھی۔ یہ روشنی بھی دھند کی چادر میں لپٹ کر مدھم تر ہو جاتی تھی۔

ہم بستی کے قبرستان کے قریب ایک جھنڈ میں پہنچ کر رک گئے۔ صرف عمران آگے گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو وہی دراز قد چوکیدار اس کے ساتھ تھا جس کا نام ہمیں آفتاب خان معلوم ہوا تھا۔ اب اندازہ ہو رہا تھا کہ اس ساری صورتِ حال میں یہ شخص عمران اور اقبال کا رازدار ہے۔

آفتاب خان نے عمران اور اقبال کے ساتھ تھوڑی دیر تک کھسر پھسر کی پھر وہ ہم سب کو لے کر ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ گلی کی دونوں طرف گھروں کے دروازے بند تھے۔ کہیں کوئی حرکت یا روشنی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ہم اس طویل بل کھاتی گلی میں دراز قد آفتاب کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟" سلطانہ مسلسل الجھن میں تھی۔

میرے جواب دینے سے پہلے ہی سلطانہ کو جواب مل گیا... اور مجھے بھی۔ بل کھاتی گلی اچانک ہی ختم ہو گئی اور

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

ہمیں اپنے سامنے مندر نظر آ گیا۔ مندر کے ساتھ ہی تاؤ افضل کا گھر تھا مگر ہم گھر کی طرف نہیں، مندر کی طرف نمودار ہوئے تھے۔ یہ مندر کا پچھواڑہ تھا۔ رات کے اس پہر دھند میں لپٹا ہوا یہ مندر عجیب پُراسرار منظر پیش کر رہا تھا۔ تانگ چندی اینٹوں کی خستہ حال سیڑھی ہمارے سامنے تھی۔ ان سیڑھیوں کے بالائی سرے پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ سیڑھیوں کے نچلے سرے پر ایک بلی کسی ہڈی کو چچوڑنے میں مصروف تھی۔ ہڈی کے ساتھ اس کے دانتوں کے ٹکرانے کی آواز سناٹے میں واضح سنائی دے رہی تھی۔

دراز قد آفتاب سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کے سامنے پہنچا اور چابی کے ذریعے بڑی خاموشی سے دروازے کا قفل کھولا۔ اس کے اشارے پر ہم سب نے وہ سات آٹھ سیڑھیاں طے کیں اور ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر عجیب سی بُو باس تھی۔ یوں یہ جگہ جیسے ایک طویل عرصے سے بند پڑی تھی۔ لکڑی کی گھسی ہوئی سیڑھیاں بل کھاتی نیچے اتر رہی تھیں۔ کہیں کہیں جالے بھی لگے ہوئے تھے۔ آفتاب خاں کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ ہم اس کی روشنی میں بہت سنبھل سنبھل کر نیچے اتر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ یہ خطرناک سیڑھیاں تحت الثریٰ تک یونہی چلتی جائیں گی۔ خدا خدا کر کے ہم ایک ہموار جگہ پر پہنچے۔ یہاں قدیم طرز کے تین چار کمرے تھے۔ ان کمروں میں لکڑی کے پلنگ، الماریاں، مندے اور اس طرح کی دیگر چیزیں موجود تھیں۔ طاق دانوں میں مٹی کے دیے موجود تھے جنہیں آفتاب نے بہ آسانی روشن کر دیا۔ ایک لالٹین ہماری..... آمد سے پہلے ہی ان کمروں میں ہلکی روشنی بکھیر رہی تھی۔

عمران نے چاروں طرف گھوم کر ناقدانہ نظروں سے اس جگہ کا جائزہ لیا اور بولا۔ ”لگتا ہے کہ یہ تہ خانہ کافی پرانا ہے اور سیلاب کے وقت لوگوں نے اس میں پناہ لی تھی۔“

اقبال بولا۔ ”سیلاب میں لوگ پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، تہ خانوں میں نہیں اترتے۔“

”کافر لوگ تہ خانوں میں ہی اترتے ہیں۔ عذاب دیکھ کر ان کی مت ماری جاتی ہے۔“ عمران نے فلسفہ بگھارا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”تم اس ساتھ والے کمرے میں لیٹ جاؤ۔ آفتاب خاں تمہارے لیے مرہم پٹی کا انتظام کرتا ہے۔“

”ان کا خون بند ہو جائیں گا نا؟“ سلطانہ پریشانی سے بولی۔

”خون تو شاید بند ہو جائے مگر اسے بہت زیادہ آرام اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اسے کروٹ کے بل لٹنا پڑے گا۔ ... دوسرا ... سکتے۔ احتیاط سے ہی ٹھیک ہے۔“ عمران نے کہا۔

آفتاب خاں بولا۔ ”یہاں سے ہلدی اور چونا وغیرہ مل جائے گا۔ خون بند کرنے کے لیے راکھ بھی ہو گی۔ بس یہاں تو یہی کچھ ہو سکے گا۔“

”چلو جو کچھ ہے جلدی سے لے آؤ۔“ عمران نے ضرورت سے زیادہ فکرمندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اگلے پانچ دس منٹ میں اس نے میری اس چوٹ کے بارے میں ہی گفتگو کی۔ اس چوٹ کے حوالے سے ایسے ایسے میڈیکل اور نان میڈیکل نکتے پیش کیے کہ مجھے خود بھی محسوس ہونے لگا کہ موت کے منہ میں ہوں اور اب کوئی کرشمہ ہی مجھے زندگی کی طرف واپس لا سکتا ہے... میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ فالج، لقوہ اور برین ہیمرج جیسے کئی موٹے موٹے امراض نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ دوسری طرف اس نے سلطانہ کو بھی اس بات پر تقریباً قائل کر لیا کہ اگر میرے صحت یاب ہونے کا تھوڑا بہت چانس ہے تو وہ اسی صورت میں ہے کہ وہ دن رات مجھ سے چمٹی رہے اور میری تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔

پھر وہ لاہور کا ایک واقعہ بیان کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح موت کے کنوئیں میں موٹر سائیکل چلاتے ہوئے اس کے ایک ساتھی کو گردن کے پچھلے حصے پر چوٹ لگی تھی اور کس طرح اس کی بیوی کی غفلت کی وجہ سے وہ دوبارہ غسل خانے میں پھسل گیا تھا اور اس کی چوٹ کا زہر اس کے پورے بدن میں پھیل گیا تھا۔ اس زہر کو عمران نے ایسا لمبا چوڑا میڈیکل نام دیا کہ سلطانہ تھرا کر رہ گئی۔ اقبال مکمل طور پر عمران کا چمچہ بنا ہوا تھا اور اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

مجھے چوٹ تو واقعی لگی تھی اور گردن بھی کچھ اکڑی اکڑی لگ رہی تھی مگر صورتِ حال ایسی بھی نہیں تھی جیسی عمران بتا رہا تھا۔ بہرحال، اس کی چرب زبانی کا خاطرخواہ اثر ہوا۔ سلطانہ پوری دل جمعی سے میری تیمارداری اور دل جوئی میں لگ گئی۔

اس نے مجھے ہلدی ملا دودھ پلایا۔ میرے چہرے کی چوٹوں پر ٹکور کرنے کے لیے نمک کی تھیلی گرم کی۔ میری مرہم پٹی کے بعد اس نے مجھے لحاف اوڑھایا اور میرے سرہانے بیٹھ کر میرے کندھے دبانے میں مصروف ہو گئی۔ ساتھ ساتھ وہ

... فکرمندی سے ... کے بارے میں ... رہا ... بھی۔ ...

اب صبح ہونے والی تھی مگر اس زیرِ زمین تہ خانے میں دن اور رات کا مطلق پتا نہیں چلتا تھا۔ تہ خانے کی حالت دیکھنے سے پتا چلتا تھا کہ اسے ہماری رہائش کے لیے پہلے سے تیار کیا جا چکا ہے۔ یہاں صفائی ستھرائی کی گئی تھی، بستر بچھائے گئے تھے۔ دس پندرہ افراد کے لیے دو تین ہفتوں کا راشن یہاں اکٹھا کر لیا گیا تھا۔ آفتاب خاں نے عمران اور تاؤ افضل کو بتایا تھا کہ وہ بس رات کو دوسرے پہر کے بعد ہی یہاں آ جا سکے گا۔

آفتاب خاں کی آمد اگلی رات کو بارہ بجے کے بعد ہوئی۔ عمران اس کی آمد کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ آفتاب کا چہرہ دیکھ کر ہی ظاہر ہو گیا کہ وہ کوئی خاص خبر لایا ہے۔ اس نے عمران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”عمران بھائی! ام سب کو خدا کا بہت بہت شکر کرنا چاہیے... خو تم نے جو کچھ کیا، بالکل ٹھیک کیا۔ تم سب بال بال بچ گیا ہے... اگر تم ابھی تک تاؤ کے گھر میں ہوتا تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ کچھ لوگ آئے ہیں؟“

”آئے ہیں جی، بالکل آئے ہیں۔ اور وہ بھی تھوڑے نہیں... سوڈیڑھ سو بندہ آیا ہے۔ یہ سب لوگ بڑا کٹر قسم کا ہندو ہے بلکہ ام تو سمجھتا ہے کہ ان کو ہندو بھی نہیں کہنا چاہیے... یہ جنونی لوگ ہے۔ کسی کا بھی دوست نہیں۔ ان کے چہرے ہی بتاتے ہیں کہ یہ خونی اور قاتل ہیں۔ وہ موٹا گرو بھی ان کے ساتھ ہے۔ اس کے چہرے پر چوٹوں کا کئی ایک نشان ہے۔ لگتا ہے کہ اسے مارا پیٹا گیا ہے۔ وہی ان لوگوں کو لے کر یہاں آیا ہے۔“

”کب پہنچے تھے وہ لوگ؟“

”کوئی آٹھ نو گھنٹے پہلے۔ عصر کی اذان کے وقت۔ سب سے پہلے انہوں نے تاؤ کے گھر پر ہلا بولا۔ دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا۔ تاؤ کے پڑوسیوں کو پکڑ لیا۔ مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ وہ آپ سب لوگوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ لوگ کل رات کو ہی گاؤں چھوڑ کر جا چکا ہے... پھر ان لوگوں نے مکھیا رشید اور اس کے بیٹوں کو بلا لیا۔ مکھیا رشید خانہ خراب کا بچہ کمینگی پر اتر آیا ہے۔ وہ آپ لوگوں کو ڈھونڈنے میں استھان والوں کی پوری پوری مدد کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے تاؤ افضل کے دو گمشتے داروں کو بُری طرح مارا پیٹا گیا ہے۔“

تاؤ افضل کا چہرہ پریشانی کی آماج گاہ بن گیا۔ اس کی

رٹا

انسپکٹر آف اسکولز ایک اسکول کا معائنہ کرنے والے تھے۔ استاد نے مختلف سوالات کے جواب لڑکوں کو رٹا دیے۔ شہزاد کے ذمے یہ سوال تھا کہ ہمیں کس نے بنایا۔ جواب تھا کہ ہمیں خدا نے بنایا ہے۔ اتفاقاً معائنے والے دن شہزاد غیر حاضر تھا۔ جب انسپکٹر نے یہ سوال پوچھا۔ ”بچو! ہمیں کس نے بنایا؟“ تو تمام بچے خاموش بیٹھے رہے۔

انسپکٹر نے سوال دہرایا تو ایک لڑکا بولا۔ ”جناب جسے خدا نے بنایا تھا، وہ آج غیر حاضر ہے۔“

بگرام سے دلاور خان کی شوخی

دونوں بار وہ بیٹیاں بھی سکڑ سمٹ سی گئیں۔

اقبال نے پوچھا۔ ”اب وہ لوگ کہاں ہیں؟“

آفتاب بولا۔ ”بیس بیس بندوں کی دو تین ٹولیاں آپ لوگوں کی تلاش میں لگی ہیں۔ باقی لوگ مکھیا کے مکان میں ہے۔ وہ سب خبیث لوگ ایک دم تھانے دار بنا ہوا ہے۔ جس کسی پر شک ہو رہا ہے، اسے مکھیا کے گھر بلا رہا ہے اور بے عزت کر رہا ہے۔ شام کے بعد ام کو بھی بلا کر زمین پر بٹھایا تھا اور پولیس والوں کی طرح ام سے سوال جواب کیا تھا۔ امارا خون کھول رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے ام کو کوئی گالی نہیں نکالا، ورنہ ام سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔“

”نہیں نہیں، کوئی ایسی بات ہوئی بھی تو برداشت کرنی ہے۔ ہم سب کی خاطر برداشت کرنی ہے... اور اس بات کا بھی یقین رکھنا ہے کہ ہم بعد میں اس کا پورا پورا حساب چکا لیں گے۔“

عمران کا فیصلہ حیران کن حد تک درست ثابت ہوا تھا۔ ہم اس تہ خانے میں موجود تھے اور بستی میں ایک شخص کے سوا کسی کو پتا نہیں تھا کہ ہم یہاں ہیں۔

عمران نے آفتاب خاں کو کچھ ضروری ہدایات دیں اور واپس بھیج دیا۔ میری گردن کے پچھلے حصے میں واقعی تکلیف تھی۔ پٹھے اکڑ سے گئے تھے مگر ایسی تکلیفوں کو جھیلنا اور جھیلنے کے لیے ان کی گہرائی میں اترنا، اب مجھے اچھا لگتا تھا۔ سلطانہ میرے ساتھ تھی۔ اس کی موجودگی مجھے اچھی لگ رہی تھی۔

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

آفتاب خاں کچھ پھول لے کر آیا تھا۔ ان میں دو چار پھول موتیے اور گیندے کے بھی تھے۔ میں نے وہ پھول اٹھا کر سامنے تپائی پر رکھ دیے۔ ان پھولوں کی موجودگی نے سلطانہ کے مزاج پر اچھا اثر کیا۔ سلطانہ رات آخری پہر تک جاگتی رہی اور میری دیکھ بھال کرتی رہی۔ آخری پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔ میں بھی سو گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو گردن کے پچھلے حصے اور کمر پر چپچپاہٹ کا احساس ہوا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ میں نیند کی حالت میں چت لیٹ گیا تھا اور زخم پر دباؤ پڑنے کی وجہ سے خون پھر جاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلسل رستے رہنے والا خون اب گیلے پن کا احساس دے رہا تھا۔

میں نے دیکھا، اڑتالیس گھنٹے کی تھکی ہاری سلطانہ میرے بستر کے قریب ہی دری پر سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ اس نے ایک پھول دار لحاف اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ میں نے اسے جگانا چاہا لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا۔

گیلی قمیص میں نے اتار کر پھینک دی۔ دوسری قمیص پاس ہی پڑی تھی لیکن اسے پہننے سے پہلے ضروری تھا کہ میں اپنی کمر صاف کر لوں۔ ایک کپڑے سے میں نے کوشش کی مگر پوری طرح کامیابی نہیں ہوئی۔ اسی دوران میں اچانک نوری اندر آ گئی۔ شاید وہ کھڑکی میں سے میرا مسئلہ دیکھ رہی تھی۔

اپنے مخصوص انداز میں ہولے سے بولی۔ ”ناراض نہ ہونا بابوجی۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کی کمر صاف کر دیتی ہوں۔“

مجھے ذرا تذبذب ہوا پھر میں نے کپڑا نوری کو تھما دیا۔ وہ گھوم کر میرے عقب میں آ گئی اور بستر پر بیٹھ کر بڑی ملائمت سے میری کمر صاف کرنے لگی۔ اس کی چوڑیاں میرے کانوں کے قریب چھن چھنا رہی تھیں۔ لگتا ہے وہ میرے کندھوں پر ہاتھ بھی پھیر رہی تھی۔

”کیا کر رہی ہو۔ جلدی کرو۔“ میں نے ذرا تحکم سے کہا۔

”بابوجی! صاف ہی کر رہی ہوں۔ آپ کے کندھوں کے بال بھی تو تھڑے ہوئے ہیں... اوئی ماں... دیکھیں پھر خون رسنے لگا ہے۔“ وہ ایک بار پھر گڑبڑ کر رہی تھی۔ اس کا انداز لبھانے اور رجھانے والا تھا۔ اس کا جسم عقب سے بار بار میری پشت سے چھو جاتا تھا۔

”چلو چھوڑو۔ ٹھیک ہے۔“ میں ذرا جھنجلا سا گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتی، اس کا پاؤں نیچے رکھے ہوئے ایک جگ سے ٹکرایا اور اسٹیل کا یہ جگ فرش پر لڑھک [illegible] گیا۔ آواز ابھری [illegible] اٹھ بیٹھی [illegible] نکلا۔

پھر اس کی نظر میرے عقب میں بستر پر براجمان نوری پر پڑی اور اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں غصے کا دریا امڈ پڑا ہے۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ پھنکاری۔

”م... میں... جی... وہ بابوجی نے ہی بلایا تھا۔ دیکھیں ان کا پنڈا پیچھے سے لہولہان ہو گیا ہے۔“ اس نے ہوشیاری سے سلطانہ کی توجہ میری کمر کی طرف مبذول کروائی۔

سلطانہ کمر کی طرف متوجہ ہوئی تو نوری خاموشی سے کھسک گئی۔

”یہ کیا کیا تم نے مہروج! زخم کا منہ پھر کھل گیا ہے۔“ وہ بڑے درد سے بولی۔

اس نے کپڑا گیلا کیا اور میرا پنڈا پونچھنے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ پنڈا صاف کرنے اور زخم سے خون کا رساؤ بند کرنے میں کامیاب ہو گئی تو اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”مہروج! یہ کمینی کیوں آئی تھی یہاں؟“

میں نے چونک کر سلطانہ کی طرف دیکھا۔ اس کی شفاف پیشانی پر پسینے کی نمی تھی اور آنکھوں میں طیش اور رقابت کی سرخی تھی۔ ایک دم میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ مجھے نوری کے بارے میں عمران کی بات یاد آئی۔ عمران نے معنی خیز انداز میں کہا تھا... ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی ویسی نہ ہو جیسی نظر آ رہی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے بھی شک ہوا تھا کہ نوری نے جان بوجھ کر جگ کو اپنے پاؤں سے گرایا ہے تاکہ آواز پیدا ہو اور سلطانہ جاگ جائے... تو کیا وہ جان بوجھ کر سلطانہ کے دل میں حسد اور رقابت کے جذبے کو ہوا دے رہی تھی؟ کہیں وہ... عمران کی ہدایت پر تو ایسا نہیں کر رہی تھی؟ ابھی میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ بالائی منزل کی سیڑھیوں سے کسی کے دھڑ دھڑ اترنے کی آواز آئی۔ پھر دراز قد آفتاب خاں دھواں دھواں چہرے کے ساتھ نمودار ہوا۔ وہ باہر سے کوئی بری خبر لایا تھا...

خطروں کے دائروں میں سفر کرتے جانبازوں کی
داستان کے بقیہ واقعات آیندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں

پرہیز

بابر نعیم

کہاوت ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے.... کسی بھی امکانی افتاد سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حفاظت کا معقول بندوبست پہلے ہی کر لیا جائے... خصوصاً جرم کے تدارک کے لیے تو فوری اور ہنگامی طور پر فیصلہ چند سیکنڈ کی دوری پر ہو... فیصلے میں تاخیر بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

اس مجرم کا قصہ جو نظروں کے سامنے ہو کے بھی قانون سے اوجھل تھا

ہنری راجر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس پر حملہ کر سکتا ہے۔ وہ ایک خوش حال بینکر تھا اور اس شام اپنے دوستوں کے ساتھ ایک پارٹی میں شرکت کر کے واپس آ رہا تھا۔ گھر کے پاس پہنچ کر وہ گاڑی سے اترا۔ ابھی وہ اپنے دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ تاریکی سے ایک سایہ نمودار ہوا اور اس نے عقب سے اس پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیے۔ راجر اس اچانک افتاد سے گھبرا گیا۔ گو کہ وہ ایک پچاس سالہ صحت مند شخص تھا لیکن کسی پیشہ ور بدمعاش کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈنڈے کی ضرب سے وہ چکرا کر گر پڑا اور اس حملہ آور نے انتہائی بے رحمی سے اسے ٹھوکریں مارنا شروع

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

کردیں۔ راجر کو اپنے دفاع کا بالکل بھی موقع نہ ملا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا تھا کہ بازوؤں کے ذریعے اپنے چہرے اور سر کو بچانے کی کوشش کرے۔ جس طرح اچانک یہ شروع ہوا اسی تیزی سے ختم بھی ہوگیا۔ حملہ آور اسے بُری طرح زخمی کرکے لمحوں میں فرار ہوگیا۔ راجر کافی دیر تک یونہی زمین پر پڑا کراہتا رہا۔

☆☆☆

جیک لیمن کو پرائیویٹ سراغ رساں کے طور پر کام کرتے ہوئے کئی برس ہوچکے تھے اور اس دوران میں اس کا واسطہ ہر طرح کے لوگوں سے پڑا تھا جو خوف، رنج اور مایوسی جیسی کیفیات میں مبتلا ہوتے تھے لیکن اس نے اس سے پہلے کسی فرد پر ان تمام کیفیات کو ایک ساتھ طاری ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ماریا راجر انتہائی وحشت کے عالم میں اس کے دفتر کے دروازے پر کھڑی تھی اور اس کے خوب صورت چہرے پر خوف، رنج اور مایوسی کے تاثرات نمایاں تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی شدید صدمے کے زیر اثر ہے۔ اسے دیکھ کر لیمن کرسی سے اٹھا اور سہارا دے کر اپنی میز تک لایا۔ اسے کرسی پیش کی اور برابر میں رکھے ہوئے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر اسے دیا۔ ماریا نے پانی کے دو گھونٹ لیے تو رفتہ رفتہ اس کی حالت اعتدال پر آگئی۔

"اس تکلیف کے لیے معافی چاہتی ہوں۔" ماریا نے رومال سے اپنی آنکھوں کے نم گوشے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل اس وقت میں بہت پریشان ہوں۔"

"شاید تم مجھے اس پریشانی کی وجہ بتانا پسند کرو۔" لیمن نے نرمی سے کہا۔ "میرا نام جیک لیمن ہے۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہاری پریشانی دور ہوجائے۔"

ماریا نے ایک گہری سانس لے کر اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے مناسب انداز میں اپنا تعارف کروایا اور گزشتہ شب اپنے شوہر کے ساتھ ہونے والے واقعے کی تفصیل بتائی۔ "میرے شوہر وقت کے بہت پابند ہیں۔ اس لیے جب انہیں گھر واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو میں گھبرا کر باہر آگئی۔ دیکھا تو دروازے سے بمشکل پانچ گز کے فاصلے پر وہ خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔"

لیمن نے بڑے غور سے اس کی پوری روداد سنی۔ اس عورت کی ظاہری شکل و صورت، لباس اور مہذبانہ لہجے سے یہ اندازہ تو ہوگیا کہ وہ وفادار اور محبت کرنے والی بیوی ہے اور اس کا تعلق ایک ایسے طبقے سے ہے جہاں ایسے جرم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی میں پہلی بار اس قسم کے تجربے سے دوچار ہونے کے باعث اس کی وحشت کچھ زیادہ ہی [illegible] تاہم وہ قانون کے احترام اور انصاف کے تصور پر یقین رکھتی [illegible] ماریا سے پوری کہانی سننے کے بعد اسے ہنری راجر سے ہمدردی ہوگئی اور اس نے حملہ آور کا سراغ لگانے کا فیصلہ کرلیا۔

"تمہارا کہنا ہے کہ اس نے راجر کی کوئی چیز نہیں چھینی؟"

"نہیں۔" ماریا نے جواب دیا۔ "یہ واقعی عجیب بات ہے۔ میرے شوہر کا خیال تھا کہ حملہ آور ان کا بٹوا اور گھڑی لے گیا ہوگا لیکن اس نے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اس لحاظ سے ہم اسے راہزنی بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حملہ ڈکیتی کی نیت سے نہیں کیا گیا تھا۔"

"میں بہت خوف زدہ ہوگئی ہوں مسٹر لیمن۔" ماریا نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "اس حملے میں ہنری کی جان بھی جاسکتی تھی۔"

"میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ مسٹر راجر اس کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ اگر چاہتا تو انہیں بہ آسانی مار سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ حملہ محض ایک وارننگ تھی۔"

"لیکن کوئی ایسا کیوں کرے گا؟" ماریا نے سوال کیا۔

"یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے۔" لیمن نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں درج کروادی ہوگی۔"

"ہاں، ہم نے فوراً ہی انہیں مطلع کردیا تھا۔"

"پولیس خود اس معاملے کو دیکھے گی پھر تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟" لیمن نے پوچھا۔

"یہ خیال میرے شوہر کا تھا۔ انہیں پولیس پر کچھ زیادہ بھروسا نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پولیس سنجیدہ جرائم پر زیادہ توجہ دیتی ہے اور ان کی نظر میں یہ ایک معمولی کیس ہے جبکہ میرے لیے اس سے زیادہ سنجیدہ اور کوئی بات نہیں ہوسکتی مسٹر لیمن۔ میں اپنے شوہر کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"یقیناً... تمہارے لیے یہ پریشانی کی بات ہے۔"

"میرے شوہر کو تمہارے بارے میں اس کے ایک قریبی دوست تھامس رونالڈ نے بتایا تھا۔ غالباً تم اس کے لیے بھی کام کرچکے ہو؟"

"میں مسٹر رونالڈ کا شکرگزار ہوں کہ انہوں [illegible]

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

[illegible] کے پیچھے جانے کی کوئی [illegible]

"جی ہاں، بالکل... میں [illegible] چاہیے مسز راجر۔"

"تم اسے کس طرح تلاش کرو گے؟"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔" لیمن نے پُراعتماد انداز میں کہا۔ "سب سے پہلے تو میں تمہارے شوہر سے ملنا چاہوں گا۔ کیا وہ میرے سوالوں کا جواب دینے کے قابل ہے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر ابھی چلتے ہیں۔ میں فوراً ہی تحقیقات کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔"

☆☆☆

ہنری راجر تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ جگہ جگہ زخموں اور خراشوں کے نشانات تھے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک پسلی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ ہونٹ سوجے ہوئے اور کچھ دانت بھی ہل چکے تھے۔ اس وقت بھی وہ شدید تکلیف میں نظر آرہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے اسپتال جانے سے انکار کردیا۔

لیمن نے اس سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کی زبانی پورا واقعہ جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کی بیوی نے پہلے ہی سب کچھ بتادیا تھا لیکن لیمن کو توقع تھی کہ وہ راجر سے مزید تفصیلات جاننے میں کامیاب ہوسکے گا۔ راجر نے دماغ پر زور دیتے ہوئے بتایا کہ حملہ آور کا لہجہ آئرش جیسا تھا اور اس نے جانے سے پہلے کہا تھا۔ "اب تمہیں سبق مل جائے گا مسٹر راجر۔"

"گویا اس حملے کی منصوبہ بندی پہلے سے کی گئی تھی۔" لیمن نے کہا۔ "وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تم کہاں گئے ہو اور تمہاری واپسی کب تک ہوگی۔"

راجر چونکتا ہوتے ہوئے بولا۔ "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نگرانی ہورہی تھی؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"اس کا جواب تو تم ہی دے سکتے ہو۔ کیا تمہارے کچھ دشمن بھی ہیں؟"

"میرے علم میں تو ایسا کوئی شخص نہیں۔" راجر فخریہ انداز میں بولا۔ "البتہ میرے کچھ کاروباری حریف ہوسکتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اوچھی حرکتیں کرتے رہتے ہیں... لیکن وہ ایسا کوئی کام نہیں کرسکتے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ حالیہ دنوں میں تمہاری وجہ سے کسی کو کوئی پریشانی ہوئی ہو؟"

راجر کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری۔ "اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کئی سالوں سے بینکر کے طور پر کام کررہا ہوں اور لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ میں انہیں پریشان کرکے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"اس واقعے کے متعلق اب تک جو کچھ بھی پتا چلا ہے، اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شخص نے تمہیں وارننگ دینے کی کوشش کی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ کون ہوسکتا ہے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" راجر نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے یقین ہے مسٹر راجر کہ تم اس بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہو اور جان بوجھ کر اسے چھپا رہے ہو۔"

"ایسی بات کہتے ہوئے تمہیں میرے مرتبے کا خیال کرنا چاہیے۔" راجر نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "میں بھلا تم سے کیوں چھپاؤں گا؟ جبکہ میں نے تمہیں خود اس حملہ آور کا پتا لگانے پر مامور کیا ہے۔"

"میں صرف حقیقت جاننا چاہ رہا ہوں۔" لیمن نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس اس کیس میں آگے بڑھنے کے لیے بہت کم معلومات ہیں اور میں چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتا۔ تم کسی وجہ سے کوئی اہم بات چھپا رہے ہو جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے اور اسی لیے میں بھی اب تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ مجھے اجازت دو۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اس کیس کو ہینڈل کرنے کے لیے کسی دوسرے آدمی کا بندوبست کرلو۔"

"ایک منٹ!" وہ دردناک آواز میں بولا۔ لیمن نے مڑ کر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے راجر کو سکتہ ہوگیا ہو۔ چند سیکنڈ وہ اسی کیفیت میں رہا پھر نچلی آواز میں سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "میری بیوی کو اس کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔ وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ میں اسے مزید دکھ دینا نہیں چاہتا۔"

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" لیمن نے ہمدردی سے کہا۔

"تمہارے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے... بتانے کی وجہ یہ تھی کہ میں خود بھی شرمندگی محسوس کر رہا تھا اور اسے ظاہر کر کے اپنے آپ کو احمق نہیں کہلوانا چاہتا تھا۔" راجر نے نپے تلے انداز میں اپنی کیفیت کو اجاگر کیا۔

"کوئی بات نہیں۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم اصل بات پر روشنی ڈالو۔" لیمن نے اسے تسلی دی۔

راجر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے ایک خط ملا تھا۔"

"کوئی دھمکی وغیرہ؟" لیمن نے پوچھا۔

"اس وقت مجھے ایسا نہیں لگا تھا۔ اس لیے میں نے اس خط کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس میں صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ اب مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس خط میں اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ میں یہی سمجھا کہ کسی نے مجھے ڈرانے کے لیے یہ مذاق کیا ہے، لہٰذا میں نے اسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں بھی کتنا احمق تھا۔"

"کیا وہ خط تمہارے پاس ہے؟"

"نہیں، میں نے اسے پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔"

"یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔"

"میں نے بعد میں اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا لیکن آج مجھے اسی طرح کا ایک اور خط ملا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے تکیے کے نیچے سے ایک لفافہ نکالا اور لیمن کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ "اس پر بھی پہلے دن کی طرح کسی کے دستخط نہیں ہیں۔"

لیمن نے لفافے میں سے خط نکال کر بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔ "کیا تمہارا دماغ ٹھکانے آ گیا مسٹر راجر؟"

اس نے راجر کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اس سے زیادہ واضح پیغام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیا دونوں خطوط کی تحریر ایک جیسی ہے؟"

"ہاں، مسٹر لیمن... میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو میں یہ خط اپنے پاس رکھ لوں؟"

"ضرور رکھو۔ میں خود نہیں چاہتا کہ میری بیوی کی نظر اس پر پڑے۔" راجر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس سے پہلے مجھے کبھی ایسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شہر روز بروز خطرناک ہوتا جا رہا ہے لیکن یہ علاقہ بالکل محفوظ ہے اور میں رات میں کسی بھی وقت... سڑک پر بے دھڑک گھوم سکتا ہوں۔ اسی لیے میں نے کبھی محافظ رکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔" [illegible] "ہیزل ہرسٹ... یہ کون ہے؟" لیمن [illegible] بولا۔

"میرا ایک دوست ہے... ولیم ہیزل ہرسٹ۔ جب میں حال ہی میں اس سے ملا تو معلوم ہوا کہ اس نے ایک باڈی گارڈ رکھا ہے جو رات میں اس کی گاڑی ڈرائیو کر کے اسے گھر لے کر آتا ہے اور اس کے گھر کی نگرانی بھی کرتا ہے۔"

"یہ شخص کہاں رہتا ہے؟" لیمن نے پوچھا۔

"یہاں سے چار بلاک کے فاصلے پر۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ اس جگہ کے مقابلے میں زیادہ محفوظ علاقہ ہے۔" لیمن نے کہا۔

"میں بھی گزشتہ رات تک یہی سمجھتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے مسٹر ہیزل سے بھی ملنا ہو گا۔" لیمن نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اس کے لیے تمہیں اس کے دفتر ففتھ ایونیو جانا ہو گا۔ وہ وکیل ہے اور ہمیشہ کرمنل کیس ہی لیتا ہے اس لیے وہ اچھی طرح جانتا ہو گا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا اس نے بھی ایسا کوئی تذکرہ کیا کہ اسے بھی اس طرح کے خط ملتے رہے ہیں؟"

"نہیں مسٹر لیمن... اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ احتیاط کر رہا ہے۔ کاش، میں نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا۔"

"کیا تم مجھے اس کا پتا بتا سکتے ہو؟" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے چھوٹا سا پیڈ اور قلم نکالا۔ "میں صبح ہی مسٹر ہیزل سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تب تک تم آرام کرو اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

☆☆☆

جب لیمن اس کے دفتر پہنچا تو ہیزل ہرسٹ کسی کلائنٹ کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھا، لہٰذا اسے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میں لیمن کو اس کی سیکریٹری سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا اور اس نے ہیزل کی فرم کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر لیں۔ اس کا دفتر بہت بڑا تھا اور وہاں اس کے کلائنٹس کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد سیکریٹری نے اسے اندر بھیج دیا۔ اسے دیکھ کر ہیزل اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور مصافحہ کر کے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب لیمن نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو ہیزل خوف زدہ ہو گیا اور بولا۔ "اس کے اپنے گھر کے باہر حملہ ہوا، یہ تو بہت ہی خوف... تم نے اپنی حفاظت کے لیے ایک باڈی گارڈ بھی رکھا ہوا ہے۔"

"ہاں لیکن وہ صرف اس وقت میرے ساتھ ہوتا ہے جب میں رات کو گھر واپس جاتا ہوں۔"

"یہ باڈی گارڈ کب سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"چند ماہ پہلے ہی میں نے اسے رکھا ہے۔" ہیزل نے جواب دیا۔ "جنوری کے شروع میں یوں محسوس ہوا جیسے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے اور میرے گھر کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔ ویسے تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا لیکن میری بے چینی بڑھتی گئی۔ اسی طرح جب میری بیوی گھر سے باہر نکلتی تو اس کے بھی یہی احساسات ہوتے۔"

"کیا تم نے اس بارے میں پولیس کو مطلع کیا؟"

"ہاں اور انہوں نے علاقے میں گشت بڑھانے کی یقین دہانی کروائی تھی مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ اچانک ایک روز میرے نوکر نے ایک مشکوک شخص کو مکان کے باہر منڈلاتے دیکھا... جب اسے اندازہ ہوا کہ وہ دیکھ لیا گیا ہے تو تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غائب ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد میرا تیار ہو جانا لازمی تھا چنانچہ میں نے پہلی فرصت میں باڈی گارڈ کی تلاش شروع کر دی۔"

"یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

"میں نے نیویارک ٹائمز میں ایک کمپنی کا اشتہار دیکھا تھا جو ہوشیار اور مستعد گارڈز فراہم کرتی ہے۔ میں نے ان سے رابطہ کیا اور ایک ماہ تک اس گارڈ کو آزمائشی بنیادوں پر رکھا پھر اس سے مطمئن ہو جانے کے بعد مستقل ملازمت دے دی۔ اس کی وجہ سے بہت سکون ہو گیا ہے۔ اب میں اور میری بیوی رات کے وقت گھر سے باہر نکلتے ہوئے بالکل نہیں گھبراتے اور اس کی موجودگی میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے ہیں۔"

"مسٹر راجر نے بتایا ہے کہ وہ محافظ رات کو بھی تمہارے گھر پر پہرا دیتا ہے؟"

"نہیں، وہ یا اس کا کوئی ساتھی وقفے وقفے کے بعد چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں تو تمہیں بہت زیادہ معاوضہ دینا ہوتا ہو گا۔" لیمن نے کہا۔

"اپنی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" وہ فخریہ انداز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم کیا

کہانیوں آپ بیتیوں جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ

ماہنامہ

سرگزشت

مارچ 2011ء کی ایک جھلک

کشور کشا

اس شہنشاہ کا احوال جسے بادشاہت پکے پھل کی طرح ملی

فسوں گر

انقلاب مصر کے داعی کی داستانِ حیات

تاج محل

محبت کی انمول نشانی کی تاریخی حیثیت

شیرپا، مسجد وزیر خان، شیرنیوں کا قاتل شیر، جنگل کلب، مددگار ڈولفن جیسی بے مثل کتھائیں اور بہت سی دلچسپ آپ بیتیاں جگ بیتیاں

بس ایک بار سرگزشت پڑھ کر دیکھیں، آپ یقیناً گرویدہ ہو جائیں گے۔

خاص شمارہ... ہر شمارہ، خاص شمارہ... ہر شمارہ، خاص شمارہ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

سوچ رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ اس کمپنی نے اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے جان بوجھ کر مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن مسٹر لیمن... میں ایک وکیل ہوں اور ہر کام بڑی چھان پھٹک کے بعد کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے اس کمپنی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں اور جب مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے ان کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ایسی صورت میں شاید میں بھی مسٹر راجر سے اس کمپنی کی سفارش کروں گا۔"

"یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں یہاں اس فرم کی پبلسٹی کے لیے نہیں بیٹھا ہوں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کی وجہ سے میں اور میری بیوی رات کو پُرسکون نیند سوتے ہیں جس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔"

"تمہارے پاس اس کمپنی کا پتا ہے؟"

"ہاں۔" ہیزل نے کہا اور دراز کھول کر اس میں کچھ تلاش کرنے لگا پھر اس نے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور بولا۔ "ان کا دفتر کچھ زیادہ اچھی جگہ پر نہیں ہے لیکن تم ظاہری باتوں پر نہ جاؤ۔"

"میں اس طرح نہیں سوچتا۔" لیمن اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "مسٹر ہیزل! تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

"میری طرف سے راجر کو پوچھ لینا۔ کیا وہ بہت زخمی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ جسم سے زیادہ اس کی انا زخمی ہوئی ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ کبھی اس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ بہرحال، مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔"

☆☆☆

میٹ اسٹین ایک صحت مند شخص تھا جو اپنے نشے کی لت پوری کرنے کے لیے مناسب معاوضے پر لوگوں کے لیے ہر طرح کے کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا، تاہم اس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ جیک لیمن تھا جو اسٹین کی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ اس کی طاقت سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ وہ حاضر دماغ، اپنے کام میں پکا اور بے خوف شخص تھا... اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس پر پوری طرح بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

لیمن کو اسے ڈھونڈنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ ان دنوں اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا اس لیے اس کا زیادہ

[illegible]

کسی کام کے سلسلے میں ہی آئے ہوئے ہو؟"

"ہاں اسٹین!" لیمن نے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک بہت نازک معاملہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم ہی اسے دیکھو۔"

یہ کہہ کر اس نے وہ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا جو ہیزل نے اسے دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اسٹین کو اس طرح کے کام کرنے میں ہمیشہ مزہ آتا تھا۔ اس نے پوری دلچسپی سے لیمن کی بات سنی اور سر ہلا دیا... مگر اسے اندازہ تھا کہ اس کام میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔

"اگر انہوں نے مجھے بھی ملازمت کی پیشکش کر دی تو کیا ہوگا؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ "ایسی صورت میں میرے لیے انکار کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"وہ بھی ایسا نہیں کریں گے۔" لیمن نے اسے یقین دلایا۔ "اور اگر انہوں نے اس بارے میں سوچا تو پہلے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کریں گے اور تمہارا مجرمانہ ریکارڈ انہیں ایسا کرنے سے روک دے گا۔"

"میں اتنا بڑا مجرم بھی نہیں ہوں۔" اسٹین نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم متعدد بار حوالات کی سیر کر چکے ہو اور زیادہ تر میں ہی تمہیں چھڑا کر لایا ہوں اس لیے وہ لوگ تم جیسے آدمی کو ملازمت پر رکھتے ہوئے دو بار سوچیں گے۔ اس لیے تم فی الحال وہی کرو جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ تمہیں کسی بھی طرح اس فرم کے مالک ہیریٹ لوویل کی تحریر کا نمونہ حاصل کرنا ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ اس کی فرم میں کام کرنے والے دوسرے لوگ تو شاید مشکل سے اپنا نام ہی لکھ پاتے ہوں گے۔ ان کا کام جسمانی نوعیت کا ہے اس لیے وہاں پڑھے لکھے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر لیمن! میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ مجھ سے جو ہو سکا، ضرور کروں گا۔"

"تم دو گھنٹے بعد میرے دفتر آنا۔ اس وقت تک میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"نیویارک ٹائمز کے دفتر۔" لیمن نے کہا۔ "مجھے وہ اشتہار دیکھنا ہے۔"

☆☆☆

[illegible]

"مجھے وہاں جا کر سوچنے یا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی اور دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ لوگ کس قسم کا کاروبار کر رہے ہیں۔ جب میں دفتر میں داخل ہو رہا تھا تو میں نے وہاں سے ایک شخص کو نکلتے ہوئے دیکھا جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"وہ کون تھا؟" لیمن نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"جیل کا ایک محافظ جو محض اپنی تفریح کے لیے قیدیوں پر تشدد کیا کرتا تھا۔ اوگیرا نے ہماری زندگی جہنم بنا رکھی تھی۔"

"کیا وہ آئرش ہے؟"

"ممکن ہے... لیکن اب اس کا لہجہ بدل گیا ہے۔ اگر مسٹر لوویل نے ایسے لوگوں کو ملازم رکھا ہوا ہے تو اسی سے ان کے کام کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"کیا تم لوویل کی تحریر کا نمونہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے؟"

"ہاں، جب میں نے اس سے ملازمت کے لیے کہا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ فی الحال اس کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ مجھے نوکری کی شدید ضرورت ہے۔ اس کی بڑی مہربانی ہوگی اگر وہ مجھے کسی ایسی جگہ کا پتا بتا دے جہاں میں کوشش کر سکوں۔"

یہ کہہ کر اسٹین نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور بولا۔ "اس نے مجھے لوئر ایسٹ سائڈ کے ایک گودام کا پتا لکھ کر دیا اور کہا کہ شاید مجھے وہاں ملازمت مل سکتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذ لیمن کی طرف بڑھا دیا۔

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔" اس نے کاغذ ہاتھ میں پکڑا پھر اپنی جیب سے وہ خط نکالا جو مسٹر راجر نے اسے دیا تھا۔ اس نے وہ دونوں کاغذ میز پر ساتھ ساتھ رکھے اور اسٹین سے بولا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"لگتا ہے کہ دونوں تحریریں ایک ہی شخص کی ہیں۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں تحریریں ایک ہی ہاتھ سے لکھی گئی ہیں۔" لیمن پُرجوش انداز میں بولا۔

"اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟" اسٹین نے پوچھا۔

"اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہیریٹ لوویل اور ولیم ہیزل ہرسٹ دونوں ہی جھوٹے ہیں اور مجھے اسی کی امید تھی کہ یہ دونوں اندر سے ملے ہوئے ہیں۔ میں نے اسی لیے تمہیں لوویل کے آفس بھیجا تھا کیونکہ مجھے شک تھا کہ ہیزل پہلے ہی اس کو میری آمد کے بارے میں مطلع کر دے گا اور ایسی صورت میں لوویل محتاط ہو سکتا تھا لیکن تم پر اسے کوئی شک نہیں ہوگا۔"

"تم اخبار کے دفتر بھی گئے تھے، وہاں سے کیا معلوم ہوا؟"

"میں نے نہ صرف پچھلے شمارے کا وہ اشتہار تلاش کر لیا بلکہ یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ کون شخص ہے جو کرسمس کے بعد سے ہر مہینے یہ اشتہار شائع کروا رہا ہے۔"

"کون؟" اسٹین نے پوچھا۔

"ولیم ہیزل... اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ دونوں ملے ہوئے ہیں۔"

"تم نے بتایا تھا کہ یہ شخص وکیل ہے۔"

"ہاں لیکن وہ غیر قانونی طریقوں سے دولت اکٹھی کر رہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے ہدف کا انتخاب کرتا ہے اور مسٹر راجر جیسے دولت مند لوگوں کو پہلے وارننگ دی جاتی ہے اور پھر ان پر حملہ کروا دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہیزل نے اپنی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ رکھا ہوا ہے چنانچہ وہ بھی مشورے کے لیے اسی سے رجوع کرتے ہیں اور تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کیا مشورہ دیتا ہوگا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ لوویل کی فرم کا نام ہی تجویز کرے گا۔" اسٹین نے یقین سے کہا۔

"متاثرہ شخص کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے جن لوگوں کی خدمات حاصل کر رہا ہے، وہی اس پر حملہ کرنے کے ذمے دار ہیں۔ میں حیران ہوں کہ نہ جانے اس طرح کتنے لوگ خوف زدہ ہو کر ان کے جال میں پھنس گئے ہوں گے۔"

"کیا تم ان لوگوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرواؤ گے؟" اسٹین نے پوچھا۔

"نہیں اسٹین۔ ہمارے پاس ابھی زیادہ ثبوت نہیں ہیں۔ ہیزل اور لوویل دونوں ہی بڑی آسانی سے اپنا دفاع کر لیں گے۔ میں انہیں رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے؟"

"میرے پاس ایک راستہ ہے۔" لیمن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس میں کچھ وقت لگے گا اور ہمیں انتظار کرنا ہوگا کہ کب وہ ہمارے جال میں پھنستے ہیں۔"

☆☆☆

ہنری راجر کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ زیادہ عرصہ بستر پر گزار سکے۔ اس نے اپنے زخموں کے ٹھیک ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور جیسے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوا، کام پر

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

واپس آگیا۔ وہ بڑی بہادری سے اپنی جسمانی تکلیف اور اپنے ساتھیوں کی چبھتی ہوئی نظروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ چند دن بعد وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ اپنے بینک کے ڈائریکٹرز کے ساتھ ڈنر میں شریک ہو سکے۔ اس کی بیوی ماریا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس دعوت میں جائے لیکن راجر پر اس کے آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے ارادے پر قائم تھا۔

ماریا اپنے اندیشوں کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ''جس شخص نے تم پر حملہ کیا تھا، ممکن ہے کہ وہ ہوٹل کے باہر بھی موجود ہو۔ میں سمجھ رہی تھی کہ مسٹر لیمن نے اب تک اسے پکڑ لیا ہوگا لیکن وہ ابھی تک نہیں جان سکے کہ تم پر حملہ کرنے والا کون تھا؟''

''مسٹر لیمن پر بھروسا رکھو۔'' راجر نے کہا۔ ''مجھے اس پر بہت اعتماد ہے۔''

''گھر جلدی آجانا اور ہو سکے تو اپنے ساتھ کسی کو بٹھا لینا۔''

راجر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں بخیر و عافیت گھر واپس آجاؤں گا۔''

☆☆☆

ڈنر بہت شان دار تھا اور شراب بھی پانی کی طرح بہائی جا رہی تھی۔ راجر کو عمدہ سگار پینے کا شوق تھا اور اس پارٹی میں اس کے پسندیدہ سگار موجود تھے۔ وہ کھانے کے دوران میں اور اس کے بعد بھی اپنے دوستوں سے اقتصادی حالات پر گفتگو کرتا رہا۔ کافی دیر بعد اسے گھر جانے کا خیال آیا۔ وہ سرمستی کے عالم میں ریسٹورنٹ سے باہر نکلا اور بگھی میں سوار ہوگیا۔ وہ اتنا مست تھا کہ اس کی نظر اس گھڑسوار پر نہ گئی جو قریب ہی کھڑا اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ جونہی اس کی بگھی روانہ ہوئی، وہ گھڑسوار بھی اس کے تعاقب میں چل دیا۔

اس سے پہلے کہ راجر اپنے گھر پہنچتا، وہ گھڑسوار اپنے گھوڑے کو ایک جگہ باندھ کر پوزیشن لے چکا تھا۔ اس نے اپنا ہیٹ پیچھے کر کے چہرہ چھپا لیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈنڈے پر گرفت مضبوط کرلی۔ بگھی راجر کے گھر کے سامنے آکر رکی۔ راجر نے اتر کر گاڑی بان کو کرایہ دیا۔ بگھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گلی سے باہر نکل گئی۔ حملہ کرنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ شخص تاریکی سے باہر آیا اور اس نے اپنا ڈنڈا فضا میں بلند کیا لیکن راجر بھی بے خبر نہ تھا۔ وہ حملہ آور کی جانب گھوما اور دفاع میں اپنی لاٹھی اٹھائی۔ اس نیم تاریکی میں بھی اوگیرا دیکھ سکتا تھا کہ اس کا شکار راجر نہیں ہے۔ اس کا دماغ گھوم گیا اور وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''تم کون ہو؟''

''تمہارا ... ''

پھر اس نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے پیٹ پر لات ماری اور کہا۔ ''کچھ یاد آیا؟''

اوگیرا درد کی شدت سے دہرا ہوگیا۔ اس نے اپنی پوری قوت مجتمع کر کے ڈنڈا چلانے کی کوشش کی لیکن اسٹین نے اسے موقع نہیں دیا اور لاٹھی پھینک کر اس کے سر اور جسم پر مکے برسانا شروع کردیے۔ اوگیرا بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا تو جیک لیمن نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا جو گاڑی بان کے روپ میں تھا۔ اس نے اپنی بگھی گلی کے کونے پر کھڑی کر دی تھی تاکہ وہاں سے نکلنے میں آسانی ہو۔ فوراً ہی اس نے ہتھکڑی نکالی اور اوگیرا کو پہنا دی۔

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' اوگیرا نے غضب ناک لہجے میں اسٹین سے کہا۔

''ابھی تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے۔'' اسٹین نے اطمینان سے کہا۔ ''جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جیل کی سلاخوں کے دوسری طرف کون سی دنیا ہے۔''

☆☆☆

راجر دوسری بگھی میں گھر پہنچا تو اس وقت تک سارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ اوگیرا پولیس کی تحویل میں تھا جبکہ بیزل اور لوویل کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری ہو چکے تھے۔ راجر سراغ رساں لیمن کی مہارت کا قائل ہوگیا اور اس نے اسے طے شدہ فیس کے مقابلے میں دگنی ادائیگی کی۔ اسٹین نے بھی اس مہم میں اہم کردار ادا کیا تھا اس لیے اسے بھی انعام سے نوازا گیا۔

''میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں مسٹر لیمن۔'' راجر نے کہا۔ ''میں اپنے سب جاننے والوں سے تمہاری سفارش کروں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' لیمن نے کہا۔ ''میں اور اسٹین ہمیشہ ہر خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ البتہ ایک بات تم بھی یاد رکھو کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

راجر نے کہا۔ ''میں سمجھا نہیں؟''

''تمہیں میرے پاس اسی وقت آنا چاہیے تھا جب تمہیں پہلا خط ملا تھا تاکہ اسی وقت تمہاری حفاظت کا بندوبست کیا جاتا اور تم اس حملے سے بچ جاتے۔ جرم ہونے سے پہلے اس کا تدارک ہونا بہتر ہے اور جو شخص اس میں غفلت کرے وہ بھی مجرم کا ساتھی ہے۔ امید ہے کہ تم آئندہ خیال رکھو گے۔''

آبلہ پا

آصف ملک

انتقام کی آگ وقت کے ساتھ بجھ تو جاتی ہے... لیکن جذبات کی ہنگامہ خیزی کبھی سرد نہیں ہوتی... ہر گزرتے پل کے ساتھ جذبات کی کسک چنگاری کی صورت سلگتی رہتی ہے... ایسے ہی ایک کردار کی کشمکش جو اپنے بھڑکتے جذبات کی ہر صورت تسکین چاہتا تھا۔

یادداشت میں رچ بس جانے والے ایک آتش انگیز واقعے کا ماجرا

جیب میں پیسے نہ ہوں تو انسان کی زندگی روکھی پھیکی اور بے رونق ہو جاتی ہے۔ ان دنوں کچھ ایسی ہی صورت حال مری بھی تھی۔ جمع پونجی تیزی سے ختم ہو رہی تھی اور مجھے شدت سے کسی ایسے کام کی تلاش تھی جس کے ذریعے کچھ پیسے ہاتھ آسکیں۔ ایسی فکروں میں الجھا ہوا میں بالی ڈے میں بیٹھا بیئر سے اپنا غم غلط کر رہا تھا کہ شورلی مجھے ڈھونڈتا ہوا وہاں آگیا۔

وہ بالی ڈے کا مالک اور ایک طرح سے میرا باس بھی تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ با آواز بلند بولا۔

''کیلگر! میرے پاس تمہارے لیے ایک کام ہے۔''

میں نے لاتعلقی کے انداز میں اس کی جانب دیکھا اور دوبارہ بیئر پینے میں مشغول ہوگیا۔ ویسے بھی اس وقت مجھے اس کی بے موقع دخل اندازی اچھی نہیں لگی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"تمہیں کیتھی کوسٹر یاد ہے؟" اس نے میری بے رخی نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

میں نے دماغ پر زور دیا تو مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ چہرہ ایسا نہ تھا جسے آسانی سے بھلا دیا جائے۔ "ہاں..... ہاں وہی جو ایک سال پہلے تک یہاں ویٹرس کے طور پر کام کرتی تھی۔"

"وہ مر گئی۔" شورٹی نے مغموم لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" میرے لہجے میں بھی اداسی آ گئی تھی۔ "مگر کیسے؟"

"یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کی لاش شہر سے باہر جانے والی سڑک پر واقع ایک اپارٹمنٹ میں پائی گئی تھی۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔"

"یہ کام تو اس کا کوئی بوائے فرینڈ ہی کر سکتا ہے۔"

"میری اطلاع کے مطابق اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔" شورٹی نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے جانے کے باوجود تم اس کی خبر گیری کرتے رہے ہو؟"

"ہاں، میں کبھی کبھی اس سے بات کر لیا کرتا تھا اور اس کی کچھ مدد بھی کر دیا کرتا تھا۔" شورٹی نے اعتراف کیا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ بعض اوقات شورٹی اسی طرح حیران کر دیا کرتا تھا۔

"اس کیس کی تحقیقات کرنے والے پولیس افسر کا کہنا ہے کہ وہ نارتھ کیرولینا کے ایک دور دراز قصبے پروپیریٹی کی رہنے والی تھی لیکن پولیس ابھی تک اس کے والدین کو تلاش نہیں کر سکی۔ اگر تم انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کام کا معاوضہ پانچ سو ڈالرز کی صورت میں مل سکتا ہے۔"

پانچ سو ڈالرز کا سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ میں نے سوچا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟

☆☆☆

اس سلسلے میں انٹرنیٹ سے کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ پروپیریٹی میں کوسٹر نام کے کسی شخص کے پاس ٹیلی فون نہیں تھا لیکن یہ کوئی ایسی تشویش ناک بات نہیں تھی۔ بعض اوقات انٹرنیٹ سے بھی مکمل معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ نمبر انٹرنیٹ کی فہرست میں شامل ہی نہ ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ سیل فون استعمال کرتے ہوں۔

میں نے اپنے ایک دوست سے بھی رابطہ کیا جو ہومی سائیڈ ڈویژن میں کام کرتا تھا۔ میں نے نکولس کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا اور ہمارے تعلقات برسوں پر محیط تھے۔ اس

[illegible] "کیا [illegible] یقین ہے کہ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے؟"

"کم از کم مجھے تو یہی بتایا گیا ہے۔"

"تمہارا ذاتی تجربہ کیا کہتا ہے؟" اس نے ایک اور سوال داغ دیا۔

"مجھے ایسا کوئی تجربہ نہیں۔" میں نے چڑتے ہوئے کہا۔ "البتہ ریٹائرڈ ماہر نفسیات کی حیثیت سے دماغ کے بارے میں ایک دو باتیں ضرور جانتا ہوں۔ کسی کا گلا گھونٹنے کے لیے کم از کم چار منٹ تک اس کو آکسیجن کی فراہمی منقطع کرنا ہوگی اور اس طرح کسی کو مارنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ ارادی قتل ہے۔"

"فورنسک رپورٹ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی گردن کے گرد اسکارف سے پھندا لگا کر اسے ہلاک کیا گیا ہے۔ قاتل نے دستانے پہنے ہوئے تھے اس لیے اسکارف پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں۔ اسی طرح اپارٹمنٹ کی دیواروں اور دروازوں پر بھی کوئی نشان نہیں ملا۔ لگتا ہے کہ اسے کسی مرد نے ہی قتل کیا ہے۔"

☆☆☆

شورٹی نے پروپیریٹی کے بارے میں کچھ زیادہ ہی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ وہ قصبہ اس کے بیان کردہ نقشے کے مقابلے میں کافی چھوٹا تھا۔ اس کا مرکزی بازار پانچ ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا جہاں دو مرکزی شاہراہیں ایک دوسرے کو کراس کرتی تھیں۔ اس علاقے میں ایک شاپنگ سینٹر، ڈاکٹر، دندان ساز، وکیل اور ٹاؤن ہال واقع تھا اور ان سب سے بڑھ کر میرے مطلب کی جگہ یعنی پیزا پارلر..... جہاں میں کچھ دیر سکون سے بیٹھ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوا تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ مجھے اس قصبے میں کوئی موٹیل نظر نہیں آیا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ رات گزارنے کا کیا بندوبست ہوگا۔ میں نے ایک نگاہ پارکنگ لاٹ پر ڈالی۔ وہاں مجھے کچھ آوارہ گرد لڑکے نظر آئے۔ ان کی وہاں موجودگی کا سبب لوٹ مار کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنا ڈنر ختم کیا اور بل کی ادائیگی کے بعد پیزا پارلر سے باہر آ گیا۔ اب میرے قدم اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ قصبے کے مضافات میں رات گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی موٹیل مل ہی جائے گا۔ میں ابھی آدھے راستے میں ہی تھا کہ اچانک ہی ایک لڑکا میرے سامنے آ گیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

[illegible] "نہیں، میں سگریٹ نہیں پیتا اور تمہیں بھی [illegible] پرہیز کرنا چاہیے۔"

"مجھے نصیحت پسند نہیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ "اگر تمہارے پاس سگریٹ نہیں تو پیسے ہی دے دو۔ میں خود خرید لوں گا۔"

اس دوران میں کم از کم چھ لڑکے میرے گرد دائرہ بنا چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس جگہ پر مجھے لوٹنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ ان کا مقصد یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے ڈرا دھمکا کر کچھ پیسے وصول کر لیں لیکن میں اتنی آسانی سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ میں نے اپنی جیب سے پانچ ڈالر کا نوٹ نکالا اور جیسے ہی وہ لڑکا اس کی جانب لپکا میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور غصے کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔

"یہ پانچ ڈالر کا نوٹ اس کو ملے گا جو مجھے اس علاقے میں رہنے والی کوسٹر فیملی کا پتا بتائے گا۔"

اس لڑکے نے اپنی جیکٹ کی زپ کھولی اور مجھے بیلٹ میں اڑسا ہوا چاقو دکھاتے ہوئے بولا۔ "سیدھی طرح یہ پانچ ڈالر میرے حوالے کرو اور اپنی کار میں بیٹھ کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

میں نے نوٹ جیب میں رکھا اور کچھ کہے بغیر اپنی کار کی جانب مڑ گیا۔ اس لڑکے سے میری یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے پشت سے میرے کندھے کو مضبوطی سے پکڑنے کی کوشش کی اور غراتے ہوئے بولا۔ "میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔"

اب میری باری تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس لڑکے کی کلائی کو مضبوطی سے جکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے ساتھی کی ناک پر جڑ دیا جو اس کی مدد کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ چند ہی سیکنڈوں میں صورتِ حال میرے حق میں ہموار ہو گئی۔ پہلا لڑکا جس نے مجھے چھونے کی کوشش کی تھی، اپنی کلائی تھامے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جبکہ اس کا ساتھی میری کار کے پاس بیٹھا اپنی ناک سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا اور ان کے بقیہ ساتھی چوروں کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک پولیس کار سائرن بجاتی ہوئی وہاں آ گئی۔ جیسے ہی وہ ہمارے پاس آ کر رکی، میں نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر لیے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ایک پولیس والے نے بارعب آواز میں پوچھا۔

"میں اپنی کار کی طرف جا رہا تھا کہ ان لڑکوں نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی۔" میں نے جواب دینے میں بہت جلدی دکھائی۔

"اس شخص نے میری ناک توڑ دی۔" اس لڑکے کا ساتھی روہانسی آواز میں بولا۔

"اس نے میری کلائی زخمی کر دی۔" پہلا لڑکا کراہتے ہوئے بولا۔

"مجھے اپنے دفاع میں یہ سب کچھ کرنا پڑا۔" میں نے پولیس والے سے کہا۔ "اس لڑکے کے پاس چاقو ہے اور اس نے مجھے اس سے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔"

پولیس والے نے آگے بڑھ کر اس لڑکے کی جیکٹ کھولی اور اس کی بیلٹ سے چاقو نکال لیا پھر وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"تم زخمی تو نہیں ہو؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ مجھے اس واقعے کی رپورٹ لکھنا ہوگی۔" پھر وہ ان لڑکوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "تم دونوں گھر جاؤ اور اپنی مرہم پٹی کرواؤ۔ اگر رپورٹ درج کرانا ہو تو کل صبح پولیس اسٹیشن آ جانا۔"

☆☆☆

آدھ گھنٹے بعد میں پروپیریٹی کے پولیس اسٹیشن میں بیٹھا ہوا تھا گو کہ اس پولیس والے نے مجھے ہتھکڑی نہیں لگائی تھی لیکن اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے میری جان نہیں چھوڑے گا۔ کچھ دیر بعد سامنے کے دروازے سے ایک اور پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور اپنے ساتھی سے پوچھا۔ "تو یہی ہے وہ؟"

"ہاں۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ "اس کا نام رائے پیٹرک کیگلر ہے اور یہ نیو اورلینز کا رہنے والا ہے۔"

"نیو اورلینز۔" چیف نے ایک نظر رپورٹ پر ڈالی اور کہا۔ "تم اپنے گھر سے خاصی دور ہو۔"

"ہاں لیکن میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔"

چیف نے اپنے ساتھی کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کافی کے دو کپ تھے۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

"جوڈوبلر۔" اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں کا پولیس چیف ہوں اور ہم یہاں ... ہنگامہ آرائی کے عادی نہیں ہیں۔"

"میں تمہارے آفیسر کو ساری بات بتا چکا ہوں۔ ان لڑکوں نے مجھے لوٹنا چاہا تھا۔"

"اس لیے تم نے ان پر حملہ کر دیا؟"

"چاقو والے لڑکے نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ مجھے اپنے دفاع میں کارروائی کرنا پڑی۔"

"وہ دونوں لڑکے شدید زخمی ہوئے ہیں اور تمہیں ایک خراش تک نہیں آئی۔"

"تمہیں میری سچائی کا یقین کر لینا چاہیے۔"

"سچ اور جھوٹ کا پتا تو اس وقت چلے گا جب میں نیو اورلینز سے تمہارا ریکارڈ منگواؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ میں کئی بار پکڑا گیا ہوں لیکن مجھ پر کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا۔ تم چاہو تو سراغ رساں فیڈ نے کولس سے تصدیق کر سکتے ہو۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"میں فرنچ کوارٹر کے ایک بار میں کام کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ قبل وہاں ایک لڑکی ویٹرس کے طور پر کام کرتی تھی۔ چند روز پہلے اس کا قتل ہو گیا ہے۔ میں اسی کے والدین کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"لڑکی کا نام کیا تھا؟"

"کیتی کوسٹر۔"

ویلر نے سر ہلایا اور کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "کیتی کوسٹر پانچ سال پہلے یہاں سے چلی گئی تھی۔"

"گویا تم اسے جانتے ہو؟" میں خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "شاید تم میری مدد کر سکو۔ میرا باس چاہتا ہے کہ اس کے والدین کو یہ اطلاع دے دی جائے تاکہ وہ اس کی تدفین میں شرکت کر سکیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" ویلر دھیمے لہجے میں بولا۔ "کیتی کا باپ تین سال پہلے کینسر میں مبتلا ہو کر مر چکا ہے۔ اس کے ایک سال بعد اس کی ماں بھی چل بسی۔"

"یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔" میں نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں کوئنسی پریسلے سے بات کرنا چاہیے۔ وہ لوتھرن چرچ میں مبلغ ہے اور کوسٹر فیملی کے بھی لوگ اسی چرچ کے احاطے میں دفن ہوئے ہیں۔"

میں نے ... کوئی موٹیل ہے جہاں میں رات گزار سکوں؟"

"سوری ... قریب ترین موٹیل بھی چند میل کے فاصلے پر ہے۔ تم آج رات یہیں کیوں نہیں رک جاتے؟"

"یہاں جیل میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہاں کے بستر بڑے آرام دہ ہیں اور ناشتا بھی مل جاتا ہے۔"

"کیا میں اپنے آپ کو گرفتار سمجھوں؟"

"یہ ایک طرح کا حفاظتی اقدام ہے۔ جن لڑکوں کو تم نے زخمی کیا ہے، ان کے گھر والے اتنی آسانی سے تمہیں معاف نہیں کریں گے لیکن حوالات میں تم محفوظ ہو کیونکہ یہاں آنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ تمہارے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمہاری کوٹھری میں تالا نہیں ہوگا۔"

☆☆☆

دوسری صبح میں ناشتا کر رہا تھا کہ وہ آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کاغذات کا ایک پلندا تھا۔

"تمہارے دوست کولس نے ساری معلومات فراہم کر دی ہیں لیکن تم گزشتہ شب یہ بتانا بھول گئے کہ تم خود بھی پولیس میں رہ چکے ہو۔"

"میں نے کچھ عرصے پولیس کے ساتھ ماہر نفسیات کے طور پر کام کیا تھا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم جس مقصد سے یہاں آئے ہو اسے پورا کرنے کے بعد خاموشی سے چلے جاؤ۔ میں اس چھوٹے سے قصبے میں ... خون خرابا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں پریسلے کے پاس لے چلتا ہوں۔"

"میری کار شاپنگ سینٹر کے پارکنگ ایریا میں کھڑی ہے۔"

"فی الحال اسے وہیں رہنے دو۔ تمہیں پہلی بار پریسلے تک پہنچنے میں دشواری ہو سکتی ہے اس لیے میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

ویلر نے راستے میں بتایا کہ اس کی ساری زندگی اس قصبے میں گزری ہے۔ اس کے باپ دادا کسان تھے لیکن اس نے آبائی پیشہ نہیں اپنایا اور وہ پولیس کی ملازمت سے مطمئن ہے۔ چند ہی منٹوں بعد ہم ایک چرچ کے سامنے کھڑے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی ایک شخص سامنے کے دروازے سے باہر آیا اور اس نے ویلر کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہماری طرف آیا اور اس نے بڑی گرم جوشی سے ویلر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

ہم دونوں نے مصافحہ کیا۔ پریسلے بولا۔ "مجھے ... کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ اس خاندان کے ساتھ کئی ... سے دردناک واقعات پیش آ رہے ہیں۔ تم لوگ ... ساتھ آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ چرچ کی جانب چل دیا۔ جب ہم عمارت کے ... پہنچے تو مجھے اس کے عقب میں ایک قبرستان نظر آیا جو ایک ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ پریسلے نے بتایا کہ قبرستان میں پانچ مختلف کاؤنٹیز سے لوگ دفن ہوتے ہیں اور کیتی کے والدین کی قبریں بھی یہیں ہیں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک قبر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں کیتی کی ماں دفن ہے۔ اس کے ساتھ ہی خالی جگہ کیتی کے لیے مخصوص ہے۔ میرا خیال تھا کہ ... سالوں بعد اس کے استعمال کی نوبت آئے گی۔"

"گویا اس کو یہاں دفن کیا جائے گا؟" میں نے کہا۔

"ہاں ... جان اور سوسن کا یہی اصرار تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ کئی سال پہلے انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی انہیں ہمیشہ یہ امید رہی کہ وہ سب ایک بار پھر اکٹھے ہو جائیں گے۔ زندگی میں تو ایسا نہ ہو سکا لیکن مرنے کے بعد یہ خاندان ضرور یکجا ہو جائے گا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟"

"اسے قتل کیا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کسی نے اس کے گلے میں پھندا ڈال کر ہلاک کر دیا۔"

"کتنے افسوس کی بات ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی تدفین میں بہت زیادہ لوگ شریک نہیں ہو سکیں گے۔ بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دوسرے شہروں میں چلے گئے ہیں۔ کچھ کی شادی ہو گئی ہے اور کچھ نئی ملازمت کے سلسلے میں ادھر ادھر ہو گئے۔"

"ایک منٹ!" میں نے یہ کہہ کر اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور کولس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ اس وقت اپنے دفتر ہی میں تھا۔ اس نے کہا کہ کیتی کے قتل کے سلسلے میں کوئی شناخت نہیں ہوئی ہے البتہ فورنسک اور پوسٹ مارٹم کی کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔

"اس خاندان کا تعلق یہاں کے لوتھرن چرچ سے ہے اور اس کے والدین نے کیتی کی قبر کے لیے بھی بہت پہلے اس قبرستان میں جگہ مخصوص کروا دی تھی۔" میں نے اسے اطلاع دی۔

حاضرین! اس کارنر میں ہے ایک خوبصورت بیوی، بیمار ماں اور چھ بچوں والا مشہور زمانہ باکسر ....

"ٹھیک ہے، تم وہاں کے منتظم سے کہو کہ وہ متعلقہ کاغذات مجھے فیکس کر دے۔ میں میت بھیجنے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

اس نے مجھے اپنا فیکس نمبر لکھوا دیا۔ میں نے فون بند کر کے پریسلے سے کہا۔ "میں نے زندگی میں پہلی بار اتنی جلدی پانچ سو ڈالرز کمائے ہیں۔" پریسلے حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میرے باس نے کیتی کے والدین کو تلاش کرنے کی ذمے داری مجھے سونپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔"

"کیا تم کیتی کو جانتے تھے؟" پریسلے نے پوچھا۔

"تھوڑا بہت۔ میں جس بار میں کام کرتا ہوں، وہ وہاں ویٹرس تھی۔"

"کیا تم چند روز کے لیے یہاں رک سکتے ہو؟"

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے ایسی بے تکی بات کیوں کہی؟ وہ مجھے کس لیے روکنا چاہ رہا تھا؟

"میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی تدفین میں شرکت کرو۔" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی افسوس ناک بات ہوگی کہ اس موقع پر اس کا کوئی جاننے والا موجود نہ ہو۔"

"یقیناً۔" میں نے کہا۔ "البتہ مجھے اپنے قیام کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنا ہوگی۔"

"تم میرے پاس کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟" پریسلے نے کہا۔ "میرے تین کمروں کے مکان میں تمہارے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کے لیے میں تمہارا پیشگی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔"

☆☆☆

دوسری صبح ناشتے کی میز پر اس سے ملاقات ہوئی۔ ا...

digestpk.blogspot.com
http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

معلوم کرلیا۔ ایسی کوئی بات نہ تھی جو اس سے چھپائی جاتی۔ ویسے بھی اس پر دھاک بٹھانے کے لیے ضروری [illegible] میرے ماضی سے واقف ہو جائے۔ میرے بارے میں جان لینے کے بعد وہ بولا۔ ''لگتا ہے تم نے خاصی پُرخطر زندگی گزاری ہے۔''

''میں نے کبھی جان بوجھ کر اپنے آپ کو کسی خطرے میں نہیں ڈالا لیکن جب سر پر پڑی تو اپنا دفاع کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس طرح میری ساکھ بنتی گئی اور لوگ میرے پاس ایسے کاموں کے لیے آنے لگے جو دوسرے نہیں کرسکتے تھے۔''

''کیا تم سراغ رساں قسم کی کوئی چیز ہو؟''

''نہیں، میں موسیقار ہوں اور بار میں ساز بجاتا ہوں۔ میری اصل کمائی دوسرے دھندوں سے ہوتی ہے کیونکہ موسیقار کی آمدنی اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔''

''نان سینس۔ یہ عطیۂ خداوندی ہے اور تمہیں اپنے فن پر ناز ہونا چاہیے۔''

میں نے سر ہلا دیا اور بولا۔ ''مجھے کیتی کے بارے میں مزید معلومات کہاں سے مل سکتی ہیں؟ وہ کون سے اسکول میں پڑھتی تھی؟''

''اس قصبے کے بھی بچے پروسپیریٹی گھلین ہائی اسکول میں پڑھتے ہیں۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے وہاں سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکتا ہے؟''

''یقیناً..... وہاں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تمہیں کچھ بتا سکیں۔'' پریسلے نے معنی خیز انداز میں کہا۔

اسکول تک پہنچنے میں صرف پانچ منٹ لگے۔ میں سیدھا پرنسپل کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کا نام ہرٹ کا میٹن تھا۔ اس نے میرا خوش دلی سے استقبال کیا اور بولا۔ ''میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟''

میں نے اسے کیتی کے قتل اور اپنی آمد کے مقصد کے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔

''بہت افسوس ہوا۔ ان کا تو پورا خاندان ہی ختم ہو گیا۔'' اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا اور بولا۔ ''اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''نیو اورلینز میں پولیس کے سراغ رساں اس قتل کی تحقیقات کررہے ہیں۔ میں بھی اسی سلسلے میں یہاں آیا ہوں تاکہ کیتی کے بارے میں کچھ ایسی معلومات مل سکیں جن سے [illegible]

''کیا یہ کوئی سرکاری تفتیش ہے؟''

''نہیں [illegible] چاہو تو [illegible] پولیس [illegible] سے [illegible] تصدیق کرسکتے ہو۔''

یہ کہہ کر میں نے اسے گلوس کا نمبر دے دیا۔ اس نے مجھے کمرے کے باہر انتظار کرنے کے لیے کہا اور دس منٹ بعد دوبارہ بلایا۔

''میرا مشورہ ہے کہ اس سلسلے میں تم اسکول کے اساتذہ سے مزید پوچھ گچھ نہیں کرو۔''

''کیوں؟''

''کیتی جن حالات میں یہاں سے گئی تھی، اس سے ان کا تاثر کچھ اچھا نہیں رہا اور کسی کو بھی اس کے چلے جانے کا افسوس نہیں ہوا۔''

''اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہو؟''

''اس کی ضرورت نہیں۔ تمہیں خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

وہاں سے اٹھ کر میں لائبریری میں گیا۔ میرا خیال تھا کہ اسکول کے پرانے ریکارڈ سے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے مدد چاہی تو وہ بولی۔ ''کیا تمہیں کسی خاص چیز کی تلاش ہے؟''

''میں کیتی کوسٹر نامی ایک لڑکی کے بارے میں معلومات جمع کررہا ہوں جس نے کئی سال پہلے اس اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔''

اچانک یوں لگا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور بولی۔

''مجھے افسوس ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔''

''کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں؟''

''میں اس وقت مصروف ہوں۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں ریفرنس سینٹر سے اس کا ریکارڈ مل جائے گا۔''

میں نے کندھے اچکائے اور ریفرنس سینٹر کی طرف چل دیا۔ کامیٹن کے کہنے کے مطابق کیتی نے چھ سال پہلے اسکول سے تعلیم مکمل کی تھی۔ مجھے کیتی کا ریکارڈ تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ کوئی بہت ذہین طالب علم نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس نے الجبرا میں ہمیشہ اچھے نمبر حاصل کیے تھے۔ چنانچہ میں نے الجبرا کی ٹیچر سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ شاید وہ اپنی ہونہار شاگرد کے بارے میں کوئی خاص بات بتا سکتی۔

وہ پچاس سال کی ایک پُرکشش عورت تھی۔ میں نے اسے [illegible] کروایا اور [illegible] بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہوں تو [illegible] کی [illegible] اس [illegible] لیجے میں بولی۔ [illegible] ہو؟ کیا وہ کسی مشکل میں ہے؟''

''اب وہ تمام مشکلات سے آزاد ہے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اس کا انتقال ہو گیا ہے۔''

میرا خیال تھا کہ کیتی کی موت کا سن کر وہ نرم پڑ جائے گی لیکن اس کا لہجہ اور بھی سرد ہو گیا۔

''کاش..... میں اس کی موت پر اظہار افسوس کر سکتی۔ بہرحال، میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرسکتی۔ معاف کرنا، مجھے ابھی بچوں کی کاپیاں چیک کرنی ہیں۔''

''کیا تم اس کے کسی کلاس فیلو کا پتا بتا سکتی ہو جو اسے اچھی طرح جانتا ہو؟''

''تمہیں اس طرح کے کئی لوگ مل جائیں گے۔ بگلی وگلی چلے جاؤ۔ وہاں کا اسسٹنٹ منیجر روب کسر اس کا بہت اچھا دوست تھا۔''

میں نے اس کے بعد تین دوسری ٹیچرز سے بھی ملاقات کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کیتی کے بارے میں بات کرنے کے لیے تیار نہ تھی جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ انہیں کیتی کی کوئی پروا نہیں تھی اور اس کی موت کا سننے کے بعد بھی انہوں نے کسی دکھ یا پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ میں نے مزید ٹیچرز سے ملنے کا ارادہ ترک کیا اور بگلی وگلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ روب کسر بھی تقریباً کیتی کا ہم عمر تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور ساتھ ہی اسے کیتی کی موت کی خبر بھی سنائی تو وہ افسردہ ہو گیا اور ملول لہجے میں بولا۔ ''یہ تو بہت بُرا ہوا۔''

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کے دوستوں میں سے تھے؟''

''کہہ سکتے ہیں۔ وہ زیادہ عرصے تک دوستی رکھنے کی قائل نہیں تھی۔''

''آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی شخصیت ہی کچھ اس قسم کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ یہاں سے گئی تو کسی کو اس کے جانے کا افسوس نہیں ہوا ہوگا۔''

''صرف اس لیے کہ ان لوگوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''سوری مسٹر کیلگر! تم غلط جگہ پر آ گئے ہو۔ اگر تم مائنڈ

☆☆☆

کیتی کے بارے میں کہیں سے بھی کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اس قصبے کے لوگ اس کے بارے میں بات ہی کرنا نہیں چاہتے۔ اس کے پیچھے کیا بھید تھا؟ یہ جاننا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح میں پولیس چیف وہیلر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ غالباً میرے ہی انتظار میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ ''تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ صبح سے کئی ٹیلی فون آ چکے ہیں۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم اس طرح قصبے کے لوگوں کو پریشان کرو گے تو میں تمہیں حوالات میں ہی بند رکھتا۔''

''میری ساری دوڑ دھوپ بیکار گئی ہے۔ نہ جانے کیتی نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ کوئی بھی اس کے بارے میں بات کرنے کو تیار نہیں۔''

وہیلر نے اپنی نظریں خلا میں جمائیں اور بولا۔ ''مجھے اس وقت پولیس چیف ہوئے دو ہی سال ہوئے تھے جب کیتی یہاں سے گئی تھی۔ مجھے وہ لڑکا راجر تھامسن بھی یاد ہے۔ بہت ہی پیارا لڑکا تھا۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیلوں میں بھی سب سے آگے آگے رہتا تھا۔ اس نے پڑھائی کی خاطر فٹ بال کی اسکالرشپ ٹھکرا دی تھی۔ قصبے میں سب لوگ اس سے بے انتہا محبت کرتے تھے کیونکہ سب کو یقین تھا کہ وہ اپنی ذہانت اور قابلیت سے قصبے کا نام روشن کرے گا۔ پھر نہ جانے کیسے اس کا ٹکراؤ کیتی سے ہو گیا۔ حالانکہ اس کی شہرت اچھی نہ تھی۔ لوگ پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ کتنی آزاد خیال ہے۔ اس قصبے کے لوگ خاصے قدامت پرست واقع ہوئے ہیں اس لیے وہ کیتی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

''ان تمام حقائق کے باوجود راجر نے کیتی کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دیا۔ بہت جلد وہ لڑکا پوری طرح اس کا دیوانہ ہو گیا۔ بہت سے لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ اسے پہلی بار کسی لڑکی کی قربت میسر آئی ہے اس لیے وہ پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگا ہے۔ اس نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ ڈیوک سے وظیفہ لینے کے بجائے اسٹیٹ کالج میں داخلہ لے لے گا۔ یہاں تک کہ اس نے شادی کی باتیں بھی کرنی شروع کر دیں۔ اس کی ماں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر جب اسکول کھلنے میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے، کیتی نے اچانک ہی نگاہیں پھیر لیں۔ اس نے راجر کو بتا دیا کہ ان دونوں کا ساتھ بس

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ابھی تک تھا۔ وہ کسی اور لڑکے سے محبت کرنے لگی۔ پھر راجر غصے میں بھرا اس لڑکے کے پاس گیا اور کیتھی کی خاطر اس سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ وہ لڑکا اس سے عمر میں بڑا اور طاقتور تھا۔ اس نے راجر کی ٹھیک ٹھاک پٹائی کردی اور اسے کئی روز تک اسپتال میں رہنا پڑا۔

"اسپتال سے واپس آنے کے بعد اس کی کیتھی سے زوردار لڑائی ہوئی۔ کیتھی نے راجر سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی زندگی سے نکل جائے اور پھر کچھ کہے بغیر کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔ رات کو راجر کی ماں اسے گڈنائٹ کہنے اس کے کمرے میں گئی تو وہ باتھ ٹب میں لیٹا ہوا تھا اور ٹب کا پانی اس کے خون سے سرخ تھا...... قصبے کے لوگوں کا خیال ہے کہ انہوں نے راجر کے مستقبل کے بارے میں جو خواب دیکھے تھے، کیتھی نے انہیں چکنا چور کردیا۔ وہ راجر کی موت کا ذمے دار کیتھی کو سمجھتے ہیں۔ لوگ تو پہلے بھی اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن راجر کی موت کے بعد اس سے اور زیادہ نفرت کرنے لگے۔ ان حالات میں کیتھی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنا سامان باندھے اور یہاں سے رخصت ہوجائے۔"

"اسی لیے لوگ اس کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہتے؟" میں نے کہا۔

"لوگ ابھی تک اس حادثے کو فراموش نہیں کرسکے ہیں اور یہ زخم آج بھی ان کے دلوں میں تازہ ہے۔ تم نے قصبے میں گھوم پھر کر اس زخم پر نمک چھڑک دیا۔"

"اگر تم یہ سب باتیں مجھے کل ہی بتا دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔" میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"تم کیتھی کے والدین کو ڈھونڈنے کے لیے یہاں آئے تھے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تمہارا ارادہ گڑے مُردے اکھاڑنے کا ہے تو میں تمہیں کیتھی کے بارے میں بھی ضرور بتا دیتا۔"

میں گھر واپس آیا تو پریسلے لان میں بیٹھا گھاس کی صفائی کر رہا تھا۔ میں بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور بولا۔ "شاید تم نے کہا تھا کہ یہاں کے لوگ کیتھی سے نفرت کرنے لگے تھے؟"

"ہاں۔"

"تمہارے خیال میں اسی نفرت کی بنا پر کوئی اسے قتل بھی کرسکتا ہے؟"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" وہ چونکتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ ہر قتل کا کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوتا ہے۔ ایسے ہی بلاوجہ کوئی کسی کو نہیں مار ڈالتا اور ان میں سب سے بڑی وجہ انتقام ہے۔"

"کیتھی [illegible]"

"تمہارا مطلب ہے کہ دوسرے شہر میں بھی لوگ [illegible] سے نالاں ہی ہوں گے؟"

"مجھے تو یہی بات قرین قیاس لگتی ہے۔" پریسلے [illegible] "ممکن ہے کیتھی نے وہاں بھی کسی کے ساتھ یہی کھیل کھیلا ہو جو وہ راجر کے ساتھ کھیل چکی تھی اور اس کا واسطہ کسی ایسے لڑکے سے پڑ گیا ہو جس نے خودکشی کرنے کے بجائے اس کی جان لے لی۔"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" میں نے بظاہر اس کی [illegible] کی لیکن میرا ذہن کسی اور خطوط پر سوچ رہا تھا۔

"یہ سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ قصبے کا کوئی شخص پانچ سال بعد نیو اورلینز جا کر کیتھی کو قتل کرے گا؟ اگر کسی کو اپنا غصہ نکالنا ہوتا تو وہ کیتھی کو اسی وقت [illegible] جب وہ یہاں تھی۔ بہرحال، میں نے کیتھی کی لاش کو یہاں منگوانے کا انتظام کرلیا ہے اور ہم پرسوں اس کی تدفین کرسکیں گے۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہوجائے گا اور تم شہر واپس جا سکو گے۔"

☆☆☆

کیتھی کے بارے میں میرا تجسس بڑھ گیا تھا۔ میں نے نکولس کو فون کر کے یہاں سے حاصل ہونے والی معلومات کے بارے میں آگاہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ اس امکان کو ذہن میں رکھے کہ کیتھی کو نیو اورلینز میں قتل کرنے والا کوئی مایوس عاشق بھی ہوسکتا ہے۔ اب مجھے کیتھی کی تدفین تک اپنے آپ کو مصروف رکھنا تھا۔ پریسلے کی لائبریری میں کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ تھا۔ وہ مجھے وہاں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ تقریباً گیارہ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں عام طور پر دوسروں کا ٹیلی فون اٹینڈ کرنے سے گریز کرتا ہوں لیکن یہ سوچ کر ریسیور اٹھا لیا کہ شاید پریسلے کے لیے کوئی اہم پیغام ہو۔ دوسری طرف سے ایک عورت کی آواز آئی۔

"کیا میں مسٹر پریسلے سے بات کرسکتی ہوں؟"

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔ اگر کوئی پیغام ہو تو......"

"تم کون بول رہے ہو؟"

"میں ان کا ایک مہمان ہوں۔"

"انہیں بتا دینا کہ اینز اسٹیلمین کا فون آیا تھا اور [illegible] طرف سے اس کی کزن کے بارے میں پوچھ لیا [illegible]"

[illegible]

"نہیں۔"

"ایک بات اور۔ کیا تم اسے بتا سکو گے کہ میں نے اس خوش ذائقہ مٹھائی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا جو وہ میرے لیے سفر سے واپسی پر لایا تھا۔"

میرے دماغ کی تمام بتیاں روشن ہوگئیں۔ یہ گویا اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ مجھے معمولی سے معمولی بات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔

"کیسی مٹھائی؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"دراصل اسے اپنے کزن کی تیمارداری کے لیے جانا پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے ہمارا ڈنر منسوخ ہوگیا۔ وہ وہاں سے واپسی پر معذرت کے طور پر یہ مٹھائی لایا تھا۔"

"پریسلے نے یہ نہیں بتایا کہ اس کی بیمار کزن کہاں رہتی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس نے لیوزیانا میں کسی جگہ کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں کی مٹھائی بہت اچھی ہوتی ہے۔"

"تمہارے پاس اس کا ڈبا تو ہوگا۔ دراصل میں بھی لوزیانا کا رہنے والا ہوں اور اچھی مٹھائی کا مجھے بھی بہت شوق ہے۔ کیا تم ڈبا دیکھ کر بتا سکتی ہو کہ اس نے یہ مٹھائی کہاں سے خریدی تھی؟"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے اس دکان کا پتا بتایا تو میرے ہوش ٹھکانے آگئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں میں رہتا تھا اور اسی علاقے میں کہیں آس پاس کیتھی کا قتل بھی ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پریسلے بھی میرے یہاں آنے سے ایک دو دن پہلے ہی واپس آیا تھا۔ یہ محض اتفاق بھی ہوسکتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ واقعی اپنی بیمار کزن کی عیادت کے لیے گیا ہو اور مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا ضروری نہ سمجھا ہو۔

میں نے پریسلے کی درازوں کی تلاشی لی تو مجھے وہاں اس کا بینک اور کریڈٹ کارڈ اسٹیٹمنٹ نظر آیا پھر میری نظر ایک استعمال شدہ ٹکٹ پر گئی جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ پریسلے کیتھی کے قتل سے دو دن پہلے ہی نیو اورلینز گیا تھا اور اس کے قتل کے ایک دن بعد واپس آگیا تھا۔ وہیں مجھے ایک لفافہ بھی نظر آیا اور جب میں نے اسے کھول کر پڑھا تو وہ سب کچھ جان گیا جس کی مجھے کھوج تھی۔

اب مجھے ایک ٹیلی فون کال کرنا تھی۔

پریسلے لنچ کے قریب گھر واپس آیا۔ میں اس کا لیونگ روم میں انتظار کر رہا تھا اور وہ ٹکٹ میری مٹھی میں تھا۔ میں نے اسے اینز اسٹیلمین کے فون کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہا کہ وہ تمہاری مٹھائی کی بہت تعریف کر رہی تھی۔ یہ سن کر اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا اور آنکھوں میں پریشانی جھلکنے لگی۔ اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟"

"تم نے نیو اورلینز جانے والی بات مجھ سے کیوں چھپائی؟"

"کیا تم یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہو کہ تمہیں کیتھی کے بارے میں کوئی سراغ مل گیا ہے؟"

"مجھے پچانوے فیصد یقین ہے کہ کیتھی کو تم نے ہی قتل کیا ہے۔" میں نے براہ راست اس پر وار کردیا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ لیوزیانا میں میری ایک بیمار کزن رہتی ہے او میں اسی کی عیادت کے لیے نیو اورلینز گیا تھا۔"

میں نے اس کے سامنے وہ لفافہ لہرایا جو اس کی دراز کی تلاشی کے دوران برآمد ہوا تھا۔ "یہ اس پرائیویٹ سرا رساں کی رپورٹ ہے جسے تم نے کیتھی کی تلاش پر مامور ک تھا۔ تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"یہ اس کی ماں کی خواہش تھی۔ سوزن اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ کیتھی کو تلاش کر کے اسے واپس یہاں آنے پر آمادہ کروں۔ اس پر میں نے اس سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں او اس نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ کیتھی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں؟"

"میں کوئی پولیس والا نہیں ہوں اور نہ ہی میرا کام کچھ ثابت کرنا ہے۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ کیتھی کو تم نے قتل کیا ہے۔ میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر الماری تک گیا۔ شیری کی بو نکالی اور ایک گلاس بھر کر واپس اپنی جگہ پر آگیا۔

"میں تیس سال پہلے اس قصبے میں آیا تھا۔" اس نے شروع کیا۔ "مجھے یہ قصبہ اور یہاں کے لوگ بہت پ آئے۔ میں نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ ہر ممکن طور پر لوگوں کی مدد کروں گا۔ پھر ایک روز ایک جوڑا میرے پا آیا۔ ان کے درمیان کچھ ازدواجی اختلافات تھے۔ مرد کا افسردہ تھا جبکہ اس کی بیوی غیر مطمئن نظر آرہی تھی۔ ان دونو کے درمیان طلاق کی نوبت آگئی تھی کیونکہ عورت کو بچے شدید خواہش تھی جبکہ بظاہر اس کے پورا ہونے کا کوئی امکا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

[illegible]

نے تمہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ تم کیٹی سے ملنے آئے اور اس نے تمہارے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے تمہیں خوش آمدید کہا کیونکہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جنہوں نے اسے قصبہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ تم نے دن گزرنے کا انتظار کیا اور رات میں کسی وقت اس کے گلے میں پھندا ڈال کر ہلاک کر دیا۔"

"پھر میں نے اسکیمین کے لیے مٹھائی کا ڈبا خریدا اور واپس آ گیا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "واقعی یہ سچ ہے۔" اس نے شیری کا گلاس ختم کیا اور کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا لیکن اس بار اس نے شیری کی بوتل کے بجائے ایک ریوالور نکال لیا اور میری طرف نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ "یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ تم نیو اورلینز میں ہی رک جاتے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" میں نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"گورکن نے کیٹی کی قبر تیار کر لی ہے۔ ایک دو گھنٹے میں تابوت بھی آ جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ پہلے تمہیں قبر میں اتارا جائے اور اس پر تارپولین بچھا کر کنکریٹ کے بھاری تختے رکھ دیے جائیں جن پر کیٹی کا تابوت رکھا جائے گا۔ ان تختوں کے وزن سے ہی تمہاری ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں گی اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم بھی کیٹی کے ساتھ ہی دفن کر دیے گئے ہو۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں نے ایک بار پھر احتجاج کیا۔

"تم یہاں اجنبی ہو۔ کوئی تمہیں نہیں جانتا۔ تمہاری گمشدگی کا کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں تمہیں گھر کے پچھواڑے لے جاؤں گا کیونکہ یہاں کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

عین اسی وقت پولیس چیف وہیلر عقب سے کمرے میں داخل ہوا اور پریسلے پر اپنا ریوالور تان کر بولا۔ "اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔ میں نے تم دونوں کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ گیلگر نے مجھے اسی وقت فون کر دیا تھا جب اس کے ہاتھ کچھ ثبوت لگے تھے۔ اپنا ریوالور نیچے پھینک دو۔"

پریسلے کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دوسرے دن کیٹی کی تدفین کے بعد میں نیو اورلینز واپس آ گیا۔ میں نے کیٹی کے والدین کا ہی نہیں، اس کے قاتل کا بھی پتا چلا لیا تھا لیکن اس کا معاوضہ کس سے طلب کرتا؟

نہیں تھا۔

"ایک دن وہ عورت اکیلی ہی چلی آئی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اس کا شوہر اسے چھوڑ دے گا۔ میں نے اسے تسلی دی اور اس کا دل بہلانے کے لیے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اس کے جانے کے بعد میں مطمئن تھا کہ کوئی نیکی کا کام کیا ہے۔ پھر وہ اکثر میرے پاس آنے لگی اور ہمارے درمیان ایک تعلق قائم ہو گیا۔ میں بھی انسان ہوں، کوئی فرشتہ نہیں۔ وہ میری قربت میں سکون محسوس کرنے لگی اور پھر ایک دن اس نے خبر سنائی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اسے یقین تھا کہ آنے والا بچہ اس کی ازدواجی زندگی کو بکھرنے سے بچا لے گا۔"

"اس کے شوہر نے یہ سب کچھ کیسے برداشت کر لیا؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اسے اپنا ہی بچہ سمجھ رہا تھا کیونکہ مرد کبھی بھی اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کرتے۔ پھر کچھ دنوں بعد اس عورت نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔"

"راجر تھامسن؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔"

"وہ تمہارا اپنا تھا اور پورے قصبے کی آنکھ کا تارا..... کیا تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس کی خودکشی کا ذمے دار کیٹی کو ہی سمجھتے تھے؟"

"ہاں! راجر کے باپ کے مرنے کے بعد میں نے اس کے سرپرست کی ذمے داری سنبھال لی اور اسے کیٹی کے بارے میں اپنے اندیشوں سے آگاہ کرتا رہا لیکن وہ اس سلسلے میں میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ کیٹی نے اس پر جادو کر رکھا تھا۔ پھر میرے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ کیٹی اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اس نے موت کو گلے لگا لیا۔"

اب کہانی کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ "کیٹی کا باپ مر گیا لیکن وہ اس کی تدفین میں شرکت کرنے نہیں آئی۔ اس کی ماں بیمار ہوئی تو اس نے تمہیں اس کو تلاش کرنے کے لیے کہا۔ تم نے ایک سراغ رساں کی مدد سے کیٹی کا پتا تو چلا لیا لیکن ماں کے مرنے پر اسے اطلاع دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔"

"اگر میں اسے بتا دیتا، تب بھی وہ نہ آتی۔" پریسلے نے کہا۔ "اس کے ساتھ یہاں جو سلوک ہوا، اس کے بعد وہ کبھی بھی یہاں قدم نہ رکھتی اور اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔"

"حالانکہ تم جانتے تھے کہ وہ کہاں ہے؟" میں نے [illegible]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

ZONG
...میں تعاون کیا ہے

نشانی

تنویر ریاض

جذبات دریا کی سبک خرام لہروں کی طرح ہموار رہیں تو زندگی میں… تغیر رونما نہیں ہوتا... لیکن جیسے ہی لہروں کے مزاج میں تبدیلی آ… اس کی تلاطم خیزی اور شوریدہ سری ہر شے کو اپنے ساتھ بہا کر لے… ہے... ماضی کے سرد خانوں کی نذر ہو جانے والے ایک ایسے ہی… کشمکش کا فسانہ عجب۔

سب کہہ دو..... یا نہ کہو..... اسی الجھن میں گرفتار ہستی کا دلچسپ ما…

دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے پچاس سال پورے ہونے پر ہم نے اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے کاؤنٹی کے لوگوں سے جنگ سے متعلق اشیا عطیہ یا عاریتاً دینے کی اپیل کی تھی جنہیں ہم اس موقع پر منعقد ہونے والی نمائش میں رکھ سکیں۔ اس اپیل کا خاطر خواہ جواب ملا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے پاس ان یادگار اشیا کا ڈھیر لگ گیا۔ لوگوں کے اس جوش و خروش کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ پہلی تو یہ کہ اس طرح وہ اس جنگ میں حصہ لینے والوں کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتے تھے یا پھر اس بہانے انہیں ان یادگار اشیا کو سنوارنے کا موقع مل رہا تھا۔ ہماری سوسائٹی کے دفتر میں اتنی

جگہ نہیں تھی لہٰذا قریب میں ہی ایک گودام کرائے پر… اس کے علاوہ بکس کھولنے، چیزوں کو سنبھالنے اور ان… میں رکھنے کے قابل بنانے کے لیے اضافی عملہ بھی… میں اور نئی سپروائزر راکیل بھی اسی مقصد کے لیے… گئے تھے۔ وہ بڑی مستعد اور ذہین لڑکی تھی۔ کام… میں مجھ پر حکم چلانے کے ساتھ ساتھ دلچسپ جملے بھی… تھی۔

"کتنا مزہ آئے گا جب لوگ ڈیک کے پیچھے… تمہیں کوئی تاریخ داں یا سراغ رساں سمجھیں گے… تمہاری حقیقت کبھی معلوم نہ ہو۔"

digestpk.blogspot.com

خدا جانے وہ مجھ پر طنز کر رہی تھی یا ہمدردی لیکن اس کی زبانی سراغ رساں کا لفظ مجھے اچھا نہیں لگا۔ مجھے اس سے چڑ تھی۔ گو کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں کچھ عرصہ سراغ رساں بھی رہ چکا ہوں اور بے روزگاری سے تنگ آ کر اس جس زدہ گودام میں انتہائی کم اجرت پر کام کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”تمہیں ان سب چیزوں کی ایک کیٹلاگ بنانی ہے۔ ہر بکس اور تھیلے پر لاٹ نمبر ڈال دو اور اس میں رکھی ہوئی اشیا کی فہرست بنالو۔ اس کے بعد ہم اس کیٹلاگ کو کمپیوٹر میں محفوظ کر لیں گے۔“

اس کام میں بہت وقت لگ جاتا اور مجھے شبہ تھا کہ نمائش شروع ہونے سے پہلے شاید ہی ہم اسے مکمل کر پائیں لیکن میں نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا، ویسے بھی وہ مجھ سے سینئر تھی لہٰذا اس کا حکم ماننا میرا فرض تھا۔ اس نے قریب رکھے لکڑی کے بکس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہم دونوں اس سے شروع کرتے ہیں۔ تم کاغذ قلم سنبھال لو۔ اسے ہم لاٹ نمبر ایک کہیں گے۔ اس پر لگے ہوئے ٹیگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بکس ادھار نہیں بلکہ عطیے میں دیا گیا ہے اور عطیہ دینے والی کا نام مسز جیمس پیٹرون ہے۔ اس میں یقیناً اس کے شوہر کی یادگار اشیا ہوں گی۔ دیکھو اس پر اس کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ سارجنٹ جیمس پیٹرون۔ چلو اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔“

وہ صندوق مقفل نہیں تھا... گو کہ اس کے ڈھکنے میں ایک مضبوط کنڈا لگا ہوا تھا لیکن اس میں تالا نہیں تھا۔ کنڈا زنگ آلود ہو رہا تھا لیکن اسے کھولنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں نے ڈھکنا اٹھایا۔ اندر نظر پڑتے ہی راکیل کی سانس رکنے لگی۔ ترتیب سے تہ کی ہوئی وردیوں پر کارتوسوں کی پیٹی رکھی ہوئی تھی اور اس کے ہر خانے میں کارتوس رکھے ہوئے تھے۔

”ڈرنے کی ضرورت نہیں اوون۔“ وہ مجھے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ ”یہ چیزیں اسی ترتیب سے رکھی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وردی کے نیچے کوئی گن یا دوسرا اسلحہ بارود ہو۔ تم کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا۔“

اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور بولی۔ ”ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیے تاکہ وہ اس سامان کو چیک کر لیں اور اگر ضروری سمجھیں تو یہاں سے لے جائیں۔ میرے پاس ان کا اسپیشل نمبر ہے۔“

پولیس کے آنے تک میں مزید تین بکس کھول چکا تھا لیکن ان میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو ہمارے لیے گھبراہٹ کا سبب بن سکتی۔ اس دوران میں راکیل مسلسل میری نگرانی کرتی رہی۔ گو کہ اس نے زیادہ وقت کسی ایسے شخص کے ساتھ باتیں

کرنے میں گزارا [illegible]

[illegible]

والوں کے نام ریان اور وائس برٹ تھے۔ انہوں نے تمام احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وائس برٹ نے پیٹی میں سے ایک کارتوس نکالا اور اسے انگوٹھے سے کھرچتے ہوئے اپنے ساتھی کی جانب اچھالتے ہوئے بولا۔ ”یہ مصنوعی گولیاں ہیں۔ صرف خول اصلی ہے لیکن اس کے اندر لکڑی کا برادہ بھرا ہوا ہے۔“

”شاید انہیں تربیت کے دوران استعمال کیا جاتا ہوگا۔“

وائس برٹ نے کمرے میں جمع شدہ دوسرے صندوقوں اور تھیلوں پر نظر ڈالی پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ممکن ہے کہ تمہیں اس طرح کی چیزیں دوسرے سامان سے بھی ملیں۔ اس کے لیے ہمیں بار بار فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ایسی تمام اشیا کو ایک کونے میں رکھتی جاؤ۔ ہم کسی وقت آ کر ان کا معائنہ کر لیں گے۔“

ریان نے کارتوسوں کی پیٹی صندوق میں رکھ دی اور اس کا ڈھکنا بند کرتے ہوئے بولا۔ ”اوہ... اس پر تو جیمس پیٹرون کا نام لکھا ہوا ہے۔ یہ وہی شخص تو نہیں جس کا پچھلے دنوں قتل ہوا تھا؟“

”یقیناً یہ وہی ہے۔“ وائس برٹ نے اس کی تائید کی۔ راکیل سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ”ہاں، میں نے بھی اس بارے میں سن رکھا ہے۔“

”میں اس علاقے میں نیا ہوں، اس لیے یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔“

”اسے گولی ماری گئی تھی اور قاتل اس کی لاش پر ایک تمغا رکھ کر چلا گیا تھا جو چرچ سے چرائی گئی تھی۔“

وائس برٹ نے جھک کر صندوق پر لگا ہوا لیبل پڑھا اور بولا۔ ”یہ چیزیں اس کی بیوہ نے عطیے میں دی ہیں۔ شاید ان سے اس کی جذباتی وابستگی ختم ہو گئی ہو۔ اگر ہم نے قاتل کو نہ پکڑا ہوتا تو ضرور اس عورت سے پوچھ گچھ کرتے۔“

”وہ اس روز یہاں موجود نہیں تھی اور اس کے پاس اپنے شوہر کو قتل کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اگر پوچھ گچھ کرنی ہوتی تو اس عورت سے کی جاتی جس سے پیٹرون نے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔“

”وہ اپنی بیوی سے بے وفائی کر رہا تھا، کیا یہ وجہ اس کے قتل کے لیے کافی نہیں ہے؟“ میں نے اپنے شبے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”شاید میری بیوی ایسا ہی کرتی۔“ ریان بولا۔ ”لیکن مسز پیٹرون اپنے شوہر کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔

[illegible] پہلے بھی [illegible] بقول لی تھی کہ وہ اسے کسی مناسب جگہ انویسٹ کرے گا لیکن وہ پیسے ڈوب گئے۔ اس لیے اس عورت پر شک کیا جاسکتا ہے۔“

”لیکن وہ عورت بھی اس روز کہیں گئی ہوئی تھی۔“

”یہ بکس گزشتہ موسم گرما میں تیار کیا گیا تھا۔“ راکیل نے بتایا۔ ”تمہارے آنے سے پہلے میں نے دفتر سے اس کا ریکارڈ چیک کروایا تھا تاکہ مسز پیٹرون سے گولیوں کے بارے میں بات کروں۔ مجھے بتایا گیا کہ میری پیٹرون نے سب سے پہلے ہمیں اگست میں خط لکھا تھا اور یہ تاریخ اس کے قتل سے پہلے کی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ہمیں زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قاتل پکڑا جا چکا ہے۔“ ریان بولا۔

پولیس والوں کے جانے کے بعد راکیل بھی کسی کام سے چلی گئی اور میرے ذہن میں کئی سوالات جنم لینے لگے۔ یوں لگا جیسے میرے اندر سویا ہوا سراغ رساں بیدار ہو رہا ہے۔ حالانکہ میں نے ماضی میں جب بھی کسی معاملے میں ٹانگ اڑائی تو مجھے رسوائی کے سوا کچھ نہ ملا۔ میں کوشش کے باوجود اپنے آپ کو اس واقعے سے الگ نہیں کر پا رہا تھا۔ پولیس کی سنائی ہوئی کہانی مبہم تھی اور یوں لگ رہا تھا کہ انہوں نے خانہ پری کے لیے کسی کو پکڑ لیا ہے۔ میں نے سر جھٹکا اور صندوق میں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے ان سب کی فہرست بنانی تھی ورنہ راکیل اودھم مچا دیتی۔

میں نے ایک ایک کر کے تمام چیزیں باہر نکالنا شروع کیں اور رائٹنگ پیڈ پر ان کا اندراج کرنے لگا۔ ان میں وردیوں اور کارتوسوں کی پیٹی کے علاوہ تمغے، تصویریں، پیرس اور فرانس کے دوسرے شہروں سے بھیجے گئے پوسٹ کارڈز اور سیاہ ربن سے بندھا ہوا خطوط کا ایک پیکٹ بھی شامل تھا۔ یہ خطوط لفافوں میں نہیں تھے اس لیے بنڈل کھولے بغیر بھی میں ان پر نظر ڈال سکتا تھا۔ یہ سارے خطوط پنسل سے لکھے گئے تھے اور ان پر پیٹرون کی بیوی میری کا نام درج تھا۔

مجھے اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ مرحوم کی بیوہ نے زمانہ جنگ کے دوران لکھے گئے خط بھی عطیے میں دے دیے۔ شاید اس نے صندوق میں رکھے ہوئے سامان کو چیک کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی ہوگی۔ اگر یہ صندوق پیٹرون کے قتل کے بعد دیا جاتا تو یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی کہ یہ خطوط اس کے لیے تکلیف دہ یادوں کا سبب بنتے لیکن اس کے قتل سے پہلے عطیہ کرنے کا مطلب تو یہ تھا کہ ان خطوط اور اس سامان کی اس

ZONG
سب کہہ دو

کے نزدیک کوئی جذباتی اہمیت نہیں تھی اور وہ اسے کاٹھ کباڑ سے زیادہ نہیں سمجھتی تھی...

لیکن میں صرف اس صندوق کے بارے میں ہی کیوں سوچ رہا تھا؟ اس کمرے میں اور بھی سامان تھا جو یقیناً عطیہ دینے والوں کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

اس صندوق سے فارغ ہونے کے بعد میں دوسرے سامان کی طرف متوجہ ہو گیا اور لنچ کے وقفے تک خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ وقفے کے دوران میں نے لیکسٹن ایونیو میں واقع سینٹرل لائبریری کا رخ کیا۔ مجھے ڈیرل سے ملنا تھا جو اس نمائش کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ وہ اور اس کی لائبریری ہمیں زمانہ جنگ کے دوران میں شائع ہونے والے مقامی اخبارات کے پہلے صفحے پر مبنی پوسٹرز مہیا کرنے کے ذمے دار تھے۔ میں اس سلسلے میں ایک مرتبہ پہلے بھی ڈیرل سے مل چکا تھا اور ہم دونوں پہلی ملاقات میں ہی گھل مل گئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اس قتل کی تفصیلات مقامی اخبار کی حالیہ اشاعت میں مل جائیں گی اور اس کے لیے اخبارات کی فائل نہیں کھنگالنا پڑے گی۔ ڈیرل دیکھنے میں ہائی اسکول کا طالب علم لگتا تھا لیکن اسے 1940ء کے واقعات بھی ازبر تھے۔ مجھے امید تھی کہ حالیہ واقعات کے بارے میں بھی اس کی معلومات اپ ڈیٹ ہوں گی اور وہ مجھے مطلوبہ اخبارات بآسانی مہیا کر دے گا۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ اسے اس قتل کے بارے میں خاصی معلومات تھیں اور وہ بھی میری طرح پولیس سے مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔

”یہ انصاف کا قتل ہے اوون! اسے بلاوجہ پھانسا گیا ہے۔“

”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”ریمنڈ سلیتھ کی، وہ بے چارہ بے گھر ہے اور کچھ بری عادتوں میں بھی مبتلا ہے، بس اسی لیے پولیس نے اسے پکڑ لیا۔“

”گویا تم یہ کہہ رہے ہو کہ پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں؟“

”ثبوت یہی ہے کہ گرفتاری کے وقت اس کے پاس سے آلۂ قتل اور پیٹرون کا بٹوا برآمد ہوا تھا۔“

”یہ کوئی واقعاتی ثبوت نہیں ہیں۔“

”سلیتھ کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ جائے وقوعہ سے دو بلاک کے فاصلے پر ایک دکان کے باہر بیٹھا تھا کہ اس نے گولی چلنے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کی آواز سنی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو پیٹروون مرچکا تھا۔ گن اور بٹوا اٹھایا اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔‘‘

’’کیا بٹوا خالی تھا؟‘‘

’’نہیں، اس میں بیس یا تیس پاؤنڈز ہوں گے۔ پولیس نے اس گرفتاری کو بہت بڑا کارنامہ قرار دیا ہے جبکہ یہی بات سلیتھ کے حق میں جاتی ہے۔ قاتل اپنا کام کر کے چلتا بنا۔ اس کے لیے بیس تیس پاؤنڈز کی کیا اہمیت تھی۔ البتہ وہ لاش پر تسبیح رکھ کر چلا گیا جس سے اس کی پشیمانی کا اظہار ہوتا ہے۔‘‘

’’یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سلیتھ نے ہی یہ تسبیح چرچ سے چرائی ہو؟‘‘

’’پولیس بھی اسی مفروضے پر سوچ رہی ہے۔ گزشتہ موسم سرما میں سلیتھ گرجا گھروں میں سوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے یہ تسبیح وہیں سے چرائی ہو لیکن شاید وہ بھی نہیں جانتا ہوگا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔‘‘

’’ممکن ہے کہ اس نے پیٹروون کو گولی مارنے کے بعد یہ لوٹ مار کی ہو اور اس کے بدلے تسبیح رکھ کر وہاں چلا گیا ہو؟‘‘

’’نہیں، اس کا بیان بالکل مختلف ہے۔ وہ بھی پیٹروون سے نہیں ملا۔ اس نے کوئی چیز نہیں چرائی اور نہ ہی وہاں کچھ رکھا۔ وہ ابھی تک اپنے اسی بیان پر قائم ہے اور مجھے اس کی بات پر پورا یقین ہے۔‘‘

میں اس سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اگر اس نے کچھ نہیں چرایا تو بٹوا اور پستول اس کے پاس سے کیسے برآمد ہوئے؟ شاید وہ اسے مال غنیمت سمجھ کر لے گیا ہو۔ میں نے ایک اور سوال کیا۔ ’’پولیس اس تک کیسے پہنچی؟‘‘

’’اس کا پتا ایک اور بے گھر لڑکے نے بتایا تھا جس نے ایک رات پہلے ہی سلیتھ کے ساتھ مل کر دریا کے کنارے سے ایک بکس اٹھایا تھا۔ سلیتھ نے جب اسے گن اور بٹوا دکھایا تو اس نے ان چیزوں میں بھی اپنا حصہ مانگا۔ سلیتھ کے انکار کرنے پر اس نے پولیس کو بتا دیا۔ گرفتاری کے وقت یہ چیزیں اس کے پاس سے برآمد ہوگئیں۔ جب اس کا ریکارڈ چیک کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے گزشتہ برس سینٹ مونیکا کے گرجا گھر سے کچھ چیزیں چرانے کی کوشش کی تھی جس سے انہیں یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ تسبیح بھی وہیں سے چرائی گئی ہوگی۔ پولیس کا خیال ہے کہ ان ثبوتوں کی موجودگی میں یہ ایک مضبوط کیس ہے۔‘‘

کچھ دیر کے لیے میں بھی مخمصے میں پڑ گیا۔ ایک جانب پولیس کا موقف تھا تو دوسری طرف ڈیرل کے تحفظات۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ ڈیرل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ’’تم خود پڑھ لو۔ میں ’’اسٹار لیجر‘‘ اور ’’اسپیکٹر‘‘ میں چھپنے والی ہر کہانی

[illegible]

اندازہ غلط نکلا۔ اسٹار لیجر کی فائل میں صرف تین تراشے لگے ہوئے تھے لیکن ان سے مجھے کچھ نئے حقائق معلوم ہوئے۔ انتقال کے وقت پیٹروون کی عمر انہتر برس تھی اور وہ ستاون سالہ جینیوا میچو سے ملنے اس کے اپارٹمنٹ گیا تھا۔ وہاں سے ٹمن اسپاٹ ٹیورن جا رہا تھا جو اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ میچو نے خود اسے ساڑھے دس بجے گڈ نائٹ کہہ کر رخصت کیا تھا اور اس کی پڑوسن نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ میچو کی گواہی سے پیٹروون کی موت کے وقت کا تعین کرنے میں کافی مدد ملی حالانکہ اس کی لاش فوراً ہی دریافت نہیں ہوئی تھی اور دوسری صبح ہی اس کا پتا چلا لیکن پولیس نے فاصلے کا تعین کر کے اندازہ لگا لیا کہ اسے دس بج کر چالیس منٹ پر گولی ماری گئی تھی۔ گو کہ یہ جگہ ٹمن اسپاٹ سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن وہاں کسی نے بھی فائر کی آواز نہیں سنی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ٹی وی پر باسکٹ بال کا میچ دکھایا جا رہا تھا اور اس شور شرابے میں فائر کی آواز کسی کو نہ سنائی دی ہو۔

اسٹار لیجر کی دوسری کہانی ریمنڈ سلیتھ کی گرفتاری سے متعلق تھی۔ اکتیس سالہ سلیتھ کے پاس سے مقتول کا بٹوا اور ایک غیر لائسنس یافتہ پستول برآمد ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسٹوری میں اس تسبیح کا بھی ذکر تھا جو مقتول کی لاش پر رکھی ہوئی تھی۔ مقتول کی بیوہ نے تصدیق کر دی تھی کہ یہ تسبیح اس کے شوہر کی نہیں ہے اور کسی نے مقتول کے سینے پر عین اس جگہ رکھ دی تھی جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ تیسری کہانی میں مقتول کے مختصر حالات زندگی بیان کیے گئے تھے جس میں اس کی زمانہ جنگ میں خدمات، فرانس میں تعیناتی، اس کے اعزازات، تیس سالہ ملازمت وغیرہ کا ذکر تھا۔ اس کے پس ماندگان میں صرف باون سالہ بیوہ میری ہی تھی۔

اس فائل میں ’’اسپیکٹر‘‘ کے بھی تراشے لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک ہفت روزہ تھا جس میں زیادہ تر ذاتی نوعیت کے اشتہارات اور تبصرے شائع ہوتے تھے لیکن اس میں بھی سلیتھ اسکینڈل کے نام سے ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی تھی جس سے بہت کچھ معلومات مل سکتی تھیں۔ اس فیچر کے مطابق سلیتھ پہلے بھی چرچ میں چوری کرنے کے الزام میں پکڑا گیا تھا۔ اس کہانی میں سلیتھ کے ساتھی کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا کہ کس طرح اس نے مال غنیمت میں حصہ نہ ملنے پر پولیس کو سلیتھ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس کہانی میں ان دونوں عورتوں یعنی میری پیٹروون اور جینیوا میچو کا بھی تذکرہ تھا جن

[illegible]

لیکن ان دونوں عورتوں کی جائے واردات سے غیر موجودگی ظاہر ہو رہی تھی۔ مسز پیٹروون نے دس بج کر تیس منٹ پر اسپتال میں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی جہاں وہ رضاکارانہ طور پر کام کرتی تھی جبکہ میچو نے پہلے ہی سے اپنی پڑوسن کو ٹی وی دیکھنے کے لیے بلا لیا تھا۔ یہ وہی عورت تھی جس نے پیٹروون کی روانگی کے وقت کے بارے میں اس کے بیان کی تصدیق کی تھی۔

پولیس آفیسر ریان کی طرح ’’اسپیکٹر‘‘ کی کہانی میں بھی میچو پر شبہ ظاہر کیا گیا تھا جس کی وجہ وہ رقم تھی جسے وہ اچھی گل بچ پہنچی قرار دے رہی تھی۔ پیٹروون نے وہ رقم ایک ایسے پارلر میں لگا دی جو نقصان کے سبب کچھ ہی عرصے بعد بند ہو گیا اور میچو کا سرمایہ بھی ڈوب گیا۔ اس رقم کا کچھ حصہ پیٹروون نے لاس ویگاس جانے کی نذر کر دیا۔ اس رقم کے بارے میں دونوں کے درمیان کئی بار تلخ کلامی ہو چکی تھی اور اس شام بھی پیٹروون اسے یہی سمجھانے گیا تھا کہ وہ رقم کی واپسی کے لیے کوشش کر رہا ہے۔

اس رپورٹ میں پیٹروون کے گزشتہ تعلقات کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ ان میں سے پانچ خواتین کے بارے میں خود اس کی بیوی نے پولیس کو بتایا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق پیٹروون کے ماضی کو دیکھتے ہوئے میچو کے ساتھ اس کا تعلق کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس نے پولیس کو یہ بھی بتایا کہ اسپتال میں نائٹ شفٹ کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے شوہر کی دیر سے گھر آنے کی عادت سے تنگ آچکی تھی۔ رپورٹر نے یہ واضح نہیں کیا کہ ایسی صورت میں میری نے اپنے شوہر سے طلاق کیوں نہیں مانگی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دونوں ہی کیتھولک تھے لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ میں خود بھی کیتھولک ہوں اور ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہوں جو کیتھولک ہونے کے باوجود طلاق یافتہ ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خیال آرہا تھا کہ ایک کیتھولک شخص کے سینے پر مرنے کے بعد تسبیح کیوں رکھی گئی؟ یہ محض اتفاق ہو سکتا تھا۔

یہ بات مجھے اس وقت بھی پریشان کرتی رہی جب میں لائبریرین کو ان تراشوں کی فائل واپس کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اسی دوران میں نے ڈائریکٹری سے میری پیٹروون اور جینیوا میچو کے پتے حاصل کیے۔ اپنے دفتر آتے ہوئے بھی میرے دماغ میں یہی سب باتیں گونجتی رہیں اور میں یہ بھی بھول گیا کہ میں نے ابھی تک لنچ نہیں کیا ہے۔ مجھے

ZONG
سب کہہ دو

ان دونوں عورتوں سے ملاقات کرنی تھی جو میری نظر میں مشتبہ تھیں۔ دفتر سے باہر نکلتے وقت مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ خطوط کا وہ پیکٹ ساتھ لے لوں جو میری نے اپنے شوہر کو لکھے تھے۔ میں ان خطوط کی واپسی کے بہانے میری سے ملاقات کا جواز تلاش کر سکتا تھا اور اس بہانے مجھے اس سے یہ پوچھنے کا بھی موقع مل جاتا کہ وہ ایسے بے وفا شوہر کے ساتھ کس طرح زندگی گزارتی رہی۔ اگر اس قتل میں اس کا ہاتھ تھا تو میں ان لوگوں کے نام معلوم کرنے کی کوشش کرتا جنہوں نے اس جرم میں اس کا ساتھ دیا۔

پہلے میرا خیال میری کے پاس جانے کا تھا لیکن پھر میرا ارادہ بدل گیا اور میں نے پہلے جینیوا میچو سے ملنے کی ٹھانی۔ مجھے اس کی جائے واردات سے غیر موجودگی پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ میں تو بس اس سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا کبھی اس نے اپنے مرحوم محبوب کے پاس تسبیح دیکھی تھی۔ وہ عورت لی لینڈ اسٹریٹ پر واقع ایک عمارت میں رہتی تھی۔ جب میں نے دوسری منزل پر پہنچ کر اس کے اپارٹمنٹ کی گھنٹی بجائی تو فوری طور پر کوئی جواب نہ ملا۔ البتہ برابر والے اپارٹمنٹ میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ مجھے قدموں کی چاپ واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دے کر ہلکا سا دھکا دیا تو وہ تھوڑا سا کھل گیا۔ اندر سے زنجیر لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے دروازہ پورا نہ کھل سکا۔ ایک پست قد بوڑھی عورت جھانکتے ہوئے بولی۔ ’’ہمیں کچھ نہیں لینا۔‘‘

’’میں کچھ بیچنے نہیں آیا بلکہ مجھے جینیوا میچو سے ملنا ہے۔ ان سے جیمس پیٹروون کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔‘‘

میرا خیال تھا کہ وہ اس بارے میں وضاحت طلب کرے گی لیکن وہ شاید میری بات پوری طرح نہیں سمجھی۔

’’کچھ بھی ہو۔ میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔ تمہاری آواز بہت اچھی ہے اور یقیناً شکل بھی اچھی ہی ہوگی۔ اس کے باوجود دروازہ نہیں کھلے گا۔‘‘

’’تمہیں میرا چہرہ نظر نہیں آرہا؟‘‘ میں نے حیرت سے پوچھا۔

’’ٹھیک طرح سے نہیں۔ میری دونوں آنکھوں میں موتیا ہے۔‘‘

’’تم نے پولیس کو بتایا ہے کہ جس رات جیمس پیٹروون کی موت واقع ہوئی، وہ یہاں آیا تھا۔ کیا تم نے بھی اسے دیکھا تھا؟‘‘

’’بس ایک جھلک ہی دیکھ پائی تھی۔ البتہ وہ میری پڑوسن

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

جیتیوا سے کسی بات پر الجھ رہا تھا۔ میری آنکھ لگ گئی تھی لیکن ان کے بولنے سے جاگ گئی۔ وہ دونوں زور زور سے باتیں کرتے ہوئے باہر آ گئے پھر جیتیوا نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، شاید وہ اس سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔ یہ ترکیب کامیاب رہی۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، وہ چلا گیا۔"

"وہ دونوں کس بات پر بحث کر رہے تھے؟"

"میں ٹھیک طرح سے نہیں سن سکی۔ جیتیوا نے بعد میں بتایا کہ کچھ پیسوں کا مسئلہ تھا۔ وہ اس بارے میں زیادہ بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ گو کہ وہ ایک اچھی عورت ہے لیکن ہمیشہ غلط لوگوں کا انتخاب کرتی ہے۔ شاید وہ اکیلے رہنا پسند نہیں کرتی۔ میں اس کے بارے میں بس اتنا ہی جانتی ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ پیٹرون ساڑھے دس بجے یہاں سے چلا گیا تھا؟ تم گھڑی دیکھ سکتی ہو؟"

"میں اندھی نہیں ہوں۔" وہ برہم ہوتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ تمہارے کوٹ پر لگے ہوئے بٹن میچنگ کے نہیں ہیں لیکن اس رات مجھے گھڑی دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مجھے وقت کا اندازہ تھا کیونکہ ساڑھے دس بجے چینل الیون سے "چیئرز" دکھایا جاتا ہے۔ ہم دونوں اکثر یہ پروگرام ساتھ ہی دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ میرے پاس آ جاتی ہے اور کبھی میں اس کے اپارٹمنٹ میں چلی جاتی ہوں۔ اس رات بھی وہ مجھے بلانے آئی تھی۔ دراصل اس کے پاس بڑا ٹی وی ہے جس پر تصویر صاف اور واضح نظر آتی ہے لیکن اس رات انہوں نے پرانی قسط ہی دکھا دی۔ اس کے بعد بھی ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔"

"پیٹرون کے بارے میں؟"

"نہیں، اس علاقے کے بارے میں۔" اس عورت نے برجستہ کہا۔ "میں اسے اپنے بچپن کے واقعات سناتی رہی لیکن اس کے سوالات ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ اس لیے نہیں کہ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی تھی... بلکہ اس لیے کہ وہ تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی۔"

میچو کے اپارٹمنٹ سے واپس آتے ہوئے راستے میں میری نگاہ ایک چرچ پر گئی جس پر سینٹ مونیکا کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ وہی چرچ تھا جہاں ریمنڈ سلیتھ نے چوری کی تھی۔ میں چرچ میں داخل ہو گیا۔ اندر دو آدمی چھت پر لگی ہوئی لائٹس ٹھیک کر رہے تھے اور سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخص ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے اس سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں ایک ایسے بے گھر شخص کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہا ہوں جسے کچھ عرصے قبل قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا

"یقیناً [illegible] غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا نام [illegible] ہے اور میں یہاں کا پادری ہوں۔ اور یہ ہمارے لیے پریشانی کی بات ہے کہ اس معاملے میں سینٹ مونیکا کا نام آ رہا ہے۔ مسٹر سلیتھ سے ہمارا تعلق یوں بنتا ہے کہ وہ کچھ عرصے سے یہاں رہ رہا تھا لیکن ہمیں اس کی وکالت کرنے کی ضرورت نہیں۔ گورکی نے اس سلسلے میں مجھ سے رجوع کیا تھا۔ ان کے خیال میں اس طرح سلیتھ کی مدد کر سکتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے لیکن آج کل اس طرح کے لوگوں کی مدد کرنا بہت مشکل ہے۔ ویسے بھی اس نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔"

"ممکن ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔

"مقدمہ کوئی بھی رخ اختیار کرے لیکن ہم پر بھی کچھ ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ مجھے ان چیزوں کی فکر نہیں جو اس نے یہاں سے چرائی ہیں۔ وہ انہیں اپنے پاس ہی رکھتے، ہم اسے اس سے زیادہ بھی دے سکتے تھے۔"

"کیا ان چرائی ہوئی اشیا میں کوئی تسبیح بھی تھی؟"

"اس بارے میں پولیس نے بھی مجھ سے کئی سوالات کیے پھر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ سلیتھ نے اسٹور روم کا تالا توڑ کر چوری کی تھی جہاں فالتو اشیا رکھی جاتی ہیں۔ ان میں ایک بکس فادر گریگوری کیرون کا تھا جن کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کا کوئی وارث بھی نہیں ہے۔ ہم نے سوچ کر وہ بکس اسٹور میں رکھوا دیا کہ کسی وقت ان چیزوں کی فہرست بنا لیں گے لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی... اور سلیتھ اسی لیے پکڑا گیا کہ ان چیزوں پر فادر کیرون کا نام کندہ تھا۔ ان میں ایک گھڑی اور کف لنکس بھی شامل تھے لیکن اس نے کوئی تسبیح نہیں چرائی ورنہ وہ بھی اس کے پاس سے برآمد ہوتی۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے چلنے ہی والا تھا کہ اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولا۔ "وہ مالا بھی نہیں جبکہ پولیس اسے مالا کہے جا رہی تھی۔"

"پھر ان موتیوں کو تم کیا کہو گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"پولیس جو چیز میرے پاس شناخت کے لیے لے کر آئی، وہ ایک چھوٹی تسبیح تھی جو عبادت کے دوران استعمال کی جاتی ہے لیکن ہم اسے صحیح معنوں میں مالا نہیں کہہ سکتے، اس سے ملتی جلتی مالا عام طور پر کیتھولک بچے پہنتے ہیں۔"

میں گودام میں واپس آیا تو راکیل میرا انتظار کر رہی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ں نے ایک گلابی کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"مجھے مسز پیٹروان کا خط مل گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ک
نے اپنے شوہر کے قتل سے پہلے ہی ہمیں یہ سامان عطیہ
نے کی پیشکش کی تھی۔"

اس کے انداز میں بے چینی نمایاں تھی اور یوں لگ رہا تھا
ے مسز پیٹروان بھی اس کی نظروں میں مشکوک ہوتی جا رہی
ے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا تمہیں کوئی اور ایسی چیز
جو ہم پولیس کو دکھا سکیں؟"

"ابھی تک تو نہیں۔"

"میں یہ خط اسی لیے لائی تھی کہ پولیس والے بھی اسے
دیکھ لیں۔"

میں نے اس خط پر ایک نظر ڈالی۔ وہ ٹائپ شدہ تھا اور
اس میں تفصیل سے لکھا ہوا تھا کہ وہ ان چیزوں کو کس وجہ سے
کرنا چاہ رہی ہے۔ "میرا شوہر جنگ کے بارے میں اتنا
جذباتی نہیں ہے جیسا کہ کچھ دوسرے سپاہی اور مجھ جیسی بہت
سی عورتیں ہوتی ہیں... جو زمانہ جنگ میں بیاہی گئی تھیں۔"

وہ واقعی جنگ کے حوالے سے بہت جذباتی تھی اور اس کا
اظہار خط کے آخری پیراگراف سے ہو رہا تھا جس میں اس نے
دوسری جنگِ عظیم جیتنے والوں کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین
پیش کیا تھا۔

"اس جنگ کی کامیابی اور قربانیوں نے ہماری زندگی کو
شکل دی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جنگ میں شجاعت
اور بہادری کی جو داستان لکھی گئی ہے، وہ ہماری تاریخ کا ایک
روشن باب ہے۔"

"اس کی تحریر بہت خوب صورت ہے۔" راکیل نے
میرے کندھے سے لگ کر خط پڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا لیکن
میری نظریں اس خط کے نیچے کیے گئے دستخط پر جم کر رہ گئی
تھیں۔ اس نے مسز جیمس پیٹروان کے بجائے میری پیٹروان
لکھا تھا۔ میں نے اس کا موازنہ خطوط میں درج میری کے
دستخطوں سے کیا تو مجھے اس میں واضح فرق نظر آیا۔ میرے
تجربے کے مطابق کسی بالغ شخص کی ہینڈ رائٹنگ وقت گزرنے
کے ساتھ بدل تو سکتی ہے لیکن اس میں بہتری نہیں آ سکتی۔ اس
کے مقابلے میں پرانے خطوط کے دستخط ناپختہ تھے۔

راکیل کے جاتے ہی میں نے ایک بار پھر وہ خطوط نکالے اور
انہیں غور سے پڑھنے لگا۔ میں نے نوٹ کیا کہ صرف میری کے
دستخط ہی تبدیل نہیں ہوئے تھے بلکہ 1944ء کے مقابلے
میں اس کی نثر بھی بہتر ہو گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان خطوط کی
نثر بہت ہی بچکانا اور بدسلیقہ تھی۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ جنگ

[illegible]

ان خطوط میں کچھ ایسے حوالے بھی ملے جن سے میرے
شبہے کو تقویت ملتی تھی۔ مثلاً گاؤں میں ہماری اتفاقیہ ملاقات اور
ساتھ گزاری رات وغیرہ۔ ان خطوط میں پیٹروان کی سلامتی کی
دعا کی گئی تھی اور ساتھ ہی یہ خواہش بھی ظاہر کی گئی تھی کہ اس
حتیٰ تحفے کو ہمیشہ اپنے دل سے قریب رکھنا۔ ان خطوط کو
پڑھنے کے بعد میری بے چینی بڑھنے لگی اور میں شدت سے
اپنی ڈیوٹی ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

گھر واپس آنے کے بعد میں نے نیویارک میں واقع
ایک ٹی وی اسٹیشن میں فون کیا۔ انہوں نے تین بار میری کال
متعلقہ لوگوں تک ٹرانسفر کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں
ہوئی۔ مجبوراً میں چھ بجے کے قریب نکلا۔ اب میرا رخ
برگ پارک کے قریب ایک گلی میں واقع زرد اینٹوں سے بنے
ہوئے کاٹیج کی جانب تھا۔ دروازہ میری پیٹروان نے ہی کھولا
تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں اسے وہ خط واپس
کرنے آیا ہوں جو اس نے غلطی سے بکس میں رکھ دیے تھے۔
اس نے میرے خالی ہاتھوں کی جانب نہیں دیکھا اور نہ ہی
خطوط مانگے جو میں جان بوجھ کر اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔ اس
کے برعکس وہ انتہائی سرد لہجے میں بولی۔

"میں انہیں واپس لینا نہیں چاہتی۔"

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتی، میں نے دوسرا جملہ
داغ دیا۔ "تم از کم سلیتھ کو بچانے میں تو میری مدد کر سکتی
ہو۔ اس پر تمہارے شوہر کو قتل کرنے کا غلط الزام لگایا گیا
ہے۔"

"اندر آ جاؤ۔"

اس نے مجھے لیونگ روم میں بٹھایا۔ میں سوچنے لگا کہ
اگر راکیل 1960ء کے حوالے سے کسی نمائش کا اہتمام کرے
تو اس کمرے میں رکھی ہوئی اشیا اس کے لیے بے حد کارآمد
ہوں گی۔ مسز پیٹروان کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر کھنکھارتے
ہوئے بولی۔

"ریمنڈ سلیتھ پر کوئی فرد جرم عائد نہیں کی گئی ہے۔ اگر
ایسا ہوا تو میں اس کی ذہنی حالت کو دیکھتے ہوئے جج سے رحم کی
اپیل کروں گی۔"

"تم اس سے بھی بہتر کام کر سکتی ہو۔" میں نے اس کی
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تم چاہو تو وہ کل ہی جیل سے
باہر آ سکتا ہے۔ بس تمہیں پولیس کے روبرو یہ اعتراف کرنا ہوگا
کہ اپنے شوہر کو گولی تم نے ہی ماری تھی۔"

"میں ایسا کیوں کروں گی مسٹر...؟" وہ

[illegible] انداز میں بولی۔

[illegible] لفظوں میں کہا۔ [illegible] ایک معصوم شخص کی جان بچ جائے۔"

"میرا مطلب ہے کہ میں اپنے شوہر کو گولی کیوں ماروں
گی اور میں یہ کام کیسے کر سکتی تھی کیونکہ وقوعہ کے وقت تو میں
اپنی ڈیوٹی پر تھی۔"

"اس کا جواب میں دیتا ہوں۔" میں نے اسے سنبھلنے کا
موقع دیے بغیر کہا۔ "مس میگو نے پولیس سے غلط بیانی کی تھی
کہ تمہارا شوہر وہاں سے ساڑھے دس بجے روانہ ہو گیا تھا،
حالانکہ اس وقت بہ مشکل دس بج کر دس منٹ ہوئے ہوں
گے۔ جس پڑوسن نے اس کے بیان کی تصدیق کی، اسے ٹھیک
طرح سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ وہ اپنی گواہی کی بنیاد اس ٹی
وی پروگرام کو بنا رہی ہے جو تمہارے شوہر کے روانہ ہوتے ہی
شروع ہو گیا تھا جبکہ اس روز اس پروگرام کی نئی قسط ٹیلی کاسٹ
ہی نہیں ہوئی اور جب میگو نے ٹی وی آن کیا تو گزشتہ ہفتے کی
قسط دکھائی جا رہی تھی۔ پھر وہ اپنی پڑوسن سے باتوں میں
مشغول ہو گئی اور اسے یہ خیال ہی نہ رہا کہ پروگرام کس وقت
شروع ہوا تھا۔ اگر پولیس کو میگو کی جائے وقوعہ سے غیر موجودگی
پر شک ہوتا تو وہ قتل کے وقت کا بغور جائزہ لیتی۔ اس کی جائے
وقوعہ سے غیر موجودگی ثابت کرنے کے لیے یہی کافی تھا کہ
پیٹروان کے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک پڑوسن
کے ساتھ رہی جبکہ تمہیں جائے وقوعہ سے اپنی غیر موجودگی
ثابت کرنے کے لیے بتانا ہوگا کہ جس وقت یہ قتل ہوا تو تم کہاں
تھیں؟ میرا خیال ہے کہ پولیس یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اور
میگو مل کر کام کر رہی تھیں جبکہ سلیتھ خواہ مخواہ ہی پکڑا گیا۔"

مسز پیٹروان خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی نگاہیں میرے
چاروں طرف کمرے میں رکھی چیزوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر
اس نے اپنی ٹھوڑی اوپر اٹھائی اور بولی۔ "وہ عورت میگو بھلا
میرے لیے کیوں کام کرے گی... اور میں اپنے شوہر کو کیوں
ماروں گی؟"

"جیمس نے اس کی ساری جمع پونجی پر ہاتھ صاف کر دیا
تھا۔ اگر تم درمیان میں نہ آتیں تو وہ خود اسے گولی مار دیتی۔ تم
نے اپنے شوہر کو اس لیے قتل کیا کیونکہ وہ تم سے بے وفائی کا
مرتکب ہو رہا تھا۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی مجھ سے
بے وفائی کرتا رہا ہے۔ میں نے پولیس کو بھی ان پانچ عورتوں
کے نام بتا دیے تھے جو میگو سے پہلے اس کی زندگی میں آئی
تھیں۔"

"تم نے ایک نام پولیس کو نہیں بتایا۔ وہ جو تمہاری ہم نام
ہے... میری۔ تمہارے شوہر سے اس کی ملاقات فرانس میں
1944ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت تمہاری شادی کو صرف دو
سال ہوئے تھے۔ تم یہی سمجھتی رہیں کہ اس دوران وہ تم سے
محبت کرتا رہا اور کسی دوسری عورت سے اس کا کوئی تعلق نہیں
تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا، اسے تم گزرے ہوئے
حسین برسوں کی خاطر معاف کرتی رہیں اور یہ قربانی تم نے
صرف اپنا گھر بچانے کے لیے دی۔ گزشتہ موسم خزاں تک
تمہیں میری کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا پھر ایک دن تم نے
اتفاقیہ طور پر اس کا صندوق کھولا تو تمہاری نظر ان خطوط پر پڑی
جن کے گرد ایک ربن لپٹی ہوئی تھی جس کے بارے میں اس
نے لکھا تھا کہ اسے اپنے دل سے قریب رکھنا۔"

اس نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا۔
"میں نے اس کا صندوق نہیں کھولا اور نہ ہی وہ خطوط دیکھے۔"

"پھر تو یقیناً تمہاری انگلیوں کے نشانات ان پر نہیں ہوں
گے۔" اس سے پہلے کہ میں مزید جرح کرتا، ایک سوال پوچھنا
مناسب سمجھا۔ "وہ گن تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

"جیمس ہمیشہ اپنے پاس ایک گن رکھتا تھا۔"

"لیکن اس کے پاس اس کا لائسنس نہیں تھا۔"

"اس نے ان باتوں کی کبھی پروا نہیں کی۔ اس نے اپنے
لیے کچھ اصول بنا رکھے تھے۔ تم میرے دکھ کا اندازہ نہیں لگا
سکتے۔ تمہیں کیا معلوم کہ میں نے کتنی تکلیف دہ زندگی گزاری
ہے۔ ایک عورت کے لیے اس سے بڑی سزا کیا ہوگی جب
اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر شادی کے بعد بھی دوسری
عورتوں سے تعلقات استوار کیے ہوئے ہے۔ میں بھی کتنی بے
وقوف ہوں، سترہ سال کی عمر میں کیے گئے ایک احمقانہ فیصلے
نے میری پوری زندگی برباد کر دی اور میں اس غلطی کی سزا آج
تک بھگت رہی ہوں۔"

"تم اس دنیا میں واحد عورت نہیں ہو جس کے ساتھ ایسا
ہوا ہے اور نہ ہی میں تمہیں احمق سمجھتا ہوں۔ اس کا فیصلہ تمہیں
ہی کرنا ہے کہ یہ جذباتی قدم اٹھا کر تم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔"
میں نے اس کی شادی کی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب تمہارا ضمیر کیا کہتا ہے؟"

"یہی کہ سب کہہ دوں اور سچ سچ... بتا دوں۔" اس نے
ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ پولیس
اسٹیشن تک چلنے کی زحمت گوارا کرو گے؟"

سب کہہ دو
ZONG

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

زمانہ قدیم سے عاشق وہ غبار خاطر ہے جو …
پھرتا ہے۔ خود داری اور انا کو بالائے طاق رکھ کر کوئے یار
کے طواف میں محو رہتا ہے ..... مگر آج عشق کی اقدار
میں تبدیلی ..... وقت کی ضرورت اور حالات کا
تقاضا ہے ..... جس نے عشق کا منظر نامہ بدل
ڈالا ہے ..... کرداروں میں بھی تبدیلی
آچکی ہے ..... سر پھرے عاشق نے اب
ایسے شخص کا روپ دھارا جو
اپنے جذبے اور شعور سے کام
لے کر محبت اور محبت
کے ساتھ ساتھ دیگر
فرائض و منصب
کو بھی پیش نظر
رکھتا ہے ..... ایسے ہی
عاشقوں کے گرد گھومتی
داستان محبت جہاں ایک عاشق
عشق پیشہ ہے ..... عشق میں اس کی
زندگی کی سب سے بڑی سچائی اور قدر ہے
..... جبکہ دوسرے عاشق کا مطمع نظر مختلف ہے۔
زندگی اور دنیا کی وسعت نے اس کے قلب و نظر .....
عقل و شعور اور جذب عشق میں کشادگی کو بھر دیا ہے
..... کائنات کا ہر مسئلہ اس کے پیش نظر ..... ایک للکار ہے

اسما قادری

قسط :21

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

بارسوخ خاندان سے تعلق رکھنے والا شہریار عادل ایک بے حد حساس اور ... ہے۔ وہ پنجاب کے سب سے بڑے گاؤں پیر آباد کا چوہدری افتخار عالم شاہ ایک روایتی جاگیردار ہے جو شہریار کو اپنے ڈھب پر چلانے میں کامیاب نہیں ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان مخاصمت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پیر آباد کا رہائشی ماسٹر آفتاب جو عرصے سے گاؤں کے پرائمری اسکول کی ترقی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ شہریار کا مددگار بن کر اپنے مشن پر کام کرنے لگتا ہے۔ چوہدری کی نفاست پسند بیٹی کشور، آفتاب کو دیکھتی ہے تو اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آفتاب اور کشور خفیہ نکاح کر لیتے ہیں۔ ماہ بانو کا تعلق بھی پیر آباد سے ہے۔ چوہدری افتخار جب ماہ بانو کو دیکھتا ہے تو اس پر اس کا دل آ جاتا ہے اور وہ ماہ بانو کی عزت پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ چوہدری کے چنگل سے نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ چوہدری اسے اغوا کروا لیتا ہے لیکن ماہ بانو ایک بار پھر جان بچانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ماہ بانو شہریار سے جا ملتی ہے۔ شہریار اسے دارالامان بھجوا دیتا ہے لیکن چوہدری کے آدمی مستقل اس کے پیچھے ہیں۔ پھر ماہ بانو مشکلات سے گزرتی ہوئی خواجہ سراؤں کے ہتھے لگ جاتی ہے۔ خواجہ سراؤں کا گرو والی اسے لے کر ایک ہندو سیٹھ کی کوٹھی پہنچتا ہے جہاں اسے ایک حیرت انگیز منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ کوٹھی کے تہ خانے میں ایک نوجوان لڑکی کو ایک مورتی کے قدموں میں بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر چھاپے کے دوران ماہ بانو بازیاب ہو کر سجاد رانا کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ وہ اسے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ وہیں وہ شیبا کی تصویر دیکھتی ہے اور شہریار کو بتاتی ہے کہ اس لڑکی کو ہندو سیٹھ کی کوٹھی میں ایک دیوی کے قدموں میں بھینٹ چڑھایا جا چکا ہے۔ سجاد رانا کو اپنی بیٹی کے قاتلوں کی تلاش تھی اور یہ تلاش اس کی ان سے مڈبھیڑ کروا دیتی ہے جس کا حتمی نتیجہ اس کے قتل کی صورت میں نکلتا ہے۔ شہریار اپنے ڈرائیور مشابرم خان کے مشورے پر ماہ بانو کو کراچی منتقل کر دیتا ہے۔ کچھ لوگ ماہ بانو کو اغوا کر لیتے ہیں اور اس کارروائی میں اکرم خان مارا جاتا ہے۔ گورا جس کا نام ڈیوڈ ہے اصل میں موساد کا ایجنٹ ہے۔ ماہ بانو کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لیتا ہے اور یہ جاننے کے بعد کہ چوہدری ماہ بانو کی تلاش میں ہے، وہ اسے ماہ بانو کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔ ادھر کشور، آفتاب کے کہنے پر حویلی چھوڑ دیتی ہے۔ اس کا آفتاب کے دوست افضل اور اس کی بیوی کے ذریعے فرار ممکن ہوتا ہے۔ کشور کے غائب ہونے پر وہاں کی ملازمائیں زیر عتاب آ جاتی ہیں۔ ماہ بانو عمران نامی لڑکے کے ساتھ دشمنوں کی قید سے بھاگ نکلتی ہے مگر عمران ایک جگہ ایوالانچ کی زد میں آ جاتا ہے اور اس میں دب کر اپنی جان گنوا بیٹھتا ہے۔ ادھر مشابرم خان ماہ بانو کی تلاش میں اس برف زار تک پہنچ جاتا ہے اور دشمنوں کا پتا لگا لیتا ہے اور وہاں ایک بلاسٹ ہونے سے کافی تباہی ہوتی ہے۔ چوہدری افتخار کو کشور کے غائب ہونے کے حوالے سے ڈیوڈ کی زبانی آفتاب اور افضل سے متعلق اطلاعات ملتی ہیں تو ان افراد کی شخصیت مشکوک ہے۔ چوہدری، ماسٹر آفتاب کو اغوا کر لیتا ہے۔ ماہ بانو برف زار میں بھٹکتے بھٹکتے بے ہوش ہو جاتی ہے اور اس دوران اسے ایک معمر شخص مل جاتا ہے جو کافی مہربان ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ادھر کشور کو جب آفتاب کے اغوا کی خبر ملتی ہے تو وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ افضل اسے اسپتال لے کر جاتا ہے۔ جب وہ گھر پہنچتا ہے تو اسے اپنی بیوی بچوں کی لاشیں ملتی ہیں۔ ادھر مشابرم خان لڑائی کے دوران زخمی ہو جاتا ہے اور پاکستان آرمی والوں کے وہاں پہنچنے سے ان کی تحویل میں پہنچ جاتا ہے۔ شہریار، ماسٹر آفتاب کو چھڑانے کے لیے جگنو کا سہارا لیتا ہے اور جگنو آفتاب کو چوہدری کے چنگل سے نکال لاتا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردوں کا ٹھکانا تباہ ہونے سے ڈیوڈ چراغ پا ہو جاتا ہے اور تحقیق کے لیے لنڈا کو یہاں بھیجتا ہے۔ ادھر ماہ بانو کو بچانے والا مہربان شخص اپنے واقف کار کے توسط سے اسے ایک میجر سے ملواتا ہے جو ماہ بانو کی فراہم کردہ معلومات کے بعد اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ شہریار کو بھی اس واقعے کی اطلاع میجر کے ذریعے مل جاتی ہے اور شہریار فوراً اسکردو پہنچ جاتا ہے اور مشابرم خان اور ماہ بانو کو آرمی کی کسٹڈی سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ماہ بانو کو چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اسے کراچی منتقل کر دیتا ہے۔ سمانی افضل قاتلانہ حملے میں مارا جاتا ہے۔ ادھر چوہدری افتخار کے آدمی اسکول کی عمارت اور ٹیچرز کی رہائش گاہ کو آگ لگا دیتے ہیں جہاں رہائش پذیر کئی اساتذہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ شہریار اس واقعے کی رپورٹ چوہدری کے خلاف درج کروا دیتا ہے۔ ماہ بانو کراچی میں میڈیکل کالج میں مہرین کے نام سے داخلہ لے لیتی ہے۔ وہاں اسے راحیلہ نامی ایک لڑکی ملتی ہے جو اس سے کافی گھل مل جاتی ہے۔ کشور اور آفتاب، افضل کے ایک دوست بابری کی مدد سے اسلام آباد میں اس کی خالہ کے گھر پناہ گزیں ہو جاتے ہیں تو کشور کو یہاں بھی سکون میسر نہیں آتا۔ خالہ کا اوباش بیٹا اسے تنگ کرتا ہے۔ ادھر چوہدری کے وفادار یارکے کچھ لوگ یرغمال بنا کر تشدد کا نشانہ بناتے ہیں جس کا الزام چوہدری شہریار پر لگاتا ہے۔ ماہ بانو کو اس کی کیلی راحیلہ اپنے بھائی سے ملوانے گھر لے جاتی ہے۔ وہاں ماہ بانو پڑوس کے بنگلے میں جاسوسوں کو دیکھتی ہے اور شہریار کو مطلع کرتی ہے۔ شہریار فوراً کراچی آ جاتا ہے۔ وہاں وہ اپنے ایک دوست کے خالی بنگلے میں ٹھہرتا ہے اور ماہ بانو کے بتائے ہوئے بنگلے کی نگرانی شروع کر دیتا ہے۔ نگرانی کے دوران اسے سرمد نظر آتا ہے۔ وہ اس سے مل کر سارا گروہ کا پتا لگاتا ہے اور ماہ بانو کی مدد سے اس پر قابو پاتا ہے۔ ادھر چوہدری کے کارندے بابر کو مار کر آفتاب اور کشور کا پتا لگا لیتے ہیں لیکن وہ وہاں سے نکل چکے ہوتے ہیں۔ ماہ بانو اپنی کیلی راحیلہ کے گھر جاتی ہے۔ وہاں واپسی پر اسے چوہدری کا کارندہ نظر آتا ہے جو اسے اشارے سے اپنے پاس بلاتا ہے مگر ماہ بانو خوف سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ جب اسے ہوش آتا ہے تو وہ راحیلہ کے گھر میں ہوتی ہے۔ ادھر کشور کی ملازمہ خاص رانی کا منگیتر اکو جنگل میں پوست کی کاشت کا پتا لگا لیتا ہے۔ اسے وہاں چوہدری کے کارندے پکڑ لیتے ہیں اور اس کا پیچھا کر کے اسے مار دیتے ہیں۔ جبار گروہ (ورما) کے لوگ ایک سینئر ڈاکٹر کی فیملی کو یرغمال بنا کر ڈاکٹر کو اس کی مدد پر آمادہ کر لیتے ہیں اور ورما کو اسپتال سے نکال لے جاتے ہیں۔ اس میں کافی لوگوں کی جانیں جاتی ہیں اور ڈاکٹرز پر تشدد کیا جاتا ہے۔ ادھر شہریار کے ماموں لیاقت رانا پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس میں وہ بچ جاتا ہے۔ شہریار خبر سن کر پریشان ہو جاتا ہے اور انہیں دیکھنے کے لیے لاہور جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر ماریا بھی اس کے ساتھ لاہور جانے کے لیے نکلتی ہے۔ راستے میں ڈاکٹر ماریا کی طبیعت کی خرابی کے باعث انہیں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں مختصر قیام کرنا پڑتا ہے اور اسی قیام کے دوران وہ ماریا کے قریب ہو جاتا ہے۔ ماہ بانو شہریار کے رویے پر پریشان ہوتی ہے اور اسی کیفیت کے زیر اثر اسے نیند نہیں آتی۔ اس کی روم میٹ ڈرگز لاکر دے دیتی ہے جسے کھا کر وہ نیند کی وادی میں اترتی چلی جاتی ہے۔ بے خبری انسان کو باتھ روم میں مارنے کی بھی مہلت نہیں دیتی۔ ماہ بانو کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

... اسے اپنے کردار کی بلندی پر جو فخر تھا، آج وہ فخر بری طرح ٹوٹا تھا اور وہ خود کو اتنی پستی میں پا رہا تھا کہ اسے لگتا تھا جتنی بھی کوشش کر لے، اس پستی سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔

اس کے احساس گناہ کو سامنے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ڈاکٹر ماریا کے آنسو وہ چند بے وے رہے تھے۔ اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان آنسوؤں کا مداوا کس طرح کرے۔ جرم اتنا بڑا سرزد ہوا تھا کہ اس کے سامنے معافی کے تمام الفاظ ہیچ تھے لیکن خاموش رہ کر اپنے جرم سے نظر بھی تو نہیں چرائی جا سکتی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ کچھ ایسا جس سے سامنے بیٹھ کر آنسو بہاتی ڈاکٹر ماریا کو اس کی شرمندگی کا احساس ہو سکے۔ بڑی مشکل سے اپنی تمام تر ہمت کو مجتمع کر کے آخر کار اس نے اسے پکار ہی لیا۔

"ماریا......" اس کی دھیمی، ندامت سے چور آواز ماریا کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے نظر اٹھا کر شہریار کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درد اور شکوہ بھرا ہوا تھا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں، ڈاکٹر ماریا! میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ میں نے تو کبھی خواب میں بھی کسی گری ہوئی حرکت کا تصور نہیں کیا تھا۔ آپ ہمیشہ میرے لیے بہت قابل احترام رہی ہیں بلکہ میں ہر عورت کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ کے ساتھ تو کیا، میں کبھی کسی کے ساتھ بھی یہ سب کرنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا... لیکن رات جانے کیا ہوا کہ میں اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھا۔" وہ بے حد الجھا ہوا تھا۔ گزشتہ شب اس نے جس طرح اپنے سارے اختیار کھوئے تھے، وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ساری عمر کی پارسائی داغ دار ہو کر رہ گئی تھی۔ اپنی اس بے اختیاری کی وجہ اسے کسی طور سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹر ماریا کوئی ایسی غیر معمولی عورت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا۔ اس کی کلاس فیلوز، فرینڈز، رشتے دار خواتین میں سے کئی ایسی تھیں جن کے حسن کے چرچے تھے اور ان میں سے کئی اس پر بری طرح فدا بھی تھیں لیکن کبھی کسی کی ترغیب نے اس کے قدم نہیں ڈگمگائے تھے... اور اب وہ کس طرح گر پڑا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی عورت کی خاطر جسے وہ ... چکا تھا اور کبھی اس کے لیے اپنے دل میں کوئی جذبہ محسوس نہیں کیا تھا لیکن گزشتہ روز جانے ایک دم ہی اسے اس میں کیا کشش محسوس ہوئی کہ اپنے حواس گنوا بیٹھا۔ وہ تو ماموں لیاقت رانا کی گاڑی پر فائرنگ کی خبر سن کر بہت عجلت میں لاہور کے لیے نکلا تھا پھر جانے کیسے جذبات کا رخ بدل گیا؟ پھر وہ سب ہو گیا جس کے بعد اس کے ہوش و حواس ہی اڑ گئے۔ اب ہوش آیا تھا تو صبح ہونے والی تھی۔

آنکھ کھلنے کے بعد اس کی نظروں نے جو سب سے پہلی چیز دیکھی تھی، وہ آنسو بہاتی ڈاکٹر ماریا تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں اور چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ گزشتہ شام کیلی کی شادی میں شرکت کے لیے پہنا گیا نفیس سوٹ اپنی ابتر حالت کے ساتھ گواہی دے رہا تھا کہ سوٹ پہننے والی کے ساتھ کیا کچھ بیتا ہے۔ شہریار کو اپنی مدہوشی میں پیش آنے والے واقعات بس دھندلے سے ہی یاد تھے۔ اس کے آؤٹ آف کنٹرول ہونے کے بعد شاید ماریا نے کچھ مزاحمت کی تھی لیکن وہ اس کے لیے اپنے اندر اتنی بے پناہ کشش محسوس کر رہا تھا کہ لگتا تھا اگر طلب پوری نہیں ہوئی تو شاید موت ہی واقع ہو جائے گی۔ وہ صحرا میں پیاس سے مرتا مسافر بن گیا تھا جس کے سامنے جیسے ہی پانی کا پیالہ آیا، وہ غٹاغٹ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اسے چڑھا گیا اور پھر یوں بے دم ہو کر سویا کہ صبح کے قریب ہی آنکھ کھل سکی۔ مدہوشی میں جا کھو دینے والی آنکھ، ہوش آیا تھا تو اٹھنے میں دقت محسوس کر رہی تھی لیکن بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح ہمت کی اور ڈاکٹر ماریا سے مخاطب ہوا تا کہ اس صورت حال سے نکلا جا سکے۔ اپنے تمام تر احساس شرمندگی کے باوجود وہ جانتا تھا کہ جو کچھ پیش آ چکا ہے، اسے خود اس کو ہی فیس کرنا ہے چنانچہ ڈاکٹر ماریا سے سلسلہ جنبانی شروع کر دیا۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر! آپ واقعی بہت باکردار انسان ہیں اور عورتوں کا بہت احترام بھی کرتے ہیں لیکن شاید میں بہ طور ڈاکٹر تو آپ کے لیے قابل احترام تھی، بطور عورت نہیں۔ آپ جن عورتوں کا احترام کرتے ہیں، وہ آپ کی نظر میں باعزت اور پارسا ہوتی ہوں گی لیکن میرے بارے میں تو آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پارسا عورت نہیں ہوں۔ میری پارسائی کو چوہدری افتخار داغ دار کر چکا ہے۔ اس داغ دار دامن پر اگر ایک داغ آپ نے بھی لگا دیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟ گندگی کے ڈھیر پر تھوڑی سی گندگی اور پھینک دو تو کسی کو کیا معلوم ہوگا لیکن آپ کو اپنے بارے میں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔ آپ کا مقام بہت بلند تھا میری نظروں میں لیکن اب......" ڈاکٹر ماریا نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا اور سسکنے لگی۔ اس کی باتیں سن کر شہریار کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تو بہت دکھ کے ساتھ بولا۔

"مجھے علم ہے کہ میں آپ کی نظروں میں اپنا کھو یا ہوا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

مقام دوبارہ کبھی حاصل نہیں کرسکتا لیکن آپ [illegible] کے بارے میں جو کچھ کہا، میں اس سے قطعی متفق نہیں ہوں۔ اگر میں یہ جانتا ہوں کہ چودھری نے آپ کی عزت کو داغ دار کر دیا ہے تو یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کس طرح اس شیطان کے شکنجے میں پھنس کر بے بس ہو گئی ہیں اور بخدا آپ کی بے بسی پر غصہ آنے کے باوجود میں نے کبھی آپ کو بُری عورت نہیں سمجھا۔ اگر آپ بُری عورت ہوتیں تو بھی میں آپ کے ساتھ بُرا نہیں کرسکتا تھا... لیکن اصل بات تو یہی ہے کہ میں نے آپ کو ہمیشہ بہت شریف اور محترم تصور کیا ہے۔'' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنی صفائی پیش کرے؟

''رہنے دیں شہریار صاحب! یہ سب زبانی باتیں ہیں۔ حقیقت وہی ہے جو آپ اپنے عمل سے ثابت کرچکے ہیں۔'' اس کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے ڈاکٹر ماریا تلخی سے بولی۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں... لیکن ظاہر ہے جو کچھ پیش آچکا ہے، اس کے بعد آپ کے لیے میری کسی بات پر یقین کرنا ممکن بھی تو نہیں ہوگا۔ میری وجہ سے آپ کا اتنا شدید نقصان ہو گیا ہے کہ اس کا مداوا بھی ممکن نہیں۔'' شہریار نے بے بسی سے اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دائیں ہاتھ کا مکا مارا۔

''اگر مداوا ممکن ہوتا تو کیا آپ کرتے؟'' ڈاکٹر ماریا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''بالکل۔'' اس نے ایک لمحے کا بھی توقف کیے بغیر جواب دیا۔

''تو پھر مجھ سے شادی کرلیں۔'' ڈاکٹر ماریا کا یہ مطالبہ اتنا اچانک تھا کہ وہ ہڑبڑا کر رہ گیا۔

''کیوں... نہیں کرسکتے نا؟ اپنی لائف پارٹنر کے طور پر تو آپ کسی اعلیٰ خاندان کی خوب صورت، پڑھی لکھی اور پارسا عورت کا انتخاب کریں گے۔'' اس نے طنز سے کہتے ہوئے لفظ ''پارسا'' پر خاص طور پر زور دیا۔

''یہ بات نہیں ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان موجود مذہب کے فرق نے مجھے اس رخ پر نہیں سوچنے دیا تھا، ورنہ شاید میں خود آپ کو یہ آفر کرتا۔'' شہریار نے خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔

''مذہب کے فرق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کے مذہب میں مرد کو اہلِ کتاب عورت سے شادی کرنے کی اجازت ہے اور میں اہلِ کتاب ہوں۔'' ماریا کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا اور یوں لگتا تھا کہ وہ شہریار کو چیلنج کررہی ہو۔

''اگر مداوے کی یہی واحد صورت ہے تو پھر مجھے قبول

[illegible] سنایا۔

''کیسی شادی.....؟ وہی جو آپ جیسے امیرزادے ہماری کلاس کی عورتوں سے کیا کرتے ہیں؟ شادی کے نام پر کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑا کر عورت کو ایک طرف بٹھا دیتے ہیں اور پھر عورت اس کاغذ کو ہاتھ میں پکڑ کر اپنے شوہر کو اس کی ہم پلہ کسی عورت کے ساتھ فخر سے گھومتا دیکھتی رہتی ہے۔ معاف کیجیے شہریار صاحب! میں باز آئی ایسی نام نہاد شادی سے۔ ایسی شادی کرنے سے بہتر ہے کہ میں چودھری کی رکھیل بنی رہوں۔ وہ شخص جیسا ہے، کم ازکم ویسا نظر تو آتا ہے۔'' ڈاکٹر ماریا کی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے آخری جملے نے تو شہریار کو سرتاپا جھلسا کر رکھ دیا۔ یعنی اب وہ اتنا گیا گزرا ہو گیا تھا کہ چودھری افتخار جیسے رذیل شخص کو بھی اس پر ترجیح دی جائے۔

''بس کرو ماریا! تم جو کچھ کہہ رہی ہو، وہ اپنے اندازوں اور مفروضوں کی بنیاد پر کہہ رہی ہو۔ میں نے اگر تم سے شادی کے لیے ہامی بھری ہے تو پھر تمہیں پوری عزت اور مقام بھی دوں گا۔ اگر یقین نہیں آتا تو ابھی میرے ساتھ لاہور چلو۔ میں تمہیں اپنے ماموں اور ممانی سے ملواؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ اس لڑکی کو میں نے اپنی لائف پارٹنر چنا ہے۔'' وہ بہت جوش سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا میں اسی حال میں آپ کے ساتھ چلوں؟'' ڈاکٹر ماریا نے اس کی توجہ اپنے حلیے کی طرف کروائی۔ وہ ٹھٹکا۔ چند گھنٹوں کے لیے ساتھی عورت کی خرابیٔ طبیعت کا بتا کر کمرا کرائے پر لینے کے بعد وہ رات بھر کے لیے یہاں رک گئے تھے تو اس صورتِ حال پر ہی جانے ہوٹل کے ملازمین میں کتنی چہ میگوئیاں ہوئی ہوں... اب اگر وہ ماریا کو اس حلیے میں لے کر باہر نکل جاتا تو سونے پر سہاگا ہو جاتا۔

''آپ کی گاڑی میں میرا بیگ رکھا ہے۔ وہ لے آئیں۔ اس میں میرے کپڑے ہیں۔'' آخر ماریا نے ہی حل پیش کیا تو وہ جھنجلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسے خود اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ جانے اس کے دماغ کو کیا ہوگیا ہے جو بالکل سامنے کی باتیں بھی سمجھ نہیں آرہیں۔ ہوٹل کے استقبالیے کے سامنے سے گزر کر وہ اپنی گاڑی کی طرف گیا تو اسے لگا کہ استقبالیہ پر بیٹھا ہوٹل کا مالک اور گاہکوں کو آرڈر سرو کرنے والے ملازمین اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان نظروں کی زبان کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتا ہوا وہ باہر نکلا اور گاڑی کی پچھلی نشست پر رکھا ڈاکٹر ماریا کا بیگ نکال کر ہوٹل کے اندر آیا۔

[illegible] مالک نے اسے پکار کر سوال کیا۔ سوال سے زیادہ اس کے چہرے پر موجود معنی خیز مسکراہٹ نے شہریار کو چڑا دیا۔ اس مسکراہٹ کے ذریعے گویا وہ اسے جتا رہا تھا کہ ساتھی خاتون کی بیماری کا بہانہ کر کے چند گھنٹوں کے لیے کمرا کرائے پر لینے والے نے رات وہاں کیوں گزاری... میں جانتا ہوں۔

''تھینکس... ناشتے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شہریار نے سردمہری سے جواب دے کر آگے بڑھ جانا چاہا۔

''اچھا جی، جیسی آپ کی مرضی... پر یہ دوا تو لیتے جائیں۔ کل میرا آدمی وقت پر لے آیا تھا۔ میں آپ کے کمرے میں دینے بھی گیا تھا لیکن جناب نے دستک پر دروازہ ہی نہیں کھولا۔ میں نے بھی سوچا کہ آپ لوگوں کے آرام میں دخل نہ دوں... اگر ضرورت ہوئی تو آپ خود ہی کسی وقت دوا مانگ لوگے، پر شاید ضرورت نہیں رہی تھی۔'' وہ دوٹکے کا شخص باتوں باتوں میں اسے بہت کچھ کہے جارہا تھا اور اس کی مجبوری تھی کہ اسے وہ سب کچھ سننا پڑ رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی ٹھوکر کھائی تھی اور اس ٹھوکر نے اسے ذلت کے ایسے گڑھے میں گرا دیا تھا جس سے نکلنے کا طریقہ اسے خود بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

''ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔ آپ بل بنا کر بھیج دیں، میں پے کردوں گا۔'' ہوٹل مالک کی ساری بکواس کے جواب میں اس نے صرف ایک بات کی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کمرے میں موجود ماریا نے اس کی عدم موجودگی میں خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ شہریار نے اسے بیگ تھمایا تو وہ اس میں سے اپنے کپڑے نکال کر غسل خانے میں چلی گئی۔ اس کے فارغ ہوکر باہر نکلنے تک ہوٹل کا ایک ملازم بل لے آیا تھا۔ اسے بل کی ادائیگی کرکے وہ لوگ فوراً ہی وہاں سے روانہ ہوگئے۔

لاہور تک کا باقی سفر انہوں نے بے حد خاموشی سے گزارا۔ ماریا نے کئی بار نظر اٹھا کر شہریار کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور وہ اس سے قطعی بے نیاز ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ اس کے ہونٹوں پر لگا چپ کا تالا اتنا مضبوط تھا کہ وہ اپنے موبائل پر آنے والی کالز بھی ریسیو کرنے کی زحمت نہیں کررہا تھا۔ وہ ایک مکمل طور پر گونگے بہرے شخص کی طرح برتاؤ کررہا تھا۔ لاہور کی حدود میں داخل ہونے کے بعد صرف چند لمحوں کے لیے اس کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ اس نے خود اپنے موبائل سے کال کرکے یہ معلوم کیا تھا کہ مسز آفرین رانا اب بھی اسپتال میں ہی ہیں یا گھر شفٹ ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف سے اسے کیا جواب دیا گیا، ماریا نہیں جان سکی لیکن جب سفر کے اختتام پر وہ ایک کوٹھی کے سامنے جا کر رکے تو اس نے جان لیا کہ وہ شہریار کے ماموں [illegible] اے لیاقت رانا کی رہائش گاہ پر پہنچ چکے ہیں۔

گیٹ کے سامنے پہنچ کر شہریار نے ہارن دیا تو چوکیدار نے جھانک کر دیکھا اور اسے پہچان کر ہاتھ کے اشارے سے زوردار سلام کرتے ہوئے مستعدی سے پورا گیٹ کھول دیا۔ شہریار تیزی سے گاڑی اندر لے گیا۔

''آئیں میرے ساتھ۔'' پورٹیکو میں گاڑی روک کر اترتے ہوئے اس نے ماریا سے یہ چند لفظی جملہ کہا اور اس کی طرف منتظر نظروں سے دیکھنے لگا۔ ماریہ دروازہ کھول کر آہستگی سے باہر نکل آئی۔ اس کے بشرے سے ظاہر تھا کہ وہ اب تک بے یقینی کا شکار ہے اور یہاں تک پہنچ جانے کے باوجود امید نہیں رکھتی کہ شہریار نے جو کچھ ہوٹل میں اس سے کہا تھا، اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ اس کے تاثرات سے بے نیاز شہریار اسے اپنے ساتھ لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا رخ اپنے ماموں ممانی کے بیڈروم کی طرف تھا۔ بیڈروم کے دروازے پر پہنچ کر اس نے آہستہ سے دستک دی۔

''یس کم اِن۔'' اندر سے مسز آفرین رانا کی بوجھل سی آواز آئی۔ وہ دروازہ بے آواز کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ماریا بھی خود کار انداز میں اس کے ساتھ تھی۔

''شیری.....'' آفرین رانا جو شاید کسی ملازم کی آمد کی توقع کررہی تھیں، اسے اچانک سامنے پاکر خوشی سے چیخ پڑیں اور فوراً ہی بستر سے اٹھتے ہوئے اس کے لیے اپنی بانہیں وا کردیں۔ شہریار نے آگے بڑھ کر انہیں خود سے لپٹا لیا۔ اس کے سینے سے لگتے ہی وہ سسکنے لگیں۔

''پتا نہیں کون ہے جو ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ پہلے شیبا گئی پھر سجاد اور اب جانے کس کو نشانہ بنانا چاہا تھا دشمنوں نے۔ پوری گاڑی گولیوں سے چھلنی ہوگئی ہے۔ دیکھو شیری! میں بتا رہی ہوں کہ اگر اب کسی کو کچھ ہوا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔'' وہ روتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں۔ یہ ایک ایسی عورت کے جذبات تھے جس نے اپنی نوعمر پوتی اور اکلوتے بیٹے کی موت کا دکھ سہا تھا۔ اس شکستہ دل عورت کے لیے واقعی اب مزید کچھ اور برداشت کرنا مشکل تھا۔ شہریار دھیرے دھیرے ان کی پشت سہلاتا انہیں چپ کروانے کی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کوشش کرتا رہا۔

"نیک اٹ ایزی ممانی جان! اگر آپ اس طرح روتی رہیں تو آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"ہونے دو میری طبیعت خراب۔ اپنے بچوں کے بعد اب میں جی کر کروں گی بھی کیا؟" وہ بہت زیادہ اعصابی تناؤ کا شکار تھیں۔

"کیوں، میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں کیا؟ آپ میری خاطر جینے کا کیوں نہیں سوچتیں؟" شہریار نے شکوہ کیا۔

"تم تو میری جان ہو۔ اگر تم نہیں ہوتے تو میں سجاد کے بعد ایک سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔ تم ہی تو ہو جس کی خاطر میرے اندر تھوڑی سی زندگی باقی ہے۔" انہوں نے شہریار کے شکوے کے جواب میں اس کی بلائیں لیتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے ان سے شکوہ کیا ہی اس لیے تھا کہ ان کا دھیان بٹ سکے اور وہ اعصابی تناؤ سے تھوڑا سا باہر آجائیں۔ اس کی یہ ترکیب کارگر رہی تھی اور وہ رونا دھونا بھول کر اس کی فکر میں مبتلا ہو گئیں۔

"میں بھی بیوقوف ہوں۔ تم اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو، بجائے تمہاری خاطر مدارات کرنے کے رونے دھونے بیٹھ گئی۔ آؤ یہاں بیٹھو، میں تمہارے لیے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو منگواتی ہوں۔" انہوں نے گویا تلافی کی کوشش کی۔ وہ شہریار میں اتنی بری طرح الجھی ہوئی تھیں کہ اب تک انہوں نے کمرے میں ماریا کی موجودگی کا نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔

"یہ سب کرتی رہیے گا لیکن پہلے ان سے تو ملیں۔ یہ ڈاکٹر ماریا جوزف ہیں۔" شہریار نے خود ہی انہیں ماریا کی طرف متوجہ کیا۔

"مجھے کسی ڈاکٹر واکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ماموں جان بھی مجھے اسپتال میں ایڈمٹ کروانے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں ہرگز اسپتال میں نہیں رہوں گی۔ آپ کو شوق ہے تو آپ خود رہیں۔" ماریا کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ سن کر انہوں نے یہی گمان کیا کہ شہریار اسے ان کے علاج کے لیے لے کر آیا ہے اس لیے فوراً احتجاج کرنے لگیں۔

"اس ڈاکٹر کو تو اب آپ کو ساری زندگی برداشت کرنا پڑے گا۔" ان کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے شہریار نے انہیں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

[illegible]

"وہ مختار بھائی سے ملنے گئے ہیں۔" [illegible] کے سوال کا جواب تو دے دیا لیکن ماریا پر لگی الجھی ہوئی نظریں بتا رہی تھیں کہ ان کا ذہن شہریار کی بات میں ہی اٹکا ہوا ہے۔

"ادھر آئیں، یہاں بیٹھیں۔" شہریار ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کر انہیں ایک ٹو سیٹر تک لے گیا۔ ماریا کو بھی اس نے اشارے سے ایک سنگل صوفے پر بیٹھنے کا کہہ دیا تھا۔ اس کشادہ بیڈ روم میں وسیع و عریض بیڈ کے علاوہ روم ریفریجریٹر اور مکمل صوفہ سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ گھر کے افراد بعض اوقات ان کے بیڈ روم میں جمع ہوتے تھے تو اس سیٹنگ کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے میں آسانی رہتی تھی۔

"آپ بہت دنوں سے اصرار کر رہی تھیں نا کہ اب مجھے..." اس نے ماریا سے شادی کا فیصلہ سنانے کے لیے گفتگو کا آغاز کیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز ابھری اور مریم سجاد رانا کمرے میں داخل ہوئی۔

"مجھے معلوم ہوا کہ شہریار آیا ہے تو میں ملنے کے لیے چلی آئی۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن یہ مسکراہٹ بے حد پھیکی تھی۔ شینا اور سجاد رانا کی موت نے اسے بالکل گھلا کر رکھ دیا تھا۔ بہت زیادہ عمر نہ ہونے کے باوجود وہ بوڑھی سی دکھائی دینے لگی تھی۔

"السلام علیکم بھابی! آئیں بیٹھیں۔ اچھا ہوا کہ آپ خود آگئیں ورنہ میں آپ کو بلوانے ہی والا تھا۔" شہریار نے خوش گوار انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اس خوش گواری کا مظاہرہ کرنے کے لیے اسے اپنے آپ پر اچھا خاصا جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ پچھلے چند گھنٹوں میں اس کے ساتھ جو کچھ پیش آچکا تھا وہ اس کے لیے اتنا ہولناک تھا کہ اگر اسے اپنے پیاروں کی پروا نہ ہوتی تو وہ عمر بھر مسکرانا ہی چھوڑ دیتا۔ اس وقت وہ اپنی زندگی کے بہت بڑے امتحان سے گزر رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی کا اتنا اہم رشتہ اس طرح جوڑے گا کہ اس رشتے کی بنیاد نہ تو محبت پر ہوگی، نہ ہی پسند پر۔ وہ یہ اہم ترین رشتہ خود سے سرزد ہونے والے گناہ کی تلافی کے لیے جوڑنے جا رہا تھا۔

"لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔" مریم نے بیٹھتے ہوئے وہاں موجود ماریا پر ایک گہری نظر ڈالی اور بولی۔ یقیناً ایک اجنبی لڑکی کی آفرین رانا کے بیڈ روم میں شہریار کے ساتھ موجودگی خاصی معنی خیز تھی۔

[illegible] بات [illegible] پر [illegible] ان دی جو خاصی دھماکا خیز تھی... خصوصاً مسز آفرین رانا کے لیے۔ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا کہ شہریار نے اس لڑکی کا تعارف ماریا جوزف کے نام سے کروایا تھا۔ یعنی وہ اپنی شریکِ حیات کے طور پر ایک غیر مسلم لڑکی کا انتخاب کر چکا تھا۔ اگرچہ یہ بات ان کی کلاس میں اتنی انوکھی نہیں تھی لیکن خود ان کا خاندان میں کبھی ایسا اتفاق پیش نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

آنکھ بند ہونے اور کھلنے کے درمیان زندگی میں اتنا بڑا انقلاب برپا ہو جائے گا، یہ ماہ بانو نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ رات وہ اپنی روم میٹ کی دی ہوئی ٹرنکولائزر کھا کر سوئی تھی تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ہاسٹل کے بجائے کسی اور جگہ آنکھ کھلے گی۔ کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہیں آسکا تھا کہ ہاسٹل کا وہ بے رونق چھوٹا سا کمرا اس بے سجائے کشادہ کمرے میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ لیکن پھر جلد ہی اسے سمجھ آگئی کہ صرف کمرے کا نقشہ اور حدود اربع نہیں بدلا ہے، باقی سب کچھ بھی بدل گیا ہے۔ وہ جس کمرے میں تھی، وہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کمرا تو بے شک اجنبی تھا لیکن دیوار پر لگی فریم شدہ تصویر تعارف کروا رہی تھی کہ کمرے کا مالک کون ہے اور ایک بار پھر کس کی قید میں پہنچ چکی ہے۔ کف لگے شلوار کرتے میں، سر پر اونچے شملے کی پگڑی باندھے وہ سو فیصد چودھری افتخار عالم شاہ ہی تھا جس کی اندرونی خباثت تصویر میں بھی چہرے سے جھلک رہی تھی۔

ماہ بانو وحشت زدہ انداز میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تیر کی طرح دروازے تک پہنچی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ ہینڈل سے کچھ دیر کی زور آزمائی کے بعد جب وہ تھک گئی تو زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔ اس کی اس حرکت کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور دروازے کے دوسری طرف یوں خاموشی چھائی رہی جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔ آخرکار ماہ بانو کو تھک ہار کر یہ کوشش بھی ترک کرنی پڑی۔ وہ واپس آکر بیڈ پر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟ وہ تو شہریار کی بے رخی کے سوگ میں رت جگا منا رہی تھی کہ اپنی روم میٹ کے مشورے پر اس کی دی ہوئی ٹرنکولائزر کھا کر سو رہی۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ اس پر کیا گزری اور وہ کیسے یہاں تک پہنچی؟ اگر وہ اس وقت حیدرآباد میں تھی تو کراچی سے حیدرآباد کا فاصلہ اتنا مختصر تو نہیں تھا

کہ وہ صرف ایک گولی کے نشے کے زیرِ اثر سوتی رہتی، وہ بھی [اس] عالم میں کہ سرے سے آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ اس صورت [حال] پر اس کے ذہن میں خود بخود یہ خیال ابھر رہا تھا کہ شاید اس کی روم میٹ نے اس کے ساتھ دھوکا کیا تھا اور ٹرنکولائزر کے نام پر کوئی ایسی طاقتور نشے کی گولی دی تھی جس نے اسے بے ہوش ہی کر ڈالا تھا... لیکن اس صورت میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر چودھری نے اس کے ہاسٹل تک رسائی کیسے حاصل کی؟ کیا چودھری کے اثر و رسوخ کے سامنے ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئی تھیں؟ وہ اس کا نام بدل کر رہ[نا]، باہر نکلنے کے لیے نقاب استعمال کرنا، اپنے کسی جاننے وا[لے] سے رابطہ نہ کرنا، سب بے کار چلا گیا تھا؟ اور وہ جس آسیب سے بھاگتی پھر رہی تھی پھر اس کے شکنجے میں پھنس چکی تھی۔ شا[ید] اس کے دل کو اس انہونی کی پہلے ہی خبر ہو گئی تھی جب ہی [وہ] مسلسل گھبرائے جا رہا تھا اور اسی گھبراہٹ کی وجہ سے [اس] نے شہریار کی طرف سے عائد پابندی کو نظرانداز کر کے [اسے] فون کرنے کی جسارت کر لی تھی... لیکن اس نے اس کی با[ت] سنی ہی نہیں اور اب وہ یہاں تھی۔ چودھری کے نہ جانے [کس] ٹھکانے پر۔ معلوم نہیں کوئی اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں تک بھی پاتا یا نہیں؟ وہ ساپنوں کی طرح ڈستے کئی سوالوں [کے] درمیان پھنسی عجیب ادھیڑبن میں بیٹھی تھی کہ دروازہ ہلکی [آواز] کے ساتھ کھلا۔ اس نے آواز پر چونک کر دروازے کی ط[رف] دیکھا۔ کھلے دروازے سے چودھری اندر داخل ہو رہا [تھا۔] اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"لے بھئی لگے۔ یہ تو اپنی ماہ بانو بیگم صاحبہ ہے۔" [اس] سے نظر ملتے ہی وہ طنز بھرے لہجے میں بولا تو ماہ بانو نے [اس] سے اپنے چہرے کا رخ بدل لیا۔

"نہ کڑیے! ایسے منہ نہ موڑ... اس بوجھے کو دیکھ[و] لیے تو ہم نے جانے کدھر کدھر کی خاک چھانی ہے۔ [تو] بھاگے ہی تیرے پیچھے۔ فیر سنا کہ تو پہاڑوں پر دھا[وا] مر گئی ہے۔ مت پوچھ تیرے مرنے کا سن کر دل پر کیا [گزری] تھی۔ ایسا سوہنا چہرہ اور مکھن ملائی سا بدن ہم سے وا[لے] بغیر ہی ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا... یہ سن کر کلیجا منہ کو آ گیا [تھا۔"] ماہ بانو کے رخ پھیرنے پر مزید ڈھٹائی کا مظاہرہ [کرتے] ہوئے اس کے قریب چلا آیا اور اس کے بازوؤں [پر] ہاتھ پھیرنے لگا۔

"دور رہو مجھ سے غلیظ آدمی۔" ماہ بانو نے یوں [اپنے] ہاتھ جھٹکے جیسے وہ انسانی ہاتھ نہ ہوں، رینگتے ہوئے [کیڑے] ہوں۔ ویسے اسے چودھری کی معلومات پر حیرت [تھی]

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اس کے بارے میں ساری خبریں تھیں۔

"واہ بھئی واہ... تو تو اب بھی ویسی ہی تیکھی ہے۔" چودھری خباثت سے ہنسا پھر بولا۔

"ویسے تیرا نخرے کرنا بنتا ہے۔ آخر اے سی شہریار کا ہتھ ہے تجھ پر۔ اب تک وہی تو مرغی کی طرح تجھے اپنے پروں میں چھپاتا رہا ہے... پر دیکھ لے، ہماری لگن بھی سچی تھی۔ ہم تجھے وہاں سے بھی نکال لائے جہاں کسی کا دھیان ہی نہیں جا سکتا تھا۔ مہرین... واہ بھئی واہ! کیا سوہنا نام چنا تھا تو نے اپنے لیے۔ ویسے سچ بتا تو نے چنا تھا یا اپنے اے سی صاحب نے؟ آدمی وہ بھی کم باذوق نہیں ہے۔ ایسے ہی تو ہمارا رقیب نہیں بن گیا۔ اس کا بھی دل آ گیا ہوگا تیری جیسی سوہنی کڑی پر۔" چودھری مسلسل اس کے ساتھ مشغول کر رہا تھا۔ اس کی بات سن کر ماہ بانو کا دل بھر آیا۔ ایک یہی تو یقین نہیں تھا اس کے پاس کہ شہریار نے بھی اپنا دل اس کے آگے ہارا ہوگا۔ وہ مہربان بھی ہوتا تھا تو اس طرح کہ انسانیت کے نام پر ہمدردی کرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس جذبے کا تو پتا ہی نہیں چلتا تھا جسے محبت کا نام دیا جاسکے۔

"تمہیں میرے بارے میں کس نے اطلاع دی کہ میں کراچی میں ہوں؟" تمام باتوں سے اپنا دھیان ہٹاتے ہوئے اس نے اس شخص کا نام جاننا چاہا جو اس کی اسیری کا سبب بنا تھا۔

"اطلاع... ہا... یہ بھی خوب سوال پوچھا تو نے۔ گل یہ ہے بی بی کہ جدھر پیسا ہو ادھر سب کچھ کھنچا چلا آتا ہے۔ پیسے کے لیے ادھر لوگ اپنے باپ کو بیچ دیتے ہیں، خبریں پہنچانا کون سی وڈی گل ہے۔" چودھری نے جو جواب دیا، اس سے ماہ بانو کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی البتہ اس نے اتنا ضرور سمجھ لیا کہ اس کی جان پہچان کے کسی شخص نے ہی مخبری کی ہے۔ وہ صبر سے چودھری کی بڑکیں سننے لگی کہ شاید وہ وحشی میں مخبر کا نام بھی بتا دے لیکن اس سے قبل ہی چودھری کا موبائل بجنے لگا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کال شاید کسی خاص شخصیت کی طرف سے تھی۔ وہ جوش و خروش سے حال احوال دریافت کرنے لگا۔

"کیا دس رہے ہو تسی۔ یہ تو بہت ہی وڈی خبر ہے۔" فون کرنے والے نے نہ جانے کیا خبر سنائی تھی کہ چودھری پھڑک اٹھا۔

"بہت بہت مبارک ہو جی! آپ کو اے سی داماد مل رہا ہے۔" چودھری زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا اور ماہ بانو کو نظرانداز کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے [illegible] بانو کسی قسم کی حرکت کرنے سے قاصر رہتی۔ اس کا ذہن تو چودھری کے جملے میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ جانے فون پر کون تھا جسے چودھری اے سی داماد ملنے پر مبارک باد دے رہا تھا۔ ملک بھر میں صرف ایک شہریار ہی اے سی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس پوسٹ پر بہت سے لوگ کام کر رہے تھے لیکن وہ تو بس ایک شہریار کو ہی جانتی تھی... اور اگر وہ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا تو یہ خبر اس کے دل میں چٹکی محبت کی نوخیز کلی کے لیے سخت آندھی کی طرح تھی۔ اس تند و تیز آندھی کی زد میں آ کر وہ نوخیز کلی بری طرح لرز رہی تھی۔ محبوب کو نہ پا سکنا شاید بھی اتنا بڑا حادثہ نہیں ہوتا جتنا اس کا کسی اور کے ہو جانے سے صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ بھی ایسے ہی کسی صدمے کی زد میں تھی۔

☆☆☆

شہریار بے یقینی کے انداز میں آئی جی مختار مراد کی شکل دیکھ رہا تھا۔ مختار مراد نے اسے ورما کے فرار کی خبر سنا کر شاکڈ کر دیا تھا۔ ایک ایسا شخص جس سے اس کی صرف ذاتی دشمنی ہی نہیں تھی بلکہ وہ ملک و قوم کا بھی مجرم تھا... ہاتھ آنے کے بعد اتنی آسانی سے بھاگ نکلا تھا، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ورما کی گرفتاری کے لیے اس نے معمولی جدوجہد نہیں کی تھی۔ اس نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے اس شخص کو شکنجے میں کسا تھا۔ اس کا ورما کی گرفتاری کی خاطر کراچی جانا اور پھر ماہ بانو کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ پر چھاپا مارنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس سرگرمی کے نتیجے میں وہ خود بھی ورما کے ہاتھ سے نقصان اٹھا سکتا تھا۔ کسی کے علم میں آنے پر اس کی نوکری بھی جا سکتی تھی لیکن اس نے کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر صرف اور صرف ورما کو پکڑنا ضروری سمجھا تھا اور اب اسے بتایا جا رہا تھا کہ ورما فرار ہو چکا ہے۔ وہ تو خود کو ملنے والے ایک دھمکی آمیز پیغام کو مختار مراد سے ڈسکس کرنے آیا تھا۔ آج لاہور پہنچنے کے صرف دو گھنٹے بعد اسے ایک عام سے لفافے میں کوریئر سروس کے ذریعے یہ پیغام بھیجا گیا تھا۔ لفافے میں موجود کاغذ پر ایک مختصر تحریر درج تھی۔

"خود کو ہمارے معاملات سے الگ رکھو ورنہ اپنے پورے خاندان کو کھو دو گے۔ ابھی ہم نے تمہیں صرف وارننگ دی ہے۔" اس تحریر کو پڑھ کر وہ الجھ گیا تھا کہ اسے یہ دھمکی دینے والا کون ہے۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے اپنے لیے خاصی دشمنیاں پال لی تھیں۔ ایک طرف اگر چودھری افتخار عالم شاہ سے اس کے ڈھیروں اختلافات تھے تو دوسری

[illegible] لیکن ورما کی گرفتاری کی شکل میں اس کی حالیہ جھڑپ "را" والوں ہی سے ہوئی تھی۔ پھر لیاقت رانا کی گاڑی پر جس منظم طریقے سے فائرنگ کی گئی تھی، اس سے بھی یہی لگتا تھا کہ اس کام کے پیچھے عام غنڈے بدمعاشوں کے بجائے تربیت یافتہ لوگ ہیں اس لیے اس کا زیادہ شک "را" کی طرف ہی جا رہا تھا۔ اپنے شک کی تصدیق کرنے کے لیے وہ مختار مراد سے ملنے آیا تھا لیکن یہاں تو ایک اور ہی خبر اس کی منتظر تھی۔ مختار مراد نے اس کے شکوک کی تائید کرتے ہوئے اسے بتایا کہ حملہ یقیناً "را" والوں کی طرف سے ہی کیا گیا تھا کیونکہ ورما کے فرار کے بعد انہیں یہ علم ہو گیا ہوگا کہ اسے گرفتار کروانے والا شہریار ہے۔

"آپ نے اتنی بڑی خبر مجھ سے چھپا کر رکھی۔" کچھ دیر بعد وہ بولنے کے لائق ہوا تو اس نے مختار مراد سے شکوہ کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ خبر سن کر بہت پریشان ہو جاؤ گے اس لیے میں نے تمہیں خبر نہیں دی لیکن یہ جو نئی صورت حال سامنے آئی ہے اور تمہیں دھمکی آمیز پیغام ملا ہے، اس کے بعد مجھے لگا کہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہیے تاکہ تم اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے محتاط ہو جاؤ۔ میں تو شروع ہی سے تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ خود کو ایسے معاملات میں ملوث نہیں کرو۔ رانا صاحب کی فیملی کے لیے تم بہت اہم ہو۔ سجاد کو کھونے کے بعد ان کے پاس تم ہی بچے ہو۔ نہ وہ تمہیں کھونا برداشت کر سکتے ہیں، نہ تمہیں ان میں سے کسی کا نقصان برداشت ہوگا۔ تمہارے دشمن بھی یہ بات سمجھتے ہیں اور رانا صاحب کی گاڑی پر فائرنگ کروا کر وہ اسے باور بھی کروا چکے تھے۔" مختار مراد ہمیشہ کی طرح اسے نصیحتیں کرنے لگا۔ وہ ہونٹ بھینچے اس کی ساری باتیں سنتا گیا۔ اندر ابلتا جذبات کا لاوا اپنی جگہ لیکن مختار مراد کی حیثیت اس کے لیے ایک بزرگ کی تھی جس سے اختلاف ہونے کے باوجود وہ اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔

"ورما کس طرح فرار ہوا؟ کیا اس کی سیکیورٹی کا انتظام ٹھیک طرح نہیں کیا گیا تھا؟" مختار مراد کے خاموش ہونے کے بعد اس نے سوال کیا۔

"اصل میں وہ ابھی تک کراچی پولیس کی ہی کسٹڈی میں تھا۔ اسے اس نوعیت کے زخم آئے تھے کہ فوری طور پر یہاں منتقل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اسے ایک بڑے پرائیویٹ اسپتال کے اسپیشل روم میں رکھا گیا تھا۔ سیکیورٹی کا بھی ٹھیک ٹھاک انتظام تھا لیکن اس کے ساتھیوں نے گیم ایسا کھیلا کہ سیکیورٹی والے بھی مار کھا گئے۔ انہوں نے اسپتال کے سینئر سرجن ڈاکٹر نقوی کو ٹریپ کر کے اس طرح کی سچوئیشن کری ایٹ کی کہ انہیں ورما کو فرار کروانے میں کافی آسانیاں مل گئیں۔" وہ اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ کس طرح ڈاکٹر نقوی کے نواسے کو اسکول سے واپسی میں اغوا کیا گیا اور پھر اس کے گھر کی خواتین کو ہراساں کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے مطالبہ کیا گیا کہ اگر اپنے نواسے کی واپسی چاہتے ہو تو ہمارے احکامات کی تعمیل کرو۔

"اپنے اکلوتے نواسے کی خاطر ڈاکٹر نقوی نے ان لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بننا قبول کر لیا اور جو کچھ اس سے کہا گیا، اس پر عمل کر ڈالا... لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان ظالموں نے اس کا نواسا اس صورت میں اسے واپس کیا کہ وہ زندہ نہیں تھا۔ انویسٹی گیشن ٹیم کے سامنے جو سچوئیشن آئی تھی، اس سے انہیں شک تو ہو گیا تھا کہ ورما کے فرار میں ڈاکٹر نقوی نے مدد دی ہے لیکن خود ڈاکٹر نقوی اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا... نواسے کی موت کی اطلاع ملی تو وہ ہمت ہار بیٹھا اور اس نے تفتیشی افسر کو سب کچھ بتا دیا... لیکن اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسے صحیح طرح اندازہ نہیں تھا کہ جو کچھ اس سے کرنے کو کہا جا رہا ہے، اس کا کیا ری ایکشن سامنے آئے گا۔ اس سے تو صرف اتنا مطالبہ کیا گیا تھا کہ کسی بہانے سے ورما کو اسپتال کے گراؤنڈ فلور تک بھجوا دو۔ اسپتال میں ہر نوعیت کی لیبارٹریز گراؤنڈ فلور پر ہیں چنانچہ ڈاکٹر نقوی نے اسکیننگ کے بہانے اسے نیچے بھجوا دیا۔ وہاں ورما کے ساتھی وزیٹرز کے بہروپ میں پہلے ہی سے تیار تھے۔ انہوں نے اچانک ہی اس طرح حملہ کیا کہ سیکیورٹی اہلکاروں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" مختار مراد نے اسے ساری تفصیل کہہ سنائی۔

"یہ بہت برا ہوا۔ اب دوبارہ ورما پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوگا۔ وہ مکمل طور پر چھپ کر بیٹھ جائے گا اور اپنی کارروائیاں کرتا رہے گا۔" شہریار کا افسوس کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"کرنے دو اسے کارروائیاں۔ وہ کوئی ایک تو نہیں ہے۔ ایسے کتنے لوگ ہیں جو ہمارے درمیان رہ کر ہمارے ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس طرح کا گیم تو ساری دنیا میں کھیلا جا رہا ہے۔ ہر ملک نے اپنی خفیہ ایجنسیز کو دوسرے ملکوں میں پھیلا رکھا ہے۔ ان کے ایجنٹ جاسوسی کے ساتھ ساتھ تخریبی کارروائیاں بھی کرتے رہتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا واسطہ ایک ایسے دشمن سے پڑا ہے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

جو کینہ پرور اور کم ظرف ہے چنانچہ ہمارے لیے مسائل بھی زیادہ کھڑے کرتا ہے۔ تم اتنی ٹینشن مت لو۔ ہمارے افسران کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح ورما کو دوبارہ گرفت میں لیا جا سکے۔ انشاء اللہ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ تم سب کچھ بھول بھال کر اس وقت اپنی خوشی میں خوش رہو۔ میری مریم سے بات ہوئی تھی، اس نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے اور جلد از جلد شادی کرنا چاہتے ہو۔ مجھے یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی خوش رہو۔ شادی انسان کی زندگی کا بہت اہم موقع ہوتا ہے اور میری خواہش ہے کہ تم اس موقع کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرو۔ بہت بڑے بڑے صدمے سہنے کے بعد رانا فیملی ایک خوشی دیکھنے جا رہی ہے۔ اگر اس موقع پر تم ہی اپ سیٹ رہے تو باقی لوگ کس طرح انجوائے کریں گے؟ یہ زندگی ہے بیٹا! یہاں بہت کچھ ہماری مرضی اور خواہش کے برخلاف ہوتا ہے اور ہمیں اسے نظر انداز کر کے خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں بزرگانہ شفقت اور خلوص جھلک رہا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، شہریار کے حالات سے کتنا قریب تھا خود اسے بھی نہیں معلوم تھا لیکن خود شہریار کی اندرونی کیفیت رقیق ہو رہی تھی۔ اس کی ذاتی زندگی میں جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونے جا رہا تھا، وہ اس کی مرضی اور خواہش کے کتنا برخلاف تھا... یہ تو وہ خود ہی جانتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار لڑکھڑانے والے قدموں نے اس کی زندگی کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا تھا لیکن وہ کسی پر کچھ بھی ظاہر کیے بغیر سمندر کے سے سکوت کے ساتھ سب کچھ خود ہی سہہ رہا تھا۔

ڈاکٹر ماریا کو اپنی پسند قرار دے کر اس نے اس کے غیر مسلم ہونے کا اعتراض بھی رد کر ڈالا تھا۔ رانا ہاؤس میں اس کے اس فیصلے کو قبول کر لیا گیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اتنے خوش نہیں ہیں جتنے ماریا کے مسلمان ہونے کی صورت میں ہوتے۔ ان کی یہ نیم دلی خود اس کے لیے بہت دکھ کا سبب تھی لیکن وہ مجبور تھا... بے حد مجبور کیونکہ وہ اس مرحلے پر ماریا کو اپنانے سے انکار کر کے اپنے ضمیر کی مار نہیں سہہ سکتا تھا۔ اس کے پاس دو ہی راستے تھے، اگر وہ اپنے دل کی خوشی دیکھتا تو ماریا کو اس کے حال پر چھوڑ سکتا تھا۔ کون تھا جو اس کا گریبان پکڑ سکتا تھا؟ لیکن وہ تو ضمیر کی عدالت میں پھنس گیا تھا۔ ضمیر اسی صورت میں... مطمئن ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے چنانچہ اس نے دل کی خوشی کے مقابلے میں ضمیر کے اطمینان کو ترجیح دینا تھا۔

تیرے پیو نے [...] رکھیلیں [...] اس کی عیاشیاں دیکھتے اور برداشت کرتے۔ وہ مجھ پر سوکن لا کر بٹھاتا گیا، میں نے سہہ لیا۔ طوائفوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا، میں کچھ نہیں بولی۔ پچھلے دنوں وہ شمع آ کر حویلی میں رہی، تب بھی زبان بند رکھی... پر اس ماہ بانو کی بچی کو نہیں برداشت کر سکتی۔ پہلی سوکنیں میں نے اس لیے برداشت کر لی تھیں کہ وہ خاندانی عورتیں تھیں۔ کسی کی کمین کو تیرے باپ نے میری برابری میں لا کر نہیں بٹھایا تھا، پر اب وہ ایسا کرنے لگا ہے۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والوں کی اولاد اگر برابری میں آ جائے گی تو فرق ہی کیا رہے گا ہم میں اور اس میں؟ تیرا پیو اگر اسے رکھیل بنا کر رکھتا تو میں کچھ نہ کہتی کہ آخر اس کا طوائفوں کے پاس جانا بھی تو برداشت کرتی ہوں۔ ہر وڈے زمیندار کی گھر والی کو برداشت کرنا بھی پڑتا ہے، پر طوائف سے دل بہلانے اور نیچ خاندان کی عورت کو بیوی بنانے میں وڈا فرق ہوتا ہے۔ میں نے تو شکر کیا تھا کہ وہ چڑیل کہیں دفعان ہو گئی اور تیرے پیو کے سر سے ایک ہور ویاہ رچانے کا بھوت اترا لیکن وہ تو اسے پھر سے لے آیا ہے اور لا کر رکھا بھی حویلی کے مہمان خانے میں ہے... جس کا مطلب ہے کہ وہ اس کمی کی چھوکری سے ویاہ ضرور رچائے گا۔"

وڈی چودھرائن اپنی بڑی بیٹی تاجور کے سامنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ اگرچہ چودھری نے بہت خفیہ طور پر ماہ بانو کو مہمان خانے میں رکھا تھا لیکن وڈی چودھرائن تو پھر وڈی چودھرائن تھی۔ حویلی کا انتظام و انصرام اس کے ہاتھ میں تھا تو ایسے ہی نہیں تھا۔ اس کے جاسوس حویلی میں پیش آنے والے معمولی سے معمولی واقعے کی اطلاع بھی اس تک پہنچاتے تھے۔ عملی طور پر حویلی کی عورتوں کا مہمان خانے سے تعلق نہ ہونے کے باوجود اسے وہاں ٹھہرنے والے مہمانوں کے بارے میں سب معلوم ہوتا تھا کہ کون کب وہاں آیا اور کب تک ٹھہرا۔ ماہ بانو وہاں لا کر رکھی گئی تو بھی اس سے چھپ نہیں سکا۔ ماہ بانو کی حویلی میں موجودگی کا سن کر اسے پتنگے لگ گئے لیکن اس نے جذبات میں چودھری سے بھڑنے کے بجائے اپنی مشیر خاص تاجور کو بلا بھیجا۔ بڑی بیٹی ہونے کے ناتے وہ ماں سے بہت قریب تھی اور وہ اکثر اس سے مشاورت کرنا پسند کرتی تھی۔ اس وقت بھی وڈی چودھرائن نے اس کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر کی سوچ بچار کے بعد ماں کی طرف دیکھا تو اس کی

[...] سامنے رکھنا چاہیے۔ اباجی کا ایک ہور ویاہ تو اس سے کسی برداشت نہیں ہوگا۔ اباجی ہور ویاہ کر کے جائداد کے وارثوں میں اضافہ کریں، یہ ہم میں سے کسی کو قبول نہیں۔ اشرف شاہ کو معلوم ہے کہ اباجی کے بعد جاگیر کا سارا انتظام دامادوں کے ہاتھ ہی آنا ہے۔ بھائی مراد شاہ کا امریکا سے واپس ادھر پلٹنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور بہزاد شاہ کسی کم جوگا نہیں۔ اپنے بھلے کا سوچ کر اشرف شاہ کوئی چنگا ہی مشورہ دے گا۔"

"تو کہتی ہے تو پھر اسے یہاں بلوا کر اس سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ تیرے ساتھ ہی آیا ہے نا؟" وڈی چودھرائن نے اس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے پوچھا۔

"ساتھ ہی ہیں۔ مردانے میں رک گئے تھے کہ اباجی سے ملاقات کر لیں گے۔" تاجور نے بتایا تو وڈی چودھرائن نے ایک ملازمہ کو پکار کر اسے حکم دیا کہ اشرف شاہ کو مردانے سے بلا لائے۔ ملازمہ حکم کی تعمیل کے لیے پلٹ گئی تو ماں بیٹی ایک بار پھر باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

"چھوٹی اماں کہاں ہیں، نظر نہیں آئیں۔ پچھلی واری بھی آئی تھی تو ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔" تاجور نے چودھرائن ناہید کے بارے میں دریافت کیا۔

"پڑی رہتی ہے اپنے کمرے میں منہ چھپا کر۔ بیٹی نے کسی کو منہ دکھانے جوگا چھوڑا ہی کہاں ہے اسے۔" وڈی چودھرائن نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔ ساری زندگی حویلی کی سب سے بااختیار عورت کی حیثیت سے گزارنے کے باوجود اس کے دل میں سوکن کے لیے حاسدانہ جذبات ہی رہے تھے اور اب جبکہ وہ بیٹی کی وجہ سے معتوب ٹھہرائی گئی تھی تو اس کے دل کو ایک سکون سا محسوس ہوتا تھا۔

"کم تو وڈا دکھایا ہے کشور نے۔ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس ماسٹر سے عشق لڑاتی رہی اور پھر اس کے ساتھ نکل بھی گئی... پر اتنا تو مجھے بھی علوم ہے کہ اباجی اسے چھوڑیں گے نہیں۔ انہوں نے اپنے بندے ان دونوں کی تلاش میں لگا رکھے ہوں گے۔ جس دن دونوں ہاتھ لگے، دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔ اباجی ٹوٹے ٹوٹے کروا دیں گے ان کے۔" تاجور نے تبصرہ کیا۔

"ہوتا رہے جو ہونا ہے۔ مجھے تو اب اس نئی مصیبت کی فکر ہے جو تیرا پیو میرے سر پر ڈالنے والا ہے۔" وڈی چودھرائن نے بیزاری سے جواب دیا۔ اسی وقت دروازے سے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی تو دونوں ماں بیٹی سنبھل کر [بیٹھ] گئیں۔

"سلام پھپھی۔" اگلے لمحے اشرف شاہ اندر داخل ہوا اور وڈی چودھرائن کو سلام کیا۔

"جیتا رہے میرا پتر! آ ادھر بیٹھ۔ وڈے دن گزرے تجھ سے ڈھنگ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" وڈی چودھرائن نے لہجے میں شیرینی سموتے ہوئے اسے اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی۔

"ہم مردوں کے دھندے ہی اتنے ہوتے ہیں کہ کسی سے گل بات کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اگر گھر کی زنانیوں کے ساتھ بیٹھ کر گپیں لڑاتے رہے تو چل چکے ہمارے دھندے۔" اشرف شاہ وڈی چودھرائن کا صرف داماد ہی نہیں، سگا بھتیجا بھی تھا لیکن بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں وہی نخوت تھی جو چودھریوں کا خاصہ تھا۔

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے پتر پر بعض دفعہ زنانیاں بھی ایسی عقل کی گل کرتی ہیں جو مردوں کے فیدے کی ہوتی ہیں۔ ابھی میں نے تجھے ایسی ہی گل کے لیے بلایا تھا۔" وڈی چودھرائن نے اپنے لہجے کی مٹھاس برقرار رکھتے ہوئے اشرف شاہ کو جواب دیا۔

"اچھا... میں بھی تو سنوں کہ ایسی کون سی گل ہے؟" اشرف شاہ اپنی جگہ پر سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"اسی کڑی ماہ بانو کا قصہ ہے۔ ڈھونڈ نکالا ہے تیرے پھپھا نے اسے پھر سے۔ اس بڑھے ویلے اس کے سر پہ عشق کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ مرا جا رہا ہے اس کی ذات سے ویاہ کے لیے۔ ویاہ ہو گیا اور عشق کی زور آزوری میں کوئی بچہ بھی پیدا ہو گیا تو مطلب ہے جائداد کا ایک وارث ہور آ گیا۔ میں کہتی ہوں ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی کوئی حل سوچو۔ کسی طرح کام تمام کرو اس کڑی کا۔ جان چھڑاؤ اس سے۔" چودھرائن نے ساری صورت حال اس کے سامنے رکھی۔

"تو فکر ہی نہ کر پھپھی! بس یہ سمجھ کہ تیری جان چھوٹ گئی اس مصیبت سے۔ ایسا غیب کرواؤں گا اسے کہ پھر کبھی دوبارہ اس کی شکل نظر نہیں آئے گی کسی کو۔" اشرف شاہ گویا لمحوں میں سب کچھ سوچ بیٹھا تھا۔

"جیتا رہ میرا پتر! میں بھی تو سنوں کہ تو نے ایسا کیا حل سوچا ہے؟" وڈی چودھرائن نے خوشی سے باچھیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میرا مسئلہ ہے پھپھی۔ تو بس اتنا کر کہ مہمان خانے میں آج کل ڈیوٹی دینے والے نوکروں میں سے کسی ایسے نوکر کو بلا لے جو جی دار بھی ہو اور لالچ میں آ کر ہمارا کم بھی کر

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

دے۔ اصل مسئلہ کڑی کو مہمان خانے سے نکالنے کا ہے۔ وہاں سے نکل گئی تو سمجھو فیرا ایسی غیب ہوگی کہ کسی کو اس کا نشان نہیں ملے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں مجو اور اس کی گھر والی کو بلا لیتی ہوں۔ مجو کی دھی کا ویاہ ہونے والا ہے۔ اس کے لیے اسے رقم کی ضرورت تو ہوگی۔ وہ جلدی راضی ہو جائے گا۔" چودھرائن اشرف شاہ کا پورا منصوبہ تو نہیں سمجھ سکی لیکن اتنا بہر حال اسے بھی سمجھ آرہا تھا کہ ماہ بانو کو منظر سے غائب کرنے کے لیے اسے مہمان خانے کی محفوظ پناہ گاہ سے باہر نکالنا ضروری ہے۔ اس نے فوراً ایک ملازمہ کے ذریعے مجو کی بیوی کو بلوا بھیجا۔ دونوں میاں بیوی کو ایک ساتھ بلوانا مناسب نہیں تھا کہ ایک ساتھ آتے ہوئے وہ دوسرے ملازمین کی نظر میں آجاتے اور ماہ بانو کے غائب ہونے کے بعد جب چودھری تحقیق کرتا تو اس کے لیے معاملے کی تہ تک پہنچ کر اس واقعے کے پیچھے چودھرائن کا ہاتھ ڈھونڈ لینے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ مجو کی بیوی بلاوے پر فوراً ہی چلی آئی اور سلام کر کے ایک جانب خاموشی سے کھڑی ہوگئی لیکن اس کے چہرے پر موجود حیرانی صاف پڑھی جا رہی تھی۔ یقیناً اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وڈی چودھرائن نے اپنی بیٹی اور داماد کی موجودگی میں اسے کس کام سے بلایا ہے۔

"سنا ہے تیری دھی کا ویاہ ہونے والا ہے۔ تیاری شیاری ہوگئی تم لوگوں کی یا نہیں؟" اشرف شاہ نے خود گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"دو چار کپڑے لتوں کے سوا ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں اور مجو وڈے پریشان ہیں کہ باقی کی تیاری کیسے ہوگی؟ لڑکے والوں سے گل کی تھی کہ تھوڑی مہلت ہور دے دیں، پر ادھر لڑکے کی ماں بیمار ہے۔ اسے جلدی ہے کہ بہو گھر لے آئے اس لیے اس نے ہماری گل نہیں مانی۔ اب رب کے بھروسے پر بیٹھے ہیں کہ وہ آپ ہی کچھ مدد کرے گا ہم غریبوں کی۔" مجو کی بیوی کے لہجے میں وہی بے بسی اور عاجزی تھی جو ازل سے اس کے طبقے کا نصیب ہے۔

"تو فیر سمجھ کہ رب نے تیری سن لی۔ تیری دھی کے ویاہ کا سارا خرچہ میں اٹھاؤں گا۔ تو ایسا جہیز دینا اپنی دھی کو کہ سارے پنڈ کی آنکھیں کھلی رہ جائیں۔" اشرف شاہ نے مچھلی کو چارہ ڈالا۔

"وڈی مہربانی سرکار! آپ کا یہ اتنا وڈا احسان میں نمانی کبھی بھی نہیں اتار سکتی۔" مجو کی بیوی کی آواز بھرا گئی اور وہ اشرف شاہ کے قدموں میں جھکنے کے لیے آگے بڑھی۔

"تو ... احسان ... سکتی ..." اشرف شاہ نے مکاری سے کہا۔

"میں اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں سرکار۔" مجو کی بیوی اب زمین پر بیٹھ چکی تھی اور اس کے ہاتھ اشرف شاہ کے پیروں کو چھو رہے تھے۔

"تجھے مہمان خانے میں موجود لڑکی کو وہاں سے نکال کر حویلی کے باہر بھیجنا ہوگا۔" اشرف شاہ نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ مجو کی بیوی سے ساری بات چیت وہ اکیلے ہی کر رہا تھا۔ تاجور اور وڈی چودھرائن کی حیثیت محض خاموش تماشائی کی تھی۔

"وڈے چودھری مجھے جان سے مار دیں گے۔" اشرف شاہ کی فرمائش سن کر وہ خوف سے چلا پڑی تھی۔

"ابھی تو تو کہہ رہی تھی کہ اپنی جان بھی دے سکتی ہے۔" اشرف شاہ نے اسے اس کا وعدہ یاد دلایا تو وہ چپ ہی رہ گئی۔

"فکر نہ کر... تجھے اور تیرے گھر والوں کو کچھ نہیں ہوگا۔ ہمارا ہاتھ تیرے سر پر رہے گا۔ اپنے لیے کام کرنے والوں کا ہم پورا خیال رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سرکار! میں راضی ہوں۔ مجو بھی میرے کہنے پر مان جائے گا۔ دھی کی خوشیوں کی خاطر ہمیں اپنی جان دینی بھی پڑی تو دے دیں گے۔ ہمارا کیا ہے، بہت جی لیے۔ بڑھے ہونے کو آگئے ہیں۔ اب نہیں تو دس پندرہ برس بعد بھی تو مرنا ہی ہے۔" وہ خالصتاً ایک ماں کے انداز میں سوچ رہی تھی۔ مجو کے بجائے اسے بلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ عورتیں جذباتی انداز میں سوچتی ہیں اور اگر کسی سوچ پر قائم ہو جائیں تو مرد سے بھی اپنی بات منوا کر چھوڑتی ہیں۔ اب مجو چاہے لاکھ بیوی کو باز رکھنے کی کوشش کرتا لیکن آخر کار اسے اسی کی بات ماننی تھی۔

"ٹھیک ہے فیر کل رات تیار رہنا۔ میں بعد میں تجھے بتاؤں گا کہ کب اور کیا کرنا ہے۔" اس کی رضامندی پاکر اشرف شاہ نے اس سے کہا اور رخصت ہونے کا اشارہ دیا۔ مجو کی بیوی اسے جھک کر سلام کرتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوئی تو اس کی پشت پر نظر جما کے بیٹھے اشرف شاہ کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆☆☆

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم نے اتنی ایمرجنسی میں شادی کا فیصلہ کیوں کیا؟ ایک ہفتے کے نوٹس پر بھی کوئی شادیاں کرتی ہے۔ اتنے ارمان تھے میرے دل میں تمہاری شادی ...

... کی آواز سنائی دے گی اور بھی پتا نہیں کیا کیا منصوبے بنے میرے ذہن میں۔ تمہاری جلدی نے سب کچھ تلپٹ کر کے رکھ دیا۔" فون کے دوسری طرف آفرین رانا تھیں جو اس سے شکوے پر شکوے کیے جا رہی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کے سارے شکوے سن رہا تھا لیکن جب ان کے خاموش ہونے کے بعد خود بولنا شروع کیا تو لہجے میں نرمی اور شگفتگی تھی۔

"آپ کو کون روک رہا ہے ارمان نکالنے سے؟ جیسی چاہیں بری بنائیں اور جتنی دھوم سے چاہیں برات نکالیں۔ آپ تو لڑکے کی ماں ہیں نا اور میں نے سنا ہے کہ لڑکے والوں کے لیے کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ وہ کیا کہتی ہیں بڑی بوڑھیاں... لڑکے کی بری بازار میں کھڑی۔ تو بس بازار جائیں اور کتنا کٹ جو چاہیں خرید ڈالیں۔ باقی کے ارینجمنٹ کے لیے بھی ایسے کئی ادارے کام کر رہے ہیں جو ایمرجنسی میں بھی آپ کو بہت عمدہ سروسز پرووائڈ کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو میں خود بھی جانتی ہوں۔ تمہارے مفت مشورے کی ضرورت نہیں ہے مجھے... لیکن جو مزہ مجھے اطمینان سے مہینوں تمہاری شادی کر کے آتا، وہ ایک ہفتے میں ہے آسکتا ہے؟ مجھے تو ڈر ہے کہ جلد بازی میں کوئی شخص انوائٹ کرنے سے نہ رہ جائے۔ اتنی مصروفیت میں انسان کا دماغ صحیح طرح سے کام ہی کہاں کرتا ہے۔" وہ بدستور اس سے خفا تھیں۔

"چلیں تو پھر میں آپ کی خوشی کی خاطر ایک شادی اور کر لوں گا۔ "اس" شادی میں آپ "اس" شادی کی رہ جانے والی کسر نکال لیجیے گا۔ ہمارا کیا ہے، ہم تو دوسروں کی خوشی میں ہی خوش ہو جاتے ہیں۔" اس نے لہجے میں شوخی سموتے ہوئے انہیں چھیڑا۔ درحقیقت وہ خود بھی آفرین رانا کے احساسات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے والدین کی وفات کے بعد اسے بالکل سگی ماں کی طرح پالا تھا۔ ... کے لیے جذبات اور ارمان بھی سگی ماؤں جیسے ہی رکھتی تھیں۔ اس نے اپنی مرضی سے ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کا فیصلہ سنا کر ایک طرح سے انہیں ہرٹ کیا تھا۔ پھر ڈاکٹر ماریا کا بیک گراؤنڈ بھی اتنا مضبوط نہیں تھا کہ وہ اپنے سرکل کے لوگوں کو فخر سے اپنے سمدھیانے سے متعارف کروا سکتیں۔ خود شہریار ڈاکٹر ماریا اور اس کی والدہ کے سوا ان کی فیملی کے کسی فرد سے واقف نہیں تھا۔ اگر اس کے سر میں اپنے

گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا سودا نہ سمایا ہوتا تو وہ خود بھی کبھی اس شادی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔

"شیری! تم خوش تو ہو نا بیٹا؟" اس کی شوخی کے جواب میں مسز آفرین رانا نے تشویش سے پوچھا۔

"وائے ناٹ، ڈاکٹر ماریا مجھے پسند ہے۔ میں اپنی مرضی سے اس سے شادی کر رہا ہوں۔" اس نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی۔

"معلوم نہیں کیوں مجھے تم خوش نہیں لگتے۔ میرا دل مجھے تمہاری خوشی کی گواہی نہیں دیتا۔" انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار کیا۔

"اصل میں آپ کا دل اس خیال سے اداس ہے کہ بیٹا کسی اور کا ہونے جا رہا ہے اس لیے آپ خوشی کو محسوس ہی نہیں کر پا رہی ہیں۔" اس نے انہیں چڑانے کی کوشش کی۔

"فضول مت بولو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس انداز میں سوچنے والی عورت نہیں ہوں۔ تمہیں خود بھی اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب سجاد کی شادی ہوئی تھی تو میں نے خود اسے اور مریم کو الگ گھر میں شفٹ ہو جانے کو کہا تھا تاکہ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکیں۔ ویسے بھی ہم جیسی ماؤں کو بہوؤں کے آنے نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے بیٹے ایک جگہ ٹک کر بیٹھتے ہی کب ہیں جو ہم انہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکیں۔ خود کو ہی دیکھ لو۔ لاہور سے اتنی دور بیٹھے ہو۔ ہفتوں گزر جاتے ہیں، تب کہیں جا کر تمہاری شکل دکھائی دیتی ہے۔ بیوی سے پہلے ہی تم اپنی نوکری کو پیارے ہو گئے ہو۔ بہو بے چاری کو کیوں مفت میں بدنام کروں؟ اس کے آنے سے تو مجھے سکون ملے گا کہ کوئی تمہارا خیال رکھنے کے لیے تمہارے پاس موجود ہے۔" اس کی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں آفرین رانا نے ایک مختصر سی تقریر کر ڈالی۔

"چلیں جناب! میں نے مان لیا کہ آپ ایک آئیڈیل ساس ہیں اور میرے خیال میں مجھے اتنی اچھی ساس کا وقت بالکل بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنی بہو کے لیے شاپنگ کرتے ہوئے گزار سکے۔" وہ ایک بار پھر انہیں چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

"یہ کہو کہ تمہارے اپنے پاس وقت نہیں ہے۔ لگے ہوں گے دس کام تمہاری جان سے اور تم سوچ رہے ہو گے کہ ممانی جان سے نجات پاؤں تو اس طرف توجہ دوں۔" وہ بھی اس کی ہی ممانی تھیں اس لیے جوابی جملہ کہنے سے ذرا نہ چوکیں۔ ان کی بات سن کر شہریار ہنس پڑا۔ پوری گفتگو میں پہلی ہنسی تھی جو اس کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"شکر ہے تمہاری ہنسی تو سنائی دی۔ اب مجھے اطمینان ملا ہے اور میں ذرا اطمینان سے شاپنگ کے لیے جا سکتی ہوں۔ تم مجھے اجازت دو۔ میرے پاس پہلے ہی وقت کم ہے۔" انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا تو شہریار بھی اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن پھر دوبارہ بجنے والی گھنٹی نے... توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

"کراچی سے کوئی مسز رضوی بات کر رہی ہیں سر! کہتی ہیں انہیں آپ سے ضروری کام ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں پہلے بھی دو تین بار کال کر چکی ہیں۔" دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی تو وہ چونک گیا۔ مسز رضوی اس ہاسٹل کی وارڈن تھیں جہاں ماہ بانو مقیم تھی۔ ان کا بار بار کال کرنا خاصا تشویش ناک تھا۔

"بات کروائیں۔" تشویش میں گھرے ہوئے اس نے جواب دیا تو آپریٹر نے فوراً ہی لائن کنیکٹ کر دی۔

"السلام علیکم سر! میں مسز رضوی بات کر رہی ہوں۔ ایک اہم اطلاع دینے کے لیے میں مسلسل آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن معلوم ہوا کہ آپ کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر ہیں۔ اطلاع چونکہ مہرین کے بارے میں تھی اس لیے میں نے آپ کی سخت ہدایات کے پیش نظر کسی اور کو کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

مسز رضوی کو اپنے دفتر کا نمبر دیتے ہوئے اس نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ اگر کبھی ماہ بانو کے سلسلے میں کوئی خاص گفتگو کرنی ہو تو وہ اس نمبر پر رابطہ کر سکتی ہیں لیکن اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے ہرگز بھی رابطہ نہ کریں۔ اب ان کی کال اور لہجے میں موجود سنسنی اسے احساس دلا رہی تھی کہ کوئی بڑا واقعہ پیش آ گیا ہے۔

"آپ مجھے کیا اطلاع دینا چاہتی ہیں مسز رضوی! مہرین خیریت سے تو ہے؟" ماہ بانو کراچی میں مہرین کے فرضی نام سے مقیم تھی اس لیے اس نے وہی نام لے کر سوال کیا۔

"میں آپ کو اس کی خیریت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی کیونکہ اب وہ میرے ہاسٹل میں موجود نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟ وہ ہاسٹل میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟" شہریار بری طرح الجھا۔

"وہ کہاں ہے، میں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ کچھ لوگ رات کے آخری پہر چوکیدار کو بے بس کر کے ہاسٹل میں داخل ہوئے اور مہرین کو اغوا کر کے لے [illegible] گئے۔ [illegible] کیا گیا تو وہ ایک باتھ روم میں بے ہوشی کی حالت میں [illegible] ہوا پایا گیا۔ اس واقعے کی اصل وجہ جاننے کے لیے مزید جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا جس کمرے میں مہرین تھی، اس کا دروازہ باہر سے بند ہے۔ دروازہ کھولنے پر مہرین غائب پائی گئی جبکہ اس کی ساتھی لڑکی اس حالت میں تھی کہ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ اس لڑکی نے ہی ہمیں بتایا کہ رات کے آخری پہر کچھ نقاب پوش وہاں آئے تھے اور مہرین کو اٹھا کر لے گئے۔ مہرین کی وجہ سے ٹینس ہونے کے باعث ٹرنکولائزر لے کر سوئی تھی اس لیے شور شرابا نہیں کر سکی۔ اس کی روم میٹ کو اغوا کنندگان نے اسلحے کے زور پر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا اور پھر بعد میں اسے باندھ کر چھوڑ گئے اس لیے وہ بے چاری بھی شور نہیں مچا سکی۔ اب بھی وہ کافی خوف زدہ ہے۔ اس کے والدین نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ پولیس میں رپورٹ لکھواتے وقت ان کی بیٹی کو اس واقعے سے الگ رکھا جائے اس لیے مجھے آسانی ہو گئی کہ میں یہ معاملہ پولیس کے نوٹس میں نہ لا کر آؤں۔ آپ نے مجھ سے یہی کہا تھا نا کہ مہرین کے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آنے کی صورت میں صرف اور صرف آپ کو آگاہ کیا جائے، کسی اور سے کچھ نہ کہا جائے۔ مجھے اس کام میں مشکل تو بہت پیش آئی لیکن میں نے آپ کی ہدایت کے خلاف کچھ نہیں کیا۔" مسز رضوی بے حد تفصیل سے گفتگو کرنے والی ایک باتونی عورت تھی جس کی فطرت میں لالچ کا عنصر بھی پایا جاتا تھا۔ شہریار نے اچھی خاصی رقم کے عوض اس کا یہ تعاون حاصل کیا تھا اور اب اس کا اس قدر احسان جتانا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ مزید کی بھی طالب ہے۔

"میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں مسز رضوی۔ میری طرف سے جلد ہی آپ کو چیک مل جائے گا۔" ماہ بانو کے اغوا کی خبر سن کر اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اپنی اس کیفیت پر جیسے تیسے قابو پا کر اس نے مسز رضوی سے کرید کرید کر کئی سوالات کر ڈالے اور یہ جاننے کے بعد کہ ماہ بانو کے اغوا کا واقعہ اسی رات پیش آیا ہے، جب اس نے اسے فون کیا تھا تو دل میں ڈھیروں افسوس اتر آیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ماہ بانو نے اس سے اپنا دل گھبرانے کا ذکر کیا تھا لیکن اس نے اسے ڈانٹ کر ٹال دیا تھا۔ کاش، وہ اس کی بات سن لیتا۔ بات سن لینے سے ہونے والا واقعہ تو نہیں ٹلتا لیکن دل کو یہ افسوس تو نہ ہوتا کہ اس نے اسے [illegible]

[illegible] کاش کہنے [illegible] اس کی زندگی [illegible] بھی سوچتا تھا کہ کاش اس روز لیاقت رانا کی گاڑی [illegible] کا واقعہ پیش نہیں آیا ہوتا۔ کاش اس نے ماریا کو اپنا ہم سفر نہ بنایا ہوتا۔ کاش اس کے قدم نہ بہکے ہوتے لیکن سوچنے سے کچھ بدلا تو نہیں کرتا۔ جو کچھ پیش آنا تھا، وہ پیش آ چکا تھا۔ حالات نے کچھ اس طرح سے کروٹ لی تھی کہ وہ زندگی کے ان چاہے مراحل سے گزرنے پر مجبور تھا۔ یہ زندگی تھی جو اسے ایسے مقام پر لے آئی تھی کہ وہ ایک ان چاہی لڑکی کو اپنانے پر مجبور ہو گیا تھا اور وہ لڑکی جو دل پر دستک دیتی تھی، نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"سنا تھا تو ہمیں یاد کر رہی ہے۔ بشیرن نے تیرا پیغام ہمیں پہنچایا تو ہم پہلی فرصت میں تیرے پاس چلے آئے، ورنہ آج تو ہمارا کچھ اور ہی پروگرام تھا۔ ایک بہت اڑیل گھوڑی کو لگام ڈالنی تھی لیکن تیرے بلاوے کو بھی تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو بھی کسی سے کم تو نہیں ہے۔ تیرے بھی چوہدری بختیار کی سگی بہن۔ چوہدری بختیار... نور پور کا چوہدری، جو بس نام کا ہی چوہدری ہے۔ لنگڑے کے پلے بھی کچھ نہیں ہے۔ کبھی کوشش کرتا تھا ہمارے منہ لگنے کی لیکن اب اس میں اتنا بھی دم خم نہیں ہے کہ اپنی بہن سے ہماری مرضی کے خلاف مل بھی سکے۔" ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر کرسی پر بیٹھا چوہدری افتخار اپنے سامنے بیٹھی فریدہ سے مسخرانہ انداز میں مخاطب تھا۔

اس کے الفاظ اور انداز گفتگو دونوں ہی ایسے تھے کہ فریدہ توہین سے سلگ اٹھے لیکن خلاف توقع فریدہ نے اس کی باتوں پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اس کے اس انداز پر چوہدری نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے گرد ایک بڑی سی چادر لپیٹے بالکل پرسکون بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کا انداز اس سمندر کا سا تھا جو اپنے اندر بہت سے طوفان چھپائے ہوئے ہو اور پل بھر میں بستیوں کو غرق کر دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ چوہدری سوچ میں پڑ گیا کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو فریدہ نے یہ انداز اختیار کر لیا ہے۔ اس کا خود چوہدری کو پیغام بھیج کر بلوانا بھی خاصا معنی خیز تھا۔ دور دور تک سوچ کے گھوڑے دوڑانے کے باوجود وہ فریدہ کے رویے کے پیچھے چھپی وجہ تک نہیں پہنچ سکا تو ایک بار پھر اس کا غور سے جائزہ لیا۔ اس جائزے کے دوران میں اس کی نظریں فریدہ کی نظروں سے چار ہوئیں تو اس نے وہاں ایک طرح کی بے خوفی اور باغیانہ پن دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ یہ وہی فریدہ ہے جو اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ کر پیر سرکار کے مزار پر پناہ لینے آئی تھی اور پھر اس عاشق کی جو کہ دراصل اس کے بھائی چوہدری بختیار کا دشمن تھا، سازش کا شکار ہو کر چوہدری کے پنجوں میں پھنس گئی۔

چوہدری کی اس کے بھائی سے پرانی دشمنی تھی۔ چوہدری بختیار نے ایک بار اس سے بغاوت کی کوشش کی تھی اور حسب روایت سالانہ عرس کے موقع پر مزار پر چڑھائی جانے والی سونے چاندی کے تاروں سے مزین چادر چڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس انکار کا چوہدری وقتاً فوقتاً کئی بار بدلہ لے چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی اور پھر اس نے فریدہ کے عاشق قربان کی مدد سے چوہدری بختیار کو ایسی زک پہنچائی کہ وہ بے چارہ ہاتھ مل کر رہ گیا۔ فریدہ نے بھی عزت کا جوہر گنوانے کے بعد بھائی کے در پر واپس جانا گوارا نہیں کیا اور چوہدری کے ذہنی معذور بیٹے بہزاد شاہ سے دکھاوے کی شادی کو قبول کر لیا۔ مکروہ کردار کے مالک چوہدری نے اپنے ذہنی معذور بیٹے کی منکوحہ کو اپنی داشتہ بنا چھوڑا۔ وہ یہ گھناؤنا فعل کئی ماہ سے بڑی کامیابی سے کھیل رہا تھا اور اب تک کسی کو اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ فریدہ نے بھی کسی کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کی تھی... لیکن اب جانے اس ہاری ہوئی بزدل لڑکی میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ وہ بنا پلکیں جھپکائے چوہدری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔

"کیا گل کرنی ہے تجھے میرے ساتھ؟" چوہدری نے سرسراتے ہوئے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"ایک خوش خبری سنانی ہے۔" فریدہ نے اب بھی پلکیں جھپکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"کیسی خوش خبری؟ کیا تیرا عاشق پھر سے تجھے مل گیا ہے۔ پر وہ تو خود ڈھائی لاکھ میں میرے ساتھ تیرا سودا کر کے گیا تھا۔ وہ واپس پلٹا بھی تو تجھے کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔" چوہدری نے ایک بار پھر اس کا مسخر اڑایا۔

فریدہ نے اس کی ساری باتیں ان سنی کر دیں اور نہایت دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولی۔

"میں ماں بننے والی ہوں۔"

"کیا بکواس کرتی ہے؟" فریدہ نے جس سکون سے اطلاع دی تھی چوہدری کو اتنی ہی زور کا کرنٹ لگا۔

"بکواس کہو یا کچھ اور لیکن سچ یہی ہے۔" فریدہ کے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس بار چودھری نے بغور دیکھ کر اس کا جائزہ لیا تو اسے احساس ہوا کہ فریدہ پہلے کے مقابلے میں کافی صحت مند ہوگئی ہے اور اس کے سراپا میں ایسی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں جنہیں چھپانے کے لیے اس نے خود کو چادر میں ملفوف کر رکھا ہے۔ وہ چند لمحوں تک فریدہ کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتا رہا پھر خود کو پُرسکون ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

''اس بچ کو مٹایا بھی جا سکتا ہے۔''

''بہت وقت گزر چکا۔ اب یہ ممکن نہیں ہے۔'' فریدہ جانتی تھی کہ وہ ایسی ہی کوئی بات کہے گا اس لیے ترت جواب دیا۔

''اگر یہ ممکن نہیں ہے تو تجھے تو دنیا سے گزارنا ممکن ہے۔ تیرے ساتھ یہ مصیبت بھی ختم ہو جائے گی۔''

سکون کے پردے میں چھپا چودھری کا اشتعال ایک بار پھر ظاہر ہونے لگا۔ وہ خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ فریدہ نے اسے یہ اطلاع اتنی دیر سے دی ہی اس لیے ہے کہ کچھ کرنا ممکن نہ ہو۔ خود اسے کافی عرصے سے اس کے پاس آنے کی فرصت نہیں ملی تھی اس لیے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم جیسا کمینہ آدمی ایسی ہی کوئی گل کرے گا اس لیے میں نے پہلے ہی سارا بندوبست کر لیا ہے۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو تمہاری جان مصیبت میں آ جائے گی۔ میں نے اپنے کچھ ہمدردوں کو وصیت کر دی ہے کہ اگر میں مری تو اس کا ذمے دار چودھری افتخار عالم شاہ ہوگا۔ وہ لوگ میری لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے سے پہلے تمہیں مجھے دفن بھی نہیں کرنے دیں گے..... اور پوسٹ مارٹم سے تو وہ گل کھل کر سامنے آ ہی جائے گی جسے تم چھپانا چاہتے ہو۔'' فریدہ کے انداز گفتگو سے واضح تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے، وہ بنی برحقیقت ہے ورنہ گاؤں کی ایک نیم خواندہ لڑکی کو بھلا کیا معلوم تھا کہ پوسٹ مارٹم کیا بلا ہے..... اور حقیقت یہ تھی کہ اسے ڈاکٹر ماریا نے یہ ساری پٹی دی تھیں جن کو وہ اس وقت بڑی مہارت سے استعمال کر رہی تھی۔

''بکواس نہ کر۔ تجھ میں اتنا دم نہیں کہ حویلی سے باہر کوئی خبر بھیج سکے۔'' چودھری نے حقیقت سے نظریں چرانے کی کوشش کی۔

''تمہاری حویلی کی دیواریں اتنی اونچی نہیں ہیں چودھری..... یہ گل اب تو تمہیں سمجھ لینی چاہیے۔ جن دیواروں

... اس کے انداز سے ... کر رہی ہو اور درحقیقت اس کا یہ جملہ اتنا زوردار تھا کہ چودھری اپنی جگہ پر ٹک کر بیٹھا نہ رہ سکا اور غراتا ہوا فریدہ کی طرف لپکا۔

''کتیا بھونکتی ہے۔'' اس نے فریدہ کا گلا پکڑ لیا جو۔

فریدہ نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جما کر اسے زور سے پیچھے دھکیلا۔ چودھری کو اس ردعمل کی امید نہیں تھی اس لیے وہ لڑکھڑا گیا اور اس کے ہاتھوں کی گرفت سے فریدہ کی گردن آزاد ہوگئی۔

''اگر میں نے بھونکنا شروع کر دیا تو میری آواز بہت دور دور تک جائے گی اور دنیا تمہارے منہ پر تھوکے گی کہ تم نے اپنے پاگل بیٹے کی بیوی کو اپنی رکھیل بنا رکھا ہے۔'' وہ گویا آج ہر خوف سے آزاد تھی اور جو منہ میں آ رہا تھا، وہ بولے جا رہی تھی۔ اس کی اس بے خوفی نے چودھری کو سوچ میں ڈال دیا۔ کوئی کمزور عورت یونہی تو مضبوط نہیں ہو جاتی۔ یقیناً فریدہ کو کوئی ایسا آسرا مل گیا تھا جس کے بل بوتے پر وہ اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی۔

''تو اس بچے کو دنیا کے سامنے کس طرح لائے گی؟ کیا کہے گی کہ یہ کس کی اولاد ہے؟'' وہ ذرا ٹھنڈا ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور اس سے سوال کیا۔

''دنیا اسے اسی کی اولاد کہے گی جس کی اس کی ماں بیوی کہلاتی ہے۔ اس بچے کو بہزاد شاہ کا نام ملے گا اور اگر تم نے مان لیا تو پھر کون ہوگا جو اسے بہزاد شاہ کی اولاد ماننے سے انکار کر سکے۔ جب بہزاد شاہ کا ویاہ ہو سکتا ہے تو پھر اولاد بھی ہو سکتی ہے۔'' فریدہ پہلے سے ہی سب کچھ طے کر کے بیٹھی تھی۔

''چل جیسی تیری مرضی۔ میں تیری خوشی میں خوش ہوں۔'' اپنی دال نہ گلتی دیکھ کر چودھری نے فی الحال ہتھیار ڈال دینا ہی مناسب سمجھا۔

☆☆☆

''چل گڑیے چھیتی کر، اٹھ نکل یہاں سے۔ تیری نجات کا رستہ کھل گیا ہے۔'' ماہ بانو کو ذرا سی اونگھ آئی تھی کہ کسی نے اس کا شانہ پکڑ کر زور سے ہلایا اور یہ الفاظ کہے۔ ماہ بانو ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سامنے ملازمہ کھڑی تھی جو روزانہ اسے تینوں وقت کا کھانا اور

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اتنی اہم ذمے داری سونپی تھی۔ لیکن ابھی اس نے غنودگی میں ملازمہ کے جو الفاظ سنے تھے، ان سے تو یہی گمان ہو رہا تھا کہ وہ چودھری سے نمک حرامی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ یہ ایک غیر یقینی سی بات لگی تھی چنانچہ اس نے سوچا کہ اس نے جو کچھ سنا، وہ نیند کے غلبے میں محسوس کی جانے والی ایک خوش فہمی تھی۔ یہاں آنے کے بعد وہ سو بھی تو بہت کم رہی تھی۔ چودھری کے کسی بری نیت سے آنے کا دھڑکا اسے ڈھنگ سے سونے نہیں دیتا تھا۔ آج رات بھی اس نے جاگتے رہنے کا ہی فیصلہ کیا تھا چنانچہ بستر پر لیٹنے کے بجائے وہ ایک کرسی پر جا بیٹھی لیکن نیند کی شدت اس کے ارادے پر اس طرح غالب ہوئی کہ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھ گئی اور اب ملازمہ کے اٹھانے پر جاگی تو ہڑبڑاہٹ میں کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہی ہو گئی۔

"نی کڑیے، ایسے ٹکر ٹکر شکل نہ دیکھ۔ جلدی کر۔ اگر تو نے دیر لگائی تو کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔" اس کی گم صم کیفیت دیکھ کر ملازمہ نے اسے ٹوکا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"میں تجھے یہاں سے نکال رہی ہوں۔ تجھے اس قید سے نجات مل رہی ہے۔" ملازمہ نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"مگر کیوں اور کس کے کہنے پر؟" ماہ بانو کا دل اس خوش خبری کو سن کر بری طرح دھڑکنے لگا۔ زندگی میں جب بھی کوئی آسانی پیدا ہوتی نظر آتی تھی، دھیان سید حاشہریار کی طرف جاتا تھا۔ اب بھی آزادی کا مژدہ سنا تو یہی لگا کہ شہریار کو اس کے ہاسٹل سے غائب ہونے کی اطلاع ملی ہو گی تو اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا ہو گا کہ اس کام کے پیچھے چودھری کا ہاتھ ہے اور پھر اس نے کسی طرح یہ بندوبست کر ڈالا ہو گا کہ چودھری کی حویلی کی اونچی دیواروں میں نقب لگا کر ماہ بانو کو وہاں سے نکالا جا سکے۔

"میں ان سب سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی۔ تو یہاں سے نکل کر باہر پہنچے گی تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس نے یہ سارا بندوبست کیا ہے۔" ملازمہ نے اسے جواب دیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔ "بس اب نکلنے کی کر۔ کسی ہور نوکر کی آنکھ کھل گئی تو مشکل پڑ جائے گی۔"

اس بار ماہ بانو نے دیر نہیں لگائی اور شانوں پر پڑا دوپٹا اپنے گرد لپیٹتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی۔ مہمان خانے کے بیشتر کمرے تاریک پڑے ہوئے تھے۔ بس وہ دونوں جہاں سے گزر رہی تھیں، اس راستے پر مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چاند ڈھلنے ... تم دل کے ساتھ ... ملازمہ کے ساتھ ...

"یہاں سے آگے تجھے میرا گھر والا لے جائے گا۔" ایک دروازے کے قریب پہنچ کر ملازمہ نے اسے سرگوشی میں بتایا پھر بے حد احتیاط سے کنڈی کھول کر دروازے کا ایک پٹ بے آواز کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ماہ بانو کے چہرے سے ٹکرایا اور خود بخود ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یہ ہوا کا جھونکا اسے اپنی آزادی کا پیامبر محسوس ہوا تھا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ ماسی!" دروازے سے باہر قدم رکھنے سے پہلے اس نے ادھیڑ عمر ملازمہ کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے دھیمی آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر باہر نکل گئی۔ باہر کھلا آسمان اس کا منتظر تھا۔ آسمان پر چمکتے ستارے رات کی تاریکی کو مٹانے میں ناکام ثابت ہونے کے باوجود بہت دل فریب لگ رہے تھے۔ صرف ایک نظر آسمان پر ڈالنے کے بعد ماہ بانو اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گئی جو اپنے منہ کو ایک بڑے رومال سے ڈھانپے اس کا منتظر کھڑا تھا۔

"دبے قدموں میرے ساتھ چلی آؤ۔" اپنی ساکت کیفیت سے حرکت میں آتے ہوئے اس آدمی نے اس سے کہا تو وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔

"چہرہ چادر میں چھپا لے۔" چلتے چلتے اس نے اسے دوسری ہدایت دی جس پر ماہ بانو نے فوراً عمل کیا۔ گردوپیش کا جائزہ لینے کے بعد اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ مہمان خانے کا پچھلا حصہ ہے۔ اس طرف روشنی کا کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا تھا اور چند ایک ہی بلب روشن تھے اس لیے ماحول نیم تاریک سا تھا۔ اس نیم تاریکی میں چلتے ہوئے وہ دونوں تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک کسی طرف سے ایک شخص نکل آیا۔

"کہاں جا رہے ہو مجو؟ تیرے ساتھ یہ زنانی کون ہے؟" اس شخص نے دوپٹے کو ڈھاٹے کی طرح چہرے پر پھیلا کر لی ہوئی ماہ بانو پر ایک نظر ڈال کر اسے ساتھ لے جانے والے ملازم سے پوچھا۔

"میری دھی ہے بھرا۔ ذرا اسے پچھواڑے تک چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اسے ادھر زبیدہ کی کھولی میں جانا ہے۔" مجو کے نام سے پکارے جانے والے ملازم نے اسے جواب دیا تو وہ مطمئن ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

"زبیدہ میری سالی کا نام ہے۔ وہ ادھر حویلی کے ... ملازموں ... تھا ... پیچھے ... کے ... پھیلا ہوا تھا ... نوکروں ... بتایا ...

تو ماہ بانو کی بھی گویا اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ مجو کے ساتھ چل کر پچھلی طرف جاتے ہوئے اسے بھی وہ کھولیاں نظر آ گئیں جو حویلی کے مستقل ملازموں کے استعمال میں تھیں۔ ان کھولیوں کو سرونٹ کوارٹرز کی جگہ تعمیر ضرور کیا گیا تھا لیکن ان کی باہر ہی سے مخدوش نظر آنے والی حالت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں رہنے والے کس حالت میں زندگی گزارتے ہوں گے۔ مجو اسے ان کھولیوں سے کنی کترا کر آگے لے گیا۔ قریب سے گزرنے میں احتمال تھا کہ کہیں کسی اور ملازم سے سامنا نہ ہو جائے۔ مجو کی معیت میں بالآخر وہ ایک ایسے دروازے تک پہنچ گئی جس پر ایک بڑا سا قفل پڑا ہوا تھا۔ مجو نے اپنی بوسیدہ سی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چابی باہر نکالی اور قفل کھول دیا۔

"یہاں سے نکل کر سیدھی چلتی جا۔ تیرے ہمدرد خود تجھ سے آن ملیں گے۔" قفل کھولنے کے بعد مجو نے اسے سرگوشی میں بتایا تو وہ تیزی سے دروازہ پار کر گئی۔ یہ وہی دروازہ تھا جس سے گزر کر اس سے قبل کئی بار کشور بھی آفتاب سے ملنے جا چکی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کشور کے لیے اس کی جاں نثار ملازمہ رانی بڑی تگ و دو کے بعد یہ دروازہ کھولنے کا انتظام کرتی تھی جبکہ مجو کو خود ودی چودھری نے اس دروازے کے تالے کی چابی فراہم کی تھی۔

اپنے گرد بنے جانے والے سازش کے ایک اور جال سے بے خبر ماہ بانو اس پرندے کی طرح جو دانہ دیکھ کر زمین کی طرف لپکتا ہے اور پھر جال میں پھنس جاتا ہے، مجو کی ہدایت کے مطابق سیدھی چلتی چلی گئی۔ کچے اور تاریک راستے پر چلتے ہوئے اسے مشکل سے دو تین منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ آنے والے دوست تھے یا دشمن، اسے خبر نہیں تھی چنانچہ اپنے چہرے کے گرد پھیلی اوڑھنی مضبوطی سے لپیٹ کر خود کو آنے والی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کرنے لگی۔ گھڑسوار اگر اس کے نجات دہندہ نہیں تھے تو ان سے کیسے بچ نکلنا ہو گا، وہ تیزی سے اس بارے میں سوچ رہی تھی لیکن ابھی کوئی نوبت ہی نہیں آئی اور تاریکی میں ظاہر ہونے والے گھڑسواروں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔

"آ جاؤ ماہ بانو۔" ایک گھڑسوار نے آہستہ سے اسے پکارا اور سہارا دینے کے لیے جھک کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

اس شخص کے آہستہ بولنے کے باوجود ماہ بانو نے اس کے لہجے کے کھردرے پن کو بہ خوبی محسوس کیا لیکن دل میں کوئی بھی وہم لائے بغیر اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اسے سہارا دینے والا ہاتھ لہجے سے بھی زیادہ کھردرا تھا لیکن ماہ بانو کے لیے صرف اس لیے قابل بھروسا تھا کہ وہ اسے چودھری کے پنجے سے چھڑا کر لے جا رہا تھا۔

"مجھے مضبوطی سے پکڑ لو ورنہ تم گھوڑے سے گر بھی سکتی ہو۔" اس کے سوار ہو جانے کے بعد گھڑسوار نے اسے ہدایت دی جس پر اس نے فوراً ہی عمل کر ڈالا۔ اس لمحے اس کا ہاتھ گھڑسوار کے شانے سے لٹکی رائفل سے ٹکرایا لیکن پھر بھی اس کے اندر کوئی گھنٹی نہ بج سکی اور اس نے یہی سوچا کہ اسے لینے کے لیے آنے والے لوگوں کا مسلح ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس کی غلط فہمیوں پر ماتم کناں ہوا تیز آواز سے سرسراتی رہی۔ ہوا کی طوفانی رفتار سے انجان ماہ بانو اجنبیوں کو اپنا ہمدرد جان کر انجانی راہوں پر آگے بڑھتی رہی۔

☆☆☆

"اٹھ جائیں بھی، کب تک سوتے رہیں گے۔ آج جمعہ بھی ہے۔ ناشتا کرنے اور نہا کر تیار ہونے میں ہی نماز کا ٹائم ہو جائے گا۔ دیر ہو گئی تو پھر آپ خود ہی افسوس کریں گے کہ جماعت نکل گئی۔" یہ کوئی تیسری بار تھا جو کشور نے آفتاب کو نیند سے جگانے کی کوشش کی تھی اسی لیے اس کے لہجے میں تھوڑی سی جھنجلاہٹ بھی اتر آئی تھی۔

"اتنے غصے سے اٹھائیں گی تو میں بالکل بھی نہیں جاگوں گا۔ مجھے آپ کی ہنستی مسکراتی صورت سے پیار ہے۔ آنکھ کھولتے ہی غصے والی شکل دیکھوں گا تو پورا دن خراب گزرے گا۔" آفتاب نے آنکھیں موندے موندے جواب دیا تو کشور اس بات پر مطمئن ہو کر کہ وہ جاگ چکا ہے، وہاں سے جانے لگی۔ آج اس کے گھر کا کام کاج نمٹانے والی ملازمہ نہیں آئی تھی اس لیے وہ خاصی مصروف تھی۔

"ایسی کیا بے رخی سرکار کہ شکوے کا جواب دینا بھی گوارا نہیں۔" آفتاب نے اس کا آنچل تھام کر اس کے جانے کی راہ مسدود کی اور آنچل اپنے چہرے پر پھیلا لیا۔

"آپ ستا بھی تو بہت رہے ہیں۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی چھوٹے بچے کو صبح صبح اسکول جانے کے لیے نیند سے جگا رہی ہوں۔" راہ فرار نہ پا کر کشور اس کے قریب ہی بستر پر بیٹھ گئی اور جوابی شکوہ کیا۔

"میں آپ کو پریکٹس کروا رہا ہوں تاکہ ہمارا سوئٹو سا بچہ جب اسکول جاتے ہوئے آپ کو ستائے تو آپ کو اسے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ہینڈل کرنے میں پریشانی نہ ہو۔" وہ اس کے آنچل کی نرماہٹیں اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے بہت آہستگی سے کھوئے کھوئے بولا۔

"پہلے اسے دنیا میں تو آنے دیں۔ آپ تو ڈائریکٹ اس کے اسکول جانے کے بارے میں ہی سوچنے لگے۔" بچے کا ذکر سن کر کشور کے ہونٹوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی ورنہ وہ آج صبح سے بڑی ٹینشن میں مبتلا تھی۔

"صرف اسکول جانے کا کیا ذکر... میں تو ابھی سے اپنے ذہن میں ان مہمانوں کی لسٹ بھی تیار کرنے لگا ہوں جنہیں اس کی شادی میں انوائٹ کیا جائے گا۔" کہنیوں پر زور دے کر اٹھتے ہوئے اس نے بڑے مزے سے بتایا۔

"آپ تو بڑے دیوانے ہیں۔" اس کی بات سن کر کشور ہنس دی۔

"چھوٹے دیوانے ہوتے تو آج یہاں نہ ہوتے۔ کسی سے عشق کرنے کے لیے بڑے دیوانے پن کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔" آفتاب نے ترت جواب دیا۔

"مگر میں نے تو آپ کو بڑا ہوش مند آدمی جان کر آپ سے شادی کی تھی۔ میرے ساتھ تو یہ سراسر دھوکا ہو گیا نا؟" کشور کو شرارت سوجھی۔

"دھوکا کھایا ہے تو اب اس کا نتیجہ بھی بھگتیں۔ یہ دیوانہ تو اب آپ کو ساری عمر ستاتا رہے گا۔" اس کی شرارت کے جواب میں آفتاب نے یک دم ہی اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور پے در پے چومتا ہی چلا گیا۔

"بس کر دیں۔ غلطی ہو گئی جو آپ کو دیوانہ کہہ دیا۔ میری توبہ جو آئندہ ایسی کوئی بات زبان سے نکالی۔" بے ساختہ امڈ آنے والی ہنسی کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے آفتاب کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"بس اتنا ہی حوصلہ تھا؟ اتنی جلدی ہار بھی مان لی۔" آفتاب نے اسے چومنا تو بند کر دیا لیکن اپنی بانہوں کے حصار سے آزاد نہیں کیا۔

"اس وقت میرے حوصلے کی آزمائش سے زیادہ آپ کو گھڑی کی سوئیوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ذرا غور سے گھڑی دیکھیں۔ تھوڑا ہی وقت رہ گیا ہے نماز جمعہ کے لیے۔ رات بھر جاگ کر کام کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ دن سو کر گزار دیں۔ چلیں شاباش اٹھیں۔ اچھے بچوں کی طرح اٹھ کر نہائیں اور فریش ہو کر ناشتا کریں۔ آج میں آپ کو اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہوا ناشتا کھلاؤں گی۔" کشور نے اسے کسی چھوٹے بچے ہی کی طرح پچکارا۔

[illegible]

خوب نشست سنبھال لیتا تھا۔ گزشتہ رات بھی اس نے ... میں گزاری تھی اس لیے اب دن چڑھے تک پڑا سو رہا تھا لیکن سونے سے قبل اس نے کشور کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ اسے نماز جمعہ کے لیے جگا دیا جائے۔ وہ پنج وقتہ نمازی تو نہیں تھا لیکن جمعے کی نماز کے لیے خصوصی اہتمام ضرور کرتا تھا۔

"آپ کے ہاتھ سے تیار کردہ ناشتا تناول کرنا میری خوش قسمتی سہی لیکن فی الحال میں نے آپ کو کسی بھی کام کے لیے منع کر رکھا ہے۔ آپ کو گھریلو کام کاج کرنے کی عادت نہیں ہے۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو گیا تو کیا کریں گی۔ بہتر ہے کہ ابھی آپ خود کو زحمت میں نہ ڈالیں۔ فارغ ہو جائیں تو پھر آرام سے اپنے شوق پورے کرتی رہیے گا۔ میں خود فرمائش کر کے آپ سے اپنی پسند کے کھانے بنوایا کروں گا۔" کشور کے ناشتا تیار کرنے کا سن کر آفتاب اسے سمجھانے لگا۔

"مجھے آپ کی ساری ہدایات اچھی طرح یاد ہیں لیکن آج مجبوری ہے۔ کام والی عورت کے خاندان میں ایک افسوس ناک حادثہ پیش آ گیا ہے اس لیے وہ کام پر نہیں آ سکی۔ اس نے صبح سویرے ہی ایک عورت کے ذریعے پیغام بھجوا دیا تھا۔" کشور نے افسردگی سے جواب دیا۔

"خیریت، کیسا حادثہ پیش آ گیا اس کے خاندان میں؟" آفتاب نے اس کی افسردگی کو دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"اس کے بھانجے کو کل دوپہر کسی نے اغوا کر لیا تھا۔ گھر والے دن بھر بچے کو ادھر ادھر ڈھونڈتے رہے لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ صبح گاؤں کی ایک عورت کنوئیں پر پانی بھرنے گئی تو اسے وہاں بچے کی لاش نظر آئی۔ اس عورت نے بچے کے گھر اطلاع دی۔ ان لوگوں نے جا کر لاش دیکھی تو اندازہ ہوا کہ معصوم بچے کو نہایت بربریت کے ساتھ زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" کشور نے اپنے علم میں موجود معلومات اسے فراہم کیں۔

"ویری سیڈ، یہ تو واقعی بہت افسوس ناک حادثہ ہے۔ میں بچے کے باپ سے افسوس کرنے اس کے گھر جاؤں گا۔" ساری تفصیل سن کر آفتاب کو بھی بہت دکھ ہوا۔ اس قسم کے حادثات اکثر و بیشتر سننے میں آنے لگے تھے لیکن سن کر ہر بار نئے سرے سے دکھ ہوتا تھا کہ یہ قوم لوط کی باقیات ہمارے

[illegible]

بہرحال، آپ اٹھ کر نہانے جائیں، میں اس دوران آپ کا ناشتا تیار کر دیتی ہوں۔" کشور اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"کسی بکھیڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک پیالی چائے بنا دیں۔ میں اس وقت ناشتا کرنے کے بجائے اب نماز کے بعد دوپہر کا کھانا ہی کھاؤں گا۔ اس کے لیے بھی آپ خود کو زحمت میں مت ڈالیے گا۔ میں دیکھوں گا کہ باہر سے کوئی کھانے کی چیز مل جائے ورنہ پھر فروٹس اور بسکٹس وغیرہ پر گزارہ کر لیں گے۔" آفتاب کے الفاظ سے ظاہر تھا کہ اسے کشور کا کس درجے تک خیال ہے۔

"کھانے کی فکر نہ کریں۔ میں قیمہ پکا چکی ہوں۔ صرف روٹیاں رہتی ہیں، وہ آپ تندور سے لے آئیے گا۔ اسلام آباد والی خالہ کے ساتھ رہ کر میں نے جو تھوڑا بہت ان سے سیکھا تھا، آج اس کی آزمائش ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو میرے ہاتھ کا بنا قیمہ ضرور پسند آئے گا۔" اسے جواب دیتے ہوئے کشور نے خالہ کا ذکر کیا تو دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ خالہ مہربان خاتون تھیں جن سے کشور نے خانہ داری کے چند اہم امور بھی سیکھ لیے تھے لیکن پھر انہیں عجلت میں ان کا گھر چھوڑ کر وہاں سے نکلنا پڑا۔ پھر اسلام آباد میں ہی انہوں نے ایک قیام گاہ تلاش کی مگر پھر اس قیام گاہ کو بھی چھوڑ کر اس نواحی گاؤں میں اٹھ آئے تھے۔ یہاں زندگی کی سہولیات اگرچہ کم تھیں لیکن وہ لوگ زندگی میں تھوڑا سا ٹھہراؤ اور سکون محسوس کر رہے تھے۔ آج جو اچانک ہی خالہ کا ذکر چھڑا تو جہاں زندگی کے بہت سے مصائب یاد آئے، وہیں مہربان خالہ کی یاد نے دل کو دکھی کر دیا۔

"خالہ کتنی اچھی خاتون تھیں نا۔ بے چاری ہماری وجہ سے ماری گئیں۔" اس نے آفتاب کے سامنے دل میں آئے خیال کا اظہار کیا۔

"اب آپ اس بات پر خود کو دکھی مت کریں۔ خالہ کا احسان میں بھی مانتا ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کا وقت جب اور جیسے لکھا ہے، وہ اسی طرح اس دنیا سے جائے گا۔" آفتاب نے اسے سمجھاتے ہوئے پیار سے اس کا رخسار تھپتھپایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ کشور نے بھی خود کو سنبھالتے ہوئے اس کیفیت سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ آفتاب کے نہا کر نکلنے تک وہ اس کے لیے چائے تیار کر کے نکال چکی تھی۔ آفتاب نے جلدی سے چائے پی اور عجلت میں مسجد کی طرف چلا گیا۔

گاؤں کی واحد مسجد میں آج معمول سے زیادہ رش تھا۔ جمعے کے دن یوں بھی نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی لیکن آج مقتول بچے کی نماز جنازہ کی وجہ سے بھی کافی زیادہ لوگ آئے تھے۔ آفتاب نے بچے کے جواں سال باپ کو غم سے نڈھال دیکھا تو خود بھی افسردہ ہو گیا۔ جس بچے کو اس نے کسی ننھے سے پودے کی طرح سینچ کر اس لائق کیا تھا کہ وہ تنہا اسکول اور مدرسے جانے لگا تھا اور چھوٹے موٹے کاموں میں باپ کا ہاتھ بٹا دیا کرتا تھا، وہ کسی ظالم کے ظلم کا شکار ہو کر جڑ سے اکھڑ گیا تھا تو اس باپ کی صدمے سے بُری حالت ہی ہونی تھی۔ آفتاب طبعاً ایک حساس آدمی تھا جس کا دل ہر ظلم و زیادتی کو دیکھ کر کڑھتا تھا اور اب جبکہ وہ خود باپ بننے جا رہا تھا تو اس نے اس غم زدہ باپ کے دکھ کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا تھا۔ اس روتے بلکتے شخص کو تھوڑی دیر گلے لگا کر تشفی کے چند الفاظ کہنے کے بعد وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت کسی کی تسلی اور دلاسا اس شخص کے غم کو کم نہیں کر سکتی۔ چند لمحے وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ مسجد کے اندر چلا گیا۔ باقی لوگ بھی اب یہی کر رہے تھے۔ جمعے کا خطبہ شروع ہو چکا تھا جسے وہ دھیان سے سنتا رہا۔

"آج امام صاحب واپس آ گئے ہیں اور جمعے کی نماز کے علاوہ خیرو کے پتر کا جنازہ بھی وہی پڑھائیں گے۔" اس کے برابر میں بیٹھے شخص نے نہ جانے کس سے یہ الفاظ کہے جو اس کی سماعتوں تک بھی پہنچ گئے۔ وہ جواب تک سر جھکائے بیٹھا تھا، اس اطلاع کو سن کر تجسس سے خطبہ دینے والے شخص کو دیکھنے لگا۔ اسے گاؤں والوں کی زبانی یہی معلوم ہوا تھا کہ امام مسجد کچھ عرصے کی رخصت پر گئے ہوئے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں گاؤں کا ایک شخص جو دوسروں کی نسبت دین کی زیادہ سوجھ بوجھ رکھتا ہے، یہ فرض انجام دے رہا ہے۔ وہ زیادہ سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی حقیقتاً چند سورتوں کا حافظ تھا جو جماعت کروا دینے کے علاوہ دیگر دینی امور کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا تھا۔ آفتاب اس سے قبل جب نماز پڑھنے یہاں آیا تھا تو اس شخص سے ملاقات کی تھی اور چند باتوں سے ہی اس کی علمی استعداد کا اندازہ لگا لیا تھا البتہ اس شخص نے امام مسجد کی علمی بساط اور اخلاق کی اس درجے تعریف کی تھی کہ خود آفتاب کے دل میں اس سے ملاقات کا تجسس پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ امام مسجد تشریف لا چکے ہیں اور خود جماعت کروا رہے ہیں تو خودبخود ہی اس کی نظر خطیب کی طرف اٹھ گئی۔

وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جس نے سفید براق لباس

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تن کر رکھا تھا اور سر پر عمامہ لیے ہوئے تھا۔ اس شخص کے چہرے پر موجود داڑھی کے بال مہندی کی سرخی سے رنگے ہوئے تھے اور یہ داڑھی اتنی گھنی تھی کہ اس کا چہرہ بہت واضح طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں اسے محسوس ہوا کہ یہ چہرہ اس کے لیے آشنا ہے۔ اپنے اندر ابھرنے والے اس احساس کی وجہ سمجھنے کی اسے مہلت نہیں مل سکی اور خطبہ ختم ہو کر نماز جمعہ کے لیے صفیں ترتیب دی جانے لگیں۔ جمعہ کی ادائیگی کے بعد مقتول بچے کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز کے بعد امام مسجد نے رقت زدہ لہجے میں دعا کی جس میں اللہ سے بچے کے والدین کے لیے صبر جمیل کے ساتھ ساتھ اتنا بڑا ظلم کرنے والے شخص کے نیست و نابود ہو جانے کی بھی استدعا کی گئی۔ آفتاب کا ذہن غنودگی اور دکھ کے باعث پوری طرح چوکنا نہیں تھا پھر بھی کوئی خیال تھا جو اس کے ذہن سے ٹکرا کر امام مسجد کے لیے آشنائی کا احساس پیدا کرتا رہا۔ وہ اس احساس کی وجہ سمجھنے کے لیے ان سے ملنا چاہتا تھا لیکن ان کے فارغ ہوتے ہی گاؤں والوں نے جس طرح ان کے گرد جمگھٹا لگا لیا، اس سے اسے اندازہ ہوا کہ ڈھنگ سے ملاقات کا موقع نہیں ملے گا چنانچہ وہ ملاقات کے خیال کو پھر کسی وقت کے لیے ٹال کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی رہائش گاہ مسجد سے ذرا زیادہ فاصلے پر تھی چنانچہ پیدل چل کر جانے میں کچھ وقت لگتا تھا۔ اپنی اس مارچ کے دوران بھی وہ امام مسجد کے لیے ابھرنے والے آشنائی کے احساس کے بارے میں غور کرتا رہا۔ غور کرتے کرتے اس کے ذہن میں یکدم ہی ایک نام گونجا اور وہ جگہ بری طرح ٹھٹک گیا۔ اگر اس کے ذہن میں ابھرنے والا نام درست تھا تو پھر وہ انجانے میں ایک اہم آدمی تک پہنچ گیا تھا۔ اس نام کے ذہن میں آنے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ یونہی واپس گھر لوٹ جاتا۔ اسے اپنے ذہن میں ابھرنے والے خیال کی تصدیق کرنی تھی اور تصدیق اسی صورت ممکن تھی کہ وہ اس شخص کو ایک بار پھر اچھی طرح قریب سے دیکھے چنانچہ گھر کی طرف جانے والے اس کے قدم اپنا رخ بدل کر ایک بار پھر مسجد کی طرف پلٹ گئے۔

☆☆☆

چودھری کسی زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کچھ عرصے سے اسے زک پر زک اٹھانی پڑ رہی تھی۔ اس کے کھیتوں کا سیلابی پانی کی زد میں آنا، بالے کا ناکارہ ہو کر ہسپتال میں جا پڑنا، کشور کا آفتاب کے ساتھ فرار اور اس کے ہاتھ آتے آتے نکل جانا، فریدہ کا ماں بننے کی خبر دینا

[illegible]

حکمرانی کرنے اور اپنی منوانے کا عادی تھا۔ اب جو خلاف مرضی اتنے سارے واقعات پیش آئے تو برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ خصوصاً ماہ بانو کا مہمان خانے سے فرار ہو جانے کا تازہ ترین واقعہ تو اس کے لیے سخت اشتعال کا باعث بنا تھا۔ ایک رات میں وہ دو کمزور عورتوں کے ہاتھوں شکست کھانے پر مجبور ہوا تھا۔ پہلے فریدہ نے اپنے ماں بننے کی خبر سنا کر اسے غصہ دلایا تھا اور اتنی پُراعتماد تھی کہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی بااثر ہستی کی پشت پناہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ فریدہ سے ہونے والی گفتگو نے اسے اتنا بدمزہ کیا تھا کہ اس نے ماہ بانو کے پاس جانے کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ درحقیقت خود ماہ بانو حویلی سے نکل چکی ہے۔ صبح اسے منشی نے اطلاع دی کہ مہمان خانے سے ماہ بانو غائب ہے اور ساتھ ہی وہ دونوں ملازم میاں بیوی بھی جن کے ذمے ماہ بانو کی نگرانی کا کام لگایا گیا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی چودھری کا پارا ہائی ہو گیا۔ اس نے پہلے منشی کو ڈھیروں گالیوں سے نوازا پھر اس گن مین کو اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا جو صرف اور صرف مہمان خانے کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس وقت وہ اسی گن مین کے انتظار میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسے ٹہلتے ہوئے دو تین منٹ گزر رہے تھے کہ منشی ڈرتا ڈرتا اندر داخل ہوا۔ چودھری کی توقع کے خلاف اس کے ساتھ گن مین موجود نہیں تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے منشی کو گھورا۔

"میں نے فون کر دیا ہے سرکار! شکورا ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہو گا۔ مین گیٹ والے چوکیدار نے بتایا ہے کہ وہ رات سے ڈیرے پر گیا ہوا ہے۔" منشی نے دھیمی آواز میں بتایا۔

"کیوں؟ ادھر کیا اس کی گھر والی مجرا کر رہی تھی جسے دیکھنے گیا تھا؟" چودھری دہاڑا۔

"وہ آئے گا تو اصل گل کا پتا لگے گا۔ چوکیدار سے تو یہی بول کر گیا تھا کہ اسے چودھری صاحب نے ڈیرے پر جانے کا کہا ہے۔" منشی نے ادب سے جواب دیا۔

"ہور مجو کی کیا خبر ہے... کیا وہ بھی میرا نام لے کر کہیں دفان ہو گیا ہے؟"

"اس کی کوئی خبر نہیں سرکار! اس کے گھر پتا کروایا تھا میں نے... ادھر صرف اس کی دھی اور کاکا ہے۔ وہ دونوں بولتے ہیں کہ اماں ابا حویلی ہی میں ہیں، ہمیں کہیں اور جانے

[illegible]

ڈوبنا لگے گا کہ نہیں کسی رقم شقم کے لالچ میں تو مجو اور اس کی گھر والی نے نمک حرامی نہیں کی۔ مجھے معلوم چلا ہے کہ مجو کی دھی کا ویاہ ہونے والا ہے اور مجو کے پاس رقم نہیں ہے اس لیے آج کل وہ گاؤں میں سب سے قرض مانگتا پھر رہا ہے۔"

منشی نے اپنی پوری کارگزاری سنائی تو چودھری ہونہہ کر کے رہ گیا اور منقش تخت پر جا بیٹھا۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ منشی نے فوراً آگے بڑھ کر حقے کی نے اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ ناک پھلا پھلا کر حقہ گڑگڑانے لگا۔ اس کا حقہ گڑگڑانے کا انداز ایسا تھا کہ صاف ظاہر ہو رہا تھا وہ غصے سے ابل رہا ہے اور اس غصے کی زد میں کچھ بھی آسکتا ہے۔ اس کا مزاج آشنا منشی اس کی کیفیت کو سمجھ ایک طرف ہاتھ باندھے اور سر جھکائے ادب سے کھڑا رہا۔ پندرہ منٹ کا دورانیہ گزرنے کے بعد اسے اطلاع ملی کہ گن مین شکورا حویلی پہنچ چکا ہے۔

"شکورا آگیا ہے سرکار! اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں؟" اطلاع ملنے پر اس نے چودھری سے اجازت طلب کی۔

"ہور نہیں تو کیا فیر کورٹ سے سمن جاری ہونے کا انتظار کرے گا؟" چودھری برہم ہوا۔ اس کی برہمی دیکھ کر منشی جلدی سے باہر کی طرف دوڑا۔ اگلے ہی لمحے شکورا اس کے ساتھ چودھری کی خدمت میں حاضر تھا۔

"ہاں بھئی شکورے! کدھر تھا تُو؟" چودھری نے گن مین کو شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ڈیرے پر تھا سرکار! رات مجو نے مجھے آپ کا پیغام دیا تھا کہ چودھری صاحب کہہ رہے ہیں آج رات ڈیرے پر ڈیوٹی دے دے، ادھر نفری کم ہے تو میں ادھر چلا گیا۔" غلطی نہ ہونے کے باوجود شکورے نے کپکپاتے ہوئے جواب دیا۔ چودھری کے مزاج کا کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ غیظ میں بےقصور ہوتے ہوئے بھی اسے سزا کا حق دار ٹھہرا دے۔

"ہونہہ! اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ ہوا اس میں مجو کا ہاتھ تھا۔ وہ کسی کے ہاتھوں بک گیا تھا اس لیے اس نے تجھے اِدھر سے ہٹانے کے لیے یہ ترکیب نکالی کہ تجھے ڈیرے پر لگا دے۔ اسے کسی سے علوم ہو گیا ہو گا کہ آج کل ڈیرے پہرا دینے والوں کی نفری کم ہو گئی ہے۔" چودھری پُرسوچ لہجے میں بولا۔ اس کے انداز پر گن مین کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہو گئیں۔ اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ کم از کم اسے

نہیں سمجھا جا رہا۔

"چودھری صاحب! مجو کے گھر کی تلاشی لینے والے بندے واپس آگئے ہیں۔ ان کے پاس کوئی اہم خبر ہے۔" اسی وقت کسی ملازم نے آکر منشی کے کان میں سرگوشی کر کے اسے کچھ بتایا تو وہ سنسنی خیز لہجے میں چودھری سے بولا۔

"بلاؤ ان دونوں کو۔" چودھری نے تیز لہجے میں حکم دیا۔ منشی کے پاس اطلاع لے کر آنے والا ملازم اس حکم پر فوراً باہر کی طرف دوڑا۔ اگلے لمحے دونوں ملازمین وہاں موجود تھے۔

"ہاں بھئی، کیا خبر لائے ہو؟" چودھری نے ان میں سے ایک کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"خبر نہیں سرکار خبریں ہیں۔ پہلی خبر یہ ہے کہ مجو کے گھر کی تلاشی لینے پر ایک پیٹی میں سے یہ دس ہزار روپے ملے ہیں۔" اس نے نوٹوں کی ایک گڈی چودھری کے سامنے کی جسے منشی نے تھام لیا۔ گڈی سو اور پانچ سو کے استعمال شدہ نوٹوں پر مشتمل تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مجو کو رقم دینے والا شخص بہت ہوشیار اور چالاک تھا۔

"دوسری خبر؟" گڈی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد چودھری نے اسی آدمی سے دریافت کیا۔

"نہر کے پاس اسکول کی عمارت کے پیچھے مجو اور اس کی گھر والی کی لاشیں ملی ہیں۔ دونوں کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ لاشیں جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھیں اس لیے فوری طور پر کسی کی نظر نہیں پڑی۔ اسکول بھی ایک دو دن سے بند پڑا ہے۔ سنا ہے وہ عیسائی استانی اپنی دھی ڈاکٹر ماریا کے ویاہ کے چکر میں مصروف ہے اس لیے اسکول نہیں آرہی ہے ورنہ بچے ہی کھیلنے کودنے نکلتے تو لاشیں دیکھ لیتے۔ وہ تو آوارہ کتے لاشوں کی بو پا کر وہاں جا نکلے ہور انہوں نے لاشیں گھسیٹ کر جھاڑیوں سے باہر نکال لیں۔ کتوں کے بھونکنے اور شور مچانے پر کھیتوں میں کام کرنے والوں نے اس طرف دھیان دیا تو انہیں لاشیں نظر آگئیں۔ کتوں نے اچھا خاصا گوشت ادھیڑ ڈالا تھا لاشوں کا لیکن گاؤں والوں نے مجو اور اس کی گھر والی کو پہچان لیا۔ ہم مجو کے گھر سے تلاشی لے کر نکلے ہی تھے تو لاشیں ادھر پہنچیں اور ہم ساری تفصیل علوم کر کے آپ کو اطلاع دینے چلے آئے۔"

اس آدمی نے تفصیل سے سب کچھ بتایا تو چودھری کا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا کہ کسی ہوشیار اور چالاک آدمی نے مجو اور اس کی گھر والی کو استعمال کیا ہے، وہ بھی اس طرح کہ اب وہ دونوں اس کا نام بتانے کے لیے زندہ نہیں بچے ہیں۔ آج کل اسے پہنچنے والے ہر نقصان کے پیچھے ایک ہی شخص ہوتا تھا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اور وہ تھا شہریار۔ فریدہ اور ماہ بانو کی پشت پناہی شہریار کر رہا ہو، اس بات کا قوی امکان تھا۔ فریدہ کے بھائی چودھری بختیار سے شہریار کے ٹھیک ٹھاک تعلقات تھے۔ چودھری بختیار سے دوستی نبھانے کے لیے وہ اس کی بہن سے ہمدردی کر سکتا تھا۔ فریدہ نے کسی ذریعے سے اس سے رابطہ کیا ہوگا تو اس نے فریدہ کو یقین دلا دیا ہوگا کہ وہ اس کا پورا پورا ساتھ دے گا۔ یہ سوچنا تو اب غیر ضروری تھا کہ فریدہ نے کس ذریعے سے شہریار سے رابطہ کیا ہوگا۔ ملازمین کی نمک حرامی اس کے سامنے تھی۔ اگر ججو اور اس کی گھر والی اپنے کسی مفاد کے لیے بک گئے تھے تو کوئی اور ملازم بھی بک سکتا تھا۔ فریدہ کا ساتھ دینے کے لیے شہریار کے پاس دوسری اہم وجہ چودھری سے دشمنی تھی۔ اس دشمنی کو نبھانے کے لیے بھی وہ فریدہ کا ساتھ دے سکتا تھا بلکہ وہ تو منتظر ہوگا کہ کب فریدہ منظر عام پر آتی ہے اور میڈیا کے ذریعے ساری دنیا کو چودھری کے کرتوت بتاتی ہے۔

دوسری شخصیت ماہ بانو کا تو وہ عرصے سے ساتھ دے ہی رہا تھا۔ اسی کی مدد سے ماہ بانو پیرآباد سے نکلنے میں کامیاب ہوئی اور پھر اِدھر اُدھر جو چھپتی پھری تو اسے چھپنے کے لیے پناہ گاہیں فراہم کرنے والا بھی شہریار ہی تھا۔ شہریار ہر بار اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے قانونی طریقہ استعمال کرے گا، یہ بھی اب ضروری نہیں رہا تھا۔ پہلے بھی وہ اس کے ڈیرے پر غنڈوں سے حملہ کروا کر آفتاب کو وہاں سے آزاد کروا چکا تھا۔ پھر بالے کے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ جانے کی مثال بھی اس کے سامنے تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کیس میں بھی شہریار نے غنڈا عناصر کا استعمال کیا تھا۔ چودھری شواہد حاصل نہیں کر سکا تھا کہ یہ کارگزاری شہریار کی ہے، اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ یہ سب اسی نے کروایا ہے۔ اب ماہ بانو کے مہمان خانے سے غائب ہو جانے کے پیچھے بھی اسے شہریار کا ہی ہاتھ لگ رہا تھا۔

شہریار جیسے متمول آدمی کے لیے ججو کو رقم کا لالچ دے کر استعمال کر لینا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس معاملے میں جو واحد چیز اسے کھٹک رہی تھی، وہ ججو اور اس کی بیوی کا قتل تھا۔ اب تک اس نے شہریار کی فطرت کو جہاں تک سمجھا تھا، اس سے یہی سمجھ آتا تھا کہ وہ کسی بے قصور اور غیر متعلقہ شخص کو نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن شہریار کے علاوہ کوئی دوسرا نام بھی فی الحال اس کے ذہن میں نہیں تھا جس کے بارے میں وہ کہہ سکے کہ اس شخص کو ماہ بانو سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ماہ بانو کو تو بس شہریار ہی اس سے چھین کر لے جا سکتا تھا اور یہ بات اس کے

[illegible] تھا جس کے گھر پر وہ اپنے کارندوں سے حملہ کروا کر ماہ بانو کو بازیاب کروا لیتا۔ اسے ماہ بانو کو شہریار سے واپس حاصل کرنے کے لیے اسی صفائی سے کام کرنا تھا جس صفائی سے وہ اس کی حویلی سے اسے نکال لے گیا تھا۔

”ججو کی دھی اور پتر اِدھر حویلی میں ہی ہیں نا؟“ حالات پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد اس نے منشی سے دریافت کیا۔

”جی سرکار! اگر آپ کا حکم ہو تو میں ان دونوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں؟“ منشی نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”نہیں، اس کی کوئی لوڑ نہیں۔ میں نے ان دونوں کے لیے کچھ ہور سوچا ہے۔ ججو اور اس کی گھر والی نے میرے ساتھ جو نمک حرامی کی ہے، اس کی سزا اس کی نسل کو بھی بھگتنی پڑے گی۔ آخر وہ بھی تو ہمارا ہی نمک کھا کر پلے بڑھے ہیں۔ اس نمک کے ساتھ بے وفائی کرنے والے کو ہم کسی صورت معاف نہیں کر سکتے۔ ہم ججو کی اولاد کا وہ حشر کریں گے کہ وہ اُدھر دوسری دنیا میں بھی تڑپ اٹھے گا۔ ہور آئندہ ہمارا کوئی ملازم ہم سے نمک حرامی کی سوچے گا بھی تو اس کے سامنے اپنا عبرت ناک انجام آ جائے گا۔“ قہر آلود لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے چودھری نے منشی کو وہ سزا بتائی جو وہ ججو کی اولاد کے لیے تجویز کر چکا تھا۔ بے ضمیر منشی نے اس لرزہ خیز سزا کو اطمینان کے ساتھ سنا اور اس پر عمل کروانے کی یقین دہانی کرواتے ہوئے چودھری کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ چودھری کی بھڑاس ابھی کچھ نہ کچھ نکل ہی گئی تھی چنانچہ جب اس کے سامنے ام الخبائث سے بھرا جام پیش کیا گیا تو وہ اس جام کو گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے اپنا آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔

☆☆☆

”کیا تمہیں سو فیصد یقین ہے کہ ماہ بانو اب چودھری کی حویلی میں نہیں ہے؟“ دیوار پر نظریں جمائے بیٹھے شہریار نے فون پر دوسری طرف موجود عبدالمنان سے پوچھا۔ ماہ بانو کے بلتستان سے نکل کر کراچی پہنچائے جانے کے بارے میں اس نے عبدالمنان کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ بالکل نہیں جانتا تھا کہ ماہ بانو زندہ ہے اور کراچی کے کسی ہاسٹل میں رہائش پذیر ہے۔ اس کو کچھ نہ بتانے کی وجہ بداعتمادی نہیں تھی بلکہ شہریار نے احتیاط کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا

[illegible] اغوا کی جا چکی تھی اور اس کی تلاش کے لیے اسے اپنے جن ذرائع کو استعمال کرنا تھا، ان میں عبدالمنان کی حیثیت بڑی مسلّم تھی۔ عبدالمنان مقامی معاملات سے باخبر رہنے والا ایک ایسا آدمی تھا جو چودھری کی حویلی کے اندر تک سرنگ لگا کر وہاں سے خبر نکال کر لا سکتا تھا چنانچہ اس نے عبدالمنان کو ہی یہ ذمے داری سونپ دی تھی۔ خود وہ تو آج کل یوں بھی بڑا مصروف تھا۔ ممانی جان نے اصرار کر کے بلکہ باقاعدہ حکم دے کر اسے لاہور بلوا لیا تھا اور اسے لے کر مختلف بازاروں میں پھرتی رہی تھیں۔ اس کے لیے شادی کا جوڑا انہوں نے ایک مشہور ڈریس ڈیزائنر سے ارجنٹ میں منہ بولی قیمت پر تیار کروایا تھا لیکن پھر بھی مطمئن نہیں تھیں اور ان کا یہی کہنا تھا کہ اس ایمرجنسی کی شادی کی وجہ سے ان کے کئی پروگرام ادھورے رہ گئے ہیں۔

رشتوں کی زنجیر میں جکڑا شہریار ان کی محبت کے آگے بے دست و پا تھا اور یہاں بیٹھ کر ماہ بانو کی بازیابی کے سلسلے میں جو کچھ کر سکتا تھا، وہ کر رہا تھا۔ اس نے کراچی سے بھی درست معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی تھی اور اس آدمی سے اسے اب تک جو رپورٹس ملی تھیں، ان سے یہی پتا چل سکا تھا کہ کچھ لوگوں نے اچانک ہی ہاسٹل میں گھس کر ماہ بانو کو وہاں سے اغوا کر لیا تھا۔ اس کی روم میٹ اس معاملے میں قطعی بے قصور پائی گئی تھی... اور جیسا کہ اس پر شک کیا جا رہا تھا کہ شاید اسی نے ماہ بانو کا اتا پتا چودھری کو دیا ہے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بے چاری تو خود بہت خوف زدہ اور ہراساں تھی اور ابھی تک اس لائق نہیں ہو سکی تھی کہ کالج جوائن کر سکے۔ شہریار نے اس آدمی کے ذمے ماہ بانو کی دوسری قریبی لڑکیوں کو ٹٹولنے کی ذمے داری لگا دی تھی لیکن چونکہ اسے یقین تھا کہ اس کے اغوا کے معاملے میں چودھری کا ہی ہاتھ ہو سکتا ہے، اس لیے اس کا سارا زور بھی اسی طرف تھا۔ اس کی ہدایت پر چودھری کے اردگرد کی سُن گُن لیتے پھرتے عبدالمنان نے معلوم کروا لیا تھا کہ ماہ بانو کو واقعی چودھری نے ہی اغوا کروایا تھا اور حیرت انگیز طور پر اسے کسی خفیہ ٹھکانے پر چھپانے کے بجائے اپنی حویلی کے مہمان خانے میں رکھا تھا۔ شاید اس نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ کسی کو شک ہی نہ گزرے اور ڈھونڈنے والے ماہ بانو کو اس کے کسی خفیہ ٹھکانے پر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے رہیں لیکن ماہ بانو وہاں سے بھی غائب ہو گئی تھی اور اس وقت عبدالمنان

نے بھی اطلاع دی تھی جس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”بالکل سر! میں نے حویلی میں مستقل کام کرنے والے ایک ملازم سے یہ ساری معلومات حاصل کی ہیں اور ان معلومات کی تصدیق ماہ بانو کی نگرانی پر مامور ملازم اور اس کی بیوی کی ہلاکت سے بھی ہو رہی ہے۔“ عبدالمنان نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

”کیا ان دونوں ملازم میاں بیوی کو چودھری نے مروایا ہے؟“ شہریار نے نہایت سنجیدگی سے سوال کیا۔

”نو سر! یہ کسی اور کا ہی کارنامہ ہے۔ مجھے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کے مطابق کسی نے رشوت دے کر ان ملازمین کو استعمال کیا اور پھر راز نہ کھلے اس لیے انہیں ہلاک کروا دیا۔ ان دونوں ملازمین کی ہلاکت کے بعد یہ بات ایک معما بن گئی ہے کہ ماہ بانو کو کس نے اور کیوں حویلی سے فرار کروایا۔ اس کا ایسا کون ہمدرد تھا جو اتنا بااثر و بارسوخ تھا کہ پہلے ملازمین کو رشوت دے کر اسے فرار کروانے میں کامیاب ہوا اور پھر ملازمین کو ہلاک بھی کروا دیا۔“ عبدالمنان کا ہوم ورک ہمیشہ کی طرح مکمل اور جامع تھا۔ اس نے اگر بتایا تھا کہ ماہ بانو اب حویلی میں نہیں ہے تو واقعی وہ اس بات کی اچھی طرح تصدیق کر چکا تھا۔

”شیری! کیا ہے بیٹا؟ تم نے ابھی تک تیار ہونا شروع نہیں کیا۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ تمہارے ماموں جان وقت کے کتنے پابند ہیں۔ وقت پر برات روانہ نہیں ہوئی تو وہ تمہیں تو کچھ نہیں کہیں گے لیکن مجھ پر سخت خفا ہوں گے۔“ وہ عبدالمنان کے ساتھ اپنی گفتگو کا سلسلہ مزید آگے بڑھاتا، اس سے قبل ہی آفرین رانا کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے فون پر باتیں کرتا دیکھ کر ناراض ہونے لگیں۔

”ٹھیک ہے عبدالمنان! تم اس معاملے پر نظر رکھو اور اگر کوئی اہم بات معلوم ہو تو مجھے اطلاع دے دینا۔“ اس نے جلدی سے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے عبدالمنان سے کہا اور فون بند کر کے آفرین رانا کی طرف متوجہ ہوا۔

”عبدالمنان تمہارا پی اے ہے نا؟ تم نے اسے اپنی شادی میں انوائٹ نہیں کیا؟“ آفرین رانا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے ضروری نہیں سمجھا۔“ وہ سنجیدگی سے جواب دیتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔ آج کی تقریب میں پہننے کے لیے خصوصی طور پر تیار کردہ سوٹ بڑے سلیقے سے ہینگر میں لٹکا ہوا تھا۔ اس نے بڑے بے نیاز انداز میں ہینگر سمیت سوٹ باہر نکالا۔ آفرین

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

رانا اس کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہی تھیں اور ان کے ذہن میں یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ شہر یار یہ شادی اپنے دل کی خوشی سے نہیں بلکہ کسی مجبوری کے تحت کر رہا تھا۔ وہ مجبوری کیا تھی، وہ سمجھنے سے قاصر تھیں اور شہر یار کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ ویسے اگر وہ انہیں اب کچھ بتا بھی دیتا تو وہ کیا کر سکتی تھیں؟ اب جبکہ بالکل آخری لمحات آ گئے تھے اور شادی کی تقریب شروع ہونے ہی والی تھی تو کچھ تبدیل بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس تقریب میں شہر بھر کے خاص خاص افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ وزیراعظم اور صدر تک کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے تو ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کسی فلم کی طرح عین کلائمکس پر جا کر اعلان کر دیا جائے کہ خواتین و حضرات... آپ لوگ جس شادی میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں، وہ کینسل کر دی گئی ہے یا پھر اس کے دولہا دلہن تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ زندگی کی کہانی اور فلمی کہانی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فلمی کہانی کا انجام اس طرح کیا جاتا ہے کہ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ جائے۔ زندگی کی کہانی سمجھوتوں کے سہارے جگ ہنسائی سے بچنے کی کوشش میں چلتی رہتی ہے۔ شہر یار کو بھی شاید اپنی زندگی میں ایک بڑا سمجھوتا کرنا پڑا تھا اور وہ اس کے لیے صرف خوشی کی دعا کر سکتی تھیں۔ اب بھی وہ زیر لب یہ دعا کرتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئیں۔ ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد شہر یار بھی تیار ہو کر باہر آ گیا۔ لیونگ روم میں آفرین رانا اور مریم کے علاوہ خاندان کی کئی اور خواتین بھی موجود تھیں۔ ان خواتین نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا اور جانے کون کون سی رسومات ادا کرنے لگیں۔

بے دلی سے ان رسومات کو بھگتانے کے باوجود شہر یار نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ البتہ اس نے یہ بات پہلے ہی واضح کر دی تھی کہ وہ عام روایتی دولہا کی طرح سہرا وغیرہ ہرگز نہیں باندھے گا چنانچہ اس وقت اس کے گلے میں صرف ایک عدد پھولوں کا ہار تھا اور اس واحد ہار نے بھی اس کی شخصیت میں اتنی تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ آفرین رانا اس کی بلائیں لیتے نہیں تھک رہی تھیں۔ وہ بہت اچھا لگ رہا تھا اور وہ نظر لگ جانے کے ڈر سے بار بار اس پر سے نوٹ وار کر ملازمین میں تقسیم کرتی جا رہی تھیں۔ رسومات کی ادائیگی کے بعد گاڑیوں کے قافلے کی شکل میں رانا ہاؤس سے اس کی برات روانہ ہوئی۔ تقریب کا اہتمام ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا گیا تھا جہاں اس وقت ڈاکٹر ماریا، اس کی والدہ مسز جوزف اور

[illegible]
تقریب کے لیے سارا انتظام اور اہتمام آفرین رانا نے خود کیا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ڈاکٹر ماریا کی مالی حیثیت ایسی نہیں کہ وہ ان کے اسٹیٹس کے مطابق انتظامات کر سکے چنانچہ انہوں نے اس معاملے میں ان لوگوں کو زحمت بھی نہیں دی تھی۔

برات ہوٹل پہنچی تو یوں لگا کہ وہاں رنگ و نور کا ایک طوفان امنڈ آیا ہو۔ دھیمے سروں میں بجتی موسیقی، خوب صورت ترتیب سے کی گئی لائٹنگ، اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو، ادھر سے ادھر دوڑتے باوردی بیرے، جگہ جگہ تعینات سیکیورٹی گارڈز سب مل کر بتا رہے تھے کہ شہر کی کسی ممتاز شخصیت کی شادی کی تقریب ہو رہی ہے۔ یہ سارا اہتمام و انصرام لیاقت رانا کی حیثیت کی وجہ سے تھا۔ ان کی مضبوط سیاسی پوزیشن کی وجہ سے ان کے بے شمار جاننے والے تھے جنہیں اس قسم کے مواقع پر یاد رکھنا ضروری بھی تھا۔ خود شہر یار ابھی اپنے کیریئر کے ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا اور لیاقت رانا ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے لوگوں سے روابط بڑھیں اس لیے اس کی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود انہوں نے بہت سے لوگوں کو بلا رکھا تھا اور اب وہ ایک ایک سے اس کا تعارف بھی کروا رہے تھے۔ نئے ملنے والوں سے تعارف اور پرانے آشناؤں سے علیک سلیک کے مراحل طے کرتا ہوا وہ ایک ٹیبل پر چودھری افتخار عالم شاہ کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ چند اہم کاروباری شخصیات کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور جیسا کہ اس کی عادت تھی، حقے کو چھوڑ کر شہری تقریبات وغیرہ میں سگار کا استعمال کرتا تھا... تو اس وقت بھی سگار پی رہا تھا۔

"مبارک ہو اے سی صاحب! آخر آپ بھی پھنس ہی گئے۔ مجھے تو آپ کی شادی کا سن کر دلی خوشی ہوئی اور باوجود دس کام ہونے کے، میں دعوت نامہ ملنے پر شادی میں شرکت کے لیے چلا آیا۔" شہر یار کے ٹھٹکنے کو محسوس کر کے وہ خود ہی آگے بڑھ کر اس سے ملا اور چہکتے ہوئے بتایا لیکن شہر یار اپنی جگہ حیران تھا کہ چودھری کو آخر دعوت نامہ بھیجا کس نے؟ خود اس نے تو لیاقت رانا کے کہنے کے باوجود اس کا نام لسٹ میں سے کٹوا دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اب وہ وقت گزر چکا ہے جب وہ مصلحتاً چودھری سے تعلقات نبھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اب تو اس کی چودھری سے کھلی جنگ تھی اور دشمن کو کسی خوشی میں شامل کرنے کا کیا سوال تھا؟

"اتنے حیران ہو کر نہ دیکھیں اے سی صاحب! بخدا ہم بغیر دعوت کے یہاں نہیں آئے ہیں۔ آپ کی طرف سے نہ سہی لڑکی والوں کی طرف سے ہمیں مدعو کیا گیا ہے۔ آپ کی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible] کے انداز میں بڑی معنی خیزی تھی جسے محسوس کر کے شہر یار کا چہرہ احساس توہین سے سلگ اٹھا اور وہ تیزی سے وہاں سے پلٹ گیا۔ اپنی بیوی کے حوالے سے کوئی بھی مرد کوئی ایسی ویسی بات سننا گوارا نہیں کرتا اور ماریا کے بارے میں تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ چودھری نے اسے اپنا کھلونا بنا رکھا تھا۔ خود ماریا نے اس کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اگر اس نے چودھری کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا تو وہ اس کی والدہ مسز جوزف کو قتل کروا دے گا۔ ماں کی زندگی کی خاطر ماریا چودھری کی ہوس پوری کرتی رہی تھی اور اس وقت چودھری نے اسے یہی بات جتائی بھی تھی۔ کھولتے خون کے ساتھ وہ تمام مہمانوں کو نظرانداز کر کے ایک بالکل الگ تھلگ خالی ٹیبل پر جا بیٹھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال کروٹیں لے رہا تھا کہ کہیں اس نے جذبات میں ماریا سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے کوئی غلطی تو نہیں کر دی لیکن مسئلہ اس کے اپنے ضمیر کا تھا۔ ماریا کا وجود پہلے ہی سے کتنا داغ دار تھا، اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی، وہ تو صرف اس داغ کو دھونے کی کوشش کر رہا تھا جو اس نے لگایا تھا... اور جو خود اس کے اپنے دامن پر بھی لگ کر اسے اس کی اپنی ہی نظروں میں داغ دار کر گیا تھا۔

"ارے بھئی نوشے میاں! تم سب سے کٹ کر یہاں اکیلے کہاں آ بیٹھے ہو؟ قاضی صاحب نکاح پڑھانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں اور دولہا کی عدم موجودگی پر سخت پریشان ہیں کہ بغیر دولہا کے نکاح کیسے ہوگا؟" وہ اپنے ہی خیالات کے گرداب میں نہ جانے کب تک گھرا رہتا کہ آئی جی مختار مراد نے قریب آ کر اس سے خوش گوار لہجے میں کہا۔ انہوں نے آج پولیس یونیفارم یا رسمی ڈنر سوٹ کے بجائے سیاہ رنگ کی شیروانی زیب تن کر رکھی تھی اور خوب جچ رہے تھے۔ شہر یار کی شادی ان کے نزدیک گھر کی شادی تھی جس میں انہوں نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اب بھی کسی مشفق بزرگ کی طرح اس سے مخاطب تھے۔ ان کی بات سن کر اس نے رخ موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا۔ وہاں ماریا بھاری کام دار جوڑے اور خوب صورت میک اپ کے ساتھ بڑی شان سے براجمان تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کافی اچھی بھی لگ رہی تھی لیکن جانے کیا بات تھی کہ اسے بہ حیثیت ایک انسان پسند کرنے کے باوجود اس کا دل اس کی طرف کھنچتا نہیں تھا۔ وہ اس کے لیے دنیا میں موجود بے شمار عورتوں میں سے ایک عورت تھی جس کے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا... لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس عام سی عورت نے اس سے اس کا زعم پارسائی چھین لیا تھا۔ جانے وہ رات کیسی تھی جب وہ ماریا کے لیے دیوانہ ہو گیا تھا اور اپنی ساری حدود پار کر بیٹھا تھا۔ ایسا تو کبھی ماہ بانو کی موجودگی میں بھی نہیں ہوا تھا... حالانکہ ماہ بانو وہ لڑکی تھی جس کے لیے اس نے پہلی بار اپنے دل میں کوئی کشش محسوس کی تھی۔ اس کشش کے باوجود اس کے قدم ماہ بانو کی موجودگی میں بھی بہکنے نہیں پائے تھے۔

"کس سوچ میں گم ہو بیٹا! رانا صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اب نکاح ہو جانا چاہیے تاکہ تقریب وقت پر ختم ہو سکے۔" اسے خاموش پا کر مختار مراد نے اسے ٹوکا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی معیت میں اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی نکاح کی رسمی کارروائی شروع ہو گئی اور پھر چند بولوں کی ادائیگی سے وہ ماریا کا بن گیا۔ نکاح کے بعد حسب روایت لوگ دولہا دلہن کو مبارک بادیں دینے لگے۔ ساتھ ہی ڈنر بھی شروع کروا دیا گیا۔ بے پناہ مصروفیت کے ان لمحات میں ہوٹل کا ایک ملازم شہر یار کے قریب آ کر اس سے مخاطب ہوا۔

digestpk.blogspot.com

"سر! آپ کے لیے کال ہے۔" اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود کارڈلیس کو نمایاں کرتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

"میرے لیے کال... وہ بھی ہوٹل کے نمبر پر؟" شہر یار حیران ہوا۔

"کون بات کر رہا ہے؟ نام بتایا ہے کال کرنے والے نے؟" کارڈلیس کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے اس نے دریافت کیا۔

"نو سر! کال کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا لیکن اس کا کہنا ہے کہ اسے آپ کو کوئی بہت ہی اہم اطلاع دینی ہے۔" ملازم نے مؤدبانہ اسے بتایا۔

"او کے، میں بات کرتا ہوں۔" اس نے ملازم کے ہاتھ سے کارڈلیس لے کر ماؤتھ پیس میں "ہیلو" کہا۔

"شادی مبارک ہو جناب!" اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے چہکتے ہوئے کہا گیا۔

"آپ مجھے کون سی اہم اطلاع دینا چاہتے ہیں؟" اس کی مبارک باد کو نظر انداز کرتے ہوئے شہر یار نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں آپ کو ایک افسوس ناک واقعے کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔" اس آدمی کا لب ولہجہ ہرگز بھی ایسا نہیں تھا جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ جس افسوس ناک واقعے کی اطلاع دینا چاہتا ہے اس پر اسے خود بھی کوئی افسوس ہے۔

"میں سن رہا ہوں، فرمایئے۔" شہر یار نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے ہموار لہجے میں اس سے کہا۔ اس فون کال کو سننے کے لیے وہ باقی لوگوں سے الگ ہو کر تنہا ہوا ایک خالی گوشے میں آ گیا تھا۔

"یہ واقعہ پیر آباد میں پیش آیا ہے۔ میں آپ کو اس واقعے کی اطلاع اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ اس کے پیچھے موجود وجہ سے براہ راست جڑے ہوئے ہیں۔" فون کرنے والے نے اصل واقعہ سنانے سے پہلے تمہید باندھی۔ شہر یار کچھ بھی کہے بغیر اس کی باقی بات سننے کا منتظر رہا، البتہ پیر آباد کا نام سن کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے لیے واقعی کوئی بُری خبر موجود ہے۔

"میری معلومات کے مطابق آپ نے چودھری افتخار کی حویلی سے ایک لڑکی ماہ بانو کو فرار کروانے کے لیے ان کے ملازم میاں بیوی کو استعمال کیا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی بعد میں پُراسرار طور پر مُردہ پائے گئے لیکن چودھری افتخار پر یہ واضح ہونے کے بعد کہ ان دونوں مقتول ملازمین نے اس

[illegible] چودھری کی [illegible]
کر کے اغوا کیا اور ابھی دو [illegible] ان دونوں میاں بیوی کی لڑکی کو ماں باپ کے کیے کی سزا دینے کے لیے برہنہ حالت میں منہ کالا کر کے پورے گاؤں میں گدھے پر بٹھا کر گھمایا گیا ہے۔ لڑکا عمر میں بہن سے چھوٹا تھا لیکن بہر حال اتنا سمجھ دار ضرور تھا کہ بے عزتی کو محسوس کر سکے۔ اس سے اپنی اور اپنی جوان بہن کی تذلیل برداشت نہیں ہوئی اور وہ اپنے نہتا ہونے کی پروا کیے بغیر چودھری کے کارندوں پر حملہ آور ہو گیا۔ اس کی یہ جرأت ظاہر ہے ان لوگوں کو پسند نہیں آئی اور انہوں نے رائفلوں کے بٹ مار مار کر لڑکے کی کھوپڑی توڑ ڈالی۔ مجھے جو آخری اطلاع ملی ہے، اس کے مطابق لڑکی اپنی رسوائی اور بھائی کی موت کا دکھ برداشت نہیں کر سکی اور اس نے اپنے آپ کو آگ لگا کر خودکشی کر لی۔ میرے خیال میں شادی جیسے اہم موقع پر یہ خبر سن کر آپ سخت بدمزہ ہوئے ہوں گے لیکن آپ کی پیر آباد کے لوگوں سے دلی ہمدردی دیکھتے ہوئے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو فوری طور پر یہ خبر پہنچا دی جائے۔" خبر سنانے والے کا لہجہ آخر میں خاصا طنزیہ ہو گیا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ یہ خبر کسی نیک نیتی کے بجائے صرف اس کی خوشی برباد کرنے کے لیے سنا رہا ہے۔ بہت ممکن تھا کہ وہ چودھری کے اشارے پر ہی یہ کام کر رہا ہو۔

"کیا آپ اپنا تعارف کروانا پسند کریں گے؟" شہر یار نے سلگتے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"سوری سر! میں خود کو مشکل میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ ویسے بھی نام میں کیا رکھا ہے؟ میرا اصل کام تھا آپ کو باخبر کرنا، سو وہ میں نے کر دیا۔" اس شخص نے جواب دیا اور پھر یکدم ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ پہلے ہی سے اندرونی خلفشار سے بڑھ جانے والا دوران خون کنپٹی پر ٹھوکریں مار مار کر اسے کچھ کر گزرنے پر اکسا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے چودھری کا قتل کر ڈالے تاکہ کرۂ ارض پر سے ایک فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ جھنجلائے ہوئے انداز میں کارڈلیس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بھینچتے ہوئے اس نے چودھری کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ اسے فوراً ہی نظر آ گیا۔ وہ بھی اس حالت میں کہ اس کی نظریں اس پر ہی گڑی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ چودھری کا یہ انداز دیکھ کر اس کے اس شبے کی تصدیق ہو گئی کہ اس تک خبر پہنچانے والا چودھری کا ہی کوئی گماشتہ تھا۔ بہت ممکن تھا کہ ایک طے شدہ وقت پر اس تک یہ خبر پہنچانے کا مقصد

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

یقیناً اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کرتا تھا اور واقعی وہ بہت بُری طرح تپ گیا تھا چنانچہ ہر طرح کی مصلحت اور رکھ رکھاؤ کو بالائے طاق رکھتا ہوا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا چودھری تک پہنچا اور اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ چودھری نے دور سے ہی اس کا ارادہ بھانپ لیا تھا لیکن کوئی مزاحمت اس لیے نہیں کی کہ وہ جانتا تھا، اتنے ہجوم میں شہریار اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا بلکہ الٹا اس کے خلاف ہی ایک اسکینڈل بن جائے گا۔ اس کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ جیسے ہی شہریار نے اس کا گریبان پکڑا، ایک شور سا مچ گیا اور کئی لوگ بیچ بچاؤ کروانے کے لیے آگے بڑھے۔

”چھوڑ دو مجھے۔ یہ شخص اس لائق نہیں ہے کہ اسے زندہ چھوڑا جائے۔“ بپھرا ہوا شہریار کسی کے قابو میں آنے کو تیار نہیں تھا۔ کئی افراد نے مل کر اسے چودھری سے الگ کیا اور پھر اسے ایک علیحدہ کمرے میں لے گئے۔

”یہ کیا بیوقوفی تھی شہریار... اپنی نہیں تو کچھ میری ہی عزت کا خیال کرتے۔ کل صبح کے اخبارات میں تمہاری اس حرکت کی خبر تصویروں سمیت لگی ہوگی بلکہ صبح کا بھی کیا انتظار؟ الیکٹرانک میڈیا تو ابھی تھوڑی دیر میں نمک مرچ لگا کر یہ خبر نشر کرے گا۔“ لیاقت رانا شاید زندگی میں پہلی بار اس لہجے میں بات کر رہے تھے۔ درحقیقت زندگی میں پہلی بار ہی ایسا ہوا تھا کہ انہیں شہریار کی وجہ سے شدید سبکی کا سامنا کرنا پڑا تھا، ورنہ وہ تو ہمیشہ ان کے لیے باعث فخر رہا تھا اور کبھی بھی اس نے اپنا سیلف کنٹرول اس طرح سے نہیں کھویا تھا۔

”ہونے دیں خبر نشر۔ میں خود میڈیا والوں کو چودھری کے کرتوت بتاؤں گا۔“ اس کا غصہ ابھی اترا نہیں تھا چنانچہ وہ بدستور جذباتیت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”تم اس کے بارے میں سچ بتاؤ گے اور وہ جواب میں جھوٹ گھڑ گھڑ کر تمہیں بدنام کرے گا۔ میڈیا والوں کو سچ اور جھوٹ دونوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ انہیں بس چٹ پٹی مسالے دار خبریں چاہیے ہوتی ہیں جن سے ان کے چینل کا کاروبار چلتا رہے۔“ لیاقت رانا نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تو وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

”سوری ماموں جان! واقعی مجھ سے جذبات میں ایک بڑی غلطی ہوگئی ہے۔“ ان سے معذرت کرتے ہوئے اس نے اعتراف کیا۔

”مجھ سے سوری کہہ دینے سے مسئلہ حل تھوڑی ہو جائے گا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہاری اس حرکت پر مجھے لوگوں کے سامنے کتنی اور کیا کیا وضاحتیں دینی پڑیں گی۔ وہ تو

شکر ہے کہ سمدھی اور دوسرے مہمان ... کی وجہ سے تقریب میں شرکت نہیں کر سکے ورنہ مجھے ان کے سامنے بھی سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔“ ان کا موڈ بھی بڑا خراب تھا۔

”میں واقعی بہت شرمندہ ہوں ماموں جان! بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔“ اس نے انہیں منانے کی کوشش کی۔

”تمہیں بچپن سے ناقابل برداشت باتوں کو برداشت کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ اگر تمہارے ہمارے جیسے لوگ یوں اپنا ٹمپر لوز کرتے رہیں تو عوام کو تو ہر روز ایک تماشا دیکھنے کو ملے گا۔ بہرحال، فی الحال میں تمہیں اس حرکت کے لیے معاف کر رہا ہوں، وہ بھی صرف اور صرف اس وجہ سے کہ آج تمہاری شادی ہے۔“ لیاقت رانا اس سے یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے اور وہ وہاں تنہا رہ گیا۔ تنہائی ملتے ہی وہ بے دم سا ہو کر ایک ڈریسنگ ٹیبل پر سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ بند کمرے کی یہ عافیت عارضی ہے۔ باہر ایک ہجوم موجود ہے جس کی زبانوں پر بہت سے سوال مچل رہے ہوں گے۔ اسے ان سوالوں کے معقول جواب بھی سوچنے تھے اور آئندہ کے لیے کوئی ایسا لائحہ عمل بھی بنانا تھا جس پر عمل کر کے چودھری کے شر سے نمٹا جا سکے۔

☆☆☆

بڑے سے پتھر پر بیٹھی ہوئی ماہ بانو نے نظریں گھما کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی، اس سے کچھ فاصلے پر ایک کنواں تھا اور ایک آدمی کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا۔ اس کی پھرتی اور جفاکشی دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک سخت جان آدمی ہے۔ اس نے گھیردار شلوار قمیص کے ساتھ سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی اور چہرے پر خوب بڑھی ہوئی داڑھی مونچھیں تھیں۔ اس جیسے حلیے کے یہاں اور بھی بہت سے لوگ تھے اور حلیوں کے علاوہ ان کے درمیان جو قدر مشترک تھی، وہ ان کا پیشہ تھا۔ دو دن ان لوگوں کے درمیان گزارنے کے بعد وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ وہ سب پیشہ ور ڈاکو ہیں اور یہاں جنگل میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ ان کی اس پناہ گاہ میں زندگی کی تمام بنیادی ضروریات پوری کرنے کا انتظام تھا۔ وہ یہاں کافی ٹھاٹ باٹ سے رہ رہے تھے اور کیوں نہ رہتے کہ ان کے پاس لوگوں سے لوٹا ہوا بہت سا مال مفت ہونے کے علاوہ وہ روپیا بھی تھا جو انہیں سپورٹ کرنے والے وڈیرے اور جاگیردار بڑی فراخ دلی سے فراہم کرتے تھے۔ بدلے میں یہ ڈاکو ان کے احکامات کی تعمیل کر دیا کرتے تھے۔ وہ کسی

ایک کے وفادار یا ملازم نہیں تھے۔ جوان ... اس کی خدمت بجا لانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ کس سازش کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچائی گئی ہے، اسے صحیح سے علم نہیں تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ آ گیا تھا کہ حویلی کے مہمان خانے سے نکلتے ہوئے وہ جس خوش فہمی کا شکار تھی، وہ سراسر غلط تھی۔ اس نے تو یہی سوچا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس کی حویلی میں موجودگی کا پتا چلا کر شہریار نے اس کی رہائی کا بندوبست کیا ہے۔ خود کو لینے کے لیے آنے والوں کے ساتھ وہ کافی دیر تک اسی خیال کے تحت سفر کرتی رہی تھی لیکن پھر ان کے سفر کی سمت دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ تاریک راہوں پر گھوڑے دوڑاتے وہ لوگ جنگل میں داخل ہو گئے تھے اور کسی قسم کی دشواری یا جھجک کے بغیر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

رات کے اندھیرے میں جنگل کے اندر ہونے والے اس سفر نے ماہ بانو کو خوف زدہ کر دیا اور اس نے اپنے آگے موجود گھڑسوار سے استفسار کیا۔ اس استفسار کے جواب میں اسے بے ہوشی کی کوئی دوا سونگھا دی گئی اور دوبارہ جب اسے ہوش آیا تو وہ اس جگہ موجود تھی۔ یہ انوکھی جگہ تھی۔ یہاں جنگلی پھل بوٹوں کی خوشبو بھی تھی اور پرندوں کی چہکاریں بھی۔ تازہ ہوا بھی تھی اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی لیکن پھر بھی کسی خوب صورتی کے بجائے وحشت کا احساس ہوتا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کو اچھا خاصا وقت ایک تنگ جھونپڑی نما جگہ پر گزارنا پڑا جہاں اسے وقت پر کھانا فراہم کر دیا جاتا تھا۔ اس کے لیے کھانا لے کر آنے والی ایک عورت نے ہی اس کے پوچھنے پر اسے بتایا تھا کہ وہ جنگل میں ڈاکوؤں کے ایک ڈیرے پر موجود ہے اور کسی وڈیرے سے سودے بازی کے نتیجے میں یہاں پہنچائی گئی ہے۔ وہ وڈیرا کون تھا، اس بات کا عورت کو خود بھی علم نہیں تھا۔ خود ماہ بانو بھی درست اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔

وہ چودھری افتخار عالم شاہ کی قید میں تھی اور وہاں سے اسے بہت پُراسرار طریقے سے یہاں پہنچایا گیا تھا۔ اگر یہ کام چودھری کا تھا تو اسے اتنا لمبا چوڑا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سیدھے سادے طریقے سے بھی اسے ان لوگوں کے حوالے کر سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ تو خود اس کا شکی تھا۔ اس سے بھلا یہ امید کیسے رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اسے کسی اور کے حوالے کر دے۔ یہ کسی دوسرے ہی شخص کا کام تھا جو کسی نہ کسی طرح چودھری کا دشمن تھا اور اسے زک پہنچانا چاہتا تھا لیکن وہ بہرحال اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟ یوں بھی اس کے لیے اس سوال کا جواب جاننے

سے زیادہ اہم اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا تھا۔ قسمت و حالات کے گرداب میں پھنسی وہ ایک مصیبت سے نکلتی تھی تو دوسری میں الجھ جاتی تھی۔ حالات نے اسے ایسا بے دست و پا کر دیا تھا کہ وہ ایک عام فرد کی طرح معمول کی زندگی گزارنے سے قاصر تھی۔ پچھلے دنوں شہریار کے تعاون سے اس نے ایسی زندگی کا آغاز کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس زندگی کا دورانیہ بہت مختصر ثابت ہوا اور وہ ایک اور نئے جال میں پھنس گئی۔ ڈاکوؤں کے اس ڈیرے پر پہنچنے کے بعد اسے تقریباً ڈیڑھ دن بعد جھونپڑی سے باہر آنے کی اجازت دی گئی اور وہ بھی اس حالت میں کہ اس کے دونوں پیروں کے درمیان ایک زنجیر تھی۔ اس زنجیر کا طول اتنا کم تھا کہ وہ چل تو بے شک سکتی تھی لیکن بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر۔ یہ انتظام یقیناً اسے فرار سے روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ چلنے پھرنے کی آزادی کیوں دی گئی، وہ اس نے اس وقت جانا جب اسے جھونپڑی سے نکالنے کے بعد ایک اوپن ایئر کچن میں پہنچایا گیا اور ایک بڑا سا تھال بھر کر آٹا گوندھنے کے بعد روٹی پکانے کا حکم ملا۔ اتنی مقدار میں آٹا گوندھنے اور روٹیاں پکانے کا یہ اس کی زندگی میں پہلا اتفاق تھا۔ ان گنت روٹیاں پکا پکا کر اس کے حواس جانے لگے اور اسے یوں لگا کہ وہ انسانوں کے بجائے جنوں کی خوراک کا بندوبست کرنے پر مامور کر دی گئی ہو۔ روٹی پکا کر فارغ ہوئی تو اس کی کمر تختے کی طرح اکڑ گئی تھی اور جسم کے ایک ایک مسام سے پسینا بہہ رہا تھا۔ اس نے خود کو واپس جھونپڑے میں لے جانے کے لیے آنے والے ڈاکو سے درخواست کی کہ اسے کچھ دیر کھلی ہوا میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ وہ ڈاکو جو اپنے حلیے اور چال ڈھال سے باقی سب سے مختلف نظر آتا تھا، اس کی یہ بات مان گیا اور اب وہ اس بڑے سے پتھر پر بیٹھی ہوئی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے یہاں بیٹھنے کی اجازت دینے والا ڈاکو بھی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور بڑی تن دہی سے رائفل کی صفائی کر رہا تھا۔

ماہ بانو یونہی اس کا جائزہ لینے لگی۔ ڈاکو جوان العمر آدمی تھا اور اس نے باقی سب کی طرح گھیردار شلوار قمیص کے بجائے گھسی ہوئی جینز اور ٹی شرٹ کے اوپر چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے چہرے پر موجود داڑھی بھی خاصی نفاست سے ترشی ہوئی تھی اور چہرے پر وحشت کے بجائے قدرے نرمی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ ان میں سے نہیں ہے بلکہ ان سے مختلف کوئی پڑھا لکھا انسان ہے۔ لیکن

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تکنے سے کیا ہوتا ہے، تھا تو بہر حال وہ ان ڈاکوؤں کا ہی ایک ساتھی۔

"اے لڑکی! اچل ادھر آ اور کپڑے دھونے میں اس کا ہاتھ بٹا۔" وہ جانے کب تک اپنے خیالوں میں مگن رہتی کہ ایک کرخت آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے آواز کی سمت میں دیکھا۔ کنوئیں سے پانی نکالنے والا تنومند ڈاکو اس سے مخاطب تھا۔ کچھ دیر قبل جب اس نے اس کی طرف دیکھا تھا تو وہ تنہا تھا لیکن اب اس کے قریب ایک مدقوق سی عورت کھڑی نظر آرہی تھی۔ عورت کے جسم پر معمولی گھسا پٹا لباس تھا جو اس کے دبلے پتلے لاغر جسم پر خاصا ڈھیلا ہو رہا تھا۔ ماہ بانو پکارنے والے کے حکم کی تعمیل کے لیے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور زنجیر میں جکڑے پیروں سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی سمت بڑھ گئی۔ قریب پہنچ کر اس نے دیکھا، کنوئیں کے قریب ہی ایک بڑا سا چبوترا بنا ہے جس پر دھلنے والے کپڑوں کا ایک گٹھڑ رکھا ہوا ہے۔

"میں کپڑوں کو صابن لگا لگا کر دیتی جاتی ہوں، تم انہیں کھنگال لینا۔" مدقوق الحال عورت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر گٹھڑ کھولنے لگی۔ ماہ بانو کا کام فی الحال شروع نہیں ہوا تھا اس لیے وہ کھڑی عورت کا جائزہ لیتی رہی۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ کافی عمر دار محسوس ہو رہی تھی۔ شاید کام کی زیادتی نے ہی اسے چڑچڑا بھی کر دیا تھا۔ اپنی حالت کے برخلاف وہ خاصی پھرتی سے کام کر رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ماہ بانو نے اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیلیٰ۔" عورت نے مختصر جواب دیا اور ایک قمیص کو برش سے رگڑنے لگی۔ اس کا انداز دیکھتے ہوئے ماہ بانو کو اندازہ ہوا کہ وہ بات چیت کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ وہ خود بھی خاموشی سے کام میں لگ گئی۔ یہ کام روٹیاں پکانے سے زیادہ محنت طلب اور دشوار تھا۔ کپڑے نہ صرف بے حد میلے تھے بلکہ ان سے شدید بدبو اٹھ رہی تھی۔ ماہ بانو کو کئی بار ان کی بُو سے ابکائی سی آگئی۔

"بہت مشکل کام ہے یہ تو۔ بندہ اس بُو سے مر بھی سکتا ہے۔" ایک گھیردار شلوار کو زور لگا کر نچوڑتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

"یہاں موت اتنی آسان نہیں ہے۔ تم صرف کپڑے دھونے سے گھبرا گئیں، جب ان کے بدبودار جسموں کو [illegible] نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں طنز سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" ماہ بانو متوحش ہوگی۔

"مطلب بہت جلد تمہیں خود سمجھ آجائے گا۔" عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے کر وہ دُھلے ہوئے کپڑوں سے بھری بالٹی اٹھا کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ فاصلے پر زمین میں بانس گاڑھ کر ان کے ساتھ رسیاں باندھی گئی تھیں۔ لیلیٰ نامی وہ عورت کپڑے جھٹک جھٹک کر رسیوں پر پھیلانے لگی۔ ماہ بانو کچھ دیر تک اسے یہ کام کرتا دیکھتی رہی پھر وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ اس مشقت سے دکھ چکا تھا اور اب وہ اپنے لیے مخصوص جھونپڑی میں جا کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔ چلتے چلتے اس کی نظر یونہی اس طرف گئی جہاں سب سے منفرد نظر آنے والا ڈاکو بیٹھا اپنی رائفل صاف کر رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ٹھٹک گئی کہ وہ ڈاکو اپنا کام چھوڑ کر بہت محویت کے ساتھ اسے تک رہا ہے۔ ماہ بانو سے نظر ملی تو اس نے آہستہ سے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا لیکن اس کی چوری تو بہر حال وہ پکڑ ہی چکی تھی۔ ڈاکو کی محویت نے لیلیٰ کی کچھ دیر قبل کہی ہوئی بات کے ساتھ مل کر اس کو بُری طرح ہراساں کر دیا۔ زندگی میں پے در پے پیش آنے والے کئی واقعات نے مل کر اسے اس کم عمری میں ہی یہ بات سمجھا دی تھی کہ مرد مفت میں ہاتھ آئی عورت کو بخشنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اوڑھنی کو اور بھی اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتی ہوئی تیز تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ پیروں میں پڑی زنجیر اس تیزی کو قائم رکھنے میں اگرچہ رکاوٹ ڈال رہی تھی لیکن پھر بھی اس نے حتی الامکان تیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جھونپڑی میں پہنچ کر اس نے قدرے سکون کا سانس لیا اور زمین پر بچھی ترپال پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔ مشقت سے تھکے ہوئے جسم نے اسے بہت دیر تک سوچنے کا موقع نہیں دیا اور جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ سوتے ہوئے وقت کا کتنا بڑا حصہ گزر گیا، اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ بہت گہری نیند سوتے ہوئے ایک عجیب سے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اس احساس کو سمجھتے ہی اسے بُری طرح ڈنگ لگا اور وہ اچھل کر اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھی۔

یہ پُرپیچ وسنسنی خیز داستان جاری ہے
مزید واقعات آیندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

اجل پیشہ

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

ہر جرم پیشہ شخص خود کو اپنے کام کا ماہر سمجھتا ہے... ایسے ہی ایک اجل پیشہ کی خود پسندی جو ہر بازی جیت لینا اپنا مقدر سمجھتا تھا... جیت اور مات کا ڈرامائی کھیل...

آخری لمحوں میں پلٹ جانے والی بازی کا چونکا دینے والا کلائمیکس

ٹھیک آٹھ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ مسعود رضا اس کا شدت سے منتظر تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور آہستگی سے پوچھا۔ "کون؟"

"مسعود رضا؟" دوسری طرف سے استفسار کیا گیا۔

"جی ہاں، میں مسعود رضا ہی بول رہا ہوں۔"

"میں وہی ہوں جناب جس کی آپ کو ضرورت ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا؟"

"ہاں سمجھ رہا ہوں۔"

"آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ آج رات ہی کام ہو جائے؟"

digestpk.blogspot.com

''ہاں، آج رات ہی۔ میں نے تمام انتظامات کر لیے ہیں۔''

''معاوضے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''معاوضے کی رقم بھی یقیناً میرے پاس موجود ہے۔'' مسعود رضا نے کہا۔

''میرا اُصول ہے کہ میں پورا معاوضہ کام کرنے سے پہلے وصول کرتا ہوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' مسعود رضا نے کہا۔ ''تم جہاں کہو، میں آجاتا ہوں۔''

''آپ زحمت نہ کیجیے، میں اس وقت آپ کے دفتر کے قریب ہی ہوں اور دس منٹ میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، آجاؤ... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' مسعود رضا نے گویا بات ختم کی اور رابطہ منقطع کر دیا پھر فوراً ہی ایک نمبر گھمایا۔ دوسری طرف تین بار بیل بجی اور چوتھی بیل پر ریسیور اٹھالیا گیا۔

''ہیلو۔'' ایک نسوانی آواز اُبھری۔

''ریحانہ! میں مسعود بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف چند ثانیے کے لیے خاموشی رہی پھر آواز اُبھری۔ ''میں حیرت کا اظہار کروں یا...'' دوسری طرف سے شاید دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا گیا۔

''سنو ریحانہ!'' مسعود رضا تیزی سے بولا۔ ''میں بہت سنجیدہ ہوں۔ میں نے تمہارے اور اپنے متعلق بہت سوچا اور آخرکار اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ صورتِ حال کی ذمّے داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔''

''اوہ... خاصے ذہین ہوگئے ہو۔'' ریحانہ نے طنز کیا۔

''میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں ریحانہ! اب تم مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ اس کے علاوہ میں تمہیں ایک اطلاع بھی دینا چاہتا ہوں۔ جب سے ہماری علیحدگی ہوئی ہے، میں نے شائستہ سے ایک بار بھی ملاقات نہیں کی ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''اچھا۔'' ریحانہ نے بدستور طنزیہ انداز برقرار رکھا۔ ''تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''دیکھو ریحانہ! میں ایک مشرقی مرد ہوں جو عارضی طور پر بھٹک تو جاتا ہے مگر پھر راہِ راست پر آجاتا ہے۔ مجھے معاف کر دو اور خدا کے لیے واپس آجاؤ۔ میں تمہارے بنا ادھورا ہوں۔'' مسعود نے افسردگی سے کہا۔

''مشرقی عورت تو سنا تھا مگر مشرقی مرد...؟'' اپنی وے۔'' یہ کہہ کر ریحانہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' مسعود نے نرمی سے کہا۔

''اس وقت؟''

''کل دن میں کسی وقت تمہارے ڈیفنس ویو والے فلیٹ پر۔''

''نہیں، فلیٹ میں نہیں... باہر کہیں، اسے بھی بہت سمجھو۔ ورنہ تو میں تمہاری صورت بھی...''

''اس لیے تو اپنی صورت دکھانے آرہا ہوں کہ شاید تمہیں میری حالت دیکھ کر رحم آجائے۔''

دوسری جانب کچھ لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ مسعود نے فوراً کہا۔ ''دیکھو جانم میں...'' اس نے پرانے محبت بھرے نام سے پکارا۔ ''ہم علیحدہ ضرور ہیں لیکن اب بھی تم میری بیوی تو ہو نا۔ اگر میں کسی وقت تمہارے فلیٹ آ بھی گیا تو اس میں کیا بدنامی ہے تمہاری؟ میں کوئی غیر تھوڑا ہی ہوں۔''

''جمعرات ہے مسعود۔'' دوسری طرف سے ریحانہ کا لہجہ یکایک سخت ہو گیا۔ ''کیا تم اپنے جواری دوستوں کو بھول گئے جو ہر جمعرات کو تمہارے پاس جمع ہوتے ہیں اور تم ساری رات...''

مسعود رضا نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا پھر بولا۔ ''مجھے ان کی اب پروا نہیں رہی۔ تمہارے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔ جانم! میں تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں اور... اور... آج ہی رات کو تمہارے فلیٹ پر آنا چاہتا ہوں۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ وہ سانس روکے ہوئے اپنی بیوی کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔

''تم واقعی بدل گئے ہو مسعود؟'' حوا کی بیٹی سدا کی بے وقوف رہی۔ ریحانہ کے استفسار پر... مسعود رضا کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ سوچنے لگا، مشرقی عورت کی یہی تو بے وقوفی ہے، چند محبت کے بول بولے اور بہل گئی۔

مسعود جواباً جلدی سے بولا۔ ''دل کی گہرائیوں سے میں سچ اور صرف... سچ کہہ رہا ہوں... پلیز! آج رات ہی بلالو نا۔''

''ٹھیک ہے تو پھر آجاؤ۔'' ریحانہ نے بالآخر کہا۔

''میں آج رات ہی آرہا ہوں۔'' یہ کہہ کر مسعود رضا نے فوراً رابطہ منقطع کر دیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ایک اور دوسرا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

نمبر ملایا۔ دوسری طرف پہلی ہی بیل پر ریسیور اٹھالیا گیا۔

''ہیلو۔''

''ہاں شائستہ! میں... مسعود بول رہا ہوں۔''

''مسعود... کون مسعود...؟ یہ نام کچھ جانا پہچانا تو لگتا ہے۔''

''سنو جانم! یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔'' مسعود رضا جلدی سے بولا۔

''میری یادداشت خاصی کمزور ہے مسٹر... جب کسی سے ملاقات کیے ہوئے مدتیں گزر جاتی ہیں تو اس کا چہرہ اور نام میری یادداشت سے مٹ جاتا ہے۔''

''شائستہ... پیاری شائستہ! مذاق نہ کرو، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ تم جانتی ہی ہو کہ صورتِ حال کیا ہے۔''

''کیوں نہیں، مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری بیوی کو میرے اور تمہارے تعلقات کا علم ہو گیا تھا اس لیے وہ تمہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر تم نظر ہی نہیں آئے... میرا خیال ہے کہ تم اس عورت سے بہت خوف زدہ ہو... ڈرپوک کہیں کے۔''

''بے شک میں ریحانہ سے خوف زدہ ہوں مگر ڈرپوک نہیں ہوں۔ خوف زدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تاش کے سارے ترپ اس کے پاس ہیں۔ وہ میرے اور تمہارے تعلقات کی بنیاد پر عدالت سے بہ آسانی طلاق لے سکتی ہے۔ وہ عدالت میں بڑی چالاکی سے تمہیں ہونے والی سوکن کے بجائے میری داشتہ ظاہر کر سکتی ہے۔ اس کے جاسوس نما وکیل نے ہو سکتا ہے، ہماری تصاویر بھی اس آڑے وقت کے لیے تیار کر رکھی ہوں۔ صرف سوچ آن کرنے کی دیر ہے، وہ خلع لے لے گی اور میرا اس سے دولت اور کاروبار ہتھیانے کے لالچ میں شادی کرنے کا ڈراما بری طرح فلاپ ہو جائے گا۔ اور کیا تم چاہو گی کہ میں...''

''تمہیں مجھ سے محبت ہے؟'' شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔ ''اس لیے ایک طرف مجھ سے محروم ہونا نہیں چاہتے دوسری طرف تمہیں اپنی بیوی کی دولت سے محبت ہے... اس لیے اس کی دولت سے بھی محروم ہونا نہیں چاہتے... اور تیسری طرف قانون یہ کہتا ہے کہ تم بیک وقت ایک شادی شدہ عورت کے ہوتے ہوئے دوسری غیر عورت نہیں رکھ سکتے... ٹھیک نا! اب تم کیا کرو گے میرے سینڈوچ محبوب؟'' شائستہ کا لہجہ بدستور طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور تلاش کر لوں گا۔''

''دو ہفتے تو گزر چکے ہیں۔ تم اب تک تو کوئی حل تلاش نہیں کر سکے۔''

''ایسے معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں ڈارلنگ! انہیں سلجھانے میں وقت تو لگتا ہی ہے۔''

''اگر آدمی دماغ پر زور دے تو کوئی وقت نہیں لگتا۔ یہ بہت سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ میں نے تمہیں اس کا حل بتایا تو تھا۔ دیکھو مسعود! تم ریحانہ سے یہ کہو کہ وہ اپنی آدھی دولت تمہیں سونپ دے پھر تم خاموشی کے ساتھ اسے طلاق دے دینا۔ اگر وہ اس تجویز سے انکار کرے تو اسے بدنام کرنے کی یا کوئی شرم ناک الزام لگانے کی دھمکی دے دینا۔ تمہیں تو پتا ہی ہے نا، وہ عورت بدنامی سے کس قدر ڈرتی ہے، لہٰذا وہ فوراً مان لے گی... بلکہ یہ معاملہ تو میں خود بھی نہایت آسانی سے حل کر سکتی ہوں۔ میں تو کئی دن سے سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ اس سے مل کر اس مسئلے پر بات کروں۔'' اس نے آخر میں اسے چھیڑا۔

''شائستہ!'' مسعود چیخ پڑا۔ ''خبردار... تم ایسا خطرناک مذاق مت کرنا۔ اس کے قریب بھی نہ پھٹکنا... سمجھی تم؟''

''مسعود صاحب! آپ مجھے کوئی حکم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ میں...''

مسعود کی پیشانی بھیگنے لگی۔ ''شائستہ پلیز! ٹیک اِٹ ایزی اینڈ جسٹ ریلیکس۔ تھوڑا صبر کر لو، یہ معاملہ بہت جلد سلجھ جائے گا۔''

''آخر کب تک صبر کروں میں؟''

''بس تھوڑا اور...''

''میں اب بھی اصرار کروں گی کہ اس مسئلے کا جو حل میں نے بتایا ہے، وہی معقول اور مناسب ہے۔'' دروازے پر دستک ہوئی۔ مسعود رضا نے جلدی سے وقت دیکھا پھر بولا۔

''ہرگز نہیں، تم یہ خیال بھی ذہن سے جھٹک دو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں خود اسے ہینڈل کرنا جانتا ہوں۔''

''ذاتی مسئلہ... تم ہوش میں تو ہو؟ یہ تمہارا ذاتی مسئلہ کب سے ہو گیا؟''

''شائستہ... شائستہ! میں تم سے کل ملاقات کروں گا پھر تفصیل سے گفتگو ہوگی۔''

''کل کیوں... آج ہی کیوں نہیں؟''

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ مسعود نے کہا۔ ''اس وقت مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ تم سے کل ملاقات ہوگی۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تمہیں مجھ

digestpk.blogspot.com

سے دور رہتا ہے۔"

"میں احکام سننے کی عادی نہیں۔" وہ ترخ کر بولی۔

مسعود رضا نے ریسیور رکھ دیا اور رومال سے ماتھا اور چہرہ صاف کیا پھر دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔

وہ شخص اندر داخل ہوا، بظاہر اس کی شخصیت عام سی نظر آتی تھی۔ دبلا پتلا جسم، درمیانہ قد۔ اس کی رنگت سانولی اور بال اڑے ہوئے تھے۔ وہ عام سی شلوار قمیص میں ملبوس تھا اور گلے میں رومال نما کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں خاص چمک تھی اور چہرے سے کرختگی جھلکتی تھی۔ مسعود رضا نے فوراً دروازہ مقفل کر دیا۔ آنے والا شخص اپنے گلے میں پڑے رومال سے کھیلتا ہوا کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ منہ بھی چلا رہا تھا۔ شاید منہ میں گلوری بھی دبی ہوئی تھی۔ پھر وہ میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مسعود نے بھی اپنی کرسی سنبھال لی۔ وہ بڑے غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ چند ثانیوں کی پُرسوچ خاموشی کے بعد اس نے نوواردسے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہیں ایسے کاموں کا خاصا تجربہ ہو گا؟"

"فضول سوال ہے... آگے بولیں۔" نووارد نے کہا۔

مسعود برا منائے بغیر مستفسر ہوا۔

"تمہیں زبیر خان نے... بھیجا ہے نا؟ میں نے اس سے ہی بات کی تھی۔"

"میں کسی زبیر خان کو نہیں جانتا۔ یہ معاملات کبھی براہِ راست طے نہیں کیے جاتے، درمیان میں بہت سے آدمیوں کی ایک لمبی زنجیر ہوتی ہے اور کوئی بھی شخص زنجیر کی تمام کڑیوں سے واقف نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ انتہائی محفوظ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے بھی زبیر خان کو کام کی تفصیلات نہیں بتائی ہوں گی؟"

"نہیں بتائیں... ویسے زبیر خان ایک معتبر آدمی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب کام کی نوعیت بتائیں؟"

"ایک عورت کو قتل کرنا ہے۔" مسعود رضا کی آواز میں ارتعاش تھا۔

"کون ہے وہ...؟"

"میری بیوی۔"

"آگے بولیں۔"

"تمہیں یہ کام ذرا مختلف طریقے سے کرنا ہو گا۔" مسعود نے محتاط لہجے میں کہا پھر صراحت سے بولا۔

"اس وقت میرے اور میری بیوی ریحانہ کے درمیان

[illegible]

فطری طور پر واقع ہو تو ہمیشہ شوہر ہی پر شبہ کیا جاتا ہے اس لیے میں نے واردات کے وقت واردات کی جگہ سے اپنی غیر حاضری ثابت کرنے کا بہت ٹھوس انتظام کر لیا ہے۔ یہ طریقہ بہترین اور محفوظ رہے گا نا؟ پولیس مجھ پر شبہ ضرور کرے گی لیکن میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکے گی۔"

"یقیناً، یہ طریقہ بہترین اور محفوظ ہے۔ میں نے اب تک جتنے بھی کام کیے ہیں، وہ اسی طریقے سے کیے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج تک مجھ سے کام لینے والا کوئی بھی شخص پکڑا نہیں گیا۔" اس شخص نے اسرار بھری مسکراہٹ سے کہا۔ "اگر کوئی شخص پکڑا جاتا تو کیا آج میں آپ کے سامنے ہوتا؟ کم سے کم عمر قید کی سزا تو کاٹ ہی رہا ہوتا۔"

مسعود رضا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تمہاری باتیں حوصلہ افزا ہیں۔"

"شکریہ۔ ایک بات اور جناب! میں اپنے کام کی ضمانت بھی دیتا ہوں۔ میں آج تک کبھی ناکام نہیں ہوا۔ کوئی شخص کسی آدمی کو قتل کرانے کا معاوضہ ادا کرتا ہے تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ آدمی ایک معینہ مدت میں ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ مدت کا تعین میں اپنے گاہک سے بات کر کے طے کرتا ہوں۔ میرا کام بھی دوسرے عام کاموں کی طرح ہے۔ ہر کام میں اعتماد بنیادی چیز ہے۔ اعتماد کاروبار کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر گاہک میرے کام سے مطمئن ہوں گے تو ظاہر ہے کہ میرے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا اور میرا کاروبار ترقی کرے گا۔ اب آپ مجھے کام کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔"

"یہ تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ آج کل میرے اور میری بیوی کے درمیان علیحدگی ہے۔ چند ہفتے قبل وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔" مسعود نے اس شخص کو تفصیل سے اپنی بیوی کا پتا بتایا اور کہا۔ "آج رات وہ اپنے فلیٹ میں تنہا ہو گی کیونکہ آج میں نے اس سے ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ تم جیسے ہی دروازے پر دستک دو گے، وہ یہ سمجھ کے فوراً دروازہ کھول دے گی کہ میں آیا ہوں۔ دروازہ کھلتے ہی تمہارا کام شروع ہو جائے گا۔ ساڑھے آٹھ بجے میرے دوست یہاں جمع ہوں گے۔ میں ان کے ساتھ ایک دو بجے رات تک تاش کھیلتا رہوں گا پھر بھی میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم اپنا کام دس بجے کے قریب انجام دینا۔ بسا اوقات ڈاکٹر موت کا وقت متعین کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ ویسے اگر ریحانہ کے سلسلے میں ان سے

[illegible]

بھی وہاں میری موجودگی ثابت نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اپنی بیوی کو اپنے پہنچنے کا وقت نہیں بتایا ہے، اس لیے وہ میرا انتظار کرتی رہے گی۔ تم جس وقت دروازے پر دستک دو گے، وہ دروازہ کھول دے گی۔ دس بجے کے وقت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی؟"

"دس بجے کا وقت ہو یا کوئی اور وقت... میرے لیے ہر وقت برابر ہے۔ ویسے آپ نے بہت مناسب انتظامات کیے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ اپنی بیوی کو کیوں قتل کرانا چاہتے ہیں؟"

"کیا تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے؟"

"ضروری نہیں ہے، اگر آپ بتانا نہیں چاہتے تو نہ بتائیں۔"

"نہیں، میرا خیال ہے کہ تمہیں بتانا کسی حد تک ضروری ہے۔" مسعود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور بات جاری رکھی۔ "اس طرح تمہیں اس کام کی اہمیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا اور اس بات کا بھی کہ تمہیں بہت جلد یہ کام کیوں نمٹانا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میری محبوبہ شائستہ کچھ سرکش مزاج کی اور بے وقوف سی ہے۔ بیوی سے میرے خوف نے اسے مزید باغی بنا دیا ہے۔ وہ بے صبری بھی ہے۔ مجھ سے اکثر اصرار کرتی رہتی ہے کہ وہ خود اس سے مل کے ذرا دھمکا کر یہ کام نکلوائے گی کہ وہ خاموشی سے اپنی آدھی دولت میرے حوالے یعنی اپنے شوہر کے حوالے کر دے...... جانے اس نے ریحانہ کی ایسی کون سی کمزوری محسوس کر لی ہے کہ اسے اپنے اس اقدام کی کامیابی پر سو فیصد بھروسا ہے۔ لیکن مجھے یہ سب منظور نہیں... اور میں نے اسے سختی کے ساتھ ریحانہ سے دور رہنے کی تاکید کی تھی۔ بہرحال، میں اب اصل تفصیل کی طرف آتا ہوں، وہ یہ کہ میں ایک غریب آدمی تھا مگر میری بیوی دولت مند تھی۔ میرے لیے اس سے شادی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ شادی کے بعد شائستہ میری زندگی میں داخل ہوئی۔ میں اس سے محبت کرنے لگا۔ بدقسمتی سے میری بیوی کو میری محبت کا علم ہو گیا۔ وہ مجھ سے بہت لڑی پھر علیحدہ ہو گئی اور اب طلاق کی ضد کر رہی ہے لیکن طلاق کے لیے اس نے اب تک کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اگر اس نے عدالت کے ذریعے خلع لے لی تو میں پھر غریب ہو جاؤں گا۔"

"آپ اپنی محبوبہ کو چھوڑ دیجیے۔" اس شخص نے سپاٹ لہجے میں مشورہ دیا۔

"یہی تو مسئلہ ہے۔" مسعود رضا نے کہا۔ "میں اس سے محبت کرتا ہوں، بے حد محبت۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے کسی عورت کے لیے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسے جذبات محسوس کیے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔ اطمینان رکھیے، آپ کا کام ہو جائے گا۔ اب معاوضے کی بات کر لی جائے۔"

مسعود رضا کھڑا ہو گیا۔ "رقم برابر والے کمرے میں ہے، ابھی لاتا ہوں۔"

مسعود نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کے دروازہ بند کر دیا۔ وہ شخص بھی کھڑا ہو گیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ قالین بہت دبیز اور قیمتی تھا۔ فرنیچر بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ دیواروں پر چھ تصویریں آویزاں تھیں۔ مصوری کے متعلق اس کی معلومات صفر تھیں لیکن اسے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دشواری نہیں ہوئی کہ دوسری چیزوں کی طرح یہ تصویریں بھی قیمتی ہوں گی۔ میز پر ایک ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔

دروازہ کھلا، مسعود ایک سیاہ بریف کیس اٹھائے برآمد ہوا۔ بریف کیس میز پر رکھ کر اس نے جیب سے رومال نکالنا چاہا تو بٹوا نکل کر گر پڑا۔ بٹوا گرنے کے باعث اس کے اندر سے ایک تصویر بھی گری۔ اس شخص نے بہ غور اس تصویر کو دیکھا جو کسی سیاہ گھنیرے بالوں والی عورت کی تھی۔ وہ شخص نظریں جما کر تصویر کو دیکھنے لگا جیسے خدوخال ذہن نشین کر رہا ہو۔ اسی دوران میں مسعود نے بٹوا اور تصویر اٹھا کے جیب میں رکھ لی۔ رومال سے ماتھا پونچھا۔ وہ خاصا نروس نظر آ رہا تھا۔ خود کو سنبھالا بھی دے رہا تھا، پھر اس نے بریف کیس کھولا اور اس کے اندر رکھے ہوئے ایک بھورے رنگ کا لفافہ اٹھا کے اس شخص کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ شخص کرسی پر بیٹھ کر لفافے میں رکھی بڑے نوٹوں کی گڈیاں گننے لگا پھر اپنی قمیص کی کسی اندرونی جیب میں اسے رکھتے ہوئے بولا۔

"رقم پوری ہے۔"

"آج رات دس بجے کام ہو جائے گا نا؟"

"ضرور... آپ بے فکر ہو جائیں۔ مجھے پورا معاوضہ مل گیا ہے، سمجھیں آپ کا کام ہو گیا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ مسعود رضا کو اچانک کچھ یاد آیا۔

"ایک بات اور۔" وہ شخص رکا۔ "تم یہ کام کس طرح انجام دو گے؟ عموماً تم کیا طریقہ استعمال کرتے ہو؟"

"کئی طریقے ہوتے ہیں۔" وہ شخص بولا۔ "لیکن

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

موجودہ صورت حال میں چور والا طریقہ زیادہ مناسب رہے گا۔ سب جانتے ہیں کہ آپ کی بیوی دولت مند ہے۔ آج رات اس کے فلیٹ میں ایک چور داخل ہوگا۔ آپ کی بیوی مزاحمت کرے گی، چور اسے گولی مار کے ہلاک کر دے گا۔"

مسعود رضا کی پیشانی سے پھر پسینے کی بوندیں پھوٹ نکلیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ وہ شخص باہر نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

وہ شخص ٹھیک دس بجے مسعود کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ وہ عمارت میں فوراً داخل نہیں ہوا بلکہ ایک تاریک گوشے میں کھڑے ہو کر صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہا۔ چند منٹ بعد اندر سے ایک عورت برآمد ہوئی۔ عمارت کا چوکیدار اس کے لیے ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ چوکیدار کی نظر بچا کے عمارت میں داخل ہوا۔ اس کی قسمت اچھی تھی، لفٹ چل رہی تھی۔ اگر لفٹ چلانے کے لیے علیحدہ ملازم ہوگا تو وہ بھی لفٹ کے ساتھ کہیں اوپر تھا۔ وہ شخص کسی کی نظروں میں آئے بغیر سیڑھیوں سے تیسری منزل پر پہنچ گیا۔ اس نے فلیٹ نمبر دو سو تین پر دستک دی۔ اندر قدموں کی چاپ ابھری پھر کسی نے تیزی سے دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے پوری قوت سے دروازہ دھکیلا۔ دروازہ کھولنے والی عورت لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی اور اس سے پہلے کہ اس کے حلق سے چیخ نکلتی، اس شخص نے سیاہ نال والا پستول نکال لیا۔ وہ ریوالور تانے عورت کو چیخنے سے منع کر رہا تھا۔ پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ قفل خودکار تھا۔ دروازہ مقفل ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر کمرے کا جائزہ لیا تو اسے ایک جھٹکا لگا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے سے ایک اور عورت ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جس کی تصویر اس نے مسعود کے بٹوے میں دیکھی تھی۔ وہ اپنی تصویر سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔ ریوالور پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ چیخنے کے انداز میں کھلا لیکن اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کے اپنی چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔

کچھ دیر تک وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر ساکت کھڑے رہے۔ دونوں عورتوں کی نظریں ریوالور پر جمی ہوئی تھیں اور مرد کی توجہ ان دونوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ دونوں کو باری باری بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ "تم میں سے بیگم مسعود کون ہے؟"

اس نے سکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا۔ دونوں عورتیں خاموش رہیں۔ شاید ان کی خاموشی کا سبب خوف تھا [illegible] تھا۔

"تم میں سے بیگم مسعود رضا کون ہے؟" اس نے سخت لہجے میں دونوں کی طرف باری باری گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس مرتبہ اس کے لہجے سے بے چینی صاف حترشح تھی۔

ان دونوں میں سے ایک عورت مسعود رضا کی بیوی تھی۔ شاید انہیں اس شخص کے مقصد کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے ریوالور بدست شخص کے لہجے کی بے چینی بھانپ لی تھی اس لیے خاموش رہنے میں عافیت سمجھ رہی تھیں۔ دونوں عورتوں میں سے جو عورت بھی مسعود کی بیوی تھی، وہ اپنی شناخت کے سلسلے میں خاموش تھی۔ شاید وہ دوسری عورت بہت خوف زدہ تھی۔ ممکن ہے، وہ اس سوال کی ضرورت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو اور سمجھ نہ پا رہی ہو اس لیے اس نے زبان بند رکھنا بہتر تصور کیا ہو۔

اس شخص نے چند لمحوں تک غور کیا پھر دونوں عورتوں سے کہا۔ "چلو، اندر چلو۔" تینوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ اس نے انہیں صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں عورتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ ان کے سامنے کھڑا ہو کر باری باری غور سے انہیں دیکھنے لگا۔ سیاہ بالوں والی عورت وہی تھی جس کی تصویر اس نے مسعود رضا کے پاس دیکھی تھی۔ اس وقت خوف کی وجہ سے اس کے نقوش کچھ بگڑے ہوئے تھے، اس کے باوجود وہ خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ اس نے ایک سادہ سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا بدن متناسب اور پُرکشش تھا اور جس عورت نے دروازہ کھولا تھا، اس کے بال ہلکے بھورے مائل تھے۔ وہ قدرے چست لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کا چہرہ بھی خوب صورت اور بدن متناسب تھا۔ دونوں کی قامت اور عمریں برابر نظر آ رہی تھیں۔ ایک کو دوسری پر فوقیت نہیں دی جا سکتی تھی، ان میں سے کسی ایک کا انتخاب محض ذاتی پسند ناپسند پر منحصر تھا۔

"تم دونوں خاموش کیوں ہو؟ مجھے بتاؤ، تم دونوں میں سے مسعود رضا کی بیوی کون ہے؟" اس شخص نے خوف ناک لہجے میں کوئی تیسری، چوتھی بار اپنا سوال دہرایا۔

بھورے مائل بالوں والی عورت نے بالآخر بولنے میں سبقت لی۔ "تم چاہتے کیا ہو؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

"میں بیگم مسعود رضا سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

بھورے مائل بالوں والی عورت نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیاہ بالوں والی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ "بیگم مسعود رضا یہ ہے۔" اس پر سیاہ بالوں والی عورت چیخی۔

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ خود بیگم مسعود رضا ہے۔"

وہ شخص گھبرایا نہیں۔ وہ بدستور پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھورے مائل بالوں والی عورت کو مخاطب کیا۔ "اگر بیگم مسعود یہ ہے تو تم کون ہو؟"

"میں شائستہ ہوں۔ مسعود رضا مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

سیاہ بالوں والی عورت جلدی سے بولی۔ "یہ پھر جھوٹ بول رہی ہے، شائستہ میرا نام ہے۔"

اس شخص نے بھویں اچکائیں۔ "اوہ۔" جیسے اسے کچھ یاد آ رہا تھا۔ اس نے اپنے کلائنٹ یعنی مسعود رضا کی جیب سے گرنے والی تصویر کے متعلق سوچا جو اس سیاہ بالوں والی عورت کی تھی۔ وہ اس کی بیوی کی تصویر بھی ہو سکتی تھی اور محبوبہ کی بھی۔ اس کے کلائنٹ نے اسے اپنی بیوی کی تصویر دکھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، نہ اس نے اس تصویر کے متعلق کچھ پوچھا تھا کیونکہ مسعود رضا نے بہت واضح لفظوں میں کہا تھا کہ اس کی بیوی بتائے ہوئے پتے والے فلیٹ میں تنہا ہوگی اور دستک سنتے ہی دروازہ کھول دے گی۔ دروازہ تو پہلی ہی دستک پر کھل گیا تھا لیکن فلیٹ میں اس کی بیوی تنہا نہ تھی۔ وہ چند لمحوں تک میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کو گھورتا رہا۔

"ہلنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے دونوں عورتوں کو حکم دیا۔ اس نے ریوالور فون کے پاس رکھ دیا اور مسعود رضا کا نمبر ملایا۔ پھر ریسیور کان سے لگا کے ماؤتھ پیس منہ سے بالکل قریب کر لیا اور ہتھیلی کی اوٹ میں چھپا لیا تاکہ اس کے جملے دونوں عورتوں کی سمجھ میں نہ آ سکیں۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف کسی نے ریسیور اٹھایا۔

"مسعود رضا؟" اس نے دھیمی آواز میں استفسار کیا۔

"یہ مسعود صاحب کا دفتر ضرور ہے لیکن وہ اس وقت کسی سے فون پر بات نہیں کر سکتے۔"

"مجھے ان سے ضروری بات..." آواز درمیان میں رہ گئی۔ کسی نے رابطہ منقطع کر دیا... نہ صرف یہ بلکہ ریسیور بھی نہیں رکھا تھا تاکہ کوئی اور ڈسٹرب نہ کرے۔ اس نے ہونٹ سکیڑے اور ریسیور رکھ دیا۔ اس نے ریوالور اٹھایا اور دوبارہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس مختصر وقفے نے ان دونوں عورتوں کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ ان کا خوف تو کم نہیں ہوا تھا مگر اپنی حیرت پر وہ قابو پا چکی تھیں۔ سیاہ بالوں والی عورت زیادہ پُرسکون نظر آ رہی تھی۔ "کیا تم نے فون پر معلوم کر لیا کہ بیگم مسعود رضا کون ہے؟"

"اگر معلوم کر لیا تو کیا ہوا؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم نے ضرور مسعود رضا کو فون کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسعود ہی نے تمہیں یہاں بھیجا ہے؟" سیاہ بالوں والی عورت بولی۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہی تھیں اور ان کے چہروں پر اب ایک نئے خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

"میں نے آج فون پر مسعود سے بات کی تھی۔" بھورے بالوں والی نے دوسری عورت کو مخاطب کیا۔ "میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ معاملہ میں سلجھانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن مسعود نے سختی سے مجھے منع کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ یہ معاملہ خود سلجھا لے گا۔ میں اب سمجھی کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ تمہیں قتل کروانا..."

وہ شخص جلدی سے ان کی طرف بڑھا۔ بھورے بالوں والی عورت کھڑی ہو گئی۔ "ٹھہر جاؤ، ایک منٹ۔" اس نے کہا۔ "میرا نام شائستہ ہے۔ مسعود رضا مجھ سے محبت کرتا ہے، میں بھی اسے پسند کرتی ہوں اور اپنا بہترین دوست سمجھتی ہوں... لیکن مجھے اس کے اس منصوبے کا علم نہیں تھا۔ میں کوئی اعتراض نہیں کر رہی ہوں۔ مسعود نے یہ قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوگا اور یہ فیصلہ اس نے بالکل مجبوری کے عالم میں کیا ہوگا لیکن قتل جیسے بھیانک جرم میں، میں ملوث ہونا نہیں چاہتی۔"

"گویا تم وہ محبوبہ ہو جسے مسعود رضا کھونا نہیں چاہتا؟" اس شخص نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ "یہاں تمہاری غیر متوقع موجودگی نے گڑبڑ پیدا کر دی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس معاملے میں زبان بند رکھو گی کیونکہ اس میں سب سے زیادہ فائدہ تمہارا ہی ہے۔"

بھورے بالوں والی عورت اس کی طرف ایک قدم بڑھی۔ "تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ تم ریحانہ کو قتل کرو لیکن تم بضد ہو تو کم از کم میرے سامنے ایسا مت کرو۔"

"تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں اپنا کام ختم کر لوں تو میرے ساتھ ہی تم بھی یہاں سے فرار ہو جانا۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن مرد کی درشت آنکھوں نے اس کی زبان بند کر دی۔

"بےوقوف لڑکی!" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کام

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ادھورے چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں اور نہ ہی اس میں کسی کی مداخلت برداشت کرتا ہوں۔ جس نے میری خدمات حاصل کی ہیں، صرف وہی مجھے اس کام سے روک سکتا ہے لیکن اس وقت وہ گفتگو کے قابل نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کسی ضروری کام سے کہیں جا چکا ہے۔'' اب اس کی نظریں سیاہ بالوں والی عورت پر جمی ہوئی تھیں اور لبلبی پر انگلی کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

سیاہ بالوں والی عورت اچانک کھڑی ہوگئی۔

''میں سمجھ گئی۔ یہ تمہارے پیشہ ورانہ وقار کا سوال ہے... جس کام کے لیے تمہاری خدمات حاصل کی گئی ہیں، اسے تم ہر صورت میں مکمل کرنا چاہتے ہو۔''

ریوالور پر انگلی کا دباؤ قدرے کم ہوگیا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ''پھر...؟''

''تمہارے پیشہ ورانہ وقار کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنا کام ٹھیک کرو۔ اگر تم نے کوئی غلطی کی تو تمہاری شہرت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا... پھر کون تمہیں ''ہائر'' کرے گا؟''

اس شخص نے پلکیں جھپکائیں۔ چہرے پر سخت الجھن تیرنے لگی مگر پھر وہ دھیرے دھیرے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دینے لگا۔ تاہم اس کی آنکھوں سے بے یقینی جھلکنے لگی تھی۔ وہ بیک وقت متضاد کیفیات سے دوچار تھا۔ پھر وہ مطمئن ہوگیا اور سیاہ بالوں والی عورت سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ بیگم مسعود تم ہی ہو... میں نے مسعود رضا کے پاس تمہاری تصویر دیکھی تھی۔''

''تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔ ہر مرد اس عورت کی تصویر اپنے پاس یا اپنی نظروں کے پاس رکھتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے... اور وہ تصویر اس کی محبوبہ کی ہو سکتی ہے، بیوی کی ہرگز نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب اتنی سی بات تو تمہاری سمجھ میں آجانی چاہیے۔'' سیاہ بالوں والی عورت نے اپنے آخری جملے پر زور دیا۔

وہ شخص چند لمحوں تک غور کرتا رہا پھر اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' پھر اس نے سرد نظروں سے بھورے بالوں والی عورت کی طرف دیکھا جو بے چاری سخت دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکی۔ ریوالور کا رخ اس کی طرف ہوگیا۔

''نہیں۔'' وہ پوری قوت سے چیخی۔

ریوالور سے ایک شعلہ نکلا۔ کرائے کے اس قاتل کا [illegible] جلدی جلدی فلیٹ کا سارا سامان الٹ پلٹ کر دیا اور کچھ قیمتی چیزیں اٹھا لیں۔ اس کے بعد اس نے سیاہ بالوں والی عورت کو بتایا کہ اب پولیس اسے ڈاکے کی واردات تصور کرے گی اور اس نے جو چند قیمتی چیزیں اٹھائی ہیں، انہیں وہ کہیں پھینک دے گا۔ پھر وہ دونوں چھپتے چھپاتے سیڑھیوں کے ذریعے عمارت سے باہر نکل آئے اور تاریکی میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔

☆☆☆

خاصی دیر بعد مسعود رضا کو ایک فون کال موصول ہوئی۔

''بیوی اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں گواہی نہیں دے سکتی، اس لیے میں نے پولیس کو یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ مجھے قتل کرنے کے لیے اس شخص کو تم نے ہی بھیجا تھا اور اس نے میرے سامنے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ چنانچہ پولیس یہ واردات چوری کی ایک عام واردات ہی تصور کر رہی ہے۔''

فون پر خاموشی طاری ہوگئی۔ پھر مسعود رضا نے بھرائی ہوئی اور شکست خوردہ آواز میں کہا۔ ''میں... میں اس سے محبت کرتا تھا، میں اس سے سچی محبت کرتا تھا۔''

''بے شک، مجھے احساس ہوگیا ہے۔ تم واقعی اس سے محبت کرتے تھے۔ پہلے میں یہ معاملہ مردوں کی عام تنوع پسندی سمجھ رہی تھی اور تمہیں معاف کرنے کے موڈ میں تھی۔'' اس نے کہا۔

''میں نے اس پیشہ ور قاتل سے یہی کہا تھا کہ اس نے تمہارے پاس جس عورت کی تصویر دیکھی تھی، وہ تصویر کسی محبوبہ ہی کی ہو سکتی ہے، بیوی کی نہیں ہو سکتی... اسے میری اس دلیل نے قائل کر دیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ تم نے میری تصویر بہ طور خاص اپنے بٹوے میں رکھی تھی۔ مجھے بے وقوف بنانے اور یہ باور کرانے کے لیے کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو... تاکہ دوسروں پر بھی یہی تاثر قائم ہو کہ تم اب بھی یعنی علیحدگی کے باوجود اپنی بیوی سے محبت کرتے ہو۔ تم نے ایک انتہائی احمق آدمی کو اس کام کے لیے منتخب کیا تھا ڈیئر! بہرحال... میرا وکیل جلد تمہارے پاس پہنچنے والا ہے۔ امید ہے کہ تم اس سے مکمل تعاون کرو گے۔''

❋❋

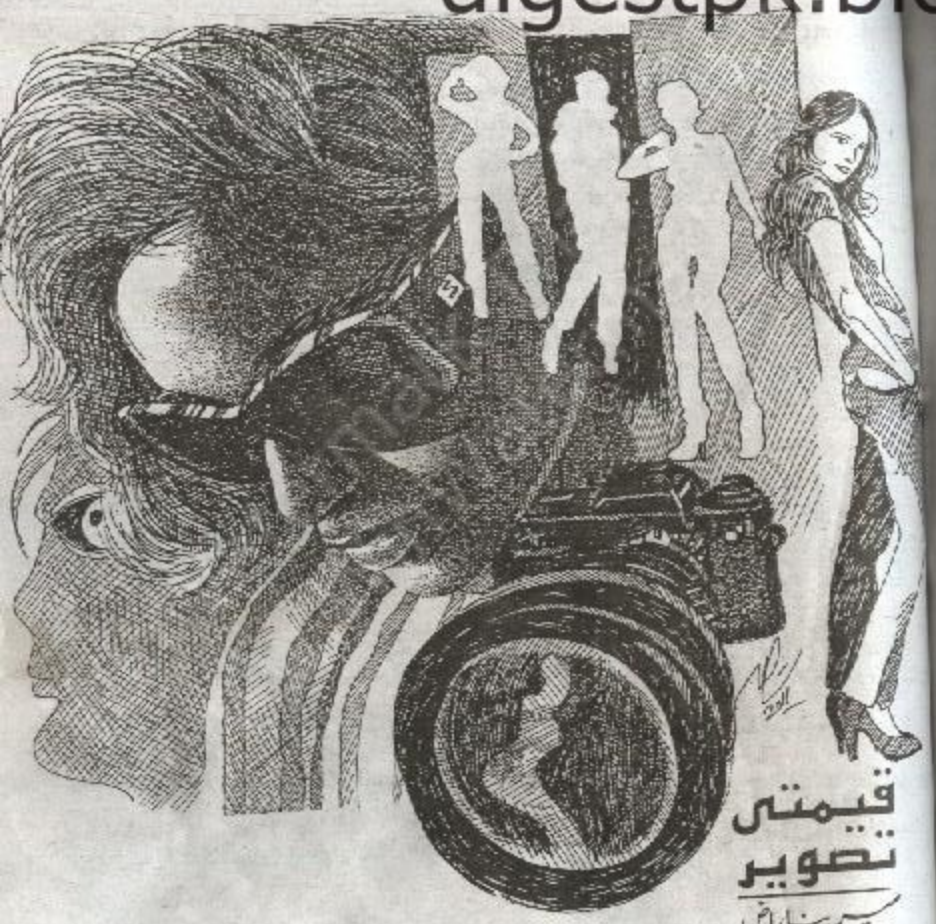

قیمتی تصویر

کیسرینا راضی

یادگار چیزوں کے حصول کے لیے انتھک محنت کرنی پڑتی ہے... تبھی وہ گوہرِ نایاب کی سند پاتے ہیں۔ ایک ایسے ہی پاپا رازی کی دلچسپ و شگفتہ مہم کی روداد... جسے ایک شاہکار تصویر کے لیے لمحہ تدبر کار تھے۔

شوبز کی دنیا کے چمکتے دمکتے ستاروں کی زندگی کے جھلملاتے عکس

میں ہر صبح کافی کا پہلا کپ پاؤلا اسٹریٹ پر واقع کیا جو کافی شاپ پر پیتا ہوں۔ اگرچہ یہ کافی شاپ جس جگہ واقع ہے، وہ مجھ سے جیسے بندوں کے لیے موزوں نہیں۔ یہاں ہر طرف جوس بار دکانیں ہیں۔ یہاں آنے والے لوگ اکثر جوس پینے کے لیے ہی آتے ہیں۔ کافی شاپ آنے والوں میں زیادہ تر وہ عورتیں شامل ہیں جو ہتھ گاڑی میں اپنے شیر خوار بچوں کو بٹھا کر نہلانے کے لیے نکلتی ہیں اور آتے جاتے ہوئے یہاں ٹھہر کر اپنی توانائی بحال کرنے کے لیے جوس پیتی ہیں۔ دیگر شناسا ماؤں کے ساتھ بے مقصد گپ شپ کرتی ہیں اور جب بچے گاڑی میں لیٹے لیٹے بور ہو کر رونے لگتے ہیں تو اٹھ کھڑی ہوتی ہیں... آگے جانے یا گھر واپس پہنچنے کے لیے۔

مجھ جیسے آدمی کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں لیکن کیا کروں،

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

مجھے صرف کافی نہیں بلکہ بہت اچھی کافی پینے کا چسکا ہے۔ اپنے کام کا آغاز ہمیشہ ایک اچھی کافی کا کپ پی کر کرتا ہوں۔ جب سے میں نے کیپاچو کافی شاپ پر پہلی بار کافی پی ہے، تب سے یہ میری پسندیدہ شاپ ہے۔ دن کا آغاز بھرپور توانائی سے ہونا چاہیے اور کیپاچو کی کافی میں مجھے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اس کے پینے سے جسم میں اچانک چستی اور پھرتی دوڑنے لگتی ہے اور پھر یہ پھرتی میری بائیک کو دن بھر راکٹ کی طرح اڑائے اڑائے پھرتی ہے۔

اس دن بھی میں کافی شاپ کے باہر ایک کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ کافی کے چند گھونٹ اندر جاتے ہی میرا دماغ کام کرنے لگا۔ میں نے ائرپیس کان سے لگایا اور موبائل فون پر اپنے ایک سورس کا نمبر ملانے لگا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ کس نے کس کو دیکھا ہے۔ میں ایک فوٹو گرافر ہوں اور فری لانسر کام کرتا ہوں۔ میں فلمی دنیا کے چمکتے دمکتے ستاروں کی خفیہ طور پر تصویریں کھینچتا ہوں اور یہ مرچ مسالا ٹائپ کے اخبارات و رسائل والے ہاتھوں ہاتھ منہ مانگے داموں پر انہیں خرید لیتے ہیں۔ اکثر ان تصویروں کے باعث اسکینڈل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی میرا کیمرا بیگ کے اندر موجود تھا۔ آج میں ہالی ووڈ کی ایک ابھرتی ہوئی اداکارہ اور اس کے ساتھی کی تصویر بنانے کا عزم لے کر اپنے گھر سے نکلا ہوں۔ اس اداکارہ کا نام لیلی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اب تک اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایک بوائے فرینڈ ہے اور وہ امریکا کی قومی بیس بال ٹیم کا چیمپئن ہے لیکن وہ لیلی فورنیا میں نہیں رہتا البتہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے اور پھر وہ دونوں اپنا کافی وقت ایک ساتھ گزارتے ہیں۔

لیلی اس رشتے کو ہر صورت خفیہ رکھنا چاہتی ہے کیونکہ وہ ہالی ووڈ میں تیزی سے اس مقام کی طرف بڑھ رہی ہے جو کم کم اداکاراؤں کے حصے میں آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس خوبرو، پرکشش اور قاتل حسینہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہونے کے لیے کئی دولتمند ترین فلمی اور غیر فلمی شخصیات اس کے آگے پیچھے پھرتی ہیں، اس کی ناز برداریوں پر خرچ کرتی ہیں مگر وہ کمبخت کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں ہونے دیتی کہ آخر وہ خود کس کی دیوانی ہے۔ سب کے سب پروانے بنا سوچے سمجھے اس شمع کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں، جلتے ہیں، مرتے ہیں۔۔۔ پھر کچھ اور نئے آجاتے ہیں۔

سچ کہوں تو لیلی ہے غضب کی اداکارہ۔ فلم کے سیٹ کے علاوہ بھی اس نے اپنی اداکاری کے بھرپور جوہر دکھائے ہیں۔ کسی ایک کو بھی ناراض کیے بغیر وہ سب کا دل مٹھی میں لیے بیٹھی

یہ چند ہفتے پہلے کی بات ہے جب مجھے پتا چلا کہ ڈاجر اور لیلی کے درمیان کئی مہینوں سے خاص چکر چل رہا ہے۔ یہ حقیقت اتفاقاً میرے علم میں آئی۔ جب میں نے ذرا سی بھاگ دوڑ کی تو پتا چلا کہ بات سچ ہے۔ اس دن سے میری کوشش تھی کہ کسی طرح ڈاجر اور لیلی کی ایک ایسی خاص تصویر کھینچ لوں جس میں وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر ہو۔ یہ تصویر ہالی ووڈ میں اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کرسکتی تھی اور ہفتوں، مہینوں تک خبر گرم رہتی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی لمبا مال مل جاتا۔ ہاں۔۔۔ ایک بات طے تھی کہ اس بات کا اثر خود لیلی کے فلمی کیریئر پر بھی منفی پڑسکتا ہے، مگر مجھے کیا۔ میرا کام تو تصویر کھینچنا ہے۔ تصویر کے اثرات کے بارے میں فکرمند ہونا اور غور و فکر کرنا میری ذمے داری نہیں۔

کل رات مجھے پتا چلا کہ ڈاجر شہر پہنچ رہا ہے اور وہ کلف ہوٹل میں ٹھہرے گا۔ تب ہی میں نے اندازہ کرلیا کہ آج یقیناً اس کی لیلی سے بہت ہی خاص ملاقات ہونی ہے۔ میرے لیے یہ سنہرا موقع تھا اس لیے آج جب میں اپنے گھر سے نکلا تو میرا ہدف لیلی اور ڈاجر تھے۔ اب میں کیپاچو کافی شاپ پر کافی کے گرم گرم گھونٹ بھرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کس کس سے بات کروں تاکہ مجھے لیلی کے پروگرام کی کچھ بھن گن مل سکے۔ اس وقت میں فلمی دنیا میں کام کرنے والے اپنے ایک قابل بھروسا ذریعے کو فون کر رہا تھا۔

"ہائے۔۔۔ میں پچ بول رہا ہوں۔ اطلاع ہے کہ ڈاجر یہاں آیا ہوا ہے۔ میری اطلاع کے مطابق وہ اپنی اداکارہ دوست لیلی کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے یہاں آیا ہے؟"

"ہوسکتا ہے۔"

"میں ریکا مال کے سامنے موجود ہوں۔ ان کا یہاں آنے کا ارادہ تھا۔"

"ہوسکتا ہے مگر میرے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ وہ کہاں جانے والے ہیں۔"

"اچھا سنو، تم نے ڈاجر کے لیے پلیئر زہال میں کوئی بکنگ کروائی ہے۔"

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ البتہ رابن ولیم آج لنچ کے لیے پہنچ رہا ہے مگر یہ کوئی ایسی خاص خبر نہیں ہے جس میں تمہارے لیے دلچسپی کا کوئی سامان موجود ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے پاس ڈاجر اور لیلی کے حوالے سے کوئی خبر ہو تو مجھے ضرور بتانا۔ میں ان دونوں کی ایک شاندار تصویر کھینچنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"شکریہ۔۔۔ بائے۔"

پچ سے کوئی اچھی خبر نہ ملنے پر فون بند کردیا لیکن مجھے یقین تھا کہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گا۔

میں نے کافی ختم کی اور بائیک اڑاتے ہوئے کلف ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کے دربان نے میرے ہاتھ میں کڑک نوٹ دیکھ کر بتایا کہ ڈاجر حسب سابق آج بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے مگر چیک ان کے بعد وہ اپنے کمرے میں گھسا تو اب تک باہر نہیں نکلا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلے، یا کوئی اس سے ملنے آئے یا وہ خود کہیں باہر جا رہا ہو تو مجھے فون پر پیغام کردینا۔"

دربان کا نام جارج تھا اور کئی بار مصدقہ اطلاع کے بدلے ڈالر وصول کرچکا تھا اس لیے اس نے خوشی خوشی حامی بھرلی۔ "پہلے بھی تو میں نے آپ کی خدمت کی ہے۔ بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔" اس نے دائیں آنکھ دبا کر، اپنے لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ فوری اطلاع۔۔۔ یاد رکھنا۔" میں نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "بائے" اور پھر میں اگلی منزل پر چل دیا۔

اب صرف لیلی کے ہیئر ڈریسر کو چیک کرنا تھا۔

"نہیں۔۔۔ آج کی تاریخ میں تو لیلی کے یہاں آنے کی کوئی اطلاع نہیں۔" استقبالیہ پر بیٹھی ہوئی ماریا نے خندہ پیشانی سے مجھے بتایا۔ "ہاں۔۔۔ سنا ہے کہ اسے اگلے ہفتے کسی تقریب میں شرکت کرنا ہے جس کے لیے وہ نیا لباس بنوانا چاہتی ہے۔ تم مرینہ سے رابطہ کرو۔" یہ سن کر میں سر کھجانے لگا۔ میں مرینہ سے واقف نہیں تھا اور وہ شاید یہ بات بھانپ چکی تھی۔ "اگر تم چاہو تو مجھے اپنی بائیک کے پیچھے بٹھا لو اور لے چلو۔ میں تمہیں مرینہ تک پہنچا دوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے فراخدلانہ پیشکش کی۔

"نہیں شکریہ۔" میں نے ماریا کی پیشکش سن کر فوراً کہا۔ اس موٹی کو اپنے ساتھ کون بٹھائے۔ ایک دفعہ بائیک پر بٹھالیا تو پھر ہمیشہ کیکڑے کی طرح میرے پیچھے چپکی رہے گی۔ اس لیے میں نے فوراً شکریے کے ساتھ اس کی پیشکش لوٹا دی۔

"میں چلتا ہوں۔۔۔ بائے۔"

مرینہ کے پاس جانے کے بجائے میں کافی شاپ آگیا۔ بائیک کھڑی کرکے بیٹھ گیا جہاں سے کافی شاپ کا داخلی دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔

میں اپنے حلیے اور چہرے مہرے سے کوئی غیر معمولی آدمی نہیں لگتا ہوں۔ بہت کم لوگ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے اپنے کام میں بہت آسانی ہوجاتی ہے۔ میرا قد، وزن اور جسمانی ہیئت بہت معمولی ہے۔ بال اور آنکھیں سیاہ ہیں۔ جسمانی رنگ سانولے پن کی طرف مائل ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ مجھے زیادہ تر عرب یا ایشیائی باشندہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں نسلاً پر تگیزی ہوں مگر اس طرف آج تک کسی نے بھی دھیان نہیں دیا۔

عام طور پر میں شخصیات کا انتظار ریستوران اور کافی شاپ کے باہر غیر محسوسانہ انداز میں کھڑا ہو کر کرتا ہوں اور ٹیلی فوٹو لینس کے ذریعے فوٹو اتار لیتا ہوں لیکن اس دوران میں بھی کبھی مجھے بہت تکلیف کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچانک فریم میں کوئی راہ گیر، سیکیورٹی گارڈ یا ریستوران وغیرہ کا عملہ بیچ میں آجاتا ہے جس کی وجہ سے قیمتی تصویر ضائع ہوجاتی ہے۔ ایسا ہو تو سمجھو کہ میری تو پورے دن کی محنت اکارت چلی جاتی ہے، پر کیا کروں۔۔۔ اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں۔

ابھی مجھے کھڑے ہوئے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے کہ صبر کا میٹھا پھل مل گیا۔ لیلی کافی شاپ میں داخل ہورہی تھی۔ اس نے اپنا حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگوں کی نگاہیں اسے پہچان نہ سکیں۔ اس نے لباس کے اوپر سیاہ رنگ کا اوور کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آنکھوں پر بڑے بڑے سیاہ شیشوں والا چشمہ لگایا ہوا تھا، جس سے اس کے چہرے کا بڑا حصہ چھپ گیا تھا۔ سیاہ بالوں کو اس طرح کھول کر پھیلایا تھا کہ لٹوں نے اس کے ماتھے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ واقعی اس حلیے میں دیکھ کر عام آدمی کے لیے لیلی کو پہچاننا مشکل ہوتا مگر میرے لیے نہیں۔ میں تو اسے آدھا میل دور سے بھی دیکھ کر پہچان سکتا تھا کہ وہ لیلی ہے۔

میں نے سیاہ ہیلمٹ اور چمڑے کی سیاہ جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور میں جس انداز سے موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ سمجھتا کہ بس اب کک مار کر بائیک اسٹارٹ کرنے والا ہوں۔ مگر فلمی شخصیات ہم جیسے فوٹو گرافروں کو دور سے ہی تاڑ لیتی ہیں۔ لیلی جانتی ہے کہ میں ایک شوبز فوٹو گرافر ہوں۔ اندر جاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا بھی تھا لیکن شاید اسے یقین نہیں ہوگا کہ یہ میں ہوں جو اسے ہر روپ میں پہچان سکتا ہوں۔ اس وقت لمحہ بھر کے لیے غیر ارادی طور پر ہم دونوں کی آنکھیں بھی چار ہوئیں لیکن۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچان سکی ہوگی۔ ویسے بھی اس نے جو حلیہ بنایا ہوا تھا، اس سے یہی لگتا ہے کہ وہ ڈاجر کے ساتھ کھلے ماحول میں کچھ وقت گزارنا چاہتی ہے مگر پہچان چھپا کر۔ تبھی تو اس غیر معروف

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کافی شاپ میں پہنچی تھی۔ اسے یقین ہوگا کہ کسی بھی شوبز فوٹو گرافر کو یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ یہاں پہنچے گی۔ جیسے ہی لیلیٰ اندر داخل ہوئی، میں نے اس کی سیکریٹری سینڈرا کو فون کیا۔

”کیا پروگرام ہے آج آپ کی لیلیٰ کا؟“ سینڈرا مجھے اچھی طرح جانتی تھی اور ہمارے درمیان بے تکلفی بھی تھی اس لیے میں نے چھوٹتے ہی مطلب کی بات کردی۔

”کوئی خاص نہیں۔ اگر تم کہیں ان کا انتظار کررہے ہو تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو ورنہ سارا دن انتظار کرتے رہو گے۔ بہتر ہے کہ اپنا وقت ضائع مت کرو۔“ میری بات سنتے ہی وہ سمجھ گئی کہ میں کہیں نہ کہیں بیٹھ کر ضرور لیلیٰ کا انتظار کررہا ہوں اس لیے اس نے مجھ سے ایسے انداز سے بات کی جس سے میں مایوس ہوجاؤں مگر میں بھی کوئی بے وقوف تو تھا نہیں جو اس کی بات پر یقین کرلیتا۔

”مفید مشورہ دینے پر میں تمہارا مشکور ہوں سینڈرا، ویسے لیلیٰ کے انتظار میں بھی کبھی وقت ضائع نہیں ہوتا ہے۔ تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔“ میں نے ہنستے ہوئے اس کا جملہ واپس اسی پر اچھال دیا۔

”بڑے ڈھیٹ ہو تم۔“ سینڈرا نے ہنستے ہنستے جواب دیا۔

”سنو، اگر تم اس کا پیچھا کررہے ہو تو پھر مجھے تم سے ایک مدد چاہیے۔“

”بولو..... میں حاضر ہوں لیلیٰ کے صدقے تمہارے لیے۔“

”بڑے کمینے ہو تم..... اچھا سنجیدگی سے سنو۔“ سینڈرا پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ”بات یہ ہے کہ اگر تم لیلیٰ تک پہنچ چکے ہو تو پھر میرا ایک کام کرنا۔ وہ جہاں گئی ہے، وہاں اس کے ضرور کچھ پرستار بھی ہوں گے۔ اسے اکثر پرستار تنگ کرتے ہیں۔ اس لیے تصویر کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی نظر رکھنا کہ کوئی اسے تنگ نہ کرسکے۔ بس ذرا چاروں طرف نظر رکھنا۔“

”ٹھیک ہے۔ بے فکر رہو..... میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ کہاں ہے کیونکہ یہ بات تو میں جانتا ہی ہوں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ میں اس کی عمدہ تصویر کھینچنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔“ سینڈرا سے باتیں کرتے کرتے اچانک مجھے خیال آیا۔ ”لیکن ایک بات بتاؤ۔ اس سے پہلے تو تم نے مجھے کبھی لیلیٰ پر نظر رکھنے کا نہیں کہا۔ مجھے شک ہے ضرور کوئی مسئلہ ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”ہاں کچھ ایسی بات ہوئی ہے اس لیے تو میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ ذرا اس کا خیال رکھنا۔“

”کھل کر بتاؤ بات کیا ہے؟“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

[illegible] ساتھ ہیں۔ بظاہر یہ پرستاروں کی طرف سے [illegible] معلوم ہوتے ہیں لیکن بغور جائزہ لیا جائے تو اس میں دھمکی موجود ہے۔“

”تم پولیس کو اطلاع کیوں نہیں کرتیں؟“

”ایسا ہی کرنا ہے لیکن فی الحال ہم تیل اور تیل کی دھار دیکھ رہے ہیں۔“

”شکریہ سینڈرا..... تم نے مجھ پر بھروسا کیا ہے۔ میں لیلیٰ کا خیال رکھوں گا۔“

ابھی میں فون پر باتیں کررہا تھا کہ لیلیٰ کافی شاپ سے باہر نکل آئی اور سیدھی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ تنہا تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی اگلی جگہ جارہی ہے جہاں اس کی ملاقات ڈاجر سے ہوئی ہے۔ اسی وقت میرے ذہن میں سوال اٹھا کہ جب ڈاجر نے اس سے کہیں اور ملنا تھا تو وہ یہاں کیوں آئی؟ اسے یہاں پر کس سے ملنا تھا؟ میرے دماغ میں یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے کہ عین وقت پر ڈاجر نے اپنا پروگرام بدل دیا ہو اور اسے فون پر اطلاع دی ہو کہ اب وہ کہیں اور اس سے ملے گا اس لیے یہ وہاں جارہی ہے۔ خیر! بات جو بھی ہو، مجھے تو اس کا تعاقب کرکے ایک اچھی سی تصویر بنانی تھی۔ سو، جب لیلیٰ کافی شاپ سے باہر نکلی تو میں نے سینڈرا کو خدا حافظ کہا اور اپنی بائیک اسٹارٹ کرلی۔

جب میں سڑک پر نکلا تو اتنی دیر میں اس کی رولز رائس کافی آگے نکل چکی تھی۔ میں نے بھی تیزی سے بائیک آگے بڑھائی۔ جس گاڑی میں وہ..... بیٹھی تھی، اس کا نمبر میں نے ذہن نشین کرلیا تھا۔ اس وقت سڑک پر کئی رولز رائس کاریں دوڑ رہی تھیں۔ بالآخر کافی آگے جاکر مجھے سیاہ شیشوں والی لیلیٰ کی کار نظر آگئی۔ میں نے مناسب فاصلے پر سے اس کا نمبر دیکھا تو تصدیق ہوگئی کہ وہ لیلیٰ کی ہی کار تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ بائیک کی رفتار کم کی اور لیلیٰ کی کار کے پیچھے والی تین گاڑیوں کو چھوڑ کر ان کے عقب میں اس طرح چلنے لگا کہ ڈرائیور کو ایسا محسوس نہ ہو کہ کوئی ان کا پیچھا کررہا ہے۔

ہم جیسے فوٹو گرافرز کو دنیا میں 'پاپا رازی' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہمیں عالمی شہرت اس وقت ملی جب فرانس کی ایک سرنگ میں برطانیہ کی شہزادی لیڈی ڈیانا کو جان لیوا حادثہ پیش آیا، جس پر پاپا رازیوں کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ میں بھی پاپا رازی ہوں مگر میں اپنے قبیل کے دوسرے لوگوں کی طرح قطعاً جلد باز نہیں اور نہ ہی میں بے تابی کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوں۔ میں ہمیشہ سے ٹھنڈا کرکے کھانے کا عادی ہوں۔ اسی

[illegible] قسم کی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ آج بھی میں اپنے انہی اصولوں پر کام کررہا ہوں۔

مجھے لیلیٰ اور اس کے دوست ڈاجر کی ایک ساتھ اس انداز میں تصویر اتارنی تھی جیسے کہ ڈیٹ پر ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ کافی شاپ کے باہر ہی یہ کام ہوجائے گا مگر مجھے لگا کہ اس میں ابھی اور زیادہ بھاگ دوڑ کی ضرورت پڑے گی اس لیے میں نہایت تحمل سے لیلیٰ کی گاڑی کا تعاقب کرکے چلا جارہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی کار کا ڈرائیور یہ اندازہ بھی نہیں لگا پائے گا کہ ایک پاپا رازی ان کا تعاقب کررہا ہے۔

میں نے دو سال قبل لیلیٰ کا پیچھا کرنا شروع کیا تھا۔ مجھے اس میں خاص دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔ یہ وہ عام سی وجوہات نہیں تھیں، جن کے باعث پاپا رازی فلمی ستاروں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ بلاشبہ لیلیٰ بہت خوبصورت تھی لیکن ہالی ووڈ میں خوبصورت اداکاراؤں کی کوئی کمی نہیں۔ میرے نزدیک جو چیز اسے ہالی ووڈ کی دوسری خوبرو اداکاراؤں سے منفرد بناتی ہے وہ اس کی قدرتی خوبصورتی اور چہرے کا بھولپن ہے۔ اس نے دیگر اداکاراؤں کی طرح خوبصورت نظر آنے کے لیے اپنے چہرے کی پلاسٹک سرجری نہیں کروائی۔ اس کے بال سنہری ہیں لیکن صرف سورج کی روشنی میں ہی ان کا سنہرا پن دکھائی دیتا ہے، شام میں دیکھو تو وہ سیاہی مائل نظر آتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ اداکاری کی فطری صلاحیت سے مالا مال ہے اور پچھلے دو سالوں میں اس نے بہت ترقی کی اور ترقی کا یہ سفر اب بھی جاری ہے۔ وہ ان اداکاراؤں کی طرح نہیں ہے جو ایک دو فلموں میں نظر آئیں اور پھر غائب ہوگئیں۔ مجھے پہلے دن سے یقین تھا کہ یہ اداکارہ فلمی تاریخ میں اپنی جگہ بنائے گی اور اب میرا یقین مستحکم ہوتا جارہا ہے اس لیے میں نے اس پر خاص توجہ بھی دی ہوئی ہے۔

پہلے پہل مجھے لیلیٰ کی ایک تصویر کے سو، پچاس ڈالر مل جاتے تھے لیکن جوں جوں وہ ترقی کرتی جارہی ہے، میرے دام بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ امریکا کے مرچ مسالا ٹائپ کے جرائد اور اخبارات میں اس کی تصاویر، خبروں اور اسکینڈل کی کافی مانگ ہے۔ اب مجھے لیلیٰ کی تصویر کے منہ مانگے دام ملتے ہیں۔ میں نے اس کی ایک تصویر پانچ ہزار ڈالر تک میں بھی فروخت کی ہے اور اس تصویر کا پاپا رازی حلقے میں بہت چرچا ہوا تھا۔ اس تصویر میں لیلیٰ سڑک کنارے گرے ہوئے ایک بوڑھے شرابی کو اپنے ڈرائیور کی مدد سے اٹھا کر بینچ پر لٹا رہی تھی۔

جب لیلیٰ کی کار ایک اور اسٹریٹ پر مڑی تو اچانک دائیں سڑک سے سیاحوں سے بھری ایک ڈبل ڈیکر بس درمیان

میں آگئی۔ سیاح کھڑکیوں سے آدھے آدھے باہر لٹک کر اہرام مصر کے مانند فلک بوس عمارتوں کی تصویریں بنا رہے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پاپا رازی تصویر کے لیے اپنی دوسروں کی زندگیاں خطرے میں... ڈال دیتے ہیں۔ چلتی میں سوار سیاح ہم سے بھی دو قدم آگے تھے۔ میں نے ان طرح بھی چلتی گاڑی سے تصویر لینے کی کوشش نہیں کی میں کار میں سوار ہوتا تو مجھے راستہ نہیں مل سکتا تھا لیکن موٹر سائیکل بڑی مفید سواری ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر سے ہوکر اس بس کراس کیا لیکن تب تک لیلیٰ کی کار نظروں سے اوجھل ہوچکی تھی۔

جس مقام پر لیلیٰ کی گاڑی میری نظروں سے اوجھل ہوئی تھی، اس سے چند قدم آگے دائیں اور بائیں طرف دو سڑکیں مڑتی ہیں۔ میں نے فوراً اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اس کی کس جانب مڑی ہوگی۔ اگر وہ دائیں جانب مڑی ہے تو پھر گولڈن گیٹ پارک یا فیری ریسٹوران، براؤن کافی شاپ وغیرہ کی طرف گئی ہے۔ اس کے برعکس بائیں سڑک پر لیلیٰ ڈریس ڈیزائنر مرینہ کا بوتیک ہے۔ اگر وہ بائیں جانب مڑی تو پھر وہ سیدھی مرینہ کے پاس ہی جائے گی۔ میں لیلیٰ کے لباس کو اپنی بیوی کے کپڑوں سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ صرف مرینہ کے تیار کردہ کپڑے ہی پہنتی ہے۔ سو اس طرف مڑنے کا مقصد صاف ظاہر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اگر اس جانب ہی مڑی ہے تو پھر مرینہ بوتیک میں ہی ملے گی۔ میں نے سائیکل دائیں سڑک پر موڑ لی۔

ویسے مجھے لگ رہا تھا کہ لیلیٰ چاہتی ہے کہ کم از کم آج وہ رازی کی نظروں سے دور رہے۔ ہوسکتا ہے کہ میرے ٹریفک میں پھنس جانے کا اس نے فائدہ اٹھایا ہو۔ حالانکہ فلمی شخصیات خود کیمرے میں قید ہونے کی خواہشمند ہوتی ہیں مگر لیلیٰ آج لیے کیمرے سے بچنے کی کوشش کررہی ہوگی کہ اسے ڈاجر ملنا ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس دوستی کو ابھی خفیہ رکھنے کی کوشش کررہی ہے۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ فلمی شخصیات ہم جیسے فوٹو گرافرز اور صحافیوں سے نفرت کرتی ہیں اور اکثر اس کا برملا اظہار کرتی ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اکثر ان سیکریٹری ایسی خبریں ہم تک پہنچاتے ہیں جو مجھے یقین ہے خود ان شخصیات کی منشا سے ہی ہم تک پہنچتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ لوگ نہ ہوں تو ان کی تصاویر صرف اس وقت ہی اخبارات زینت بنیں جب ان کی فلم کا آغاز ہو، اس کا پریمیئر ہو یا فلم آفس پر ہٹ ہوجائے۔ اس کے علاوہ اگر انہیں کوئی خبر میں ان رکھتے ہیں تو وہ ہم پاپا رازی ہی ہیں۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ابھی میں تھوڑا ہی آگے گیا تھا کہ مجھے لیلیٰ کی کار نظر آ گئی۔ میں مناسب فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جس طرح کافی شاپ میں داخل ہونے سے قبل اس نے میری طرف نظر ڈالی تھی، اس کے بعد وہ جان گئی ہوگی کہ میں صرف اسی کا منتظر تھا۔ اب وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہونے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ اس کام کے لیے اسے ایک موقع مل گیا مگر قسمت میرا ساتھ دے رہی تھی، وہ مجھے دوبارہ نظر آ گئی۔ اگرچہ اس وقت میں نے ہیلمٹ میں چہرہ چھپایا ہوا تھا لیکن میرا کیمرا بیگ یہ چغلی کھاتا ہے کہ میں پاپارازی ہوں۔

میرا خیال تھا کہ وہ مرینہ کے بوتیک کی طرف جائے گی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ بوتیک کی طرف مڑنے کے بجائے آگے بڑھتی چلی گئی۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے؟ میں دو سال سے اس کا تعاقب کر کے اس کی تصاویر اتار رہا ہوں لیکن اس سے پہلے کبھی اس سڑک پر اتنا آگے بھی نہیں گئی...... آخر وہ جانا کہاں چاہتی ہے؟ یہ سوال میرے دماغ میں کلبلانے لگا۔ میں اس وقت بائیک چلا رہا تھا اس لیے میں نے دماغ کو سوچوں میں الجھانے کے بجائے اس کے تعاقب پر توجہ مرکوز رکھنا زیادہ مناسب سمجھا۔

کار کے مقابلے میں بائیک کے دو بڑے فائدے ہیں۔ ایک تو ٹریفک جام میں بہ آسانی آگے نکلا جا سکتا ہے دوسرا یہ کہ پارکنگ کے لیے جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہوا یہ کہ کئی میل آگے چلنے کے بعد لیلیٰ کی کار ایک معروف میوزیم کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ دو سالوں میں یہ پہلا موقع تھا وہ کسی میوزیم تک آئی تھی۔ اس وقت جب لیلیٰ کا ڈرائیور کار پارک کرنے کے لیے جگہ تلاش کر رہا تھا، میں نے جلدی سے بائیک کھڑی کی اور ایک جیپ کی آڑ لے کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ کار سے باہر نکل کر میوزیم کے داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی، میں نے اس کی کئی تصویریں بنائیں۔ اگرچہ یہ تصویریں بھی بک سکتی تھیں اور ان کی اشاعت سے لیلیٰ کا امیج بھی بنتا مگر مجھے تو اس کی ڈیٹ والی تصویر چاہیے تھی۔ ویسے بڑا عجیب لگ رہا تھا کہ جب ڈاج اس سے ملنے کے لیے شہر میں پہنچا ہوا ہے تو وہ لیلیٰ میوزیم میں کیا کرنے آئی ہے۔ اگر انہوں نے ملنے کے لیے میوزیم چنا ہے تو بڑا اچھوتا خیال ہے۔ یہ اب لیلیٰ میوزیم کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

”ایکسکیوزمی میڈم۔“ اس سے پہلے کہ وہ میوزیم کے اندر داخل ہوتی، میں نے جلدی سے کیمرا بیگ میں ڈالا اور تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔

”جی فرمایئے!“ اس نے رک کر قدرے سپاٹ لہجے میں [illegible] اپنے تاثرات چھپائے۔ آخر وہ ایک ابھرتی ہوئی اداکارہ تھی۔

”کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ میوزیم کس مقصد کے لیے آئی ہیں۔“

”کیوں نہیں...... میں یہاں نادر اشیا دیکھنے کے لیے آئی ہوں اور بس......“

وہ خاصا روشن دن تھا۔ مجھ سے بات چیت کے دوران میں اس نے اپنا اوور کوٹ اور دستانے اتار کر اپنے پیچھے کھڑے ڈرائیور کو تھما دیے۔ اس نے سیاہ مخمل کا بغیر آستین کا لباس پہن رکھا تھا۔ دھوپ میں اس کی سفید رنگت اور بھلی بھلی لگ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی اور سوال کرتا، ارد گرد کھڑے اور آتے جاتے لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں اس سے آٹوگراف لینے کے لیے جمع ہو گئے۔ اسی دوران میں نے جلدی سے اپنا کیمرا بیگ سے باہر نکال کر اس کی دو چار تصاویر بنا ڈالیں۔

جس وقت میں لیلیٰ کی تصاویر بنا رہا تھا، اس سے کچھ فاصلے پر ایک اور شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کیمرا تھا لیکن وہ حلیے سے صحافی یا پاپارازی نہیں لگ رہا تھا۔ اس شخص نے جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے سر کے بال سرخ تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ عمر کے لحاظ سے چالیس کے پیٹے میں ہوگا۔ میں نے نوٹ کیا کہ اس نے کئی بار کیمرا اٹھا کر لیلیٰ کو فوکس کیا مگر اس نے کوئی شاٹ نہیں لیا۔ مجھے اس کا یہ انداز مشکوک لگا۔ میرا شک اس لیے بھی حق بجانب تھا کہ صبح ہی اس کی سیکریٹری نے مجھ سے کہا تھا کہ لیلیٰ کو اپنے کسی پرستار کی جانب سے جذباتی مگر دھمکی آمیز خطوط تسلسل کے ساتھ مل رہے ہیں اس لیے میں نے اس مشکوک شخص پر نظر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی دوران میں لیلیٰ میوزیم کے اندر چلی گئی۔ میوزیم میں فوٹوگرافی کی اجازت نہیں ہے اس لیے میں باہر ہی ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا اور اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ بظاہر میں لاتعلق سا کھڑا تھا لیکن میری پوری توجہ اس شخص کی جانب تھی۔ اب بھی وہ اسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ پہلے موجود تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ شخص ہاتھ میں کیمرا پکڑے ہوئے میری طرف آیا۔ ”کوئی کام کی تصویر ملی؟“ اس نے آتے ہی نرم لہجے میں مجھ سے سوال کر ڈالا۔

”ہاں...... شاید ایک دو تصویریں عمدہ نکل آئیں گی۔“

”کیا ان تصویروں کو بیچو گے؟“

”نہیں۔“ میں نے مختصر سا جواب دیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آگے چل دیا۔ کچھ آگے جا کر میں رکا اور اس طرح [illegible] نہیں تھا۔ میں نے جلدی جلدی چاروں طرف دیکھا۔ مجھے وہ کہیں نظر نہیں آیا، شاید وہ چلا گیا تھا۔

میں لیلیٰ کی باہر آمد کا منتظر تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سفید ماربل سے بنی میوزیم کی عمارت کے سامنے کے حصے کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کر دیا۔ یہ عمارت سفید اور سیاہ سنگِ مرمر سے بنی ہوئی تھی اور ان دونوں رنگوں کا یہ امتزاج مجھے ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ میں کافی دیر تک گھوم پھر کر اس عمارت کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے قدیم یونان کا کوئی تھیٹر ہال ہو۔ اس دوران میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی توجہ میوزیم کے خارجی دروازے سے ہٹنے نہیں دی۔ کافی دیر ہو گئی لیکن لیلیٰ باہر نہیں آئی۔ اسی اثنا میں دوپہر کا وقت ہو گیا۔ مجھے بھوک لگنے لگی۔ میں نے میوزیم کے سامنے بنے ایک ریستوران سے کولڈ ڈرنک، برگر اور چپس خریدے اور ایک کرسی گھسیٹ کر لنچ کرنے لگا۔ میں نے اپنا موبائل فون نکالا۔ اس پرکلف ہوٹل کے دربان جارج کا میسج آیا ہوا تھا۔ میں نے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ اس وقت بھیجا گیا تھا جب میں ڈبل ڈیکر بس کے باعث ٹریفک ہجوم میں پھنس گیا تھا۔ اسی وجہ سے میسج کی گھنٹی بھی نہیں سن سکا۔ میں نے وائس میسج سننا شروع کیے تو جارج کا وائس میسج بھی آیا ہوا تھا۔ جارج کہہ رہا تھا ”ہائے بچ...... میں جارج بول رہا ہوں کلف ہوٹل سے۔ وہ بیس بال پلیئر جس کی تمہیں تلاش ہے، ابھی ابھی سرخ رنگ کی شیورلیٹ نمبر 911 میں باہر نکلا ہے۔“ جارج نے میسج گھنٹا بھر پہلے بھیجا تھا۔

میں نے جلدی جلدی لنچ ختم کیا اور اپنے اصولوں کے برخلاف پہلی بار کسی میوزیم کا ٹکٹ خریدا اور اس کے اندر داخل ہو گیا۔ خوش قسمتی سے میوزیم قدرے چھوٹا تھا، اس لیے میں نے جلدی جلدی ساری گیلریاں چھان ماریں مگر نہ تو ڈاج نظر آیا اور نہ ہی لیلیٰ دکھائی دی۔ میوزیم میں اس وقت ویسے بھی دو چار لوگ ہی موجود تھے۔ میں سیدھا گارڈ کی طرف بڑھا۔

”ہائے...... کیا تم نے یہاں ڈاج کو دیکھا ہے۔“

”کون ڈاج؟“

”وہی جو امریکی بیس بال ٹیم کا چیمپئن ہے۔“

سوری...... میں نہیں جانتا۔“ یہ گارڈ چہرے مہرے سے ایشیائی لگ رہا تھا اور کم عمر بھی۔ میں ڈاج سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے ٹپ دینے ہی والا تھا کہ اچانک وہ پوچھنے لگا۔ ”یہ بیس بال کیا چیز ہے؟“

> مریض: ”ڈاکٹر صاحب! لوگوں کے رویے نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ کوئی شخص بھی مجھ سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا؟“
>
> ڈاکٹر (ملازم سے): ”دوسرا مریض بھیجو۔“

”احمق ہے۔“ اس کی بات سن کر میں زیر لب بڑبڑایا البتہ میری بڑبڑاہٹ بچ گئی۔ میں نے بیس بال کے بارے میں اسے سمجھانے کے بجائے ایک بار پھر سوال کیا۔ ”تم نے لیلیٰ کو یہاں سے نکلتے دیکھا ہے۔“ اس نے...... کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سوالیہ نگاہوں سے میرا چہرہ تکنے لگا۔

”وہی لیلیٰ، جس نے کالے رنگ کا لباس پہنا ہوا ہے۔ اداکارہ ہے؟“

”سوری...... میں فلمیں نہیں دیکھتا۔“

”بھاڑ میں جاؤ......“ میں دل ہی دل میں اسے کوستا ہوا باہر نکلنے لگا۔ حیرت کی بات ہے کہ میں تو میوزیم کے دروازے پر مسلسل نظریں رکھے بیٹھا ہوا تھا، اس کی کار بھی وہیں کھڑی ہے تو پھر وہ کیسے نظر بچا کر نکل گئی۔ مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی۔

میں فوراً باہر کی طرف لپکا تو دیکھا کہ لیلیٰ کی کار ریورس ہو رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر کار میں جھانکا۔ اس میں صرف ڈرائیور تھا۔ اوہ میرے خدا...... وہ میوزیم کے عقبی دروازے سے نکلی ہوگی اور یقیناً عقب میں ڈاج اپنی کار میں اس کا منتظر ہوگا۔ اس کے بعد دونوں اڑن چھو......

میں نے جلدی سے بائیک اسٹارٹ کی اور سرپٹ دوڑاتا ہوا شہر کے مرکز کی طرف جانے لگا۔ راستے میں جہاں سگنل سرخ ملتا، رک کر جانے والوں کو فون کرنے لگتا، لیکن سب لوگ یا تو ان دونوں کی موجودگی سے لاعلم تھے یا پھر وہ مجھے ان دونوں کی موجودگی کے بارے میں کچھ بتانے سے گریزاں تھے۔ میں بہت پریشان ہو رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں اس وقت کہاں ہوں گے؟ اب لے دے کر میرے پاس واحد راستہ یہ بچا تھا کہ لیلیٰ کے گھر کا جائزہ لوں۔ ممکن ہے کہ دونوں وہاں خوش گپیاں کر رہے ہوں۔ میں اس موہوم امید کے سہارے اب جلد سے جلد اس کے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔

لیلیٰ کا گھر ٹوئن پیک میں تھا...... یہ پہاڑی چوٹی پر واقع علاقہ ہے، جہاں سے شہر کا منظر بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ یہ نہایت دولتمند لوگوں کا علاقہ ہے۔ عام حالات میں یہ جگہ میوزیم سے پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو پر ہے لیکن اس وقت

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

دوپہر تھی...... اور لنچ بریک کی وجہ سے سڑک پر گاڑیوں کا بہت رش تھا اس لیے مجھے خاصی دیر ہو رہی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹے بعد میں اس کے گھر کے مرکزی گیٹ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ ذاجر شام چار بجے بیس بال کے ایک میچ میں شرکت کرنے والا تھا۔ امید تھی کہ میں اس سے پہلے ہی ان دونوں کی ایک خاص تصویر اتارلوں گا ورنہ پھر مجھے میچ ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ بس ایک قباحت تھی کہ اس وقت تک شام ہو چکی ہوگی اور شاید میں اچھی تصویر نہ لے پاؤں۔ میری کوشش تھی کہ دن کی روشنی میں ہی یہ کام نمٹ جائے۔

لیلی کے گھر کے باہر لکڑی سے دس فٹ اونچی باڑ بندھی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے اندر کا منظر واضح طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لیے میں اس کے پڑوس میں واقع گھر کا لان عبور کرتے ہوئے اس کے برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا تاکہ اندر کا منظر دیکھ سکوں۔ اس کے سوا مجھے گھر کے اندر جھانکنے کی کوئی اور ترکیب نہیں سوجھ رہی تھی۔

لیلی کے گھر کے پورچ میں سرخ شیورلیٹ کھڑی تھی۔ جارج نے بھی یہی اطلاع دی تھی کہ ذاجر سرخ رنگ کی شیورلیٹ میں نکلا ہے۔ مگر لاکھ کوششوں کے بعد ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ نہ ہی کوئی ایسے آثار نظر آرہے تھے، جن سے ان دونوں کی گھر میں موجودگی کا کوئی سراغ ملتا۔ میرے لیے یہ تعجب کی بات تھی۔ میں اپنے کیمرے کے طاقتور لینس کی مدد سے بدستور لیلی کے گھر کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

کیلیفورنیا میں لیلی کا گھر ان نئے تعمیر شدہ جدید گھروں میں شمار ہوتا ہے جس میں شیشے کا بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ حتی کہ کئی جگہوں پر دیوار کے بجائے شفاف شیشوں کا ہی استعمال ہوا ہے۔ اس لیے طاقتور لینس کو کیمرے پر لگا کر گھر کا اندرونی جائزہ لینا میرے لیے کسی حد تک ممکن تھا اور میں یہ کام کررہا تھا۔ مجھے پورے گھر میں کسی بھی انسان کی موجودگی کے کوئی آثار نہیں ملے۔ اچانک میرے دماغ میں خیال آیا کہ ممکن ہے وہ میرے کیمرے کی نظر سے بچنے کے لیے گھر کے پچھواڑے موجود ہوں ورنہ پھر ذاجر کی سرخ شیورلیٹ یہاں کیا کررہی ہے؟

"میرے گھر کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر تم کیا تاک جھانک کررہے ہو؟" اچانک ایک عورت کی درشت آواز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔ میرے لیے یہ کوئی نئی صورت حال نہیں تھی۔ اکثر اوقات اس جیسی مداخلتوں کا سامنا ہوجاتا ہے۔ وہ عورت اپنی بالائی منزل پر کھڑی مجھے شک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

[illegible] اس ادھیڑ عمر عورت کے ماتھے پہ پڑی تیوریاں کم نہیں ہوئیں۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" وہ ایک بار پھر چلائی۔ اس بار اس کی آواز خاصی اونچی تھی اور لہجہ بھی شدید غصے سے بھرا ہوا تھا۔

"میں یہاں سے آسمان کی ایک تصویر لینے کی کوشش کررہا تھا۔ بڑا خوبصورت زاویہ بن رہا ہے یہاں سے۔ بڑی اچھی تصویر آئے گی۔" میں نے کیمرا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کر اونچا کرتے ہوئے کہا۔ میرا لہجہ خاصا دوستانہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ چلائے نہیں، کہیں ذاجر اور لیلی اس کی آواز نہ سن لیں مگر وہ تو انگارے چبائے بیٹھی تھی۔ اس کے منہ سے آواز نہیں شعلے نکلنے لگے۔

"فوراً دفع ہوجاؤ یہاں سے ورنہ میں پولیس کو فون کرتی ہوں۔" وہ ایک بار پھر چلائی۔ اس پر میرے دوستانہ رویے کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوا۔

"ٹھیک ہے، میں چلا جاتا ہوں۔۔۔ شکریہ۔" مجھے اسی میں عافیت نظر آئی کہ چپ چاپ اپنا بیگ اٹھا کر یہاں سے تو دو گیارہ ہوجاؤں ورنہ یہ چڑچڑی عورت واقعی پولیس کو فون کرسکتی ہے۔

باہر آکر میں نے جلدی سے بائیک اسٹارٹ کی اور گلی کے کونے پر پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے گھر کا ڈرائیو وے تو نظر آرہا تھا لیکن گھر نگاہوں سے اوجھل تھا۔ ایسے میں صرف اسی صورت میں وہ لوگ مجھے نظر آسکتے تھے جب وہ گاڑی میں سوار ہو کر باہر جانے کے لیے نکلیں، ورنہ وہ گھر میں کیا کررہے ہیں، یہ میں نہیں جان سکتا تھا۔

اس پیشے میں ایک چیز میں نے سیکھی ہے اور وہ ہے صبر۔ میں گھنٹوں تک کسی ریستوران، دکان یا کسی بھی جگہ پر نہایت سکون سے انتظار کرسکتا ہوں۔ میں نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے اکثر کئی کئی گھنٹے نہایت صبر و تحمل سے گزارے ہیں۔ میں انتظار کے دوران میں آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھتا ہوں، اپنے کیمرے اور دیگر آلات کو صاف کرتا رہتا ہوں یا پھر اردگرد کے نظارے سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ اکثر یہ سوچتا رہتا ہوں کہ کس زاویے سے تصویر لوں تو وہ زیادہ پرکشش ہوگی۔۔۔ بس اسی طرح اپنا وقت گزارتا رہتا ہوں۔ البتہ اچھی بات یہ ہے کہ مجھے میرے صبر کا پھل ہمیشہ بہت میٹھا ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے کسی بھی چیز کا انتظار کرتے ہوئے کوفت محسوس نہیں ہوتی۔ آج کا دن بھی میرے صبر کا امتحان لینے والا تھا اور اب تک تو میں صبر کے امتحان پر پورا اتر رہا تھا۔

[illegible] کی کھینچی ہوئی تصاویر کو صرف اس لیے مسترد کردیتے ہیں کہ وہ یا تو آؤٹ آف فوکس ہوتی ہیں یا تو عجلت میں لی جاتی ہیں کہ ان سے اسکینڈل تراشنے میں تو مدد مل سکتی ہے البتہ ان میں جاذبیت نہیں ہوتی۔ اس لیے میں تصویر لینے میں بہت زیادہ عجلت کے بجائے پورے انہماک سے، مکمل پیشہ ورانہ انداز سے تصویر لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے اپنی تصویر بیچتے ہوئے کبھی بھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔ جب میں اس پیشے میں نیا نیا آیا تھا، اس وقت میں نے جولیا رابرٹس اور اس کے بوائے فرینڈ کی ایک تصویر کھینچی تھی۔ وہ تصویر پچاس ہزار ڈالر میں بکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب لوگوں کا خیال تھا کہ جولیا رابرٹس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے۔ اکثر وہ خود بھی یہی کہا کرتی تھی مگر اس تصویر نے بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ اس رقم سے میں نے ایک اپارٹمنٹ قسطوں پر خریدا، شادی کی اور زیادہ بہتر انداز میں زندگی بسر کرنے کے قابل ہوگیا۔

اب جب کہ میں لیلی اور ذاجر کی تصویر لینا چاہ رہا تھا، تب بھی مجھے اس بات کا پورا دھیان تھا کہ تصویر ہر لحاظ سے مکمل پیشہ ورانہ انداز میں لی جائے تاکہ اس کی قیمت بھی اچھی ملے۔ اس لیے مجھے یہ خواری اٹھانے میں کوئی کوفت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں سڑک کے کونے پر بائیک کھڑی کرکے اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ڈرائیو وے مکمل طور پر میری نظروں کے سامنے رہے، تاکہ وہ دونوں اگر گھر سے نکلتے ہیں تو میں ان کا تعاقب کرسکوں۔ اس انتظار میں کافی وقت گزر گیا۔

اچانک ڈرائیو وے پر مجھے سرخ شیورلیٹ کے بالکل پیچھے وہ دونوں... نظر آگئے۔ لیلی نے جینز، شارٹ ٹی شرٹ اور پمپ شوز پہنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے، آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ بس! یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے نہایت طاقتور ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے دونوں کو فوکس کرلیا۔ تھوڑا اور آگے بڑھ کر وہ دونوں ٹھہر گئے اور چند لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے اور پھر گلے لگ گئے۔ جس وقت ان دونوں کے چہرے ایک دوسرے میں مدغم ہونے کی کوشش کررہے تھے، اس وقت میں نے دھڑا دھڑ درجنوں تصویریں کھینچ لیں۔ تصویریں کھینچتے ہوئے مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا ہوں۔ جیسے ہی میرا مقصد پورا ہوا میری توجہ ڈرائیو وے، سرخ شیورلیٹ، لیلی اور ذاجر کی طرف سے ہٹ گئی۔ میں نے اپنے ڈیجیٹل کیمرے سے لی گئی تصاویر چیک کیں تو کئی ایک تصویریں نہایت عمدہ آئی تھیں۔ ان میں نہ صرف دونوں کے چہرے صاف نظر آرہے تھے، بلکہ گھر کا ڈرائیو وے اور بوسہ بازی کا منظر بھی صاف دکھائی [illegible] دے رہا تھا۔

میں نے فوراً کیمرا بیگ میں رکھا۔ میرا کام ختم ہوچکا تھا۔ اگلا مرحلہ تھا ان تصاویر کو کمپیوٹر پر ڈاؤن لوڈ کرکے ان میں ہلکی پھلکی درستی کا۔ اس کے بعد تصویر کی فروخت کے لیے اخبارات و رسائل سے رابطہ کرکے سودے بازی کرنی تھی۔ جو مجھے اچھے دام دیتا، تصویر اس کی۔ سو میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور اڑن چھو ہونے لگا۔

ابھی میں لیلی کے گھر کے سامنے والی سڑک پر تھوڑا سا آگے بڑھا تھا کہ مجھے لگا کہ ڈرائیو وے سے گزر کر کوئی شخص اس کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں نے فوراً بائیک روکی اور ایک مناسب آڑ لے کر اپنا کیمرا نکالا اور ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے دیکھا تو ایک شخص لیلی کے گھر کے داخلی دروازے کے ہینڈل کو اس طرح گھمارہا تھا کہ جیسے یہ جاننے کی کوشش کررہا ہو کہ آیا یہ کھلا ہوا ہے یا بند۔ مجھے یہ حرکت مشکوک لگی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔ میں نے کیمرے کی مدد سے اس شخص کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اچانک مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ تو وہی شخص ہے جو اس وقت میوزیم کے سامنے کیمرا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوا تھا جب لیلی اپنے پرستاروں کو آٹوگراف دے رہی تھی۔ اس کے بعد وہ مجھ سے لیلی کی تصویریں بیچنے کی بات کرنے پہنچ گیا اور پھر اب وہ یہاں پر۔۔۔ مجھے فوراً سینڈرا کی بات یاد آگئی۔ مجھے لگا کہ یہ شخص مشکوک ہے۔ مجھے سینڈرا سے کیا گیا وعدہ یاد تھا اس لیے میں نے یہاں سے جانے کے بجائے اس آدمی پر نظر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ کون ہے اور یہاں کس مقصد کے تحت آیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟ اگرچہ مجھے اپنے مقصد کی تصویریں مل چکی تھیں اور میرا کام بن گیا تھا۔ میں چاہتا تو لیلی، ذاجر اور اس مشکوک اجنبی پر لعنت بھیج کر نکل لیتا لیکن سینڈرا میری اچھی دوست ہے اور اس سے کیا ہوا وعدہ بھی مجھے یاد تھا۔ اس لیے اب سب کام بعد میں، پہلے اس مشکوک اجنبی کا معاملہ نمٹانا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو ممکنہ طور پر پیش آنے والے کسی بھی قسم کے حالات کے لیے تیار کرلیا تھا۔ اس دوران میں نے اس اجنبی کی بھی کئی تصویریں بنا ڈالی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد مشکوک اجنبی نے سر گھما کر چاروں طرف اس طرح دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ اس کے بعد وہ تھوڑا سا مڑا اور دیوار پر اچھل کر چڑھا اور اسے پھلانگ کر اندر داخل ہوگیا۔ جب وہ مشکوک انداز میں گھر کے اندر داخل ہوا تو میرے ذہن میں سینڈرا کے الفاظ گونجنے لگے۔ "لیلی کا کوئی جنونی پرستار اسے دھمکی آمیز خطوط لکھ رہا ہے۔" مجھے لگا کہ وہ نامعلوم جنونی پرستار ممکن ہے یہی ہو۔ ورنہ چوروں کی طرح کوئی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

مہذب آدمی اس انداز میں کسی کے گھر میں یوں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

جیسے ہی وہ شخص گھر کے اندر داخل ہوا، میں اوٹ سے نکلا۔ بائیک وہیں چھوڑی اور برابر والے گھر کے پورچ میں داخل ہو گیا۔ خوش قسمتی سے پورچ میں کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے یہاں سے لیلی کے گھر کے اندر تاک جھانک کرنے کی کوشش کی مگر مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ شخص بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور وہ سرخ شیورلیٹ تو وہ بھی غائب تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ڈاجر بھی یہاں سے نکل چکا ہے۔ یہ تو مجھے علم تھا کہ ڈاجر کو پلیئرز پیال گراؤنڈ میں آج شام کو ایک امدادی میچ میں شرکت کرنی ہے لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ صبح جس سیاہ کار میں لیلی گھوم رہی تھی، وہ بھی گھر پر نہیں تھی۔ اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ لیلی گھر کے اندر ہی ہے۔ اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ سیاہ کار مجھ سے پہلے میوزیم سے روانہ ہو گئی تھی لیکن جب میں یہاں پہنچا تو صرف ڈاجر والی سرخ شیورلیٹ ہی ڈرائیوے میں کھڑی تھی اس لیے بنا گاڑی کے تو وہ گھر سے باہر جا نہیں سکتی اور رہی ڈاجر کے ساتھ میچ میں جانے کی بات تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ لیلی اس دوستی کو خفیہ رکھنا چاہ رہی ہے ورنہ یوں چھپ چھپا کر نہیں ملتی اس سے۔ میرے دماغ میں خیال آیا کہ اب جب کہ مشتبہ شخص بھی ممکنہ طور پر گھر کے اندر داخل ہو چکا ہے اور لیلی بھی گھر کے اندر تنہا ہے تو نہ جانے وہ اجنبی اس کے ساتھ کیا کر بیٹھے۔ چنانچہ میں نے گھر کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔

میں نے لیلی اور اس کے ہمسائے میں واقع گھروں کو الگ کرنے والی دیوار کو دیکھا۔ اس دیوار کو پار کر کے لیلی کے گھر میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ یہ دیوار بہت زیادہ اونچی نہیں تھی اور میں اس پر چڑھ کر بہ آسانی دوسری طرف اتر سکتا تھا۔ میں نے چاروں جانب نظریں دوڑائیں، تاکہ تسلی کر سکوں کہ یہ حرکت کرتے ہوئے مجھے کوئی دیکھ تو نہیں رہا، مگر خوش قسمتی سے مجھے دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے کیمرے والا بیگ کندھے پر لٹکایا اور چند سیکنڈ کے بعد میں دیوار کی دوسری طرف تھا۔ اتفاق سے مجھے ایک کھلی ہوئی کھڑکی نظر آ گئی۔ میں جھک کر چلتا ہوا کھڑکی تک پہنچ گیا۔ کھڑکی کے نیچے پہنچ کر میں چند لمحوں تک اندر کی سن گن لیتا رہا۔ اندر سے لیلی کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے تھوڑا سا اچک کر اندر جھانکا تو سامنے لاؤنج نظر آ رہا تھا۔ وہ اجنبی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور لیلی بھی اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں اس زاویے سے بیٹھے تھے کہ میں انہیں دیکھ سکتا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ پاتے۔ میں اگر ان کی تصویر لینے کی کوشش کرتا تو وہ

[illegible] بہت مناسب تھی اور تصویر بالکل واضح اور عمدہ آتی۔ لیلی مسلسل بولے جا رہی تھی اور وہ اجنبی بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ لیلی کے لہجے سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ شدید غصے میں ہو۔ میں نے فوراً ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے ان کی کئی تصویریں لے لیں۔ ابھی میں تصویر لینے سے فارغ ہوا تھا کہ اجنبی نے بولنا شروع کر دیا۔

”دیکھو لیلی میری بات مان لو۔ تمہاری ماں میری دوست تھی اور مجھے اس تعلق کا لحاظ ہے ورنہ۔۔۔“

”واہ کیا بات ہے۔ تم میری ماں کی دوستی کا دم بھر رہے ہو اور مجھے تباہ کرنا چاہتے ہو۔“ لیلی بدستور غصے میں تھی۔ اب مجھے لگا کہ بات کچھ اور ہے۔ لیلی اور یہ اجنبی پرانے واقف ہیں ورنہ اس انداز میں باتیں نہ کرتے۔ اچانک میرے دماغ میں ایک خیال کوندا۔ میں نے ان دونوں پر کیمرا فوکس کر کے اسے وڈیو موڈ پر ڈال دیا۔ اب کیمرا ان کی وڈیو فلم بنا رہا تھا۔ جس میں ان کی باتیں بھی ریکارڈ ہو رہی تھیں۔

”دیکھو لیلی۔۔۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم ہالی وڈ کی صف اول کی اداکاراؤں میں شمار ہونے لگی ہو۔ تمہارا مستقبل روشن ہے لیکن میرا مقدر تاریک ہے اس لیے میری مدد کرو۔ تم بھی خوش رہو گی اور میں بھی۔“

”آج تک میں تمہاری مدد کرتی۔۔۔ آ رہی ہوں۔“ وہ غرائی۔

”دیکھو۔۔۔ اب تک جو میں نے تم سے لیا وہ بہت معمولی ہے۔ یاد کرو وہ وقت جب میں نے تمہیں ایک ہزار ڈالر دیے تھے۔ اس وقت تم پھوٹی کوڑی کی محتاج تھیں۔ اس ایک ہزار ڈالر سے تم نے اپنا یہ سفر شروع کیا اور آج اس مقام تک آ پہنچیں۔ میری شرافت دیکھو کہ ایک ہزار ڈالر صرف تمہیں ادا کرنے کے باوجود میں نے کبھی وہ وڈیو انٹرنیٹ پر نہیں پہنچائی ورنہ آج تم فلم اسٹار نہیں بلکہ پورن اسٹار ہوتیں۔“ اس شخص نے نہایت سکون سے اپنی بات مکمل کی۔

”وہ میری زندگی کا سب سے کمزور لمحہ تھا جب میں نے اپنی ضرورت کے عوض تمہاری عریاں فلم کے لیے اپنا جسم بیچ ڈالا۔“ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

”خیر جو ہوا سو ہوا۔ یہ بات اب تک ایک راز ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے ذیابیطس ہے، دل کا ایک دورہ پڑ چکا ہے۔ اب خود سوچو میں اس عمر میں ان امراض کے بعد کیا اتنی جسمانی قوت رکھتا ہوں کہ بھاگ دوڑ کا کام کر سکوں اسی لیے میں تم سے آخری بار مدد لینے کے لیے آیا ہوں۔“

”[illegible]“ وہ چار

ہزار ڈالر کی بات ہو تو ٹھیک ہے، اکٹھے پانچ لاکھ ڈالر۔“ وہ چلائی۔

”ہاں اکٹھے پانچ لاکھ ڈالر۔ یہ قیمت تمہارے کیریئر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں مگر میری پوری زندگی سکون سے کٹ جائے گی۔“ اس مرتبہ اس اجنبی کی آواز بھی اونچی تھی۔

”مجھ سے اونچی آواز میں بات مت کرو ذلیل انسان۔“ لیلی نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”سوری۔۔۔ پلیز بے بی۔۔۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”ویسے فرض کرو کہ اگر میں تمہیں رقم نہ دوں تو؟“

”میں مجبور ہو کر یہ فلم بیچ دوں گا۔ ایک گھنٹے کی ایڈیٹ شدہ فلم جس میں آج کی پرکشش ہالی وڈ ایکٹریس کیسے کیسے جلوے بکھیرتی نظر آئے گی، اس کے لیے ایک دو لاکھ ڈالر تو کوئی بھی مجھے ادا کر دے گا مگر تم میری دوست کی بیٹی ہو اس لیے میں سب سے پہلے تم سے ہی سودا کر رہا ہوں۔“ اس بار اس کی آواز میں عیاری بھی جھلک رہی تھی۔ میرے لیے یہ بڑا حیرت انگیز انکشاف تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اجنبی کی وڈیو بکے یا نہ بکے پر میری یہ وڈیو ہاتھوں ہاتھ بک جائے گی۔

”تم کمینگی پر اتر آئے ہو۔“ لیلی روہانسے لہجے میں بولی۔

”نہیں، اب بھی میں شرافت کی حدود میں ہوں مگر تم سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہو۔“ اس اجنبی نے ایک بار پھر نہایت سکون سے لیلی کو سمجھانا شروع کیا۔ ”وہ فلم تمہارا کیریئر تباہ کر دے گی البتہ اس کے بعد اگر تم چاہو تو پورنوگرافی وڈیوز پر راج کرنے کے لیے قسمت آزما سکتی ہو۔ فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تمہارے ایک جانب ہالی وڈ انڈسٹری کیریئر، پیسہ، شہرت اور دنیا کی ہر آسائش ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور دوسری طرف صرف پانچ لاکھ ڈالر۔۔۔ رقم دی تو سب کچھ بچ جائے گا، نہیں دی تو پھر تم کسی قابل نہیں رہو گی۔“ اس شخص کے لہجے میں درشتی در آئی تھی۔ یہ باتیں۔۔۔ سن کر تو میں بالکل ہی حیرت زدہ رہ گیا۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے سوچنے کا وقت دو۔ اتنی بڑی رقم نہیں ہے میرے پاس۔ میں کچھ سوچتی ہوں کہ کیسے اس کا انتظام کر سکتی ہوں۔“ لیلی کا لہجہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

”نہیں۔۔۔ تمہیں آج اور ابھی فیصلہ کرنا ہے۔ میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر آج یہاں سے چلا گیا تو پھر جان لو کہ کبھی بھی پلٹ کر واپس نہیں آؤں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ لیلی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کچھ دیر تک کمرے میں مکمل خاموشی رہی۔۔۔۔ دونوں اپنی اپنی جگہ

خاموش بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد لیلی نے سکوت توڑا۔

”کافی پیو گے؟“

”بہت شکریہ۔۔۔ مگر بنا شکر کے۔“

”اوکے۔“ لیلی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

کمرے کے اندر ہونے والی اس ڈرامائی کہانی نے تو میرا دماغ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اجنبی لیلی کا پرانا واقف کار ہے اور وہ ہالی وڈ میں آنے سے پہلے عریاں فلم میں کام کر چکی تھی۔ اوہ میرے خدا، کیا اسٹوری ملی ہے مجھے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا اسکوپ اس وقت تکمیل کے مراحل میں تھا لیکن تقدیر نے اس کہانی کے اگلے صفحات پر کیا لکھا ہوا تھا، میں اس سے قطعی بے خبر تھا۔ لیلی لاؤنج سے جا چکی تھی اور وہ شخص بڑے سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لیلی کچن میں گئی ہوگی کافی بنانے کے لیے مگر اگلے ہی لمحے میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

بیس بال کا بلا تھامے لیلی دبے قدموں چلتی ہوئی اس شخص کے پیچھے پہنچی۔ اس نے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔ اس کے بالکل قریب پہنچ کر لیلی نے بہت زور سے اس کے سر پر وار کیا۔ وہ شخص بنا آواز نکالے صوفے سے گر گیا۔ میں نے جلدی سے کیمرا گھمایا۔ مجھے فرش پر پڑا ہوا وہ شخص نظر آ گیا۔ اسی دوران لیلی ایک بار پھر اس کے پاس پہنچ گئی اور دو بار مزید وار کیے۔ میں نے نہایت چابک دستی سے اس پورے واقعے کی وڈیو تیار کر لی تھی۔ یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد وہ پلٹی اور لاؤنج سے نکلنے لگی۔ میں نے جلدی سے کیمرا بند کیا اور سامان بیگ میں ٹھونسنے لگا۔ میرا کام ختم ہو چکا تھا۔

میں اب یہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ ابھی میں اٹھنے ہی والا تھا کہ کسی نسوانی آواز نے کہا۔ ”ہینڈز اپ۔“ مڑ کر دیکھا تو لیلی میرے سر پر پستول تانے کھڑی تھی۔ ”گھر کے اندر چلو۔“ اس نے پستول سے اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔ میں ہاتھ اوپر اٹھائے اٹھائے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ مجھے سیدھا لاؤنج میں لے کر آئی۔ میرے سامنے وہ شخص جس طرح ساکت پڑا ہوا تھا، اس سے لگ رہا تھا کہ اب وہ مرحوم ہو چکا ہے۔ اس کے سر سے خون بہہ بہہ کر اس کے چہرے اور فرش پر پھیل چکا تھا۔ میں اب تک بدستور اس کے نشانے پر تھا۔ میرے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

”تم سمجھتے ہو کہ میں بے وقوف ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ تم صبح سے میرا پیچھا کر رہے ہو۔ لو اب مزہ چکھو۔“ اس کا لہجہ نہایت سفاکانہ تھا۔ ”اپنا کیمرا ادھر لاؤ۔“ میں نے کیمرا بیگ زمین پر رکھ کر پاؤں کی ٹھوکر سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے مجھ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

بدستور نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ لیلیٰ نے اپنے خالی ہاتھ باہر نکال کر اس کا میموری کارڈ کھینچ لیا۔ ’’اب آئے گا مزہ ... رازی۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے میموری کارڈ جینز کی جیب میں ڈال لیا اور کیمرا واپس بیگ میں رکھ کر اسے میری طرف دھکیل دیا۔ اس کے بعد اس نے جینز کی جیب سے موبائل فون نکالا اور پولیس کا نمبر ملانے لگی۔ ’’جلدی پہنچیں، میرے گھر پر ایک حملہ آور موجود ہے۔ اس نے ایک غریب شخص کو قتل کر دیا ہے۔‘‘ اس کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ یہ سنتے ہی میں تو اپنے حواس کھو بیٹھا۔ چند لمحوں بعد ہی پولیس میری مشکیں کس رہی تھی اور پولیس کے آتے ہی لیلیٰ ہچکیاں لیتی ہوئی باتھ روم کی طرف بھاگ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ باتھ روم کیوں گئی ہے۔ وہ فلش میں کیمرا کا میموری کارڈ بہا کر اپنے خلاف کسی بھی ممکنہ ثبوت کو ضائع کرنا چاہتی تھی۔ میرے لیے یہ ناگہانی آفت تھی اور مجھے بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟

باتھ روم سے باہر آ کر اس نے رونے کی زبردست اداکاری کا مظاہرہ شروع کر دیا اور پولیس کو بتایا کہ مرنے والا شخص جس کا نام رابرٹ ہے، ان کا دور پار کا رشتے دار ہے۔ یہ شخص بہت غریب اور دائمی مریض ہے اور جب بھی اسے پیسوں کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ اس کے پاس چلا آتا تھا۔ آج بھی یہ مدد مانگنے کے لیے آیا تھا۔ میں اس کے لیے کچن میں کافی بنا رہی تھی، جب یہ قاتل چوری چھپے میرے گھر کے اندر داخل ہوا۔ رابرٹ نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر جب یہ نہ مانا تو وہ اسے دھکا دے کر باہر نکالنے لگا۔ اس دوران میں اس شخص نے لاؤنج میں رکھا ہوا بیس بال کا بلا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ جس وقت یہ رابرٹ کو مار رہا تھا، میں کچن میں تھی۔ شور شرابا ہونے پر یہ سارا منظر میں نے وہیں چھپ کر دیکھا مگر جب اس نے بیچارے بوڑھے کی جان لے لی تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں سامنے آ جاؤں اور اسے پکڑنے کی کوشش کروں۔ میں نے کچن میں رکھے ہوئے اپنے پستول کو نکالا اور پھر اسے پستول کی زد پر رکھ کر پولیس کو اطلاع کر دی۔‘‘ اس وقت بلاشبہ لیلیٰ نہایت عمدہ اداکاری کر رہی تھی۔

پولیس نے بلا اٹھالیا۔ اتفاق سے دیوار پر چڑھنے سے پہلے ہی میں نے دستانے پہن لیے تھے اس لیے میری انگلیوں کے نشان تو اس پر نہیں تھے مگر میرے ہاتھوں پر بدستور دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ یہ دستانے اور بلا مجھے قاتل ثابت کرنے کے لیے کافی تھے۔

مجھے پولیس اسٹیشن لا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ کوئی گھنٹا ... بیوی اور وکیل پہنچے۔ انہیں مجھ سے تنہائی میں

... دنیا میں اس سے زیادہ کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا ہے۔‘‘ بظاہر وہ خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے لہجے میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

’’جو ہو رہا ہے، ہونے دو۔ میں تمہیں ایک میموری کارڈ دے رہا ہوں۔ تم یہ کارڈ لے کر جاؤ، اسے کمپیوٹر پر ڈاؤن لوڈ کرو اور اس میں جو وڈیو ہے اس کی تین چار سی ڈی بنا کر مختلف جگہوں پر چھپا دو۔ ساتھ ہی انٹرٹینمنٹ چینل پر فون کر کے اس سی ڈی کو فروخت کرنے کی کوشش کرو۔ قیمت ہے دس لاکھ ڈالر۔‘‘

’’کیا کہہ رہے ہو تم؟‘‘ یہ سن کر میری بیوی حیرت زدہ رہ گئی۔

’’ہاں فکر مت کرو، جیسا کہہ رہا ہوں، ویسا کرو۔ باقی تم وڈیو دیکھ کر جان جاؤ گی۔‘‘ اس دوران میں، میں نے اسے ... اپنی جیکٹ کی ایک خفیہ جیب سے میموری کارڈ نکال کر دے دیا۔

شام ڈھلتے ڈھلتے منظر نامہ بدل گیا۔ انٹرٹینمنٹ ٹی وی چینل نے فوراً وڈیو دس لاکھ ڈالر میں خرید لی۔ ٹی وی پر اس وڈیو کا نشر ہونا تھا کہ پولیس بھی حرکت میں آ گئی اور کچھ ہی دیر میں لیلیٰ کو گرفتار کر لیا گیا۔

قصہ مختصر یہ کہ وڈیو نشر ہونے کے بعد مجھے فوری طور پر ضمانت پر رہا کر دیا گیا اور میں نے یہاں سے نکلتے ہی انٹرٹینمنٹ ٹی وی کا رخ کیا اور دس لاکھ ڈالر کا چیک وصول کر کے گھر پہنچا۔ چند ہفتوں میں ہی کیس کا فیصلہ ہو گیا۔ لیلیٰ کو پانچ سال کی سزا ہوئی اور مجھے عدالت نے بلا اجازت دوسرے کے گھر کے اندر گھسنے پر پندرہ دن کی سزا سنائی لیکن میری بنائی گئی وڈیو نے چونکہ ایک مجرم کا پردہ فاش کرنے میں پولیس اور عدالت کی مدد کی تھی اس لیے عدالت نے میری سزا معاف کر دی مگر اس سرزنش کے ساتھ کہ میں آئندہ یہ حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا۔

ہاں ایک بات تو رہ گئی۔ لیلیٰ نے نہایت عیاری سے فوری طور پر رابرٹ سے چھٹکارے اور اس کے قتل میں مجھے پھنسانے کا جو منصوبہ بنایا تھا، وہ کامیاب ہو جاتا مگر مجھے میری ایک عادت نے بچا لیا۔ میں فروخت کی جانے والی تصویریں کھینچنے کے فوراً بعد میموری کارڈ کیمرے سے نکال کر جیکٹ کی خفیہ جیب میں چھپا لیتا ہوں۔ اس دن بھی میں نے کیمرا بیگ میں رکھنے سے پہلے یہی کیا تھا ورنہ تو اب تک شاید زہر کا انجکشن میری جان لے چکا ہوتا۔

رازدوست

محمد عفان آزاد

ان کہی باتوں کا دکھ جو لمحہ بہ لمحہ زندگی کو دشوار بنا رہا تھا

مثبت اندازِ فکر ہی زندگی میں تبدیلیاں نہیں لاتا... بسا اوقات غلط اور منفی طرزِ عمل بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے... کچھ غلط ہونے کے بعد ہی صحیح کی پہچان ممکن ہوتی ہے... غلط کام اسی وقت سود مند ہوتے ہیں بشرطیکہ ان غلطیوں کو یاد رکھ کے کچھ سیکھا جائے... ہمارے اردگرد پھیلے بہت سے نفوس جو غلطیاں کرتے ہیں مگر ان پر پشیمانی محسوس نہیں کرتے... کچھ ایسے ہی کرداروں کی جھلک دکھلاتی دلگداز تحریر۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اخبار میں باب سینڈر کی تصویر بالکل واضح تھی۔ خبر کے مطابق نیویارک پولیس کے شعبۂ قتل کے افسر باب سینڈر نے نیوجرسی میں واقع اپنے گھر میں اپنی بیوی اور تین بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ واشنگٹن ایونیو سے گزرتے ہوئے میری نظر اتفاق سے اخبارات کے اسٹینڈ کی طرف چلی گئی تھی اور پھر باب کی تصویر نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ میں نے اسے کوئی چار سال بعد دیکھا تھا لیکن اس کے نقوش مجھے ازبر تھے۔ ہم دوسری جنگِ عظیم

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

میں یورپ کے محاذ پر دو سال تک چوبیس گھنٹے ایک رہے تھے۔ میں اسے شناخت کرنے میں غلطی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ہم جرمنی میں تھے جب جنگ ختم ہوئی اور پھر ہم واپس آگئے۔ باب نے نیویارک پولیس میں ملازمت کرلی اور میں واشنگٹن کے ایک اخبار سے منسلک ہوگیا۔ اگرچہ یہ فوج سے بالکل مختلف کام تھا لیکن یہ میرا شوق تھا اس لیے جیسے ہی فوج سے نجات ملی، میں نے اپنی پسند کا شعبہ اپنا لیا۔ اب اس بات کو دس سال گزر چکے تھے۔ میں نے جنگ میں جو کچھ دیکھا تھا اس سے مجھے نفرت ہوگئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ باب کو بھی جنگ سے نفرت تھی۔ چار سال پہلے اس کی اور میری آخری ملاقات نیویارک میں ہوئی تھی جب میں اپنے اخبار کی طرف سے وہاں گیا تھا اور میں نے باب کا گھر دیکھا تھا۔ آبادی سے الگ تھلگ ایک خوب صورت جھیل کے کنارے یہ گھر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

باب کی بیوی موریل ایک خوب صورت لیکن خاموش طبع عورت تھی۔ وہ زیادہ تر اپنے گھر اور بچوں میں مگن رہتی تھی۔ میری اس سے کھانے کی میز پر ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ باب اس سے محبت کرتا تھا لیکن اپنے بچوں سے وہ دیوانگی کی حد تک محبت کرتا تھا۔ اس وقت سب سے بڑا بیٹا پانچ سال کا تھا۔ باب نے جنگ سے واپس آتے ہی شادی کرلی تھی۔ بیٹی تین سال کی تھی اور سب سے چھوٹا بیٹا ایک سال کا تھا۔ اب وہ بالترتیب نو، سات اور پانچ سال کے تھے جب موت نے انہیں دبوچ لیا۔

جنگ کے دنوں میں موت ہمارے لیے بہت مانوس چیز تھی۔ ہم نے بلاشبہ ہزاروں افراد کو مرتے دیکھا تھا، ان میں ہمارے ساتھی بھی تھے اور دشمن بھی۔ دشمن میں سے بہت سے ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے لیکن جب محاذ سے واپس آئے تو موت ایک انوکھی اور نامانوس چیز بن گئی اور جب اس کا تعلق اپنے کسی قریبی فرد سے بنتا تو یہ مزید نامانوس ہوجاتی تھی۔ ایسا ہی مجھے اس وقت بھی لگا تھا۔ خبر کے مطابق باب سینڈلر نے اپنے تینوں بچوں کو جھیل میں ڈبو کر مارا اور اس کے بعد اپنی بیوی موریل۔۔۔ کو اپنے سروس پستول سے گولی ماردی۔ باب نے خود پولیس کو فون کیا اور گرفتاری دے دی۔ یہ گزشتہ روز کی بات تھی۔ پوری خبر پڑھ کر بھی مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ باب ایسا کیسے کرسکتا تھا؟ وہ اپنی بیوی اور بچوں سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا تھا۔ میں اخبار سمیت دفتر آیا اور اخبار کے نیویارک کے آفس سے رابطہ کیا۔ وہاں کام کرنے والا رپورٹر فہد امین میرا اچھا دوست تھا۔ وہ لبنانی نژاد [illegible] جنگ [illegible] تھا۔ فہد امین دفتر میں تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے کہا۔

''تم نے خبر دیکھ لی ہے؟''

''ہاں، اسی لیے فون کیا ہے۔ تم نے بتایا نہیں؟''

اس نے معذرت کی۔ ''میں بیمار تھا اور آج ہی دفتر آیا ہوں۔ مجھے خود دو گھنٹے پہلے پتا چلا ہے۔''

''اس کیس کی رپورٹنگ کون کررہا ہے؟''

''میں نے ایڈیٹر سے بات کی ہے، میرا شعبہ تو نہیں ہے لیکن شاید مجھے رپورٹنگ مل جائے، ورنہ میں اسے آف ٹائم میں از خود جا کر دیکھوں گا۔''

''تم لازمی دیکھنا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''بھاڑ میں جائے ایڈیٹر... اگر وہ منع کرے تو تم خود چلے جانا۔''

''میں یہی کروں گا۔ بس تم مجھے شام تک کی مہلت دو۔ میں دفتر سے چھٹی کرتے ہی نیو جرسی کے لیے روانہ ہوجاؤں گا۔ ہوسکتا ہے رات میں تم سے رابطہ کروں۔''

باب نیو جرسی کی مقامی پولیس کی حراست میں تھا۔ فہد امین کو وہاں تک جانے میں کم سے کم دو گھنٹے لگ جاتے۔ اس دن میرا دفتر میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دن بے دلی سے گزرا اور شام ہوتے ہی میں چھٹی کرکے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ باب کی طرح میں نے بھی دیہی علاقے میں رہائش رکھی تھی۔ مغربی ورجینیا کے چھوٹے سے پرسکون قصبے میں میری رہائش تھی۔ میری بیوی شیلا اور دونوں بچے اپنے ننھیال گئے ہوئے تھے۔ اس لیے میں ان دنوں اکیلا تھا۔ فہد امین کے فون کا انتظار کرتے ہوئے میں باب کے بارے میں سوچنے لگا۔

باب سے میری پہلی ملاقات اکیڈمی میں ہوئی تھی۔ یہ عارضی اکیڈمی یورپ بھیجے جانے والے افسران کی تربیت کے لیے قائم کی گئی تھی۔ ہم ایک ہی گروپ میں تھے اور جلد ہمارے درمیان بے تکلفی ہوگئی۔ باب کا تعلق نیویارک سے تھا اور اس کا باپ نیو جرسی کا ایک کسان تھا۔ باب اس کی اکلوتی اولاد تھا اس لیے جبری بھرتی پر وہ ناخوش تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے پیچھے اس کے باپ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں مگر حکومت کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ میں نے اس کا دکھ بانٹا تو وہ میرے قریب ہوگیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اسے جنگ اچھی نہیں لگتی اور مرنے مارنے سے اسے نفرت تھی لیکن اس کی بدقسمتی کہ اسے فوج میں بھرتی کرلیا گیا تھا۔ جنگ مجھے بھی پسند نہیں تھی لیکن [illegible] کے لیے ناپسندیدہ [illegible] جنگ بھی ہے اس لیے میں زیادہ فکرمند نہیں تھا۔ جنگ کی ہولناکی اس وقت واضح نہیں تھی۔

پہلے پہل ہم شمالی انگلینڈ پہنچے جہاں سے ہمیں فرانس جانے کا حکم ملا۔ اس وقت فرانس پر جرمنی قابض تھا اور اتحادیوں کی حالت بری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ دنوں بعد جرمن افواج آبنائے انگلش عبور کررہی ہوں گی اس لیے جب ہمیں فرانس جانے کا حکم ملا تو ہم حیران رہ گئے۔ بہرحال ہم نے فرانس کی سرزمین پر قدم رکھا اور اس کے بعد جرمنوں کو لگاتار شکست دیتے ہوئے جرمنی کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ میں اور باب ایک پیدل دستے میں تھے اور ہمارا کام جرمنوں سے علاقہ خالی کرا کے اسے بالکل صاف کرنا تھا۔ یہ بہت مشکل اور گندا کام تھا کیونکہ ہمیں اس میں بہت سی لاشیں دیکھنا پڑتی تھیں اور اس لیے بھی کہ اس کام میں خود ہمارے بہت سے ساتھی لاشوں میں تبدیل ہوجاتے تھے۔

فرانس میں لڑائی بہت خوف ناک تھی لیکن جب ہم جرمن حدود میں داخل ہوئے تو یہ لڑائی خوف ناک تر ہوگئی۔ جرمن اپنے ملک میں پاگلوں کی طرح لڑ رہے تھے اور وہ قدم قدم پر شدید مزاحمت کررہے تھے۔ اگر ہمارے پاس افرادی قوت اور اسلحے کی لامحدود سپلائی نہ ہوتی تو ان دیوانوں سے لڑنا ناممکن تھا۔ وہ قدم قدم پر ہمیں جانی نقصان پہنچا رہے تھے، خود بھی مر رہے تھے اور ہمیں بھی مار رہے تھے۔ وہ بڑے ہی دہشت ناک دن تھے۔ جرمنی کی حدود میں بس موت ہی موت تھی۔ جب ہم کسی آبادی میں داخل ہوتے تو بلاتفریق سامنے آنے والے ہر فرد کو شوٹ کردیتے تھے۔ صرف وہی لوگ بچتے تھے جو کہیں چھپے ہوتے تھے اور جنگ کے دوران... باہر آنے سے گریز کرتے تھے۔

شروع کے دنوں میں ہم بہت پرجوش تھے لیکن رفتہ رفتہ یہ قتل و غارت گری ہمارے اعصاب پر بوجھ بنتے لگی۔ ایک بار میں زخمی ہوا اور دو مہینے اسپتال میں داخل رہا۔ اسی طرح ایک بار باب بھی اسپتال میں داخل ہوا تھا لیکن وہ زخمی نہیں تھا، اسے ڈپریشن کا دورہ پڑا تھا اور اس کے ہاتھ کام کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس کا نفسیاتی علاج ہوا، تب وہ ٹھیک ہوکر واپس آیا۔ ان دنوں ہم جرمنی میں تھے اور ہمیں حکم تھا کہ جرمنی کی حدود میں لوگوں کی پروا کیے بغیر پیش قدمی کی جائے۔ مطلب واضح تھا یعنی مقامی آبادی کی بالکل پروا نہ کی جائے، اگر وہ رکاوٹ بنیں تو ان کو بے دریغ اڑا دیا جائے اور ہم یہی کررہے تھے۔

آخری دنوں میں ہم برلن سے کچھ دور ایک چھو
سے قصبے کے پاس اپنے کیمپ میں موجود تھے۔ ا
دارالحکومت کے قریب جرمنوں کی مزاحمت سب سے شد
تھی۔ وہ کئی بار ہمارے کیمپ پر حملہ آور ہوچکے تھے۔ کیم
کے ذمے داروں کو شبہ تھا کہ مقامی لوگ جرمن فوج کی مد
رہے ہیں۔ کرسمس کے فوراً بعد ان لوگوں کو سبق سکھانے
فیصلہ ہوا تھا۔ ایک رات ہمیں قصبے میں جانے اور وہاں موج
ہر شخص کو گھر سے باہر میدان میں جمع کرنے کا حکم ملا۔ ہم
حکم کی تعمیل کی اور شدید سردی میں قصبے کے ہر م
عورت، بوڑھے اور بچے کو بلاتفریق گھر سے نکال لائے
اس وقت ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے اور ا
لوگوں کا کیا کرنا ہے۔ میرا اور باب کا خیال تھا کہ یہ معمول
چیکنگ ہے کیونکہ اکثر آبادی میں جرمن جاسوس گھس آ
تھے اور سب کے سامنے شناخت کی جاتی تو وہ پکڑے جا
تھے۔ لیکن جب سب جمع ہوگئے تو کیمپ کمانڈر نے پہلے
موجود مشین گنرز کو ان پر فائر کھولنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سب
لیے غیر متوقع تھا۔ ہم بھی حیران رہ گئے۔ باب نے مجھ
کہا۔

''میرے خدا! یہ کیا ہورہا ہے؟''

اسی لمحے مشین گنوں نے آگ برسانی شروع کردی
خاردار تاروں اور ہمارے درمیان گھرے نہتے لوگوں کے
پاس مزاحمت کا موقع نہیں تھا، وہ خاموشی سے مرتے جار
تھے۔ ان میں عورتیں، بوڑھے اور بچے زیادہ تھے۔ جوان مر
ویسے ہی کم تھے۔ دس منٹ سے بھی کم وقت میں کوئی دو
افراد برف پر اپنے ہی خون میں ڈوبے پڑے تھے۔ جب
مشین گنرز نے اپنا کام مکمل کرلیا تو کمانڈر نے ہمارے دس
کو حکم دیا کہ لوگوں کو دیکھیں اور ان میں جو زندہ ہوں انہیں
شوٹ کردیں۔ یہ بہت مشکل کام تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی
ہم اس قسم کے کام کرچکے تھے لیکن وہ عام طور سے دشم
سپاہی ہوتے تھے یا پھر جرمن آبادی میں سے مردوں کو نکال
کر مارا جاتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہمیں عورتوں اور بچوں
قتل کرنے کا حکم دیا جارہا تھا۔

لیکن فوج میں حکم، حکم ہوتا ہے اور اس کی تعمیل لازمی ک
جاتی ہے۔ اس لیے ہمارا دستہ کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرنے
لگا۔ میں اور باب لاشوں کے ڈھیر میں زندہ افراد کو تلاش ک
رہے تھے۔ باب کو ایک عورت زندہ نظر آئی، گولی اس کی
گردن سے ذرا نیچے لگی تھی اور وہ شدید اذیت میں تھی۔ باب

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

نے اس کے دل کے مقام پر پستول رکھ کر فائر کر دیا اور وہ گئی۔ اس دوران میں میں نے ایک بوڑھے کو موت کے گھاٹ اتارا جو کئی گولیاں کھانے کے بعد بھی زندہ تھا۔ ہمارے دستے کے دوسرے لوگ ہر شخص کے سر میں گولی مار رہے تھے، چاہے وہ زندہ تھا یا نہیں۔ ان کے لیے یہ تفریح تھی۔

اسی لمحے کسی نے میرا پاؤں پکڑ لیا..... میں نے جھک کر دیکھا۔ یہ ایک چھوٹی بچی تھی۔ شاید چھ سات برس کی بالکل گڑیا جیسی۔ اس کی فراک وسط سے خون میں تر ہو رہی تھی۔ اسے گولی لگی تھی لیکن وہ زندہ تھی۔ اس کی گڑیا اس کے برابر میں پڑی تھی اور وہ زیر لب کچھ کہہ رہی تھی۔ مجھے جرمن زبان نہیں آتی تھی اس لیے میں نے باب کی طرف دیکھا۔ وہ بچی کی طرف جھکا۔ ایک لمحے کو میرا دل رک گیا، وہ اسے شوٹ کرنے جا رہا تھا لیکن یہ دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا کہ وہ بچی کی بات سن رہا تھا۔ باب نے آہستہ سے کہا۔

"یہ کہہ رہی ہے کہ اسے سردی لگ رہی ہے۔"

وہ ننھی سی بچی بہت اذیت میں تھی۔ میں نے سوچا اور پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ اس بار باب نے منہ پھیر لیا۔ وہ بچی کو شوٹ کیے جانے کا منظر نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ٹریگر پر میری انگلی نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ میں بچی کو نہیں مار سکتا تھا، بے شک وہ اذیت میں تھی۔ میں گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا اور باب سے کہا۔ "یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"یہ بہت تکلیف میں ہے۔" باب کے لہجے میں اصرار تھا۔

"تب تم یہ کام کر لو۔" میرا لہجہ تند ہو گیا۔ "میں کسی صورت نہیں کر سکتا۔" میں یہ کہہ کر آگے چل پڑا۔ باب پیچھے تھا پھر ایک فائر کی آواز آئی تو میں ایک لمحے کو رکا۔ اس وقت میرا دل چاہا کہ باب کو شوٹ کر دوں۔ میں اپنے خیمے میں آیا۔ کچھ دیر بعد باب بھی آ گیا۔ ہم خاموش تھے۔ اس روز ہم نے جو دیکھا اور جو کیا تھا، وہ شاید کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ اس رات ہم بہت بڑے پاگل پن سے گزرے تھے اور مجھے حیرت ہوتی ہے، اس کے باوجود پاگل نہیں ہوئے تھے۔ شکر ہے اس کے دو دن بعد جنگ ختم ہو گئی۔ ایک مہینے بعد ہمارا دستہ واپس امریکا آ چکا تھا۔ باب نیویارک چلا گیا اور میں واشنگٹن آ گیا۔ میں نے جرنلزم میں داخلہ لیا اور ماسٹرز کرنے کے بعد اخبار میں کام کرنے لگا۔ میں نے جنگ کے دوران میں حاصل ہونے والے تجربات پر مبنی ایک کتاب بھی لکھی اور اس کے اب تک چار ایڈیشن نکل چکے تھے۔ پبلشر مجھ سے مزید لکھنے کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن میں

دوسری طرف فہد امین تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نیوجرسی آ گیا ہوں اور رپورٹ لی ہے۔ باب اپنے شعبے یعنی ہوم سائز والوں کی تحویل میں ہے اور اس نے اقرار جرم کر لیا ہے۔"

"میرے خدا۔" میں نے کہا۔ "وہ وجہ کیا بتا رہا ہے؟"

"اس معاملے میں اس نے چپ سادھ رکھی ہے۔"

"تم نے اس سے ملنے کی کوشش کی؟"

"ہاں لیکن فی الحال پولیس سوائے اس کے وکیل کے اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔"

"تم اس کے وکیل سے ملے؟"

"کوشش کی تھی لیکن وہ پریس والوں سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"تم اس سے دوست کی حیثیت سے ملتے۔" میں نے فہد امین کی عقل پر افسوس کیا۔

"وہ مجھے بعد میں خیال آیا۔" اس نے خفت سے کہا۔ "کل کوشش کروں گا۔"

فون بند کر کے میں نے اس معاملے پر غور کیا۔ اول تو میرے لیے یہ خبر ہی ناقابل یقین تھی کہ باب جنگ کے بعد زمانۂ امن میں کسی کو قتل کر سکتا ہے اور یہ تو بالکل ہی ناقابل یقین تھا کہ اس نے اپنی بیوی اور تین بچوں کو مار دیا جن سے وہ والہانہ محبت کرتا تھا۔ سوچ سوچ کر میرا سر درد سے پھٹنے لگا۔ میں نے اپنے لیے کافی بنائی اور درد کش دوا لے لی۔ دوا سے ذرا سکون ملا تو میں نے ایک بار پھر اخبارات میں خبر کو غور سے پڑھا۔ دفتر سے آتے ہوئے میں وہ تمام اخبارات لیتا آیا تھا جس میں باب کے بارے میں خبر تھی۔ لیکن تمام اخبارات میں معمول کی رپورٹنگ تھی اور کسی نے بھی اس سانحے کی اندرونی کہانی شائع نہیں کی تھی۔ اندر کی کہانی ابھی صحافیوں کے علم میں نہیں آئی تھی۔ شاید پولیس والوں کو بھی نہیں معلوم تھا۔ دنیا میں صرف ایک شخص تھا جو بتا سکتا تھا کہ باب نے ایسا کیوں کیا اور وہ شخص خود باب تھا۔

آدھی رات کے بعد میں نے خود نیوجرسی جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے پانچ بجے کا الارم لگایا اور سو گیا۔ صبح اٹھا اور تیار ہو کر روانہ ہو گیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ناشتا راستے میں کر لوں گا۔ شیلا گھر پر نہیں ہوتی تھی تو میں زیادہ تر کھانا باہر ہی کھاتا تھا کیونکہ کھانا بنانا بلکہ گرم کرنا بھی میرے لیے..... باعث زحمت تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں ہیرس برگ میں تھا۔ وہاں ایک کیفے

"میں نیوجرسی آ رہا ہوں، نو بجے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"بائے روڈ؟"

"ہاں، میں تمہیں پولیس اسٹیشن کے سامنے ملوں گا۔ کوئی نئی پیش رفت؟"

"ہاں، پولیس آج باب کو کورٹ میں پیش کر رہی ہے۔"

"وقت کیا ہوگا؟"

"بارہ بجے سے پہلے۔"

"ٹھیک ہے، تب ہم سٹی کورٹ کے سامنے ملیں گے۔" میں نے وقت اور مقام تبدیل کر دیا۔ ساڑھے آٹھ بجے میں باب کے گھر کے سامنے تھا۔ اگرچہ یہ الگ تھلگ مکان تھا اور باب کے کسان باپ نے اس کے لیے وراثت میں چھوڑا تھا لیکن باب نے اس کی فارم والی حیثیت ختم کر دی تھی۔ اس نے چاروں طرف وسیع سبزہ زار اور باغ بنا لیا تھا۔ یہاں اس نے کچھ پھل دار درخت اور سبزیوں کے لیے ایک چھوٹا سا ٹکڑا چھوڑا تھا باقی جگہ پر باغ تھا۔ جھیل میں کنول کے پھول تیر رہے تھے۔ ایک طرف فشنگ اور تیراکی کے لیے چھوٹی سی جھیل تھی اور اس کے پاس چھوٹا سا پلے لینڈ تھا جس میں کئی طرح کے جھولے تھے۔ باب نے یہ سب اپنی بیوی اور بچوں کے لیے کیا تھا، ان بیوی بچوں کے لیے جنہیں وہ خود قتل کر چکا تھا۔ مکان بند تھا اور وہاں پولیس کی پٹی لگی ہوئی تھی لیکن کوئی پولیس والا نگرانی کے لیے نہیں تھا۔ شاید مقامی پولیس نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ویسے بھی کیس واضح تھا اور تمام ضروری ثبوت اور گواہیاں پولیس پہلے ہی حاصل کر چکی تھی۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ملزم نے اقرار جرم کر لیا تھا اس لیے پولیس نے جائے وقوعہ کی نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میں نے سب سے پہلے جھیل کو دیکھا۔ باب کے تینوں بچے اس میں ڈوب کر ہلاک ہوئے تھے۔ میں نے باب کے بارے میں اور اس کے بچوں سے اس کی محبت کے بارے میں سوچا تو مجھے لگا کہ وہ کسی صورت یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ بچے تو ایک طرف رہے، وہ اپنی بیوی سے بھی بے پناہ محبت کرتا تھا، وہ اسے نہیں مار سکتا۔ پھر کیا ہوا تھا؟ مکان بند تھا اور پولیس خاکے کے مطابق موریل کا قتل جھیل کے پاس ایک صوفے نما جھولے کے پاس ہوا تھا۔ یعنی مکان کا اموات سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن پولیس نے پھر بھی مکان سیل کر دیا تھا۔ ابھی وقت تھا اس لیے میں نے کورٹ جانے سے پہلے مقامی پولیس

اسٹیشن کا چکر لگا لینا بہتر سمجھا۔ لوگوں سے راہنمائی لیتا ہوا میں مقامی پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔ باب کو گرفتار کر کے یہیں لایا گیا تھا پھر اسے ہوم سائڈ والوں کے حوالے کر دیا گیا۔

ڈیوٹی آفیسر نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تو میں نے تعارف کرایا۔ "جیکسن بریڈ..... میں واشنگٹن سے آیا ہوں، باب سینڈرز کیس کے بارے میں معلوم کرنے۔"

"واشنگٹن سے؟" اس نے تعجب سے کہا۔

"باب میرا دوست ہے اور ہم دونوں فوج میں ایک ساتھ رہے ہیں۔" میں نے وضاحت کی۔ وہ فوج کے حوالے سے قطعی متاثر نہیں ہوا، اس نے بے نیازی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" اس نے مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"باب اور اس کے گھر والوں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

اس نے جواب دینے سے پہلے اٹھ کر اپنے لیے الیکٹرک کیتل سے کافی نکالی اور مجھے بھی پیش کش کی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ وہ مگ لیے میرے سامنے آ بیٹھا۔

"باب نے یہاں فون کر کے بتایا کہ اس نے اپنی بیوی اور تین بچوں کو قتل کر دیا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو باب اپنی بیوی کی لاش کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے تینوں بچوں کی لاشیں جھیل کے ساتھ گھاس پر پڑی تھیں۔"

میں چونکا۔ "کیا مطلب..... لاشیں پولیس نے جھیل سے نہیں نکالی تھیں؟"

"نہیں، باب نے پہلے ہی ان کو نکال لیا تھا۔ وہ بھیگی ہوئی تھیں اور ڈاکٹر کے مطابق ان کی موت ڈوبنے سے واقع ہوئی ہے۔"

"باب کی بیوی؟"

"اسے باب کے سروس پستول سے چلائی گئی گولی لگی۔ گولی نے دل کو مجروح کیا تھا اور موت فوری واقع ہوئی ہوگی۔ گولی جسم سے پستول لگا کر چلائی گئی تھی۔"

"کیا باب نے واضح طور پر اپنی بیوی اور بچوں کے قتل کا اعتراف کیا ہے؟"

"بالکل ناقابل تردید طور پر۔" اس نے کہا۔ "اس نے تحریری بیان بھی دیا ہے اور اس پر اپنے دستخط بھی کیے ہیں۔"

"لاشیں کہاں ہیں؟"

"مقامی اسپتال میں۔" اس نے بتایا۔ میں نے اس سے اسپتال کا پتا لیا اور وہاں سے نکل آیا۔ اسپتال زیادہ دور نہیں تھا، اسی قصبے میں تھا۔ میں نے وہاں مردہ خانے کے نگران ڈاکٹر ڈیک سے ملاقات کی۔ لاشوں کا معائنہ اور

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

پوسٹ مارٹم اسی نے کیا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا اسپتال تھا اور ڈاکٹر ڈیک کے پاس فارغ وقت بہت تھا اس لیے وہ میرے پرلیس کارڈ سے متاثر ہوا اور اس نے مجھے لاشیں بھی دکھا دیں۔ اس نے پہلے موریل کی لاش دکھائی جو سرد خانے میں میز پر رکھی تھی۔ اس کے سینے پر پوسٹ مارٹم کے نشانات کے ساتھ گولی کا سوراخ بھی تھا۔ میں نے ڈاکٹر ڈیک سے پوچھا۔

"اسے گولی کس طرح لگی؟"

"بالکل نیچے سے... یوں سمجھ لو پینتالیس درجے زاویے سے گولی جسم میں داخل ہوئی اور دل کو مجروح کرتی ہوئی اس سے ذرا اوپر پسلیوں میں پھنس گئی۔ پستول جسم سے لگا کر فائر کیا گیا تھا۔"

میں نے تصور میں دیکھا۔ باب نے موریل کو سینے سے لگایا اور پستول اس کے جسم سے لگاتے ہوئے فائر کر دیا۔ یہی ایک طریقہ بنتا تھا گولی چلانے کا۔ "موت فوری واقع ہوئی ہوگی؟"

"آدھے منٹ سے بھی پہلے۔" ڈاکٹر نے یقین سے کہا۔

"اور بچے... کیا ان کے ساتھ زبردستی کی گئی؟"

"نہیں، ان کو بہت آسان موت ملی۔ پانی میں ڈبونے سے پہلے ان کو دودھ میں بڑی مقدار میں خواب آور دوا دی گئی تھی۔ وہ سو گئے اور سوتے میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے ساتھ بالکل بھی زبردستی نہیں کی گئی، وہ اسکول جانے کے لیے تیار تھے۔"

"یعنی موت کا وقت بالکل صبح کا ہے؟"

"ساڑھے سات کے آس پاس کا... آدھے گھنٹے بعد موریل کی موت واقع ہوئی تھی۔"

یعنی باب نے موریل کو آدھے گھنٹے بعد قتل کیا تھا لیکن اتنی دیر کیوں... اور باب نے اس سے چھپ کر یہ کام کس طرح کیا؟ میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ "موریل کس حلیے میں تھی؟"

"اس نے اسکرٹ بلاؤز پہن رکھا تھا اور مکمل طور پر تیار تھی۔"

میں نے ایک بار پھر اپنے ذہن میں واردات کا تصور لانے کی کوشش کی۔ اگر موریل بالکل تیار حالت میں تھی تو وہ اپنے بچوں کی موت سے کس طرح بے خبر رہی ہوگی؟ اسے کیوں نہیں پتا چل سکا کہ باب بچوں کو دودھ میں بے ہوشی کی دوا دے کر ان کو بے دردی سے پانی میں ڈبو رہا ہے؟ ڈاکٹر ڈیک نے موریل کی لاش کو کپڑے سے ڈھک دیا اور پھر مجھے بچوں کی لاشیں دکھائیں۔ باب کی بچی کو دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بالکل اسی بچی جیسی لگ رہی تھی جسے ہم

[illegible]

نقوش اور سنہری بال۔ بس فرق اتنا تھا کہ اس کے جسم پر لباس نہیں تھا۔ باب کے دونوں بچے بھی بہت پیارے تھے۔ میں افسوس سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ میرے بھی دو بچے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ بچے کس طرح گھر کی رونق ہوتے ہیں۔ باب نے کس طرح اپنے گھر کی رونق کو اپنے ہاتھ سے ختم کیا تھا۔

"تم نے پوسٹ مارٹم کیا ہے... اس کی رپورٹ پولیس کے حوالے کر دی ہے؟"

"ہاں لیکن وہ رپورٹ میں تمہیں یا کسی اور کو نہیں دے سکتا۔"

"مجھے معلوم ہے... تمہارے تعاون کا بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔ کورٹ اس جگہ سے کوئی تیس کلومیٹر دور تھا۔ میں ساڑھے گیارہ بجے سٹی کورٹ کے سامنے تھا۔ فہد امین وہاں میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ "باب کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

"صرف یہ کہ اس نے اعترافِ جرم کر لیا ہے اور بارہ بجے اسے کورٹ لایا جائے گا۔"

باہر ملاقات کا نہ تو موقع بنتا اور نہ ہی پولیس اس سے بات کرنے کی اجازت دیتی۔ میں اور فہد اندر اس عدالت میں آئے جہاں باب کو پیش کیا جانا تھا۔ آج کیس کا باقاعدہ آغاز نہیں تھا۔

ٹھیک بارہ بجے باب دو پولیس افسران کے گھیرے میں عدالت میں آیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ آس پاس سے بے نیاز لگ رہا تھا۔ اس کی صحت اچھی تھی لیکن وہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔ عدالتی کارروائی معمول کی تھی اور باب کے وکیل نے عدالت سے استدعا کی کہ پولیس کو اس کے موکل پر بے جا دباؤ ڈالنے سے روکا جائے۔ اس نے اعترافی بیان کو بھی چیلنج کیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے باب سے کسی بھی وقت ملاقات کی اجازت بھی مانگی تھی۔ جج نے کارروائی نمٹاتے ہوئے پولیس کو دو ہفتے میں کیس سماعت کے لیے پیش کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس کے وکیل کے لیے ہدایت کی کہ اسے اس کے موکل سے ملاقات کی مکمل آزادی دی جائے۔ اس کے ساتھ ہی عدالت برخاست کر دی گئی۔ جیسے ہی پولیس والوں نے باب کو اٹھایا، میں نے اسے آواز دی۔ "باب!"

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں لیکن اس نے مجھے پہچان لیا کیونکہ فوراً ہی اس کے تاثرات میں تبدیلی آئی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچا تو اس

[illegible]

"یہ میرا دوست ہے۔"

پولیس افسر نے باب کی طرف دیکھا تو اس نے سر ہلایا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "یہ میرا فوج کے دور کا دوست ہے۔"

"باب! میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم اس سے بات نہیں کر سکتے۔" پولیس افسر نے پھر کہا۔

"پلیز... صرف ایک منٹ کے لیے۔" میں نے التجا کی تو پولیس افسر کسی قدر رضامند نظر آنے لگا۔ فوج کا سن کر اس کا رویہ کسی قدر بہتر ہوا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، باب نے کہا۔

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"سن لیا تم نے۔" پولیس افسر نے میری طرف دیکھا۔

"پلیز باب۔" اس بار میں نے اس سے کہا لیکن وہ بے نیازی سے کھڑا رہا۔ پولیس افسر اسے لے کر باہر جانے لگا۔ میں اور فہد امین بھی ساتھ ساتھ باہر آئے جہاں مقامی اور باہر سے آئے ہوئے رپورٹرز کا ایک ہجوم تھا۔ باب کو دیکھتے ہی وہ لپکے اور انہوں نے چلا چلا کر اس سے سوال شروع کر دیے۔ پولیس والے ان کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ باب سر جھکائے ان کے درمیان چل رہا تھا، اس نے نہ تو سر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھا اور نہ ہی کسی سوال کا جواب دیا۔ حتیٰ کہ پولیس نے اسے گاڑی میں بٹھا دیا اور گاڑی... روانہ ہو گئی۔ ایک طرف باب کا وکیل آرچ مائیکل کھڑا تھا اور سردست رپورٹرز حضرات اس کے بارے میں نہیں جانتے تھے اس لیے کسی نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ میں غیر محسوس انداز میں اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ "مسٹر مائیکل... میں باب کا دوست ہوں۔"

وہ چونکا۔ "ہاں... میں نے تمہیں عدالت میں بھی دیکھا تھا۔"

"تم بتا سکتے ہو یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے کہا اور پھر اپنا تعارف کرایا۔ "میں جیکسن بریڈ ہوں۔"

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "بدقسمتی سے میں بھی زیادہ نہیں جانتا۔ میں پانچ سال سے باب کا وکیل ہوں۔ مجھے خود دوپہر کے اخبار سے پتا چلا اور میں پولیس اسٹیشن جا کر اس سے ملا۔ وہاں اس نے اعتراف کر لیا کہ اس نے موریل اور بچوں کو قتل کیا ہے۔"

"باب نے تمہیں اس کی وجہ نہیں بتائی؟"

"نہیں، میں جب اس بارے میں سوال کرتا ہوں تو وہ دم سادھ لیتا ہے۔ میری تمام کوشش کے باوجود اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا ہے۔"

"تم نے پولیس رپورٹ دیکھی ہے، اس میں باب نے کن الفاظ میں اقرارِ جرم کیا ہے؟"

"اس نے صرف ایک جملے میں اعتراف کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں... موریل اور بچوں کو میں نے قتل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے پولیس کو بھی کچھ نہیں بتایا ہے۔"

"نہ وجہ اور نہ یہ کہ اس نے کس طرح بچوں اور موریل کو قتل کیا؟"

"کچھ بھی نہیں... اگر اس کا یہی رویہ رہا تو تم ابھی سے اسے مُردہ آدمی سمجھ سکتے ہو۔" اس نے مجھ سے کہا۔ وہ سخت مایوس نظر آ رہا تھا۔ اس کے اعصاب کشیدہ تھے اور شاید اسی وجہ سے اتنی بات کر لی۔ ورنہ عام حالات میں وہ مجھے منہ بھی نہ لگاتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر باب نے اسی طرح عدم تعاون جاری رکھا تو وہ اس کی وکالت سے دست بردار ہو جائے گا۔ میں نے کہا۔

"تم ابھی ایسا مت کرو۔ تم اس سے مل سکتے ہو۔ تم اسے راضی کر لو کہ وہ ایک بار مجھ سے مل لے۔ میں اسے دنیا میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ ہم پورے دو سال دن رات ایک ایک لمحہ ساتھ رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جنگ میں آدمی کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔"

"تم اس کے فوج کے وقت کے ساتھی ہو؟" مائیکل چونکا۔

"ہاں... میں اس کا واحد دوست بھی ہوں۔" میں نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ باب ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تمہارا مطلب ہے اپنے بیوی بچوں کا قتل... تو اس نے ایسا کر دیا ہے اور اس کا اقرار بھی کر لیا ہے۔"

"میرا مطلب ہے وہ کوئی نفسیاتی مریض نہیں تھا اور عام حالات میں ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ اپنے بیوی بچوں سے بے پناہ محبت کرتا تھا، اگر اس نے یہ کام کیا ہے تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی بہت بڑی وجہ ہوگی۔"

"میں اس سے بات کروں گا۔ اگرچہ وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا اور اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر پولیس والے مجھے جلدی باہر نکال دیتے ہیں لیکن میں کوشش کروں گا کہ وہ تم سے ملنے پر راضی ہو جائے۔" اس نے مجھے اپنا کارڈ دیا۔ "میں تم سے کہاں رابطہ کروں؟"

"میں کسی ہوٹل میں رکوں گا۔ میں خود کل آفس ٹائم میں تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

فہد امین کچھ دور کھڑا بے نیازی سے ہماری باتیں سن

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

رہا تھا اور اس نے مداخلت نہیں کی تھی۔ مائیکل کے جانے کے بعد وہ میری طرف آیا۔ ”اب کیا ارادہ ہے؟ باب کا رویہ تم نے دیکھ لیا ہے۔“

”میں ابھی یہاں رکوں گا... اور تم کیا کرو گے؟“

”میں واپس جاؤں گا۔ اخبار والے میری جان کو رو رہے ہوں گے۔ میں بتائے بغیر آگیا ہوں۔“ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ”اگر تمہیں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو... بلاتکلف کہہ دینا، میں آجاؤں گا۔“

فہد امین کے جانے کے بعد میں نے دوپہر میں شائع ہونے والے تمام مقامی اخبارات لیے اور ایک نزدیکی معقول قسم کے ہوٹل کا رخ کیا۔ کمرا لے کر میں نے تمام اخبارات کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ باب کے بارے میں سب نے کچھ نہ کچھ شائع کیا تھا لیکن ان میں کام کی باتیں کم تھیں۔ البتہ ایک چھوٹے اخبار کے رپورٹر نے کچھ کام کی باتیں کی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ موریل اور اس کے بچوں کا قتل بے حد مشکوک ہے کیونکہ اس روز صبح باب کے گھر میں زندگی بالکل معمول پر تھی۔ وہ دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اس کے بچے اسکول جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔ حد یہ کہ موریل بھی بنی سنوری ہوئی تھی۔ گھر میں بے ترتیبی اور بدنظمی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ باب کو دوسری کوئی پریشانی بھی نہیں تھی۔ یعنی اسے ذہنی، جسمانی اور مالی لحاظ سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی اچھی ملازمت تھی اور اس کے بینک اکاؤنٹ میں خاصی رقم موجود تھی۔ پھر اس صبح ایسا کیا ہوا جو آدھے گھنٹے کے اندر باب اپنے بستے بستے گھر سے محروم ہو گیا؟ اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہی مجرم تھا۔ اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تھا۔ میں رات تک اخبار دیکھتا رہا۔ پھر کھانا کھانے نیچے آیا اور دوبارہ شام اور رات کو شائع ہونے والے اخبارات لے کر واپس کمرے میں آگیا۔ ان اخبارات کو دیکھتے دیکھتے مجھے نیند آگئی۔

صبح ہوٹل کے لاؤنج میں ناشتا کرتے ہوئے ٹی وی پر باب کیس کے بارے میں خبر دیکھی۔ رپورٹر نے باب کا مکان دکھایا اور جائے وقوعہ کی نشان دہی بھی کی۔ جب ٹی وی پر باب کا مکان دکھایا جا رہا تھا تو اچانک میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور ناشتا کر کے میں کاؤنٹر پر آیا۔ چابی جمع کرائی اور واکس ہال میں باب کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے لگا اس معمے کی کنجی اسی مکان میں ہے۔ اس ٹی وی رپورٹر کے علاوہ کم لوگوں نے باب کے مکان کی طرف توجہ دی تھی اور اس کی باتوں نے میرے ذہن میں کسی بات کو کلک کیا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہاں جا کر ایک نظر مکان کو دیکھنا [illegible] اور مکان بند ہو چکا تھا۔ میں نو بجے وہاں پہنچ گیا۔ [illegible] سے وہاں کوئی نہیں تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو میں جس کام کے لیے آیا تھا، وہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنی ویگن مکان سے دور درختوں کے پیچھے چھپا دی۔ دن کے اجالے میں مکان اور اس کے آس پاس کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ میں مکان کے عقبی حصے میں آیا۔ یہاں ایک ورکشاپ اور اسٹور روم تھا۔ باب کو بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کا شوق تھا اس لیے اس نے یہ ورکشاپ بنائی تھی۔ اس پر تالا لگا تھا۔ میں نے جیک راڈ پھنسا کر تالا توڑ دیا۔ زنجیر ہٹا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ ورکشاپ میں میرے کام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن میں نے پھر بھی اس کا معائنہ کیا۔ جب کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو میری توجہ کا مرکز بنتی تو میں مکان کے اندر آگیا۔

یہ دو منزلہ مکان تھا جس کے نچلے حصے میں کچن، نشست گاہ، ایک اسٹڈی روم اور ورکشاپ تھی جبکہ بیڈ روم اوپر تھے۔ میں اصل میں بیڈ روم دیکھنا چاہتا تھا اس لیے نچلے حصے کو نظر انداز کر کے اوپر آیا۔ پولیس نے مکان میں کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا اس لیے جو چیز جہاں تھی، وہیں موجود تھی۔ میں پہلے موریل اور باب کے بیڈ روم میں آیا۔ بستر کی چادر بے ترتیب تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ موریل، باب کے دفتر اور بچوں کے اسکول جانے کے بعد صفائی کا کام شروع کرتی تھی۔ ایک طرف دونوں کے گھر میں پہننے والے سلیپر پڑے تھے۔ الماری میں تالا تھا لیکن وہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے احتیاط سے الماری کھولی اور اس کا جائزہ لیا۔ اندر کپڑے تھے یا موریل اور باب کے استعمال کی چیزیں رکھی تھیں۔ میں نے اس کا چیزیں رکھنے والا لاکر دیکھا لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ پھر الماری کے دوسرے خانے دیکھے۔ مجھے اصل میں موریل یا باب کی ڈائری یا کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس میں وہ اپنے شب و روز کے بارے میں لکھتے ہوں۔ بعض لوگ ڈائری کے بجائے نوٹ بک یا کاپی بھی استعمال کرتے ہیں مگر وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ملی۔

میں نے بیڈ کے برابر والی درازوں کو چیک کیا۔ اس میں ایک چھوٹی ڈائری نکلی لیکن اس میں فون نمبرز تھے۔ آدھے گھنٹے میں پورا کمرا کھنگال لینے پر کوئی کام کی چیز نہیں ملی۔ البتہ موریل اور باب کے نائٹ سوٹ بستر کے ساتھ پڑے تھے۔ پہلے موریل کا نائٹ گاؤن پڑا تھا اور اس پر باب کا نائٹ سوٹ تھا۔ دوسرا بیڈ روم بچوں کا تھا۔ وہاں تین عدد چھوٹے بیڈ لگے تھے اور دیواروں کے ساتھ چھوٹی الماریاں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

تھیں۔ یہ سارا فرنیچر آرڈر دے کر بنوایا گیا تھا اور بہت خوب صورت اور شوخ رنگوں پر مشتمل تھا۔ بچوں کے بھی رات والے کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے، سوائے لڑکی کے... شاید اس نے اپنے کپڑے سلیقے سے تہ کر کے رکھ دیے تھے۔ ایک طرف ایک گڑیا رکھی تھی اور ایک کونے میں میں بال کا سامان تھا۔ دیوار کے ساتھ لگے ریک پر بچوں کے کھلونے اور ان کی دلچسپی کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ فرش پر نرم دبیز قالین تھا تاکہ بچے نیچے گریں تو ان کو چوٹ نہ لگے۔ مجھے یہاں بھی کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ یہ دونوں بیڈروم بتا رہے تھے کہ ان کے لیے دن کا آغاز معمول کے مطابق تھا۔ تیسرا بیڈروم مہمانوں کے لیے مخصوص تھا اور اسے بالکل نہیں چھیڑا گیا تھا کیونکہ وہاں ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ پولیس نے بھی وہاں کسی چیز کو نہیں چھوا تھا۔ یہاں الماری اور درازوں میں کوئی سامان نہیں تھا۔

میں اوپر کا پوری طرح جائزہ لے کر نیچے آیا تو پھر مجھے اسٹڈی کا خیال آیا۔ اگر باب ڈائری لکھتا تھا تو اس کی ڈائری کو وہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسٹڈی کھلی تھی لیکن اس میں موجود لکھنے پڑھنے والی میز کی تمام درازیں مقفل تھیں اور مجھے تلاش کے باوجود وہاں چابی نہیں ملی۔ مجھے چابیوں کے اس گچھے کا خیال آیا جو میں نے اوپر باب کے بیڈروم کی ایک دراز میں دیکھا تھا۔ میں وہ گچھا لے آیا۔ اس میں دراز کے تالوں کی چابیاں تھیں۔ میں نے اوپر والی دراز کھولی تو اس میں ایک عدد ڈائری موجود تھی۔ یہ مجلد ڈائری خاصی پرانی تھی۔ میں نے اسے کھولا تو اس میں پہلی تاریخ آج سے دس سال پہلے کی تھی۔ گویا جب باب نے شادی کی، تب سے ڈائری لکھنا شروع کر دی تھی۔ میں ایک طرف کرسی پر بیٹھ کر اس ڈائری کے اوراق الٹنے لگا۔ باب باقاعدگی سے ڈائری لکھنے کا عادی نہیں تھا لیکن جب اس کے ذہن پر کوئی بوجھ ہوتا تو وہ اسے ڈائری پر منتقل کر دیتا تھا۔ ایک گھنٹے میں میں نے ساری ڈائری دیکھ لی اور میں کسی حد تک جان گیا کہ یہ سب کیسے ہوا تھا۔ موریل اور اس کے بچے کس طرح مارے گئے تھے مگر پوری بات مجھے باب ہی بتا سکتا تھا۔ میں نے ڈائری ساتھ لی اور مکان کو ویسے ہی بند کر کے تمام چیزیں اپنی جگہ رکھ دیں۔ جب میں یہاں آ رہا تھا تو راستے میں ایک دکان سے تالا لے لیا تھا۔ میں نے ٹوٹے ہوئے تالے کی جگہ اسے لگا دیا۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مکان میں کوئی گھسا ہے۔ کچھ دیر بعد میں واپس ٹرینٹن کی طرف جا رہا تھا۔

آرچر مائیکل اپنے دفتر دو بجے آتا تھا۔ ہر وکیل کی طرح [illegible] سے دفتر کا پتا دیکھ کر وہاں پہنچ گیا۔ مائیکل کا دفتر ایک [illegible] عمارت میں اور خاصا آراستہ تھا۔ اس کی پریکٹس یقیناً بہت اچھی چل رہی تھی۔ اس کی سیکریٹری نے مجھے بتایا کہ وہ دو بجے آئے گا۔ ابھی ایک گھنٹا تھا اس لیے میں نے لنچ کا سوچا اور ایک نزدیکی ہوٹل چلا آیا۔ دو بجے واپس آرچر کے دفتر پہنچا تو وہ آ چکا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔

''مسٹر جیک... آج شام کو میری باب سے ملاقات طے ہے۔ اگر اس نے میرے ساتھ تعاون نہیں کیا تو ممکن ہے اگلی پیشی پر میں کیس سے دست بردار ہو جاؤں۔''

''نہیں، تم مجھے ایک کوشش کرنے دو۔ تم جب باب سے ملو تو اسے مجھ سے ایک ملاقات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنا۔''

مائیکل نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''تم نے اس کا رویہ دیکھا ہے۔ وہ شاید ہی مانے۔''

''وہ مانے گا... تم اسے صرف اتنا کہنا کہ میرے پاس اس کی ڈائری ہے۔''

مائیکل نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''کیا اس کی ڈائری سے کچھ مدد مل سکتی ہے؟''

''براہ راست نہیں لیکن اگر باب تم سے تعاون پر آمادہ ہو جائے تو تم اسے کم سے کم سزائے موت سے بچا لو گے۔''

''ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں شام پانچ بجے اس سے ملنے جاؤں گا۔ اگر وہ مان گیا تو میں تمہیں کس طرح اطلاع کروں؟''

میں نے اسے ہوٹل کا نام اور اپنا کمرا نمبر بتایا۔ ''میں یہاں مقیم ہوں، تم کلرک سے کہہ کر مجھے کال ملوا سکتے ہو۔ میں یہاں سے سیدھا ہوٹل ہی جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، اگر وہ ملنے پر آمادہ ہوا یا نہیں... دونوں صورتوں میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔''

''میں انتظار کروں گا۔'' میں نے کہا۔ آرچر کے دفتر سے نکل کر میں کچھ دیر گھومتا رہا پھر ہوٹل واپس آ گیا۔ لمبے سفر نے مجھے تھکا دیا تھا اس لیے کمرے میں آتے ہی سو گیا۔ پھر فون کی گھنٹی سے آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا ہو رہا تھا۔ شام ہو چکی تھی، میں نے فون اٹھایا تو کلرک نے کہا۔

''آپ کے لیے مسٹر مائیکل کی کال ہے۔''

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ملا دو۔''

فوراً ہی مائیکل کی آواز آئی۔ ''مبارک ہو، وہ تم سے ملنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔''

''سچ... میں بھی خوش ہو گیا۔''

[illegible] لفظ ڈائری [illegible]

کہاں تو وہ میری بات نہیں سن رہا تھا اور جب میں نے اسے کہا کہ اس کی ڈائری تمہارے پاس ہے تو وہ ملنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔''

''مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''میں اس سے کب مل سکوں گا؟''

''میں نے پولیس افسر سے بات کی ہے۔ تم کل صبح آٹھ بجے اس سے مل سکو گے۔ وقت کا تعین پولیس والے خود کریں گے کیونکہ یہ کوئی آفیشلی ملاقات نہیں ہو گی۔ جب وہ کہیں وقت ختم ہو گیا ہے تو سمجھ لینا کہ وقت ختم ہو گیا ہے۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے وعدہ کیا۔ ''میری وجہ سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔''

''شکریہ... اور کوشش کرنا کہ باب مجھ سے تعاون پر آمادہ ہو جائے۔ ورنہ مجبوراً مجھے اس کیس سے دست بردار ہونا پڑے گا۔''

''مجھے امید ہے کہ وہ تم سے تعاون پر آمادہ ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

☆☆☆

باب لاک اپ میں سلاخوں کے پیچھے بستر پر بیٹھا تھا۔ مجھے باب کے پاس لانے سے پہلے میری مکمل تلاشی لی گئی تھی۔ تلاشی لینے والے نے سوائے پرس اور میرے کاغذات کے باقی سب اپنے پاس رکھ لیا تھا جس میں میری گاڑی کی چابیاں بھی تھیں۔ یہ مجھے ملاقات سے واپسی پر مل جاتیں۔ اس کے بعد ایک پولیس والا مجھے لاک اپ کے پاس چھوڑنے آیا اور جانے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا۔

''تمہارے پاس آدھا گھنٹا ہے۔''

باب نے مجھے دیکھا تو مضطرب انداز میں اٹھ گیا۔ اس نے سلاخیں تھامتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''جیک! تمہارے پاس میری ڈائری کہاں سے آئی؟''

''تمہاری اسٹڈی کی میز کی دراز سے۔'' میں نے جواب دیا۔

باب کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ ''جیک! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''باب! میں حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ تم نے خاموشی سادھ لی تھی اس لیے مجھے مجبوراً یہ سب کرنا پڑا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔''

''یہ تو تمہاری سوچ ہے... تم مجھ پر یا اپنے وکیل پر اعتماد کرو تو اب بھی بچ سکتے ہو۔ کم سے کم تمہیں سزائے موت نہیں ہو گی۔''

''میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''لیکن کیوں؟'' میں اس کے پاس آ گیا۔ وہاں بیٹھنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے مجھے کھڑے رہ کر ہی بات کرنا تھی۔

''کیونکہ میرے پاس اب زندہ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا ہے۔''

''کیا اس لیے کہ اب تمہارے پاس بیوی بچے نہیں رہے ہیں؟''

''ہاں اس لیے بھی اور اس لیے بھی کہ اب میں احساسِ جرم کے ساتھ زندہ رہنا نہیں چاہتا۔'' پہلی بار اس کے لہجے میں جذبات کی جھلک نظر آئی۔ ''مجھے آج بھی خواب میں وہ لاشیں نظر آتی ہیں جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ وہ مجھ سے سوال کرتی ہیں کہ ان کا قصور کیا تھا؟ ان کو کس جرم میں مارا گیا؟ ان میں بچے بھی ہوتے ہیں، بوڑھے بھی اور عورتیں بھی۔ ہم نے کسی کو نہیں چھوڑا تھا۔''

یہ بوجھ میرے ضمیر پر بھی تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں لیکن جنگ میں یہ سب ہوتا ہے۔''

''اگر جنگ میں یہ سب ہوتا ہے تو جنگ کے بعد یہ سب بھی ہوتا ہے جو ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''ہم دوسروں کے گھر اجاڑ کر اپنے گھر میں کس طرح سکون سے رہ سکتے ہیں۔''

''تم اسے مکافاتِ عمل سمجھتے ہو؟''

''بالکل... یہ مکافاتِ عمل ہے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''ہم سب کو اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''لیکن باب... اس میں موریل اور بچوں کا کیا قصور تھا؟''

''کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ وہ میرے بچے تھے۔'' اس کا لہجہ پھر سپاٹ ہو گیا۔ ''جب میں نے موریل سے شادی کی اور یہ گھر بسایا، تب ہی میرے دل میں ایک خوف تھا کہ کسی دن میرا کیا دھرا میرے سامنے آئے گا۔ میں خوش نہیں تھا۔''

''دوست... تم صرف خوش نہیں تھے بلکہ تم نے دوسروں سے بھی ان کی خوشیاں چھین لی تھیں۔''

وہ چونکا۔ ''تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟''

''یقیناً موریل کی طرف ہے۔ تم نے اپنے ضمیر کی خلش کو دبانے کے لیے خود کو کام میں غرق کر لیا اور یہ بھول گئے کہ اس عورت کو تمہاری توجہ اور وقت کی ضرورت ہے۔''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

''ایسا نہیں ہے۔'' باب کا انداز دفاعی ہو گیا۔ ''میں اسے اور گھر کو پورا وقت دیتا تھا۔''

''صرف اتوار والے دن اگر تمہارے پاس کوئی خاص کیس نہیں ہوتا تھا۔ باب... تمہاری ڈائری نے مجھے سب بتا دیا ہے۔ اپنے طور پر تم نے اپنے جرائم کی سزا اس عورت کو دی اور اسے گھر کا قیدی بنا دیا۔ تم صبح جاتے تو رات گئے واپس آتے۔ تمہیں کام کرنے کا جنون ہو گیا۔ اس کے لیے تم اضافی کام لیتے تھے۔ یہ درست ہے نا؟''

''ہاں درست ہے اور تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شاید اس طرح میں اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتا تھا۔''

''باب! تم صرف اپنی فکر میں رہے... تم نے موریل کو نظر انداز کر دیا۔ تمہیں کب اندازہ ہوا کہ وہ تم سے بے وفائی کر رہی ہے؟''

باب یہ سب اپنی ڈائری میں لکھ چکا تھا لیکن میرے الفاظ پر وہ اس طرح دہل گیا جیسے کسی نے پہلی بار اسے موریل کی بے وفائی کے بارے میں بتایا ہو۔ ''پلیز... جیک۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ موضوع مت چھیڑو۔''

''باب! ہمیں اس پر بات کرنا ہو گی کیونکہ اس پر بات کر کے ہی ہم تمہیں بچا سکتے ہیں۔''

''میں بچنا نہیں چاہتا۔''

''یہ تمہاری سوچ ہے دوست لیکن ہمارے لیے تم اب بھی اتنے ہی اہم ہو۔ اگر تم تعاون پر آمادہ ہو جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ میں یہ ڈائری تمہارے وکیل کے سپرد کر دوں گا اور اس کے لیے حقائق کی مدد سے تمہیں نفسیاتی مریض ثابت کرنا زیادہ دشوار نہیں ہو گا... اور اس کے بعد تمہیں سزا دینے کے بجائے علاج کے لیے کسی نفسیاتی اسپتال بھیج دیا جائے گا جہاں تم ہمیشہ رہو گے... اور تم جانتے ہو کہ یہ بھی ایک طرح کی سزا ہی ہو گی۔''

میری بات نے اسے پھر دہلا دیا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''میں ایسا ہی کروں گا باب... میں تمہیں سزا پاتے نہیں دیکھ سکتا۔ کم سے کم اس جرم کی سزا پاتے نہیں دیکھ سکتا جو تم نے نہیں کیا ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''اپنے چند سوالوں کے جواب۔'' میں نے کہا۔ ''پہلا سوال وہی ہے کہ تمہیں موریل کی بے وفائی کا کب پتا چلا؟''

''اسٹیو کی پیدائش کے چند مہینے بعد۔'' اس نے اپنے بڑے بیٹے کا نام لیا۔ ''میں گھر آتا تو وہاں ایسے آثار ہوتے [illegible] کی حالانکہ وہ مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی تھی سوائے اس بات کے۔ وہ سگریٹ اور سگار کے ٹکڑے جمع کر کے پھینک دیتی اور دوسرے آثار مٹانے کی بھی پوری کوشش کرتی تھی لیکن ایک پولیس والا بڑی آسانی سے اس بات کو جان سکتا ہے۔''

''تم نے اس سے بات کی؟''

''نہیں۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''یہ جاننے کے باوجود کہ موریل تم سے بے وفائی کر رہی ہے... یہ بات تمہیں کوئی آٹھ سال سے معلوم تھی لیکن تم نے کبھی اس سے بات نہیں کی؟''

''نہیں، میری ہمت نہیں ہوئی۔'' باب پوری طرح ہتھیار ڈال چکا تھا یا شاید وہ برسوں سے جو اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھا، اب اس بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ ''میں جان گیا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں دفتر سے جلدی گھر آ گیا اور میں نے وہاں کسی کو موجود پایا تو میں خاموشی سے واپس چلا گیا اور پھر اس وقت گھر میں داخل ہوا جب وہ شخص جا چکا تھا۔ ایک بار میں نے اپنے بیڈروم میں موریل کو ایک اور شخص کے ساتھ...'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً اس نے بہت برداشت سے کام لیا۔ برسوں پرانی بات کو دہراتے ہوئے اس کے صبر کا بندھن ٹوٹ رہا تھا تو اس وقت اس نے کس طرح خود پر قابو پایا ہو گا۔ میں باب کو جانتا تھا، وہ بہت جلد باز تھا۔

''تم یہ سب کیوں برداشت کرتے رہے؟''

''میں نہیں جانتا۔ کئی بار مجھے خیال آیا کہ موریل کو شوٹ کر دوں یا ان مردوں کو مار دوں جن سے اس نے تعلقات بڑھائے تھے۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔''

''کیا اس طرح تم خود کو سزا دے رہے تھے؟''

''شاید یہی بات تھی۔'' اس کی انگلیاں سلاخوں پر جم گئیں۔

''موریل کو احساس نہیں ہوا کہ تم اس کی بے وفائی کے بارے میں جان گئے ہو؟''

''شاید ہو گیا تھا۔ ایک بار میں اچانک گھر آیا تو اس نے وہاں موجود شخص کو عجلت میں پچھلے دروازے سے نکال دیا لیکن اس روز کئی ایسی چیزیں رہ گئیں جو میں نے دیکھ لیں۔ اس روز شاید اسے پتا چل گیا کہ میں اس کی بے وفائی سے آگاہ ہو گیا ہوں لیکن جس طرح میں انجان بنا ہوا تھا، اسی طرح وہ بھی انجان بنی رہی۔''

''اور تم دونوں چھ سات سال یہ ڈراما کرتے رہے؟''

''ہاں [illegible]

یہ دھوکا نہیں تھا۔ تم دونوں اندر ہی اندر کھول رہے تھے... کسی خوابیدہ نظر آنے والے آتش فشاں کی طرح۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ جب یہ آتش فشاں پھٹے گا تو اس کا لاوا سب کچھ تباہ کر دے گا؟''

''مجھے اندازہ تھا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اس کے باوجود تم نے کچھ نہیں کیا؟''

''میں کچھ کر ہی نہیں سکا۔''

''باب! تم غلط کہہ رہے ہو، یہاں بھی تم خود کو سزا دے رہے تھے، تمہیں ان معصوم بچوں کا خیال بھی نہیں آیا؟'' میں نے الزام دینے والے انداز میں کہا۔ ''بالآخر وہ تمہاری خودساختہ سزا کی بھینٹ چڑھ گئے جبکہ اس معاملے میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔''

باب کا لہجہ بھیگ گیا۔ ''تم نے ٹھیک کہا، وہ بے گناہ میرے گناہوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔''

''یہ درست ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے اس انجام کو پہنچے لیکن باب... جب تم نے انہیں عملی طور پر قتل نہیں کیا تو ان کی موت کی ذمے داری کیوں قبول کر لی؟'' میں نے دوسرا سوال او ر دوار کیا۔

وہ ایک بار پھر دہل گیا۔ ''تمہیں کیسے پتا...؟'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''باب! یہ جاننا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ مقامی پولیس شاید ملزم کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر مطمئن ہو گئی ہے اور اس نے زیادہ گہرائی میں جا کر دیکھا ہی نہیں۔ اول تو موریل صبح تم سے پہلے اٹھ گئی تھی کیونکہ اس کا شب خوابی کا گاؤن قالین پر نیچے پڑا تھا اور تمہارا لباس اس کے اوپر تھا... یعنی تم بعد میں بیدار ہوئے تھے۔ دوسرے بچوں کو دودھ میں نیند کی دوا دی گئی تھی اور یہ کام موریل ہی کر سکتی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلا ہو گا اور موریل نے نیچے یہ کام کر دیا تھا۔ کوئی شور نہیں ہوا اس لیے تم بے خبر رہے۔''

یک دم ہی باب کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ پھٹ پڑا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، جب میں تیار ہو کر نیچے آیا تو وہ بچوں کو جھیل میں ڈبو چکی تھی۔''

اس بار میں نے اسے نہیں چھیڑا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ خود ہی سب بتا دے گا۔ میرا خیال درست نکلا۔ کچھ دیر بعد جب اس کا دل ہلکا ہوا تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس روز میں خوش تھا کیونکہ اگلے دن ہمیں دو دن کے لیے پکنک پر جانا تھا۔ ساری تیاری ہو گئی تھی۔ ہٹ بک کرا لیا تھا اور میں نے بچوں کے لیے تیراکی والے ٹائر ٹنگ لے لیے تھے۔ اس روز میں ذرا دیر سے بھی اٹھا کیونکہ بہت عرصے بعد میرے پاس کوئی خاص کام نہیں تھا۔''

''تم اس وجہ سے بھی بہت خوش تھے کہ کچھ عرصے سے تمہارے گھر مردوں نے آنا بند کر دیا تھا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں، یہ وجہ بھی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ موریل کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے لیکن...'' وہ بولتے بولتے رکا پھر اس نے بات تبدیل کر دی۔ ''میرا ارادہ شام کو جلد گھر آ جانے کا تھا۔ میں تیار ہو کر نیچے آیا تو موریل باغ میں جھولے پر بیٹھی جھول رہی تھی۔ اس کا انداز اتنا پرسکون تھا کہ میں بالکل نہیں جان سکا کہ وہ کیا کر چکی ہے۔ میں ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا اس کی طرف آیا۔ میں نے اسے پیار کیا اور بولا... کیا آج ناشتا نہیں ملے گا؟''

''اس نے خالی خالی آنکھوں سے مجھے دیکھا تب مجھے احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ بچے اس وقت تک اسکول چلے جاتے تھے لیکن جانے سے پہلے وہ بہت شور کرتے تھے۔ اس روز مجھے ان کا ایک بار بھی شور سنائی نہیں دیا تھا۔ موریل نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا... بچے کہاں ہیں؟''

''تب اس نے جھیل کی طرف دیکھا اور جھولا ہلاتے ہوئے وہ نظم گنگنانے لگی جو وہ بچوں کو ان کے بچپن میں سناتی تھی۔

میرے گھر کے ساتھ ایک جھیل ہے
لیکن میں تیر نہیں سکتا
مجھے تیرنا نہیں آتا ہے
میں ایک دن اس جھیل میں تیروں گا
ممکن ہے وہ میری زندگی کا آخری دن ہو۔

''میں اکثر حیران ہوتا تھا کہ وہ بچوں کو یہ نظم کیوں سناتی ہے۔ لیکن اس روز اس کی زبان سے یہ نظم سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے تڑپتے ہوئے بھی جھیل کی طرف دیکھا۔ تب مجھے ایک بھوری چیز کی جھلک نظر آئی۔ نینسی بھورے رنگ کا سویٹر پہنتی تھی۔ میں بھاگا اور جھیل میں کود گیا۔ اس بھورے رنگ کی چیز کی طرف جاتے ہوئے میرا ذہن کہہ رہا تھا کہ یہ دھوکا ہے یا شاید کوئی خوف ناک خواب۔ میں ابھی جاگوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس کپڑے تک پہنچا اور جب میں نے اسے سیدھا کیا تو دنیا میری نظروں کے سامنے اندھیر ہو گئی، وہ نینسی ہی تھی۔ وہ منہ کے بل پانی میں تیر رہی تھی۔ میں نے بے تابی سے اس کی نبض دیکھی، اس کی سانس چیک کی لیکن اس کی نبض اور سانس رکے بہت دیر

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ہو چکی تھی۔ اسی لمحے مجھے پانی میں دو جسم اوپر نظر آئے۔ یہ میرے بیٹے تھے۔ میں نے بیٹی کو شانے سے لگایا اور ان دونوں کو لباس سے تھام کر کنارے تک لایا۔ میں رو رہا تھا اور اپنے بچوں کو پکار رہا تھا لیکن وہ میری پکار سے دور جا چکے تھے۔ میں نے جھیل سے نکال کر ان کو سیدھا لٹایا اور ان کو ابتدائی طبی مدد دینے کی کوشش کی۔"

"وہ مر چکے تھے؟"

"ہاں، وہ مر چکے تھے اور بہت پہلے مر چکے تھے۔ جب میں ان کو جھیل سے نکال کر لا رہا تھا اور انہیں لٹا کر دیکھ رہا تھا تو موریل بدستور جھولے کو ہلاتے ہوئے نظم گنگنا رہی تھی۔ اس نے بچوں یا میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ بچے اتفاقاً نہیں ڈوبے بلکہ انہیں جان بوجھ کر ڈبویا گیا تھا کیونکہ ان کے ہاتھ پیر بالکل صاف تھے۔ اگر وہ جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے تو یقیناً جھیل کے پودے ان کے ہاتھ پیروں سے لپٹ جاتے۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ ان کو بہت آرام سے جھیل میں ڈال دیا گیا تھا اور وہ اس میں ڈوب کر مر گئے۔"

"موریل نے ایسا کیوں کیا؟"

"یہ سوال میں نے بھی اس سے کیا تھا۔ تم جانتے ہو اس کا ردِعمل کیا تھا؟ اس نے بہت محبت سے میرا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا اور بولی۔۔۔ مجھ پر تمہارا قرض تھا، آج میں نے وہ قرض اتار دیا ہے۔"

میں حیران ہوا۔ "تمہارا قرض؟"

"میں نے پوچھا کہ کیسا قرض؟"

"اس نے جواب دیا۔ 'تم جانتے ہو کہ میں تم سے بے وفائی کرتی رہی ہوں۔'

"ہاں، میں جانتا ہوں۔'

"جب تم مجھے وقت نہیں دیتے تھے تو میں نے دوسرے راستے تلاش کر لیے۔ میں دوسرے مردوں کو گھر لانے لگی۔"

"ہاں یہ میرا قصور تھا۔' میں نے دکھ سے کہا اور اپنے بچوں کی لاشوں کی طرف دیکھا۔ 'لیکن تم نے مجھے اس کی بہت سخت سزا دی ہے۔"

"وہ بدستور محبت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ 'باب! میں نے تمہیں نہیں خود کو سزا دی ہے۔"

"'یہ تم نے خود کو سزا دی ہے؟' میں نے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ 'تم نے مجھ سے بچے چھین لیے جن سے میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔"

"'ہاں میں نے تم سے بچے چھین لیے کیونکہ میں یہ

[illegible]

میں باپ کی بات سن رہا تھا۔ وہ چپ ہوا تو میں نے کہا۔ "کیا اسے اپنے کیے پر پشیمانی تھی؟"

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "پشیمانی؟... اس نام کی کوئی چیز ہماری زندگیوں میں نہیں ہے۔۔۔ نہ انفرادی زندگی میں اور نہ اجتماعی زندگی میں۔۔۔ ہم غلطیاں کرتے ہیں اور ان کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں لیکن کبھی ان پر پشیمان نہیں ہوتے۔"

"تو کیا موریل اپنے کیے پر پشیمان نہیں تھی؟"

"بالکل بھی نہیں۔۔۔ اس نے دوسرے مردوں سے تعلقات قائم کیے لیکن اس کے خیال میں یہ اس کا فطری ردِعمل تھا۔ میں نے اسے وقت نہیں دیا تو اس نے یہ کام کر لیا۔ جیسے آدمی کو کھانے کی ایک چیز نہ ملے تو وہ دوسری چیز کھا لیتا ہے۔"

"پھر تم نے اسے شوٹ کر دیا؟" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس نے بچوں کو مارا تھا اور تم سے بے وفائی کی تھی۔"

"ہاں، اس نے میرے بچے مجھ سے چھین لیے اس لیے میں نے اسے مار دیا۔"

مجھے اس کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ "تم نے اسے فوراً نہیں مارا تھا۔۔۔ کیا تمہیں بعد میں خیال آیا؟"

باب دکھی نظر آنے لگا۔ "ہاں کیونکہ اس نے میرے بچے بعد میں چھینے تھے۔"

"وہ مر چکے تھے۔"

"نہیں، وہ اس وقت نہیں مرے تھے۔" باب کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ "وہ اس وقت مرے جب موریل نے مجھے بتایا کہ وہ میرے بچے نہیں ہیں۔"

میں دنگ رہ گیا پھر میں نے اس سسکیاں لیتے شخص کو دیکھا جو زیرِ لب کچھ کہہ رہا تھا۔۔۔ شاید ان بچوں کو یاد کر رہا تھا جو اس کے نہیں تھے۔ مجھے لگا کہ میں یا کوئی بھی شخص اس کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مدد چاہتا ہی نہیں تھا۔ میں گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ میں جانے لگا تو اس نے عقب سے کہا۔

"جیک۔۔۔ میری ڈائری۔۔۔ میرا راز؟"

"فکر مت کرو دوست۔۔۔ تمہاری ڈائری میں یہاں سے جاتے ہی جلا دوں گا اور تمہارا راز ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گا۔" میں نے رک کر کہا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔ میں نے باپ سے کیا ہوا وعدہ نبھایا اور اس کی ڈائری کو شعلوں کی نذر کر دیا۔

❋ ❋

پہلا رنگ

زہریلے پنجے

اسلام حسین

دولت کی ہوس میں مبتلا انسان ایسے ایسے گھناؤنے طریقے اختیار کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔۔۔ اس کے دیرینہ مقصد کے سامنے اپنے پرائے ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے بن جاتے ہیں۔۔۔ ایسی ہی ایک نازک اندام دوشیزہ کا ماجرا جس کے گرد سازشوں کے جال پھیلتے جا رہے تھے اور وہ اس میں لمحہ بہ لمحہ الجھتی جا رہی تھی۔

شرلاک ہومز کی یاد تازہ کر دینے والا سراغرسانی سے بھرپور شاہکار سرورق

سلور گرل ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آج بڑی رونق تھی۔ کیپٹن سلیم اور بدر جب ہال میں داخل ہوئے تو تمام میزیں بھری ہوئی تھیں۔ سلیم نے ہال کا جائزہ لیا تو کونے میں ایک خالی میز نظر آئی، دونوں تیز قدموں سے میز کی سمت بڑھ گئے۔

"شکر ہے جگہ مل گئی۔" بدر نے کہا۔ "بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔"

"تم جیسے بھوکوں کی وجہ سے ہی ملک غذا کے معاملے میں خود کفیل نہیں ہو پاتا۔" سلیم نے ہنس کر کہا۔

"میری بھوک سے بھی جلتے ہو؟" بدر نے مسکرا کر کہا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

''کمبخت، ذرا دیر پہلے ہی تو تم نے چائے پی ہے اور ساتھ میں...''

''لاحول ولاقوۃ... دو پلیٹ سینڈوچز سے بھلا پیٹ بھرتا ہے۔'' بدر نے جواب دیا۔

''پیٹ تو بھر جاتا ہے... نیت نہیں بھرتی۔'' سلیم نے کہا۔

''آہ... پھر وہی نیت... اب تم فلسفہ شروع کرو گے۔'' بدر نے اس انداز سے کہا کہ سلیم کو ہنسی آ گئی۔

وہ میز کے قریب پہنچ کر رک گئے کیونکہ میز پر ایک خوبصورت سا سیاہ رنگ کا لیڈیز پرس رکھا ہوا تھا۔

''یہاں تو کوئی بیٹھا ہوا ہے۔'' سلیم نے مایوسی سے کہا۔

''بیٹھا نہیں، بیٹھی معلوم ہوتی ہے۔'' بدر نے پرس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اسی لمحے لیڈیز ٹوائلٹ سے دو انتہائی حسین لڑکیاں باہر نکل کر اس میز کی سمت بڑھیں۔ سلیم واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ برابر کی میز خالی ہو گئی۔ بیرے نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر مینیو کارڈ دیکھنے لگے۔

''کیا کھاؤ گے؟'' سلیم نے پوچھا لیکن بدر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بھئی بولو نا... کیا منگواؤں؟''

''ایں...!'' بدر نے چونک کر کہا۔ سلیم نے نظریں اوپر اٹھائیں تو بدر مینیو کے بجائے برابر میز پر بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو گھور رہا تھا۔

''دماغ تو ٹھیک ہے؟'' سلیم نے غصے سے کہا۔

''کچھ دیر پہلے تک تو تھا... اب کا پتا نہیں۔'' بدر نے جواب دیا۔ ''جو چاہو منگوا لو۔'' سلیم نے اسے غصے سے گھورا اور بیرے کو آرڈر دے کر بدر کے پیروں پر ٹھوکر ماری۔

''اف... کم بخت... میں نے کیا کیا ہے؟'' بدر نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

''یہ شریفوں کا ہوٹل ہے... کچھ تمیز سیکھ۔''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' بدر نے اپنے پیر سمیٹتے ہوئے کہا۔ سلیم مسکرا دیا۔

''تم اس طرح اسے گھور رہے ہو جیسے پہلے کبھی لڑکی نہیں دیکھی۔''

''دیکھی ہے... پر اتنی خوبصورت نہیں... میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تمہارا دل بھی اسے گھورنے کو چاہ رہا ہے یہ اور بات ہے کہ تم میں اسے دل بھر کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہے۔''

''بکواس مت کرو، میں نے اسے پہلی بار نہیں دیکھا

اور... اب تم یہ بھی کہو گے کہ وہ تمہاری پہچانی ہوئی سی ہے۔''

''ہاں... میں اسے جانتا ہوں۔''

''اور اب یہ بھی کہو گے کہ وہ تم سے...''

''بکواس نہیں چلے گی، وہ مرحوم سعید اختر کی بیٹی سلمیٰ ہے۔''

''کیا...؟'' بدر واقعی اچھل پڑا۔ سعید اختر شہر کے معروف صنعت کار تھے جن کا چند روز قبل ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ سلمیٰ ان کی اکلوتی بیٹی اور کروڑوں کی دولت کی وارث ہے۔

''ہاں... اور میں حیران ہوں کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟'' سلیم نے کہا۔

''کھانا کھا رہی ہے۔'' بدر نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔ سلیم ہنس دیا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں... میرا مطلب ہے کہ وہ تنہا کیوں ہے؟''

''تمہاری آنکھیں واقعی کمزور ہو گئی ہیں۔'' بدر نے کہا۔ ''اس کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی ہے۔''

''وہ لڑکی مجھے بھی نظر آ رہی ہے۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''لیکن عموماً وہ تنہا باہر نہیں نکلتی... اس کا سیکریٹری... ہمیشہ ساتھ ہوتا ہے۔''

''ہوں... تو تم پہلے سے اس کے چکر میں ہو۔''

''میں سر توڑ دوں گا۔'' سلیم نے غصے سے کہا۔ لیکن اس کی نوبت نہیں آئی کیونکہ بیرا کھانا لے آیا۔ کھانے کے دوران بھی بدر بار بار سلمیٰ کو دیکھتا رہا، اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسی لڑکی ہے اس نے ایک مرتبہ بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ بدر کو غصہ آنے لگا۔ اس نے آج تک ایسی بے حس لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اور سلیم کلب سے ٹینس کھیل کر سوئر گرل آئے تھے کیونکہ بدر نے اسے کھیل میں ہرا دیا تھا اور وعدے کے مطابق ڈنر سلیم پر واجب ہو گیا تھا۔ دونوں کالج کے زمانے کے دوست تھے اور دونوں ہی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ یونیورسٹی میں ان کی دوستی مشہور تھی۔ بدر ہمیشہ سے شریر اور بے تکلف تھا جبکہ سلیم طبعاً سنجیدہ واقع ہوا تھا۔

سلمیٰ اور اس کی سہیلی کھانے میں مصروف تھیں۔ سلمیٰ کے چہرے پر باپ کی موت کے بعد سے ہر لمحہ غم جھلکتا تھا۔ وہ اپنی سہیلی کے بار بار چھیڑنے کے باوجود کسی گہرے سوچ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

میں ڈوبی ہوئی تھی ... ہوا اتفاقاً اس کے سامنے رکھ دیا۔ ... سے بچھ پوچھا پھر نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے لفافے کو کھولا۔ اندر سے ایک بہت مختصر سا پرچہ نکلا اور اسے پڑھتے ہی سلمیٰ کا چہرہ فق ہو گیا۔ سلیم بغور یہ سب دیکھ رہا تھا۔

''ہوں... یہ اب آپ کیوں اسے گھور رہے ہیں؟'' بدر نے اسے چھیڑا۔

''تم نے دیکھا۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔

''میں تو بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں۔''

''بکومت، میں اس خط کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ اسے پڑھ کر وہ خوفزدہ ہو گئی ہے۔''

''سسپنس۔'' بدر نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ''اب تم یقیناً یہ کہو گے کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے پھر ظاہر ہے اس کا تعاقب ہم پر فرض ہو جائے گا۔''

''جی نہیں۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''میں آپ کو یہ اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔''

''خوب تو تنہا ہی اس کا پیچھا کرو گے؟''

''نہیں۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔ ''لیکن... وہ خط پڑھ کر خوفزدہ کیوں ہو گئی ہے اور اچانک اس نے کھانے سے ہاتھ روک کر بل منگوایا ہے۔ شاید وہ فوراً کہیں جا رہی ہے۔''

''بیرا۔'' بدر نے اچانک بیرے کو آواز دی۔ ''بل لے آؤ۔'' بیرے نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ ان کا کھانا ختم نہیں ہوا تھا۔ بدر کو حیرت ہوئی کہ سلیم نے اس بات پر اسے کچھ نہیں کہا لیکن جب اس نے پرس نکال کر بل ادا کیا تو بدر سے رہا نہیں گیا۔

''واقعی تعاقب کرو گے؟'' اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

''ہاں، تمہیں اعتراض ہے؟''

''توبہ توبہ اس نیک کام میں اعتراض... میں تو آج پوری رات اس کے گھر کی چوکیداری کرنے پر بھی اعتراض نہیں کروں گا۔''

''پھر شاید تم سے ہی کام لیا جائے۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''آؤ۔'' سلیم نے اپنی اسپورٹس کار میں سلمیٰ کا تعاقب شروع کر دیا لیکن انہیں مایوسی ہوئی کیونکہ سلمیٰ ہوٹل سے نکل کر سیدھی اپنے گھر گئی اور انہیں دیکھے بنا اندر داخل ہو گئی۔

☆☆☆

''بالائی منزل کے جس کمرے میں روشنی ہو رہی ہے یہ سلمیٰ کی خواب گاہ ہے۔'' سلیم نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ بدر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''تم اس کی خواب گاہ سے بھی واقف ہو۔'' اس نے شریر لہجے میں کہا۔ اسی لمحے نادر ... گھڑی نے بارہ کا گھنٹا بجایا۔ بدر نے کچھ کہنا چاہا لیکن سلیم نے اسے اشارے سے روک دیا۔

''خاموش رہو۔''

''حد ہو گئی۔'' بدر نے آہستہ سے کہا۔ ''محبوب کی گلی میں کھڑے کھڑے آدھی رات ہو گئی اور آپ کا دل ہی نہیں بھرا۔''

''تم تھک گئے ہو تو جا سکتے ہو۔''

''ہائے، کیا لگن ہے۔ شاید اسی لیے غالب نے کہا ہے کہ جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں!''

''تم چپ نہیں رہو گے؟''

''یہ دستور زباں بندی ہے کیسا؟''

''بشٹ۔'' سلیم نے ڈانٹا۔ بدر چپ ہو گیا اور اسی لمحے تاریکی میں ایک کار کی ہیڈ لائٹس چمکیں اور ایک سیاہ رنگ کی لمبی سیڈان بائیں سمت سے آتی نظر آئی۔ کار بڑی خاموشی سے سڑک کے ایک جانب تاریکی میں رک گئی اور اس میں سے تین افراد اتر کر باہر نکلے اور فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے سلمیٰ لاج کے سامنے تاریکی میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ سامنے بند دکانوں کے دروازوں سے چپک کر وہ اس طرح کھڑے تھے کہ کسی کو ان کی موجودگی کا علم ہونا مشکل تھا۔ کار کا بے آواز انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور کار ان کے برابر سے گزرتی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گئی۔

''حملہ آور کسی کے منتظر ہیں۔'' سلیم نے سرگوشی میں کہا اور سلمیٰ لاج کی بالائی منزل کی کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔

کھڑکی پر پڑے ہوئے باریک پردے کے پیچھے ایک سایہ نمودار ہوا اور پھر کسی نے پردہ کھینچ دیا۔ کھڑکی میں کھڑی ہوئی سلمیٰ انہیں صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر سڑک کی سمت دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر بالکنی میں آ گئی۔ چند لمحے وہ خاموشی سے کھڑی باہر گھورتی رہی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو پھر کمرے میں چلی گئی۔

''آخر یہ معاملہ کیا ہے؟'' بدر نے پوچھا۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں کسی چیز کا پتا ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔'' سلیم کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ سناٹے میں اچانک کسی کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ان کی سمت آ رہا تھا پھر اندھیرے میں کسی نے قریب کی دکان کے بند دروازے پر ٹارچ کی روشنی

digestpk.blogspot.com

ڈالی۔ بدر نے سانس روک لی اور تاریکی میں دیوار سے چپک گیا۔

"پولیس کا سپاہی ہے۔" سلیم نے آہستہ سے کہا۔ "بالکل اپنے وقت پر آیا ہے۔ میں تین راتوں سے اس کا وقت نوٹ کر رہا ہوں۔"

"تین راتوں سے؟" بدر نے پوچھا۔ "گویا تم کئی دن سے اس کی نگرانی کر رہے ہو لیکن کیوں؟"

"ذرا صبر کرو سب کچھ بتا دوں گا۔"

وہ سلمٰی لاج کے برابر دو منزلہ مکان کے بند دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ جس پر کرائے کے لیے خالی ہے کا بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا اور اوپر سنگِ مرمر پر نمایاں حروف میں رحمان کورٹ لکھا ہوا تھا۔ سلیم نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا جو بنا کسی آواز کے کھل گیا کیونکہ وہ اس کا تالا پہلے ہی کھول چکا تھا۔ وہ خاموشی سے ایک ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔ اندر بالکل تاریکی تھی اور سیلن کی ہلکی سی بو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ سلیم نے خاموشی سے دروازہ بند کر دیا۔ بدر نے جیسے ہی قدم آگے بڑھایا کوئی چیز اس کے پیروں سے ٹکرا کر سرسراتی ہوئی بھاگی۔ وہ خوف سے اچھل پڑا۔ سلیم آہستہ سے ہنس دیا کیونکہ وہ صرف ایک چوہا تھا جس سے بدر ڈر گیا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" بدر جھینپ کر بولا۔

"شیطان نہیں صرف چوہا تھا۔" سلیم نے کہا۔

"شیطان بھی قریب ہی موجود ہے۔" بدر نے جل کر کہا۔

"لاحول سے بھاگنے والا نہیں۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے وہ بڑا ڈھیٹ ہے۔"

پولیس والے کے قدموں کی چاپ اب قریب آ گئی تھی اس لیے وہ خاموش ہو گئے... سپاہی کی ٹارچ کی روشنی دروازے پر پڑی پھر اس کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ بدر کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی زبان پر ہزاروں سوال مچل رہے تھے لیکن اسے معلوم تھا کہ سلیم کا کوئی قدم بے سبب نہیں اٹھتا اس لیے وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔

"بدر..." سلیم نے آہستہ سے آواز دی۔

"برابر میں کھڑا ہوں کیوں جان نکل رہی ہے۔" سلیم نے آہستہ سے ٹٹول کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہم اوپر چل رہے ہیں۔ آہستہ کمبخت... شور نہ کرو۔" بدر کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا اور سناٹے میں وہ ہلکی سی آواز بھی بہت تیز محسوس ہوئی۔

سلیم نے اپنی پنسل ٹارچ سے روشنی کی باریک سی

[illegible]

اور خاموشی سے قدم رکھتے ہوئے اوپر چڑھنے لگے۔ مکان کی خستہ حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بہت عرصے سے خالی پڑا ہے۔ ہر سمت کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا تھا۔ اور... ایک عجیب سی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ بالائی منزل پر پہنچ کر سلیم نے اسے بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

سلیم کے ساتھ ہی بدر ٹٹولتا ہوا ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوا۔ دروازہ کھول کر وہ بالکونی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کے بالکل سامنے سلمٰی لاج کا وہ کمرا تھا جس میں اب تک روشنی ہو رہی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے سلمٰی کی خواب گاہ صاف نظر آ رہی تھی۔ کمرا انتہائی شاندار طریقے سے سجا ہوا تھا۔ برابر کی عمارت کے تاریک کمرے میں کھڑے ہوئے سلیم اور بدر اپنی جگہ سے سلمٰی کی خواب گاہ کی ہر چیز کو صاف دیکھ سکتے تھے۔ سلیم خاموشی سے کمرے میں بیٹھی ہوئی سلمٰی کو گھور رہا تھا۔

"بدر۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"حاضر جناب!" بدر نے سعادت مند شاگرد کی طرح جواب دیا اور اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔

سڑک کے تاریک فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا سپاہی سلمٰی کی خواب گاہ کی سمت دیکھ رہا تھا شاید اس کی چھٹی حس بھی کسی ہونے والے حادثے کے خطرے کی بو محسوس کر رہی تھی۔ سپاہی جہاں کھڑا تھا اس جگہ سے بہ مشکل دس قدم کے فاصلے پر وہ تینوں پُراسرار آدمی تاریکی میں چھپے ہوئے تھے جو سیاہ رنگ کی کار سے اتر کر آئے تھے۔

"وہ ان بدمعاشوں سے صرف چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہے۔" سلیم نے سپاہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے نہیں معلوم کہ موت اس سے کتنے قریب ہے۔ اگر اس کی نظر ان بدمعاشوں پر پڑ گئی تو وہ بلا جھجک اسے ختم کر دیں گے۔"

"کیا وہ اتنے خطرناک ہیں؟"

"ہاں، وہ پولیس کی گرفت سے بچنے کے لیے سپاہی کو قتل کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔"

سپاہی اچانک اسی سمت بڑھا جہاں وہ تینوں پُراسرار آدمی کھڑے تھے۔

"مائی گاڈ۔" سلیم نے اتنی زور سے بدر کا بازو دبایا کہ وہ درد سے کراہ اٹھا۔ "اگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا تو میں چیخ کر اسے خبردار کر دوں گا۔"

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

[illegible]

کمبخت کی موت ہی آ گئی ہے۔" سلیم نے گھبرا کر کہا لیکن سپاہی شاید مطمئن ہو گیا تھا کیونکہ ٹارچ بجھا کر وہ مخالف سمت میں روانہ ہو گیا۔ سلیم اور بدر نے اطمینان کی سانس لی۔

"اس پاگل کو یہ اندازہ کبھی بھی نہیں ہو سکے گا کہ موت اس کے کتنے قریب سے گزری ہے۔" سلیم نے کہا۔

"لیکن سلیم... یہ سب چکر کیا ہے؟" بدر نے پوچھا۔

"خاموشی سے دیکھتے رہو سب معلوم ہو جائے گا۔"

"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم سلمٰی کے بارے میں اتنا جانتے ہو۔" بدر نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "شاید تم سلور گرل بھی طے شدہ پروگرام کے تحت گئے تھے؟"

"نہیں... وہ محض اتفاق تھا۔" سلیم نے کہا۔ "لیکن میں نے یہاں آنے کا پروگرام پہلے سے بنا رکھا تھا۔"

اسی لمحے سلمٰی ایک بار پھر بالکونی میں نمودار ہوئی اور سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے؟" بدر نے پوچھا۔

"ہاں۔" سلیم نے جواب دیا۔ "اور وہ تینوں بھی اسی کے منتظر ہیں۔"

"ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"فی الحال صرف دیکھنا ہے کہ کیا ہوتا ہے۔" سلیم نے جواب دیا۔ "اور دعا کرتے رہنا کہ وہ پردہ نہ کھینچے اور کھڑکی کھلی رہے کیونکہ میں ہر صورت یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ جس شخص کا وہ انتظار کر رہی ہے، اس کے آنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

"کوئی خوش قسمت ہی ہو گا جس کا وہ اتنی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔" بدر نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

"ضروری نہیں... وہ کوئی بدقسمت بھی ہو سکتا ہے۔" سلیم نے جواب دیا۔

بدر کو بھی اب اس پُراسرار معاملے سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سلیم کسی خوبصورت لڑکی کے لیے اپنا وقت اس طرح برباد نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس میں کوئی ایسا پہلو پوشیدہ نہ ہو جس سے جرم اور خطرے کی بو آتی ہو۔ سلیم کو ہمیشہ جرائم کی وارداتوں سے خاص دلچسپی رہی تھی۔ اپنی تربیت سے وہ تمام فن سیکھ لیے تھے جن کی مہارت اسے ایک خطرناک مجرم بنا سکتی تھی لیکن اس کا محبوب مشغلہ مجرموں کی بیخ کنی تھا اور یہ راز بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ پُراسرار شخصیت جس نے

متعدد جرائم پیشہ خطرناک گروہوں کا قلع قمع کیا کیپٹن سلیم کے علاوہ کسی اور کی نہیں تھی۔ بدر کو یہ علم نہیں تھا کہ سلیم کو مرحوم کروڑپتی سعید اختر خان کی لڑکی کے متعلق کیا سراغ ملا لیکن وہ جانتا تھا کہ مسئلہ یقیناً بہت پُراسرار ہو گا ورنہ سلیم خود اس معاملے میں دلچسپی نہ لیتا۔

بدر کو معلوم تھا کہ سلمٰی کے باپ کو معاشرے میں بہت اہمیت حاصل تھی۔ وہ کروڑپتی صنعت کار ہی نہیں... بلکہ شہر کے سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور سلمٰی ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ سلمٰی شہر کی سماجی سرگرمیوں میں باپ کی طرح ہر دلعزیز تھی۔ بدر نے اکثر اخبارات میں اس کی تصاویر دیکھی تھیں لیکن اس دن پہلی مرتبہ سلمٰی کو اتنے قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اسے اندازہ ہوا تھا کہ شائع ہونے والی تصویریں سلمٰی کے حسن کی معمولی سی عکاس بھی نہ تھیں۔

تاریک بالکونی میں کھڑے ہو کر دونوں کسی انہونے واقعے کا انتظار کر رہے تھے۔

"سلیم۔" بدر نے آہستہ سے کہا۔ "وہ جس شخص کا انتظار کر رہی ہے اگر یہ خطرناک مجرم اس کے انتظار میں چھپے ہوئے ہیں تو کیا ہم یہاں کھڑے رہ کر کچھ کر سکیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ اس کی آمد پر کچھ نہیں کریں گے۔" سلیم نے کہا۔

"کیوں... پھر وہ یہاں کھڑے کیوں ہیں؟"

"وہ اسے سلمٰی کے پاس جانے دیں گے تاکہ وہ جس کام سے آنے والا ہے وہ کر سکے اس کے بعد..." وہ اچانک خاموش ہو گیا۔

سناٹے میں قریب آتی ہوئی کار کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں بے تابی سے سڑک کی سمت گھورنے لگے۔ بائیں جانب کے موڑ سے کسی کار کی ہیڈ لائٹ سڑک پر نظر آئی۔ بدر نے دیکھا کہ سلمٰی بھی بالکونی پر جھکی ہوئی اسی سمت دیکھ رہی ہے۔ آنے والی کار سلمٰی لاج کے سامنے آ کر رک گئی۔ سلمٰی فوراً ہی بالکونی سے اندر چلی گئی۔

کار سے دو آدمی اترے اور تیز تیز قدموں سے سلمٰی لاج کے گیٹ کی طرف بڑھے۔

"خدا کرے وہ کھڑکی بند نہ کرے۔" سلیم نے بے تابی سے کہا۔

ذرا دیر بعد انہوں نے سلمٰی کو دروازہ کھولتے دیکھا شاید اس نے کسی ملازم کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا اسی لیے

digestpk.blogspot.com

ان کے دستک دینے سے قبل ہی دروازے پر آ گئی اور شاید وہ اتنی بے تابی سے انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے ظاہر تھا کہ وہ ان لوگوں کی آمد کو راز رکھنا چاہتی ہے۔ بدر کو ان کی قسمت پر رشک آنے لگا۔

دروازہ کھلتے ہی نو وارد پھرتی سے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

اب سلیم اور بدر کی نگاہیں سلمٰی کی خواب گاہ پر مرکوز تھیں۔ انہیں مایوسی نہیں ہوئی ذرا دیر بعد ہی سلمٰی ان کے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

''یا خدا... وہ کھڑکی بند نہ کرے۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔ وہ دونوں سلمٰی کی خواب گاہ کے اس پُراسرار منظر کو دیکھنے میں اتنا محو تھے کہ انہوں نے اپنی پشت پر ہونے والی آہٹ کو بالکل نہ سنا اور سناٹے میں اچانک ایک بڑی بھیانک اور گھٹی ہوئی چیخ بلند ہوئی۔

آواز اتنی خوفناک تھی کہ وہ دونوں اچھل پڑے۔ تاریکی میں ایک سائے نے اچانک حرکت کی اور تب انہیں احساس ہوا کہ وہ کمرے میں تنہا نہیں ہیں۔

☆☆☆

بدر اچھل کر دیوار سے لگ گیا جیسے کسی اچانک حملے سے بچنا چاہتا ہو۔ خوف نے اسے اتنا بدحواس کر دیا کہ اسے جیب سے ریوالور نکالنے کا خیال بھی نہ آیا۔ وہ خوفناک گھٹی ہوئی چیخ اس آسیبی ماحول میں کسی پر بھی لرزہ طاری کر دینے کے لیے کافی تھی اور ایک لمحے کے لیے سلیم بھی بالکل دم بخود رہ گیا۔ تاریکی میں کوئی اس طرح سسکیاں لے رہا تھا جیسے خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی ہو۔

دوسرے ہی لمحے سلیم کی ٹارچ کی روشنی فرش پر پڑے ہوئے ایک شخص پر مرکوز ہو گئی جس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے جھکا ہوا ان کی سمت گھور رہا تھا اور اس کے حلق سے عجیب قسم کی گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ سلیم نے ایک ہی جست میں اسے دبوچ لیا اور اس کے آہنی پنجے نے اس کا منہ سختی سے دبا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر ہی رکھی۔

''خاموش، خبردار جو ذرا بھی آواز نکالی۔'' سلیم نے غصے سے کہا۔ ''چیخنے کی کوشش کی تو گلا گھونٹ دوں گا۔'' زمین پر پڑے ہوئے خستہ حال شخص نے خود کو آزاد کرانے کے لیے جدوجہد شروع کی تو سلیم نے اسے غصے سے جھنجھوڑ ڈالا۔

''... زندگی ... [illegible]

کے شانے چھوڑے تو وہ کوئی آواز نکالے بغیر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ سلیم نے گھبرا کر اس کی نبض ٹٹولی اور ٹارچ کی روشنی میں اس کے بوسیدہ کپڑوں پر نظر ڈالی۔ ''کمبخت بے ہوش ہو گیا۔'' اس نے آہستہ سے کہا پھر جیب سے چمکدار لوہے کی پتلی سی ہتھکڑی نکال کر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے ہتھکڑی پہنا دی۔ وہ ایسے موقعوں کے لیے یہ ہتھکڑی ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ اجنبی کی جامہ تلاشی لینے کے بعد جب وہ کھڑا ہوا تو ہانپ رہا تھا۔

''فی الحال تو یہ خاموش رہے گا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کمبخت کو ایسے ہی موقع پر نمودار ہونا تھا۔'' سلیم نے دوبارہ بالکونی کی سمت بڑھتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ ہے کون اور یہاں کیا کر رہا ہے؟'' بدر نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''فی الحال ہمیں اس سے زیادہ ضروری کام ہے۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''آؤ اسے یہیں پڑا رہنے دو۔''

''میرا تو خوف سے دم نکل گیا تھا۔ کمبخت نے ایسی ڈراؤنی آواز نکالی کہ میں دہل گیا؟'' سلیم آہستہ سے ہنسا۔

''وہ بھی سمجھ کر آیا ہوگا کہ کمرا خالی ہے۔ ہمیں دیکھ کر وہ خود دہشت زدہ ہو گیا۔'' سلیم نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلمٰی کے کمرے میں موجود لوگوں نے میری ٹارچ کی روشنی نہ دیکھ لی ہو۔''

اسی لمحے سلمٰی اپنی جگہ سے اٹھی اور کھڑکی کی طرف آئی۔ آنے والے دونوں اجنبی برابر کے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمٰی نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا۔ اب سلیم کے لیے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس نے زیرلب اپنی قسمت کو گالی دی اور بدر کی طرف مڑا۔

''کچھ پتا نہیں اس نے پردہ کیوں کھینچ دیا۔ اسے کچھ شبہ ہو گیا ہے یا صرف احتیاطاً؟''

''میرا خیال ہے اس نے احتیاطاً ایسا کیا ہے۔'' بدر نے خیال ظاہر کیا۔ ''اتنی مدھم... روشنی وہاں سے نظر نہیں آ سکتی۔''

''یہ حقیقت تو بعد میں معلوم ہوگی۔ مجھے اس منحوس پر غصہ آ رہا ہے۔'' اس نے فرش پر پڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

''سلیم، خدا کے لیے اب تو یہ بتا دو کہ چکر کیا ہے؟'' بدر نے پوچھا۔ سلیم آہستہ سے ہنسا۔

[illegible]

ابھی صبر کرو اور تیار رہو۔ اپنا ریوالور ہاتھ میں رکھو کیونکہ ہمارا واسطہ بہت خطرناک مجرموں سے ہے جو رحم کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔''

''تم جانتے ہو میں بزدل نہیں ہوں۔'' بدر نے غصے میں ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے ورنہ تمہیں ساتھ کیوں لاتا؟'' سلیم نے کہا۔

''لیکن یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''بڑے بے صبرے ہو۔ سنو... نیچے تاریکی میں چھپے ہوئے تینوں بدمعاش شہر کے خطرناک جرائم پیشہ گروہ کے آدمی ہیں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ سلمٰی کے چکر میں نہیں ہیں بلکہ ان دونوں افراد کی فکر میں یہاں آئے ہیں جو اس وقت سلمٰی کے کمرے میں بیٹھے ہیں اور ہم بھی ان دونوں کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ ہمیں ہر قیمت پر ان دونوں کو قبضے میں کرنا ہے۔ میرا خیال ہے ان کے باہر آتے ہی وہ تینوں بدمعاش جو تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں، ان پر حملہ کریں گے اور انہیں اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں نہ صرف ان کے حملے کو ناکام بنانا ہے بلکہ ان دونوں کو قبضے میں بھی کرنا ہے لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو وہ تینوں خطرناک قاتل ہیں۔ اس لیے تم ان پر گولی چلانے میں کوئی تکلف نہیں کرنا۔''

''اور اس کا کیا کرنا ہے؟'' بدر نے فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''فی الحال اسے یہیں پڑا رہنے دو۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''آؤ نیچے چلیں۔'' اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ احتیاط سے سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے۔ ہال میں پہنچ کر سلیم نے آہستہ سے کہا۔

''تیار ہو بدر؟''

''پوری طرح۔'' بدر نے جواب دیا۔ ''تم فکر نہ کرو۔''

''بس تو بیٹے آ جاؤ۔ رام بھلی کریں گے۔'' سلیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس نے بہت آہستہ سے دروازہ کھول کر جھانکا پھر بدر کو باہر آنے کے لیے کہا۔ بدر اور سلیم باہر نکل کر تاریک پورچ میں کھڑے ہو گئے۔ ہر سمت موت کا سناٹا طاری تھا۔ سلمٰی لاج کے سامنے آنے والے افراد کی گاڑی کھڑی تھی اور اس کی عقبی سرخ لائٹ جل رہی تھی۔ سڑک کے پار تار[یکی] میں انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن انہیں معلوم تھا کہ تی[نوں] خطرناک آدمی وہاں روپوش ہیں۔

اچانک تاریکی میں ایک چہرہ سڑک کی مدھم روشنی میں جھانکتا ہوا نظر آیا لیکن دوسرے ہی لمحے تاریکی میں غائب ہو گیا۔

''تم نے دیکھا...؟'' سلیم نے سرگوشی میں کہا۔ ''و[ہ] بے تابی سے منتظر ہیں۔''

''ہاں... میں نے دیکھ لیا۔'' بدر نے اپنا ریوالو[ر] سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کہیں اس نے ہمیں تو نہیں دیکھ لیا؟''

''ناممکن...'' سلیم نے جواب دیا۔ ''ان کے فرشتوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں... اور چند لمحوں بعد وہ حیران رہ جائیں گے۔''

دونوں سانس روکے کھڑے رہے۔ ٹاور کی گھڑی نے نصف کا گھنٹا بجایا اور دوسرے ہی لمحے بنا کسی آواز کے اچانک سلمٰی لاج کا دروازہ کھلا اور دونوں اجنبی باہر نکلے۔ وہ تیزی سے سڑک کے کنارے کھڑی کار کی سمت بڑھ گئے۔

اسی لمحے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے گولی چلنے کی آواز ہوئی۔ کار کی سمت بڑھتے ہوئے افراد میں سے ایک کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا فٹ پاتھ پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ساتھی صرف ایک لمحے کے لیے رکا پھر جست لگا کر کار کی آڑ میں ہو گیا۔ اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا۔

وہ بدمعاش کار کی سمت بھاگے اور اسی لمحے سلیم کے بے آواز ریوالور سے دو گولیاں چلیں اور وہ بھاگتا ہوا کار کی سمت بڑھا۔ بدر بھی اس کے ساتھ تھا۔ بائیں سمت سے کسی کار کے انجن کی آواز فضا میں گونجی اور انہوں نے ایک لمبی کار کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا جو ذرا دیر قبل تینوں بدمعاشوں کو لے کر آئی تھی۔ روشنی کے بغیر وہ کار بڑی تیز رفتاری سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسی لمحے سامنے کھڑی ہوئی کار کی آڑ میں چھپے ہوئے شخص نے اچانک کوئی چیز سلیم کی سمت پھینکی... ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سلیم دھوئیں کے بادل میں چھپ گیا۔ اس نے آنسو گیس کا بم پھینکا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے سلیم کے ساتھ بدر بھی بری طرح کھانسنے لگا۔ اگلے ہی لمحے سامنے کھڑی ہوئی کار کا انجن اسٹارٹ ہوا۔ اگر سلیم فوراً ہی اچھل کر پیچھے نہ ہٹتا تو بیک ہوتی ہوئی کار یقیناً اسے کچل دیتی۔ سلیم، بدر سے ٹکرایا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اور دونوں فٹ پاتھ پر گر گئے۔

''سلیم...!'' بدر نے گھبرا کر اسے ٹٹولا۔

''مکان کی طرف بھاگو۔'' سلیم کھانستا ہوا بولا اور دھوئیں میں غائب ہوگیا۔ بدر بھاگتا ہوا خالی مکان کے پورچ میں جا کر کھڑا ہوگیا لیکن سلیم لاپتا تھا۔ دھوئیں کے بادلوں میں کئی بار گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ بدر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص کھانستا ہوا دھوئیں سے برآمد ہوا۔ اس نے کندھے پر ایک آدمی کو لاد رکھا تھا۔ بدر نے چونک کر ریوالور کی نال بلند کی لیکن پھر رک گیا کیونکہ آنے والا سلیم تھا۔

''دروازہ کھولو۔'' سلیم نے جلدی سے کہا۔ بدر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سلیم اپنے بوجھ سمیت اندر داخل ہوا۔ بدر نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کر دیا۔ سلیم نے کندھے پر لدے ہوئے بے ہوش آدمی کو آہستہ سے فرش پر ڈال دیا۔

سڑک پر اب تک دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلمیٰ کے ہاں آنے والے افراد کی گاڑی جا چکی تھی۔ اچانک کسی کار کی تیز روشنی دھوئیں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی اور انہوں نے تینوں بدمعاشوں کو اس گاڑی کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ کار کے قریب پہنچتے ہی دروازہ کھلا اور چلتی ہوئی کار میں تینوں بیٹھ گئے اور دوسرے ہی لمحے کار تیز رفتاری سے چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

سلیم اور بدر دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ سلمیٰ کے کمرے میں روشنی اب تک ہو رہی تھی۔ ان کی نظر بالکونی میں کھڑی ہوئی سلمیٰ پر پڑی جو دیوار سے لگی سڑک کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے قریب سے ہی پولیس کی سیٹیاں بجیں۔ سلمیٰ جلدی سے اپنے کمرے میں واپس چلی گئی اور فوراً ہی اس کا کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔

سلیم نے آہستہ سے بدر کا شانہ دبایا۔

''اب اندر آجاؤ... پولیس چند لمحے بعد ہی یہاں موجود ہوگی۔'' اندر آکر انہوں نے دروازہ بند کرلیا۔ ذرا دیر بعد ہی سڑک پر پولیس والوں کے بھاری بوٹوں کی آواز ابھری اور زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

☆☆☆

کشمیر روڈ کی پُرسکون فضا کا سناٹا پولیس کی آمد کے ساتھ ہی درہم برہم ہو چکا تھا۔ فضا میں اب تک گیس بم اور گولیوں کے بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شہر کے متمول افراد کا رہائشی علاقہ تھا اور اس قسم کی واردات یہاں پہلی مرتبہ ہوئی تھی اس لیے پولیس خاصی سرگرم نظر آرہی تھی۔ سلیم نے آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ اندر سے بند کر دیا۔

''چند منٹ کے بعد پولیس چپے چپے کی تلاشی لے گی... لیکن ہم یہاں محفوظ ہیں۔ انہوں نے گولیوں کی آواز ضرور سن لی ہوگی لیکن جلد ہی انہیں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ یہاں کوئی واردات نہیں ہوئی۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ بدمعاشوں کے کسی گروہ میں اتفاقی ٹکراؤ ہوا ہے۔'' لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔

چند لمحوں بعد ہی بھاری قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دی پھر پورچ کی سیڑھیوں پر ہوتے ہوئے مین گیٹ پر آکر رک گئی۔ دوسرے ہی لمحے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی پھر بدر کے بالکل قریب دروازے میں بنا ہوا لیٹر بکس ہلا اور کسی نے اس کی درز سے ٹارچ کی روشنی ہال کے اندر ڈالی۔

سلیم اور بدر سانس روکے کھڑے رہے۔ باہر کھڑا ہوا سپاہی ٹارچ کی روشنی میں ہال کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے کیونکہ انہیں یہ امید نہیں تھی کہ پولیس اس خالی مکان کا رخ کرے گی۔ ٹارچ کی روشنی پورے ہال کا جائزہ لیتی رہی پھر اچانک کسی نے زور سے کہا۔

''جناب میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ یہ مکان مدت سے خالی ہے۔'' ڈیوٹی سپاہی نے کہا۔ ''میں نے خود ان بدمعاشوں کو دو کاروں میں فرار ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔'' ٹارچ بجھ گئی اور کوئی دروازے کے قریب کھڑا ہوکر سگریٹ جلانے لگا۔

''اس علاقے میں ایسی واردات محض اتفاق تو نہیں ہوسکتی۔'' کسی نے بھاری لہجے میں کہا۔

''انسپکٹر مجھے یقین ہے کہ یہ صرف اتفاق ہے۔'' کسی نے خیال ظاہر کیا۔ ''ان میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی اور میں نے صاف...... ایک شخص کو زخمی ہوکر گرتے دیکھا تھا۔'' پھر ان کے قدم دروازے سے دور ہوتے چلے گئے۔ بدر نے اطمینان کی سانس لی۔

''بال بال بچے۔'' سلیم نے گہری سانس لے کر کہا۔

''کیوں...؟''

''انسپکٹر کی ٹارچ کی روشنی فرش پر پڑے ہوئے اس شخص کے چہرے پر پڑی تو میں کانپ گیا... کیونکہ ہم جسے اٹھا کر لائے تھے، وہ مر چکا ہے۔''

''کیا...؟'' بدر نے گھبرا کر کہا۔

''ہاں... گولی اس کی پیشانی پر لگی ہے... اگر انسپکٹر فرش پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھ لیتا تو ہم پھنس جاتے۔''

سلیم نے دروازے کی درز سے جھانک کر دیکھا۔ ''وہ سلمیٰ لاج کے دروازے پر کھڑے ہیں... شاید انہیں شک ہوگیا ہے۔ آؤ اوپر چلتے ہیں... لیکن ذرا احتیاط سے۔''

اوپر کمرے میں داخل ہوکر سلیم ایک لمحے کے لیے رکا۔ وہ اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جسے وہ وہاں بے ہوش چھوڑ گئے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ شاید وہ اب تک بے ہوش تھا۔ بہت احتیاط سے قدم رکھتے ہوئے وہ اس کھڑکی تک پہنچے جہاں سے سلمیٰ لاج کا منظر صاف نظر آتا تھا۔

انسپکٹر کئی سپاہیوں کے ساتھ لاج کے دروازے کے سامنے کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔ وہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہے تھے۔ اسی لمحے سلمیٰ کی خواب گاہ کی روشنی جلی اور وہ شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے بالکونی میں نمودار ہوئی۔ انسپکٹر دروازے میں لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سلمیٰ کمرے میں چلی گئی۔ اس نے صوفے پر پڑا ہوا گاؤن اٹھا کر پہنا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

''غالباً وہ نیچے جا رہی ہے۔'' سلیم نے کہا۔ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ ذرا دیر بعد وہ انسپکٹر کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ انہوں نے سلمیٰ کو کئی بار گردن ہلاتے دیکھا۔

''مجھے یقین ہے وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہی ہے۔'' سلیم نے خیال ظاہر کیا۔ ''بلاشبہ وہ یہاں ہونے والی واردات کے متعلق ہر بات سے انکار کرے گی۔''

''کیوں...؟'' بدر نے پوچھا۔

''اس لیے کہ وہ ان دونوں افراد سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔''

''لیکن اگر کسی نے انہیں گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہو تو؟''

''تب بھی وہ انکار ہی کرے گی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ کسی نے انہیں نہیں دیکھا ہوگا سوائے ہمارے اور ان بدمعاشوں کے۔'' وہ دونوں سلمیٰ کے کمرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر ان کی سمت گھوما تو سلیم نے حیرت سے کہا۔

''انسپکٹر جاوید... وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟'' بدر نے بھی اسپیشل برانچ کے انسپکٹر جاوید کو پہچان لیا۔

''ممکن ہے وہ اتفاقاً یہاں سے گزر رہا ہو۔''

''نہیں... جاوید کی موجودگی بلاسبب نہیں ہوسکتی... ممکن ہے وہ بھی سلمیٰ کے معاملے میں دلچسپی لے رہا ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' بدر نے چڑ کر کہا۔ ''آخر یہ معاملہ کیا ہے جو تم چھپا رہے ہو؟''

''تم چپ رہو... شور نہ کرو۔''

سلمیٰ بڑے اطمینان کے ساتھ انسپکٹر سے بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ انسپکٹر کا رویہ بھی مؤدبانہ تھا۔ سعید اختر خان مرحوم کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ پولیس اس کی بیٹی کو پریشان کرسکے۔

''خدا کی قسم، غضب کی لڑکی ہے۔'' بدر نے کہا۔

''کاش مجھے معلوم ہوسکتا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔'' سلیم نے کہا۔

''ظاہر ہے انسپکٹر اظہارِ عشق تو نہیں کر رہا ہوگا۔''

''تمہارے دماغ میں صرف عشق بھرا ہے یا اور کچھ بھی ہے؟''

''جوان دماغ ہے... عشق نہیں تو کیا بھوسا بھرا ہوگا۔'' بدر نے چڑ کر کہا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔

انسپکٹر شاید مطمئن ہوگیا تھا کیونکہ وہ سلمیٰ کو خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی دوسرے پولیس والے بھی رخصت ہوگئے اور ایک مرتبہ پھر روڈ پر موت کا سناٹا طاری ہوگیا۔ ان کی نگاہیں اب بھی سلمیٰ کی خواب گاہ پر مرکوز تھیں۔

وہ دروازہ بند کرنے کے بعد کافی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر اچانک اس کی نگاہیں سامنے کی دیوار پر کسی چیز پر مرکوز ہوکر رہ گئیں۔ فاصلے کے باوجود وہ اس کے چہرے پر چھائے ہوئے غم اور پریشانی کے سائے دیکھ سکتے تھے۔ اچانک وہ میز کی سمت گھومی اس پر رکھی ہوئی کسی چیز کو گھورتی رہی۔ سلیم نے میز پر رکھی ہوئی تصویر کے بڑے سے فریم کو دیکھا۔ شاید وہ اسی تصویر کو گھور رہی تھی۔ بار بار وہ اپنی مٹھیوں کو بھینچتی رہی جس سے اس کی بے تابی اور اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا۔

پھر وہ بے ساختہ اس تصویر پر جھپٹی اور اسے اٹھا کر قریب سے دیکھتی رہی۔ اس سوگواری کے عالم میں اس کا قیامت خیز حسن اور بھی نمایاں ہوگیا تھا اور بدر مبہوت ہوکر اس کو گھورتا رہا۔

اچانک سلمیٰ نے تصویر کا فریم زمین پر پٹخ دیا اور اسے پیر سے کچل کر توڑنے لگی۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اور دونوں فٹ پاتھ پر گر گئے۔

"سلیم...!" بدر نے گھبرا کر اسے ٹٹولا۔

"مکان کی طرف بھاگو۔" سلیم کھانستا ہوا بولا اور دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ بدر بھاگتا ہوا خالی مکان کے پورچ میں جا کر کھڑا ہو گیا لیکن سلیم لاپتا تھا۔ دھوئیں کے بادلوں میں کئی بار گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ بدر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص کھانستا ہوا دھوئیں سے برآمد ہوا۔ اس نے کندھے پر ایک آدمی کو لاد رکھا تھا۔ بدر نے چونک کر ریوالور کی نال بلند کی لیکن پھر رک گیا کیونکہ آنے والا سلیم تھا۔

"دروازہ کھولو۔" سلیم نے جلدی سے کہا۔ بدر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سلیم اپنے بوجھ سمیت اندر داخل ہوا۔ بدر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ سلیم نے کندھے پر لدے ہوئے بے ہوش آدمی کو آہستہ سے فرش پر ڈال دیا۔

سڑک پر اب تک دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلمٰی کے ہاں آنے والے افراد کی گاڑی جا چکی تھی۔ اچانک کسی کار کی تیز روشنی دھوئیں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی اور انہوں نے تینوں بدمعاشوں کو اس گاڑی کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ کار کے قریب پہنچتے ہی دروازہ کھلا اور چلتی ہوئی کار میں تینوں بیٹھ گئے اور دوسرے ہی لمحے کار تیز رفتاری سے چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

سلیم اور بدر دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ سلمٰی کے کمرے میں روشنی اب تک ہو رہی تھی۔ ان کی نظر بالکونی میں کھڑی ہوئی سلمٰی پر پڑی جو دیوار سے لگی سڑک کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے قریب سے ہی پولیس کی سیٹیاں بجیں۔ سلمٰی جلدی سے اپنے کمرے میں واپس چلی گئی اور فوراً ہی اس کا کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔

سلیم نے آہستہ سے بدر کا شانہ دبایا۔

"اب اندر آجاؤ... پولیس چند لمحے بعد ہی یہاں موجود ہوگی۔" اندر آ کر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ ذرا دیر بعد ہی سڑک پر پولیس والوں کے بھاری بوٹوں کی آواز ابھری اور زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

☆☆☆

کشمیر روڈ کی پُرسکون فضا کا سناٹا پولیس کی آمد کے ساتھ ہی درہم برہم ہو چکا تھا۔ فضا میں اب تک گیس بم اور گولیوں کے بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شہر کے متمول افراد کا [illegible] تھی اس لیے پولیس خاصی سرگرم نظر آ رہی تھی۔ سلیم نے آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ اندر سے بند کر دیا۔

"چند منٹ کے بعد پولیس چپے چپے کی تلاشی لے گی... لیکن ہم یہاں محفوظ ہیں۔ انہوں نے گولیوں کی آواز ضرور سن لی ہوگی لیکن جلد ہی انہیں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ یہاں کوئی واردات نہیں ہوئی۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ بدمعاشوں کے کسی گروہ میں اتفاقی ٹکراؤ ہوا ہے۔" لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔

چند لمحوں بعد ہی بھاری قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دی پھر پورچ کی سیڑھیوں پر ہوتے ہوئے مین گیٹ پر آ کر رک گئی۔ دوسرے ہی لمحے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی پھر بدر کے بالکل قریب دروازے میں بنا ہوا لیٹر بکس ہلا اور کسی نے اس کی درز سے ٹارچ کی روشنی ہال کے اندر ڈالی۔

سلیم اور بدر سانس روکے کھڑے رہے۔ باہر کھڑا ہوا سپاہی ٹارچ کی روشنی میں ہال کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے کیونکہ انہیں یہ امید نہیں تھی کہ پولیس اس خالی مکان کا رخ کرے گی۔ ٹارچ کی روشنی پورے ہال کا جائزہ لیتی رہی پھر اچانک کسی نے زور سے کہا۔

"جناب میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ یہ مکان مدت سے خالی ہے۔" ڈیوٹی سپاہی نے کہا۔ "میں نے خود ان بدمعاشوں کو دو کاروں میں فرار ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔" ٹارچ بجھ گئی اور کوئی دروازے کے قریب کھڑا ہو کر سگریٹ جلانے لگا۔

"اس علاقے میں ایسی واردات محض اتفاق تو نہیں ہو سکتی۔" کسی نے بھاری لہجے میں کہا۔

"انسپکٹر مجھے یقین ہے کہ یہ صرف اتفاق ہے۔" کسی نے خیال ظاہر کیا۔ "ان میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی اور میں نے صاف... ایک شخص کو زخمی ہو کر گرتے دیکھا تھا۔" پھر ان کے قدم دروازے سے دور ہوتے چلے گئے۔ بدر نے اطمینان کی سانس لی۔

"بال بال بچے۔" سلیم نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیوں...؟"

"انسپکٹر کی ٹارچ کی روشنی فرش پر پڑے ہوئے اس شخص کے چہرے پر پڑی تو میں کانپ گیا... کیونکہ ہم جسے اٹھا کر لائے تھے، وہ مر چکا ہے۔"

"کیا...؟" بدر نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں... گولی اس کی پیشانی پر لگی ہے... اگر انسپکٹر فرش پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھ لیتا تو ہم پھنس جاتے۔"

سلیم نے دروازے کی درز سے جھانک کر دیکھا۔ "وہ سلمٰی لاج کے دروازے پر کھڑے ہیں... شاید انہیں شک ہو گیا ہے۔ آؤ اوپر چلتے ہیں... لیکن ذرا احتیاط سے۔"

اوپر کمرے میں داخل ہو کر سلیم ایک لمحے کے لیے رکا۔ وہ اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جسے وہ وہاں بے ہوش چھوڑ گئے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ شاید وہ اب تک بے ہوش تھا۔ بہت احتیاط سے قدم رکھتے ہوئے وہ اس کھڑکی تک پہنچے جہاں سے سلمٰی لاج کا منظر صاف نظر آتا تھا۔

انسپکٹر کئی سپاہیوں کے ساتھ لاج کے دروازے کے سامنے کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔ وہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہے تھے۔ اسی لمحے سلمٰی کی خواب گاہ کی روشنی جلی اور وہ شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے بالکونی میں نمودار ہوئی۔ انسپکٹر دروازے میں لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سلمٰی کمرے میں چلی گئی۔ اس نے صوفے پر پڑا ہوا گاؤن اٹھا کر پہنا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

"غالباً وہ نیچے جا رہی ہے۔" سلیم نے کہا۔ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ ذرا دیر بعد وہ انسپکٹر کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ انہوں نے سلمٰی کو کئی بار گردن ہلاتے دیکھا۔

"مجھے یقین ہے وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہی ہے۔" سلیم نے خیال ظاہر کیا۔ "بلاشبہ وہ یہاں ہونے والی واردات کے متعلق ہر بات سے انکار کرے گی۔"

"کیوں...؟" بدر نے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ ان دونوں افراد سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔"

"لیکن اگر کسی نے انہیں گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہو تو؟"

"تب بھی وہ انکار ہی کرے گی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ کسی نے انہیں نہیں دیکھا ہوگا سوائے ہمارے اور ان بدمعاشوں کے۔" وہ دونوں سلمٰی کے کمرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر ان کی سمت گھوما تو سلیم نے حیرت سے کہا۔

"انسپکٹر جاوید... وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" بدر نے بھی اسپیشل برانچ کے انسپکٹر جاوید کو پہچان لیا۔

"ممکن ہے وہ اتفاقاً یہاں سے گزر رہا ہو۔"

"نہیں... جاوید کی موجودگی بلاسبب نہیں ہو سکتی... ممکن ہے وہ بھی سلمٰی کے معاملے میں دلچسپی لے رہا ہو۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" بدر نے چڑ کر کہا۔ "آخر یہ معاملہ کیا ہے جو تم چھپا رہے ہو؟"

"تم چپ رہو... شور نہ کرو۔"

سلمٰی بڑے اطمینان کے ساتھ انسپکٹر سے بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ انسپکٹر کا رویہ بھی مؤدبانہ تھا۔ سعید اختر خان مرحوم کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ پولیس اس کی بیٹی کو پریشان کر سکے۔

"خدا کی قسم، غضب کی لڑکی ہے۔" بدر نے کہا۔

"کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔" سلیم نے کہا۔

"ظاہر ہے انسپکٹر اظہارِ عشق تو نہیں کر رہا ہوگا۔"

"تمہارے دماغ میں صرف عشق بھرا ہے یا اور کچھ بھی ہے؟"

"جوان دماغ ہے... عشق نہیں تو کیا بھوسا بھرا ہوگا۔" بدر نے چڑ کر کہا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔" سلیم نے آہستہ سے کہا۔

انسپکٹر شاید مطمئن ہو گیا تھا کیونکہ وہ سلمٰی کو خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی دوسرے پولیس والے بھی رخصت ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر روڈ پر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ ان کی نگاہیں اب بھی سلمٰی کی خواب گاہ پر مرکوز تھیں۔

وہ دروازہ بند کرنے کے بعد کافی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر اچانک اس کی نگاہیں سامنے کی دیوار پر کسی چیز پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ فاصلے کے باوجود وہ اس کے چہرے پر چھائے ہوئے غم اور پریشانی کے سائے دیکھ سکتے تھے۔ اچانک وہ میز کی سمت گھومی اس پر رکھی ہوئی کسی چیز کو گھورتی رہی۔ سلیم نے میز پر رکھی ہوئی تصویر کے بڑے سے فریم کو دیکھا۔ شاید وہ اسی تصویر کو گھور رہی تھی۔ بار بار وہ اپنی مٹھیوں کو بھینچتی رہی جس سے اس کی بے تابی اور اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا۔

پھر وہ بے ساختہ اس تصویر پر جھپٹی اور اسے اٹھا کر قریب سے دیکھتی رہی۔ اس سوگواری کے عالم میں اس کا قیامت خیز حسن اور بھی نمایاں ہو گیا تھا اور بدر مبہوت ہو کر اس کو گھورتا رہا۔

اچانک سلمٰی نے تصویر کا فریم زمین پر پٹخ دیا اور اسے پیروں سے کچل کر توڑنے لگی۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اس پر ایک جنونی کیفیت طاری تھی پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہچکیاں لینے لگی۔

وہ دم بخود سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ سلمیٰ کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ سلیم کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی ڈرامے کا المیہ منظر دیکھ رہا ہو۔ سلمیٰ کو علم نہیں تھا کہ کوئی اس کی اس کیفیت کو دیکھ رہا ہے۔ سسکیاں بھرتے ہوئے وہ اچانک فرش پر جھکی۔ ٹوٹے ہوئے فریم کو اس نے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر سامنے کیا اور چند لمحوں تک اسے گھورتی رہی پھر اچانک جذباتی انداز میں اس نے تصویر کو کئی بار چوما پھر اسے سینے سے لگا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ منظر اتنا دردناک تھا کہ سلیم دریچے سے ہٹ گیا۔

''وہ کسی گہری اذیت میں مبتلا ہے۔''

''سلیم آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے؟'' سلیم ایک لمحہ خاموش رہا۔

''معاملہ اتنا پُراسرار ہے کہ میں خود نہیں سمجھ پایا ہوں۔'' سلیم نے کہا۔ ''ہم نے اب تک جو کچھ دیکھا ہے اس سے یہ واضح ہے کہ مسئلہ خطرناک بھی ہے اور المناک بھی۔ یہ لڑکی شدید اذیت میں مبتلا ہے۔''

''مجھے معلوم ہو جائے کہ کون اسے اذیت دے رہا ہے تو اسے عبرت ناک سزا سے دوچار کر دوں۔'' بدر نے غصے سے کہا۔ ''خدا کی قسم وہ جو بھی ہے، درندہ ہے۔''

''بلاشبہ وہ درندہ ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''مجھے زیادہ تفصیلات نہیں معلوم لیکن چند روز قبل میں نے سلمیٰ کے بارے میں ایک پُراسرار داستان سنی ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ کچھ دنوں سے رات کو اس کے گھر پر پُراسرار لوگ آتے ہیں اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ اس کا کچھ اور مطلب نکالتا لیکن مجھے معلوم ہے کہ سلمیٰ کا شمار ایسی لڑکیوں میں نہیں ہوتا جب میں نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ بینک سے بڑی بڑی رقمیں نکال رہی ہے۔ میں نے اس گھر کی نگرانی شروع کر دی اور یہ بات محض اتفاق نہیں ہو سکتی کہ جس روز وہ بینک سے بھاری رقم نکالتی اسی روز یہ پُراسرار لوگ اس سے ملنے آتے۔ اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ بھاری بھاری رقمیں ان لوگوں کو ادا کر رہی ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' بدر نے کہا۔

''یہی معلوم کرنے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔ گزشتہ تین راتوں سے سلمیٰ سے ملنے کوئی نہیں آیا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دوبارہ آئے گا اور آج تم نے خود دیکھ لیا۔ اب

[illegible]

[illegible]

بھاری رقوم وصول کرتے ہیں۔ آج وہ تینوں بدمعاش اسی لیے اس پر حملہ آور ہوئے تھے کہ رقم حاصل کریں لیکن ہماری مداخلت نے ان کی کوشش ناکام بنا دی۔ ان میں سے ایک حملہ آوروں کی گولی کا شکار ہو گیا اب چل کر اس کی تلاشی لیتے ہیں شاید اس طرح کوئی سراغ مل سکے۔''

سلیم اچانک رکا۔ ''آہ... اب سمجھ میں آیا کہ یہ شخص ہمیں دیکھ کر خوف سے بے ہوش کیوں ہو گیا تھا۔ وہ بلاسبب نہیں آیا تھا۔ اس نے بھی ہماری طرح کہیں سے سلمیٰ کے بارے میں یہ باتیں سنی ہوں گی اور وہ اسی نیت سے یہاں آیا ہوگا۔ آؤ پہلے اس کی خبر لیں۔''

''لیکن وہ کسی کو اتنی بڑی بڑی رقمیں اس طرح کیوں دے رہی ہے؟'' بدر نے سوال کیا۔ ''ممکن ہے کوئی اسے بلیک میل کر رہا ہو؟''

''ہاں... مجھے بھی یہی شک ہے کہ اسے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''لیکن ایک بات جو بڑی حیران کن ہے، وہ یہ کہ ہر مرتبہ اس کے پاس آنے والے افراد مختلف ہوتے ہیں۔ کیا اتنے بہت سے افراد بیک وقت کسی کو بلیک میل کر سکتے ہیں؟ بلیک میلر اپنا راز کسی کو نہیں بتاتا یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی... ہر مرتبہ نئے افراد کی آمد سے یہ مسئلہ اور بھی پُراسرار ہو گیا ہے۔''

اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ سلیم فرش پر اس جانب بڑھا جہاں اس نے پُراسرار اجنبی کو ہتھکڑی لگا کر چھوڑا تھا۔ اچانک اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر فرش پر روشنی ڈالی... اس کے قیدی کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس نے پورا کمرا چھان مارا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا، فرار ہو گیا تھا۔

''حیرت ہے...'' سلیم نے کہا۔ ''وہ بے ہوش تھا اور دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں پھر کہاں غائب ہو گیا؟'' وہ کافی دیر تک اسے دوسرے کمروں میں تلاش کرتے رہے پھر مایوس ہو کر لاش کی تلاشی لینے نیچے اترے لیکن ہتھکڑی لگے ہوئے شخص کا اس طرح غائب ہو جانا ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انہوں نے لاش کی باقاعدہ تلاشی لی اور اس کی جیبوں سے ہر چیز نکال کر اپنے قبضے میں کر لی۔ اس کے بعد سلیم نے بدر کی مدد سے لاش کو اٹھا کر برابر والے بیڈ روم کی الماری میں بند کر دیا۔

''میں حیران ہوں کہ وہ کم بخت کس طرح فرار ہوا؟'' سلیم نے کہا۔ ''تمام دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں... باہر

[illegible] کہاں سے فرار ہوا؟''

☆☆☆

رات کو تقریباً چار بجے وہ گھر پہنچے تھے۔ اس کے باوجود سلیم نے صبح آٹھ بجے ہی بدر کو جگا دیا۔ بدر کو اگر رات کے واقعات یاد نہ آتے تو ہرگز اتنی صبح بیدار نہ ہوتا اور سلیم کی تمام تر کوشش بھی اسے بستر چھوڑنے پر مجبور نہ کرتی لیکن سلمیٰ اختر کے پُراسرار حالات نے بدر کو بھی بے حد متاثر کر دیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آئے۔

''اب کیا ارادہ ہے؟'' بدر نے پوچھا۔

''فی الحال نیا گھر بسانے کا پروگرام ہے۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔

''میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔'' بدر نے بگڑ کر کہا۔ ''اس لیے مجھے معموں میں نہ الجھاؤ۔''

''میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم خود دیکھ لینا۔'' سلیم نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا سلمیٰ کے گھر چل رہے ہو؟'' بدر نے پوچھا۔ ''صبح صبح تم پر پھر عشق کا بھوت سوار ہو گیا؟''

''مجھ سے زیادہ تو جناب خود اس کے غم میں مرے جا رہے تھے۔'' بدر نے جل کر جواب دیا۔ سلیم نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''جانِ من وہ کروڑ پتی لڑکی ہے۔ تمہارے جیسے ہزاروں اس کے عاشق ہوں گے۔''

''لعنت ہے ان سب پر۔''

''ہائیں... تم خود پر بھی لعنت بھیج رہے ہو؟''

''تمہارے ساتھ رہوں گا تو اور کیا کروں گا۔''

''چلو غصہ تھوک دو۔ تم خود اندازہ کر لو گے کہ میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔'' سلیم نے امپائر اسٹیٹ ایجنسی کے دفتر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

وہ دفتر میں داخل ہوئے تو کاؤنٹر پر ایک شخص جھکا ہوا انکوائری کلرک سے بات کر رہا تھا۔ کلرک نے سلیم کو مسکرا کر دیکھا اور سر کے اشارے سے سلام کر کے پھر اس شخص سے بات کرنے لگا۔

''مجھے افسوس ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ رحمان کورٹ دو دن قبل کرائے پر دیا جا چکا ہے۔''

بدر نے حیرت سے سلیم کو دیکھا۔ رحمان کورٹ وہی خالی عمارت تھی جو سلمیٰ لاج کے برابر واقع تھی اور جہاں سے انہوں نے رات ہونے والا پورا ڈراما دیکھا تھا۔ سلیم نے بدر کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر بیٹھ کر اسے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ اطمینان سے سگریٹ جلا کر وہ ایجنسی کلرک اور اجنبی کی گفتگو سننے لگا۔

''لیکن میں اس کا دگنا کرایہ دینے کے لیے تیار ہوں۔'' اجنبی نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''جناب میں مجبور ہوں۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔'' کلرک نے جواب دیا۔ ''عجیب بات ہے کہ وہ مکان اتنے عرصے سے خالی پڑا تھا تو کوئی نہیں آیا اور اب کرائے پر اٹھ گیا تو صبح سے آپ دوسرے آدمی ہیں جو اسے حاصل کرنے کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔''

''دوسرے آدمی؟ تو کیا پہلے بھی کوئی آ چکا ہے؟'' اجنبی نے چونک کر پوچھا۔ بدر نے بھی سلیم کو دیکھا لیکن سلیم نے اسے اشارے سے خاموش کر دیا۔

''جب یہ شخص رخصت ہو تو تم اس کا تعاقب کرو گے۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔ ''میں رحمان کورٹ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

''مجھ سے پہلے اس مکان کے لیے کون آیا تھا؟'' اجنبی نے دریافت کیا۔

کلرک ایک لمحے کے لیے ہچکچایا اور اس نے اچانک سلیم کی طرف دیکھا۔ سلیم نے گردن ہلا کر اسے منع کر دیا۔ اب بدر کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کلرک نے کیوں مسکرا کر ان کا استقبال کیا تھا۔ بلاشبہ رحمان کورٹ کے نئے کرائے دار کا نام کیپٹن سلیم تھا۔ بدر سمجھ گیا کہ چونکہ رحمان کورٹ سلمیٰ کی کوٹھی کے برابر واقع تھا اس لیے سلیم نے اسے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

''جی مجھے ان کا نام یاد نہیں ہے۔'' کلرک نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے اب کوئی صورت نہیں ہے؟'' اجنبی نے پھر پوچھا۔

''جی مجھے تو نظر نہیں آتی۔'' کلرک نے جواب دیا۔ ''آپ اپنا پتا چھوڑ دیں جب مکان دوبارہ خالی ہوگا تو ہم آپ کو...''

''نہیں، مجھے اس کی ضرورت ابھی تھی۔ کوئی بات نہیں، خدا حافظ۔'' اجنبی نے قدرے ناگواری سے جواب دیا اور روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے اس نے سلیم اور بدر کی طرف سرسری نگاہ ڈالی۔ بدر نے حیرت سے اسے دیکھا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کیونکہ قیمتی سوٹ کے باوجود وہ چہرے سے کوئی شریف آدمی نہیں لگتا تھا۔ وہ گھٹے ہوئے جسم، چوڑے سینے اور بھرے ہوئے بازوؤں سے کوئی پیشہ ور باکسر نظر آتا تھا۔

''اسے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔ بدر بے پروائی سے چلتا ہوا باہر نکلا۔ اجنبی ایک سبز رنگ کی شیورلیٹ میں بیٹھ رہا تھا جس میں پہلے سے دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی لمحے کریم کلر کی ایک خوبصورت مرسیڈیز آ کر بدر کے سامنے رکی جسے ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کے برابر میں ایک دراز قد خوبصورت نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے گہرے کلر کا قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ لڑکی دروازہ کھول کر باہر نکلی تو بدر نے اسے فوراً پہچان لیا وہ سلمیٰ اختر تھی لیکن بدر کو زیادہ موقع نہیں ملا۔ اگلی کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ خوش قسمتی سے اسی لمحے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی بدر کو مل گئی۔ وہ پھرتی سے ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

''اس سبز رنگ کی شیورلیٹ کے پیچھے چلو۔'' بدر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ڈرائیور نے بلا تامل ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ شیورلیٹ بڑے آرام سے چل رہی تھی اس لیے بدر کو تعاقب کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہوشیاری سے ٹیکسی کو کئی گاڑیوں کے پیچھے رکھا تا کہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ اس نے کئی بار سائڈ گلاس میں بدر کو دیکھا شاید وہ اسے پولیس کا آدمی تصور کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ گنجان سڑکوں سے نکل کر شہر کے صنعتی علاقے میں داخل ہو گئے۔ ٹریفک خاصا تھا اور اگلی کار کی رفتار زیادہ نہ تھی اس لیے ان کو تعاقب میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ بدر حیران تھا کہ وہ اس طرف کیوں جا رہے ہیں۔

ماڈرن اسٹوڈیو کے قریب پہنچ کر ٹریفک بہت کم رہ گیا اور اچانک ہی اگلی کار اسٹوڈیو کے سامنے رک گئی۔ چوکیدار نے بھاگ کر گیٹ کھولا اور کار اندر داخل ہو گئی۔

''آگے نکل چلو۔'' بدر نے ڈرائیور سے کہا۔ کچھ دور جا کر اس نے ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو کرایے کے علاوہ ٹپ دی اور اطمینان سے چلتا ہوا ماڈرن اسٹوڈیو کی طرف روانہ ہو گیا۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے اشارے سے چوکیدار کو بلایا۔

''اندر کون کون ہے؟'' اس نے گرج دار آواز میں پوچھا۔

''جی... باس ابھی آئے ہیں ارمان کے ہمراہ...''

''ٹھیک ہے۔'' بدر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''وہ میرا انتظار کر...

بدر گیٹ سے آگے بڑھا تو چوکیدار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ بدر نے غصے سے اسے اس طرح گھورا کہ وہ گھبرا کر چپ ہو گیا۔ بدر اطمینان سے آگے چلا گیا۔ بدر کو معلوم تھا کہ ماڈرن اسٹوڈیو ایک عرصے سے بند پڑا ہے۔ نئے اسٹوڈیو کھلنے کے بعد اب کوئی شوٹنگ یہاں نہیں ہوتی تھی۔ کچھ دور چل کر اسے سبز رنگ کی شیورلیٹ ایک شیڈ کے پاس کھڑی نظر آ گئی۔ ایک اور کار بھی قریب ہی پارک تھی۔ بدر اس شیڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اتنے اعتماد سے چل رہا تھا کہ کسی کو اس کے متعلق شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بدر اس شیڈ کے پاس سے آگے بڑھا۔ ایک پتلی سی خوبصورت سڑک یہاں سے آگے جاتی تھی جس کے گرد دو رویہ کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔ اسٹوڈیو کے وسیع علاقے میں مختلف قسم کی بنگلے نما عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ شاید یہ کسی شہر کا منظر فلمانے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ تمام عمارتیں لکڑی کی تھیں جن پر خوبصورتی کے ساتھ پختہ عمارتوں کا رنگ کیا گیا تھا لیکن ہر طرف مکمل سناٹا تھا۔ کہیں بھی زندگی کے آثار نہیں تھے۔ بدر سوچ رہا تھا کہ وہ کس سمت جائے کہ اچانک برابر کے بنگلے نما شیڈ سے قہقہے کی آواز آئی۔ وہ خاموشی اور احتیاط سے چلتا ہوا اس بنگلے کی طرف بڑھا۔ آواز ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے آ رہی تھی۔

بدر سڑک سے ہٹ کر بنگلے کی دیوار کے پاس بنی ہوئی کیاریوں کے قریب آ گیا اور دبے قدموں سے چلتا ہوا کھڑکی کی طرف بڑھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کھڑکی سے جھانکنا خطرے سے خالی نہ ہوگا اس لیے کھڑکی کے پاس پہنچ کر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور جھکتے ہوئے آگے بڑھا۔ کھڑکی کے عین نیچے پہنچ کر وہ رک گیا۔ اندر سے بہت سے لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بدر نے ہمت کر کے ذرا سی گردن اوپر اٹھائی اور دیکھا کہ صوفوں پر تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

''اس میں اب کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔'' ایک بھاری آواز سنائی دی۔ بدر نے فوراً پہچان لیا۔ وہ کچھ دیر قبل یہ آواز اسٹیٹ ایجنسی میں سن چکا تھا۔

''کل رات جن لوگوں نے حملہ کر کے ہماری کوشش ناکام بنا دی وہ رحمان کورٹ سے ہی آئے تھے۔'' آواز پھر ابھری۔ ''ان کا تعلق پولیس سے ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بھی ہماری طرح سلمیٰ کے معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں اور یقیناً انہوں نے ہی ہم سے پہلے رحمان کورٹ کرائے پر لے

''لیکن انہیں کسی کا راز کیسے معلوم ہوا؟'' کسی نے سوال کیا۔

''احمق ہو تم... جس طرح ہمیں معلوم ہوا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ڈبل مقابلہ کرنا ہوگا؟''

''ہاں... کیونکہ جس نے بھی ٹھاکر سے مقابلہ کرنے کی ہمت کی ہے وہ کوئی معمولی گروہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی معمولی آدمی رحمان کورٹ کا کرایہ ادا کر سکتا ہے لیکن میں نے ہر قیمت پر رحمان کورٹ حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے... اور وہ جو بھی ہے آج اسے ایسا سبق دوں گا کہ آئندہ کوئی بدمعاش ٹھاکر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔'' بدر نے حیرت زدہ ہو کر یہ الفاظ سنے۔ اسے معلوم تھا کہ ٹھاکر کا نام سن کر بدمعاشوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے وہ شہر کا بدنام ترین اسمگلر اور جرائم پیشہ گروہ تھا۔ ان کی قتل و غارت گری کے باوجود پولیس آج تک ٹھاکر پر ہاتھ نہ ڈال سکی تھی کیونکہ وہ خود سامنے نہیں آتا تھا... اور سلمیٰ کے معاملے میں اس کی یہ دلچسپی ظاہر کرتی تھی کہ معاملہ بڑی رقم کا ہے۔ بدر نے پہلی بار ٹھاکر کو دیکھا تھا اور اسے اسٹیٹ ایجنسی میں ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ آدمی خطرناک ہے۔

''رحمان کورٹ کس نے کرائے پر لیا ہے، یہ نہیں معلوم ہو سکا؟'' کسی نے پوچھا۔

''شام تک ہو جائے گا اور کل تک اس مکان پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ میں...'' ٹیلی فون کی گھنٹی نے ٹھاکر کی بات پوری نہ ہونے دی اور اس نے جھپٹ کر فون اٹھا لیا۔

''ہیلو... ہاں میں ٹھاکر بول رہا ہوں... اوہ ہیلو تجمل۔'' اس نے کہا اور کچھ دیر سنتا رہا۔ ''شاباش۔ یہ تم نے اچھا کیا۔ کیا نام بتایا؟ احسان کریم، ایک منٹ ٹھہرو میں لکھ لوں۔ احسان کریم، پرائیویٹ انویسٹی گیٹر۔ 53 البرٹ روڈ... گڈ ویری گڈ تم نے بہت اچھا کیا۔ اب اسے ایک لمحے کے لیے بھی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دینا۔'' ریسیور رکھ کر ٹھاکر نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''میرا نام ٹھاکر ہے... یاد کریں گے۔'' اس نے کہا۔

''کیا ہوا باس؟''

''اب اس کروڑپتی لونڈیا کی تمام دولت ہماری تجوری میں آ جائے گی۔'' اس نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''یہ احسان کریم...''

بدر باتیں سننے میں اتنا محو تھا کہ اس نے حملہ آور کی چاپ اس وقت سنی جب وہ بالکل سر پر پہنچ گیا۔ اگر دوسرے ہی لمحے وہ جست لگا کر نہ ہٹتا تو چوکیدار کا موٹا ڈنڈا اس کے سر پر ہی پڑتا لیکن بدر نے اتنی پھرتی سے جست لگائی کہ ڈنڈا اس کی کھوپڑی کے بجائے لکڑی کی دیوار پر پڑا۔ ایک زور کا دھماکا ہوا۔ چوکیدار نے اتنی قوت سے وار کیا تھا کہ وہ اس جھونک میں خود بھی دیوار سے ٹکرا گیا۔

بدر نے مڑ کر ایک بھرپور لات چوکیدار کے پیٹ پر رسید کی۔ وہ درد سے دہرا ہو گیا اور بدر پوری رفتار سے گیٹ کی طرف بھاگا۔ دھماکے کی آواز سن کر ٹھاکر کے ساتھیوں نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور بدر کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر کوئی زور سے چلایا لیکن بدر نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اچانک کئی فائر ہوئے، ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ بدر اس کے باوجود نہیں رکا۔ گیٹ بالکل قریب تھا اور چوکیدار کی عدم موجودگی میں اسے باہر نکلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن باہر نکل کر بھی وہ اس وقت تک بھاگتا رہا جب تک کہ چوراہے پر اسے ٹیکسی نہ مل گئی۔ ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس نے کہا۔

''کشمیر روڈ چلو لیکن پوری رفتار سے مجھے بہت ضروری کام ہے۔''

☆☆☆

کسی نے بدر کا تعاقب نہیں کیا۔ بدر کو اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا اگر چوکیدار کا ڈنڈا سر پر پڑ جاتا تو کل کسی جگہ اس کی لاش پڑی ہوئی ملتی۔ ٹھاکر کا گروہ اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ وہ بال بال بچا تھا اور اس نے بڑی اہم معلومات حاصل کر لی تھیں۔ ٹیکسی جب رحمان کورٹ کے سامنے رکی تو وہ حیران رہ گیا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے ٹرک سے فرنیچر اتارا جا رہا تھا اور بہت سے مزدور رحمان کورٹ کی صفائی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ وہ اندر پہنچا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ہال فرنش ہو چکا تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت پر لگے ہوئے تمام بلب روشن تھے۔ دیواروں پر نیا وال پیپر لگا ہوا تھا اور کیپٹن سلیم ایک خوبصورت اور قیمتی میز کے سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا۔

''آؤ پیارے... نیا گھر مبارک ہو۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔

''کمال ہے۔'' بدر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ ''میں یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اتنی جلد اس گھر کا نقشہ بدل جائے گا۔''

''پھر تم نے اب تک سلیم کو نہیں سمجھا ہے۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ تو گھر ہے، میں لوگوں کی قسمت بھی پلک جھپکتے بدل دیتا ہوں۔''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"جی ہاں... تبھی یہاں آرام سے بیٹھے ہوئے ہو۔ وہ تو اتفاق ہے جو بچ گیا ورنہ اپنی قسمت تو واقعی بدل گئی ہوتی۔"

"واقعی۔" سلیم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سناؤ کیا تیر مارا ہے؟"

"بھاگتے بھاگتے حلق خشک ہو چکا ہے اور آپ کو مذاق سوجھا ہے۔" بدر نے غصے سے کہا۔ سلیم نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم بھی کیا یاد کرو گے گرم گرم کافی پلواتا ہوں۔" اس نے ایک مزدور کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا۔

"یہاں اور کافی؟" بدر نے پوچھا۔

"ہاں... ان مزدوروں کا حلق بھاگنے سے نہیں محنت سے خشک ہوتا ہے اس لیے میں نے پہلے سے اس کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اب بتاؤ کیا ہوا؟" بدر نے اسے مختصراً تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"بس قسمت تھی جو بچ گیا ورنہ..."

"ہشت تم اتنے باحیا نہیں کہ آسانی سے مر جاؤ۔" سلیم نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ٹھاکر نے ماڈرن اسٹوڈیو کو کرایہ پر لے لیا ہے اور میں حیران تھا کہ ٹھاکر اسٹوڈیو کا کیا کرے گا لیکن اب اندازہ ہوا کہ آج کل اسٹوڈیو اس کا ہیڈ کوارٹر ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ رات وہ تینوں حملہ آور ٹھاکر کے آدمی تھے اور وہ اس رقم کو حاصل کرنے کی فکر میں تھے جو بلیک میلر سلمٰی سے وصول کر کے لے جا رہے تھے لیکن ہم نے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔"

"ٹھاکر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دونوں سلمٰی سے ملنے کل رات ہی کو آئیں گے؟" بدر نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" سلیم نے جواب دیا۔ "لیکن زیادہ امکان یہی ہے کہ یہ محض اتفاق تھا۔ وہ صرف وہاں نگرانی کے لیے آئے ہوں گے اور اتفاق ہے کہ کل ہی وہ دونوں بھی سلمٰی کے پاس آ گئے۔"

"کچھ بھی ہو... ایک بات یقینی ہے کہ ٹھاکر کو وہ راز نہیں معلوم جس کی بنا پر سلمٰی کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" بدر نے کہا۔ "ورنہ وہ براہِ راست سلمٰی سے رابطہ کرتے۔"

"ہاں شکر ہے کہ ٹھاکر کو وہ راز نہیں معلوم۔" سلیم نے تسلیم کیا۔ "اسی لیے ٹھاکر کو میں زیادہ اہمیت نہیں دے رہا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر سلمٰی کی ہے اور میں ہر قیمت پر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں اس کے پاس آنے والے اجنبی کون لوگ ہیں۔ ٹھاکر بھی یہی جاننے کے لیے اس مکان کو حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہاں سے سلمٰی لاج پر ہر لمحہ نگاہ رکھی جا سکتی ہے اور شاید یہی راز جاننے کے لیے اس نے احسان کریم سے رابطہ کیا ہے۔ میں احسان کریم کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک ریٹائرڈ پولیس افسر ہے اور اس نے حال ہی میں یہ ایجنسی کھولی ہے جس کا اشتہار اکثر اخباروں میں آ رہا ہے۔ اب اس کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

جگہ کا انتخاب

ایک مچھیرے سے اس کے ساتھی نے کہا کہ کیا بات ہے، میں تو مچھلیوں کا ٹوکرا اٹھائے شہر بھر میں پھرتا ہوں۔ پھر بھی بہت کم مچھلی فروخت ہوتی ہے اور تم صرف ایک جگہ بیٹھتے ہو اور ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تمہارا ٹوکرا خالی ہو جاتا ہے۔

مچھیرے نے مسکرا کر کہا: "دوست ساری وجہ تمہاری کم عقلی اور میری سمجھ داری کی ہے۔ میں ایک جھیل کے راستے پر بیٹھتا ہوں۔ لوگ مچھلی کے شکار سے لوٹتے وقت مجھ سے مچھلیاں خرید کر اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں تاکہ بیوی بچوں اور پڑوسیوں پر رعب جھاڑیں۔"

انوشہ اقبال، لانڈھی

"تم یہ نہ بھول جانا کہ ٹھاکر نے دھمکی دی ہے کہ وہ کل تک یہ مکان ہر قیمت پر حاصل کر لے گا اور مجھے یقین ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کرے گا۔" بدر نے کہا۔

"ہاں ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔" سلیم نے کہا۔ "ویسے ہم سے ٹکرا کر وہ پچھتائے گا۔"

"آپ کہاں کے رستمِ زماں ہیں۔ وہ ایک خطرناک مجرم ہے اور اس کا بہت بڑا گروہ ہے۔"

"جانِ من، یہ کبھی نہ بھولنا کہ عزت کا مسئلہ آ جائے تو شریف آدمی سے زیادہ بڑا بدمعاش کوئی نہیں ہوتا۔" سلیم نے ہنس کر کہا۔

"خوب... تو آپ شریف آدمی ہیں۔ شریف لڑکیوں کی خواب گاہ میں راتوں کو جھانکنا شرافت ہی کا تو ثبوت ہے۔" بدر نے چوٹ کی۔

"ہاں خوب یاد دلایا۔ تم نے اسٹیٹ ایجنسی سے نکلتے ہوئے سلمٰی کو دیکھا ہو گا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا؟"

"ہاں خاصا خوبرو نوجوان تھا۔ سلمٰی نے اسے ندیم کہہ کر پکارا تھا۔ اس کی موجودگی میں تمہارے لیے کوئی چانس نہیں ہے۔" بدر نے چھیڑا۔

"بکواس مت کرو۔ اس نے ایجنسی کے کلرک کو اپنا نام ندیم ارشد بتایا تھا اور جانتے ہو وہ دونوں وہاں کیوں آئے تھے؟"

"اس مکان کو لینے؟"

"ہاں... رحمان کورٹ کو وہ بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں... لیکن کیوں؟ سلمٰی کو اس مکان کی کیا ضرورت پڑ گئی... اور یہ ندیم ارشد کون ہے؟"

"ہر لڑکی اپنے محبوب کو قریب رکھنا چاہتی ہے اور..."

"افوہ، تم پر ہر وقت عشق، محبوب، محبوبہ کا بھوت کیوں سوار رہتا ہے؟"

"صاحبِ دل ہوں تمہاری طرح بے حس نہیں۔" بدر نے اس طرح کہا کہ سلیم ہنس دیا۔

"مجھے یقین ہے بدر کہ یہ معصوم لڑکی کسی گہری سازش کا شکار ہے۔" سلیم نے کہا۔ "میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق سلمٰی کے والد کروڑوں روپے کا بیلنس اور جائداد چھوڑ کر مرے ہیں۔ انہوں نے اپنے سیکریٹری محمود کے نام بھی پچاس ہزار روپے چھوڑے ہیں۔ وصیت کے مطابق سلمٰی کی موت کی صورت میں اس کی تمام جائداد ایک یتیم خانے اور ٹرسٹ کے نام منتقل ہو جائے گی۔ اس لیے سلمٰی کیوں اپنی دولت کو اس طرح دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہے اور وہ پُراسرار لوگ کون ہیں جو اسے لوٹ رہے ہیں؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ رات کو آنے والے افراد اس سے رقم وصول کرنے ہی آتے ہوں؟" بدر نے کہا۔

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟"

"اچھا سوال ہے۔" سلیم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ایک دن قبل تک میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن تم اس لاش کو نہیں بھولے ہو گے اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ تلاشی لیتے ہوئے میں نے اس کی جیب سے ایک بھاری لفافہ نکالا تھا۔ یہ رہا وہ لفافہ، تم خود دیکھ لو۔" اس نے میز کی دراز کھول کر لفافہ اس کے سامنے رکھ دیا جو نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ بدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"پورے پانچ لاکھ روپے ہیں۔" سلیم نے کہا۔

"مائی گاڈ اسے واقعی لوٹا جا رہا ہے۔" بدر نے کہا۔

"ہاں، اب اس کی تصدیق ہو چکی ہے اور میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں کہ یہ لڑکی دولت کو اس طرح کیوں لٹا رہی ہے؟"

کھلی ہوئی کھڑکی سے انہوں نے سلمٰی لاج کے سامنے کار کو رکتے ہوئے دیکھا۔ سلمٰی گاڑی سے اتر کر مکان میں داخل ہو گئی اس وقت وہ تنہا تھی۔

"یہ لڑکی واقعی مصیبت میں گرفتار ہے۔" بدر نے کہا۔ "اب تو مجھے بھی اس سے ہمدردی ہوتی جا رہی ہے... لیکن اس رقم کا کیا کرو گے؟"

"اسے سلمٰی کو واپس کر دیں گے۔" سلیم نے کہا۔ "اس لاش کے پاس سے برآمد ہونے والے کاغذات سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے اسے شناخت کیا جا سکے اور شاید انہوں نے احتیاط کے طور پر ایسی کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہی نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں بھی خطرہ تھا کہ کوئی ان پر حملہ کر سکتا ہے اور اب یہ رقم لے کر ہم سلمٰی کے پاس چلیں گے۔ اس سے تعارف کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔"

"پانچ لاکھ روپے کا تعارف۔" بدر نے کہا۔

"ہاں... بڑا قیمتی تعارف ہو گا۔" سلیم نے جواب دیا۔ "ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ رقم دیکھ کر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس طرح ہم اس سے وہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اس سازش کی بنیاد ہے۔ اس رقم کو ہمارے پاس دیکھ کر وہ بلاشبہ اتنی حیران ہو گی کہ شاید اپنا راز بے نقاب کر دے۔"

"ہاں... ممکن ہے۔" بدر نے کہا۔

"تو آؤ پہلے ان سراغ رساں صاحب کی خبر لی جائے۔" سلیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "احسان کریم کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔ یہ بات بھی بڑی پُراسرار ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس شخص سے بھی ہمیں اہم سراغ مل سکے گا۔ اب مسئلہ رہ جاتا ہے اس اجنبی شخص کا جسے ہم نے رات ہتھکڑی لگائی تھی۔ وہ کون تھا اور یہاں کیا کر رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کی یہاں موجودگی اتفاقیہ نہیں تھی... اور ہتھکڑیوں کے باوجود پُراسرار طریقے سے اس کا غائب ہو جانا بھی معنی خیز ہے۔ پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی معمولی قسم کا مجرم ہے جو سلمٰی کے بارے میں افواہیں سن کر اس چکر میں آیا ہو گا کہ شاید کچھ فائدہ حاصل کر لے لیکن اب میرا خیال مختلف ہے۔ تمہیں یاد ہے اسٹیٹ ایجنسی کے کلرک نے ٹھاکر کو بتایا تھا کہ اس سے پہلے بھی کوئی رحمان کورٹ... کرایے پر لینے کے لیے آ چکا ہے۔"

"ہاں... لیکن میں سمجھا تھا کہ اس کا اشارہ تمہاری

http://jasoosinovels-urdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

جانب ہے۔'' بدر نے کہا۔

''نہیں، میں نے تو دو دن قبل ہی اسے حاصل کرلیا تھا... اس لیے وہ کوئی اور ہی شخص تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہتھکڑیوں کے باوجود وہ خستہ حال شخص کیسے فرار ہوگیا۔ ظاہر ہے ہتھکڑیاں وہ خود نہیں کھول سکتا تھا اور اس حالت میں وہ باہر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ صرف ایک صورت ہے کہ وہاں اس کا کوئی ساتھی بھی موجود تھا جسے ہم نہیں دیکھ سکے اور رحمان کورٹ۔ حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی نے ایجنسی سے معلومات کی ہوں گی اب مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ اس پُراسرار معاملے میں ان دونوں کا کردار بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔''

''تم تو شرلاک ہومز بنتے جارہے ہو۔'' بدر نے ہنس کر کہا۔

''یہ سب مشاہدے کی بات ہے پیارے۔ تم بھی تو ڈاکٹر واٹسن کا کردار ادا کررہے ہو۔''

''دیکھتے ہیں تمہارے ساتھ رہ کر کیا کیا بننا پڑتا ہے۔''

''ہاں... اب تک جو لوگ نظر میں آئے ہیں ان میں ٹھاکر، احسان کریم، ندیم ارشد اور رات کو رحمان کورٹ میں پوشیدہ وہ دونوں پُراسرار افراد اور سلطی سے رقم لینے والے دونوں افراد کے متعلق بھی ہمیں معلوم کرنا ہے۔ کم از کم ہم ان کی طرف سے تو ہوشیار رہ سکتے ہیں کیونکہ ان سب کا کسی نہ کسی طرح اس معاملے سے تعلق ہے۔''

رحمان کورٹ سے نکل کر انہوں نے ہوٹل میں کھانا کھایا اور یہ فیصلہ کیا کہ رات کو سلطی سے ضرور ملاقات کریں گے.... ابھی وہ احسان کریم سے ملنے البرٹ روڈ پہنچے۔ وہ ایک پرانی عمارت تھی جس میں مختلف دفاتر واقع تھے۔ چونکہ دفتر کا وقت ختم ہوچکا تھا اس لیے عمارت کے بیشتر دفاتر بند تھے۔ اس کا دفتر تیسری منزل پر واقع تھا۔ نیم تاریک زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر وہ تیسری منزل پر پہنچے۔

''انہیں دھمکی آمیز فون مل رہے ہیں۔'' سلیم نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''لاحول ولاقوۃ... ہم احسان کریم کے پاس بلاسبب تو نہیں جارہے ہیں۔''

''اچھا، ٹھیک ہے۔ جو مرضی آئے کرو۔'' لیکن جب وہ احسان کریم کے دفتر کے سامنے پہنچے تو انہیں مایوسی ہوئی۔ دفتر کا دروازہ اور اندر چھائی ہوئی تاریکی سے اندازہ ہوتا تھا کہ دفتر بند ہوچکا ہے۔ دروازے میں لگے ہوئے شیشے سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ سلیم نے کئی بار دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

''یہاں تو کوئی نظر نہیں آرہا۔'' سلیم نے کہا۔

''تعجب ہے کسی کو تو ہونا چاہیے تھا۔'' بدر نے دروازے کے ہینڈل کو گھماتے ہوئے کہا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''ارے دروازہ تو کھلا ہوا ہے؟'' بدر نے کہا۔

''ہاں، حیرت ہے کہ...'' لیکن وہ اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا۔

اندر سے جھپٹ کر نکلنے والے شخص نے زور سے دھکا دیا کہ سلیم اپنے ساتھ بدر کو لیتے ہوئے چاروں خانے چت جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتے، وہ شخص آندھی کی طرح سیڑھیاں اترتا ہوا فرار ہوگیا لیکن بدر نے گرتے گرتے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

''ندیم ارشد...'' بدر اٹھ کر تعاقب کے لیے بڑھا لیکن سلیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''ٹھہرو...'' اس نے کہا۔ ''ذرا سامنے دیکھو۔''

اندر کمرے میں ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی جس کے سامنے فرش پر کوئی شخص ایک بڑی سی تجوری کے برابر اوندھے منہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اب تک تجوری کے ہینڈل پر تھا... لیکن اس کی پشت پر دل کے مقام پر دستے تک ایک خنجر پیوست تھا۔ وہ ایک لمحے تک اس منجے شخص کو دیکھتے رہے جو بظاہر مرچکا تھا پھر سلیم چونکا۔

''احسان کریم...'' اس نے کہا۔ ''کسی نے ہماری آمد سے پہلے اسے خاموش کردیا۔'' باہر تیز ہوا کے جھکڑوں کے ساتھ زوردار بارش شروع ہوگئی۔ ہر سمت مکمل سناٹا طاری تھا اور وہ دونوں دم بخود اس سراغرساں کی لاش کو گھور رہے تھے۔ چند لمحوں تک وہ اسی طرح پس و پیش کے عالم میں کھڑے رہے۔

☆☆☆

کیپٹن سلیم پھرتی سے کمرے کے اندر داخل ہوا اور بدر کے آنے کے بعد اس نے آہستہ سے دروازہ بند کرکے بولٹ چڑھا دیا۔

''تم نے ندیم ارشد کو پہچان لیا تھا؟'' اس نے بدر سے پوچھا۔

''ہاں، بدحواسی کے باوجود اس کا چہرہ میرے بالکل سامنے تھا۔''

''اسی لیے میں نے تمہیں تعاقب سے روک دیا۔ اس سے زیادہ اہم ہمارا یہاں رکنا ہے، اس دروازے کے پیچھے

[illegible]

بدر نے دروازہ کھولا۔ یہ ایک مختصری کوٹھری تھی جس کے کونے میں ایک فائلنگ کیبنٹ، ایک چھوٹی میز جس پر ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا اور ایک کرسی تھی۔ بدر دروازہ بند کرکے واپس آگیا۔

''ادھر کچھ بھی نہیں ہے۔'' سلیم نے جیب سے دستانے نکال کر پہن لیے۔ وہ جھک کر لاش کو دیکھنے لگا۔ اسے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ احسان کریم کی موت فوری واقع ہوئی ہوگی کیونکہ خنجر دل تک پیوست ہوچکا تھا۔ اس نے احسان کی جیبوں کی تلاشی لی لیکن وزیٹنگ کارڈ، ایک پرس اور چند غیر اہم کاغذات کے سوا کچھ نہ ملا۔ ان چیزوں کو واپس جیب میں رکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احسان کریم ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''اور اسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی... ذرا اسے اٹھانے میں میری مدد کرو۔'' انہوں نے آہستہ سے لاش کو تجوری کے پاس سے ہٹا کر فرش پر لٹا دیا۔ اس کے بعد سلیم جھک کر تجوری کا تالا دیکھنے لگا۔

''ذرا اس کی پتلون کی جیب تو دیکھو، اس تجوری کی کنجی صرف اسی کے پاس ہوگی۔'' سلیم نے کہا۔

کنجی نکالنے کے بعد بدر نے اس کا ہپ پاکٹ دیکھا اور اس میں سے ایک لمبا سا کیس نکالا۔ بظاہر یہ چابیوں کا کیس نظر آتا تھا لیکن جب بدر نے اسے کھولا تو اس میں چابیوں کے بجائے کبوتر کے انڈوں کے برابر زرد رنگ کی دو گیندیں تھیں۔ بدر نے حیرت سے انہیں دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ کیا ہے۔ ہپ پاکٹ میں ایک چھوٹا سا پستول بھی تھا۔ بدر نے اسے بھی نکال لیا۔

''کنجی ملی؟'' سلیم نے پوچھا۔

''ہاں لیکن ذرا دیکھو تو... یہ کیا ہے؟'' سلیم نے کیس سے کر انڈے نما گیند نکالی اور اسے چند لمحوں تک دیکھتا رہا پھر اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہی گاڈ، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے پہچانا کہ یہ کیا ہے؟''

''نہیں۔''

''گیس بم۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔

''گیس بم...؟''

''ہاں اور رات کو کسی نے کار کی آڑ سے ہم پر گیس بم پھینکا تھا۔ اس کے دھوئیں کی وجہ سے حملہ آور بہ آسانی فرار ہوگئے تھے۔ معاملہ ہر لحظہ پُراسرار ہوتا جارہا ہے۔'' سلیم نے جلدی سے وہ کیس اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کو سلطی کے پاس آنے والے دونوں افراد میں سے ایک احسان کریم تھا؟'' بدر نے حیران ہوکر کہا۔

''ہاں اور میرا خیال ہے ٹھاکر کے آدمیوں نے اسے شناخت کرلیا تھا یا انہیں شبہ ہوگیا تھا۔ صبح تصدیق کرنے کے بعد ٹھاکر کو فون پر اطلاع ملی جو تم سن رہے تھے۔''

''لیکن احسان کریم اور بلیک میلر...؟'' بدر نے سوال کیا۔ سلیم چند لمحے خاموش رہا۔ باہر بارش نے طوفان کی شکل اختیار کرلی تھی۔

''ہاں، سراغرساں خود مجرم نظر آرہا ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''کم از کم وہ اس سازش میں ضرور شریک ہے جو سلطی کو لوٹنے کے لیے کی جارہی ہے لیکن کیا اصل مجرم یہی تھا یا اس کی آڑ میں کوئی اور ہے؟''

''ندیم ارشد...؟'' بدر نے کہا۔ ''اس نے احسان کریم کو کیوں قتل کیا اور اسے احسان کریم کے متعلق کیسے معلوم ہوا تاوقتیکہ وہ خود اس سازش میں شریک نہ ہو اور سلطی سے بہت قریب بھی ہے۔ دونوں صبح ساتھ آئے تھے۔'' بدر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''میرا تو خیال ہے کہ اصل مجرم ندیم ارشد ہی ہے اور شاید رقم نہ ملنے کی بنا پر اس نے احسان کو قتل کردیا۔ احسان کے ساتھی کی لاش تم اٹھا لائے تھے۔ رقم اس کے پاس تھی جو تم نے اپنے قبضے میں کرلی۔ ندیم ارشد اپنا حصہ وصول کرنے آیا ہوگا تو احسان نے بتایا ہوگا کہ رقم غائب ہوگئی۔ ندیم سمجھا ہوگا کہ احسان جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے غصے میں...''

''بہت اچھے جارہے ہو۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ''بظاہر تمہاری تھیوری سمجھ میں آتی ہے لیکن اتنی جلدی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے مجھے دیکھنے دو کہ اس تجوری میں کیا ہے۔ تم جب تک میز کی تلاشی لے ڈالو۔'' سلیم نے جھک کر تجوری کھولنا شروع کی۔ میز کی دراز میں صرف چند کاغذات تھے۔ دفتر کے کرایے نامے کی فائل تھی، بجلی اور فون کے بل تھے۔

''درازوں میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کرایے نامے کے۔'' بدر نے کہا پھر اچانک اسے ایک خیال آیا۔ ''سلطی کے والد کا انتقال کب ہوا تھا سلیم؟''

''تقریباً ایک سال پہلے شاید اکتوبر کا مہینہ تھا... کیوں؟''

''ان کے انتقال سے صرف دو ماہ پہلے احسان کریم نے یہ دفتر کھولا ہے۔'' بدر نے جواب دیا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

ہو سکتا کہ اس کا یہ کاروبار محض نمائشی ہو؟" سلیم نے جواب نہیں دیا۔ وہ تجوری کھول کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں ایک نیلے رنگ کے فولڈر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ سلیم نے اپنا لائٹر جلا کر اندر کے خانوں کی تلاشی لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر فولڈر کو اٹھا کر اسے کھولا۔ اندر بہت سے لفافے رکھے ہوئے تھے سلیم نے انہیں دیکھنا شروع کیا اچانک اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"سلمیٰ کے خطوط... معاملہ واضح ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے تمام خطوط جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

نچلے خانے کو کھولنے کے لیے سلیم نے مختلف کنجیاں آزمانا شروع کیں لیکن فوراً ہی اچھل پڑا۔ دروازے کے سامنے قدموں کی چاپ سنائی دی اور لوگ باتیں کرتے ہوئے دروازے کے سامنے آ کر رکے۔ کسی نے دو مرتبہ زور زور سے دستک دی اور دروازے کے ہینڈل کو گھمایا۔

سلیم اچھل کر کھڑا ہوا، اس نے بدر کو دھکا دے کر دروازے کی بائیں جانب کی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا اور خود دائیں جانب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا، اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر پہنچ گیا۔

دروازے پر کھڑے ہوئے افراد آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے۔

شاید وہ آپس میں مشورہ کر رہے ہیں، بدر نے سوچا۔ باہر بارش پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ کمرا تقریباً تاریک تھا۔ سامنے احسان کریم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سلیم اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس حالت میں پکڑے گئے تو کیا انجام ہوگا۔ بدر نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ "ٹھاکر؟" سلیم نے غصے میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ دروازے کا ہینڈل پھر زور زور سے گھمایا گیا اور کسی نے آہستہ سے دروازے میں لگے ہوئے شیشے پر وار کیا۔ شیشہ ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹا اور ایک ہاتھ اندر داخل ہوا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ زور سے کھلا اور تین افراد تیزی... سے اندر داخل ہوئے۔

"سوئچ تلاش کر کے لائٹ جلاؤ۔" کسی نے بھاری لہجے میں کہا۔

سلیم نے فوراً ہی پہچان لیا۔ آواز انسپکٹر جاوید کی تھی۔ اسی لمحہ سلیم کا ہاتھ بجلی کی سی پھرتی سے گھوما۔ گھونسا اتنا بھرپور تھا کہ انسپکٹر لڑکھڑا کر میز پر جا گرا۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ اس کے ساتھی اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے [illegible]

[illegible] وہ دونوں تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے دوسری منزل پر آ گئے۔ یہاں پہنچ کر سلیم نے لپک کر بدر کا بازو پکڑا اور گھسیٹ کر گیلری میں بنے ہوئے ایک دروازے کی آڑ میں ہو گیا۔

ابھی وہ بہ مشکل سانس درست کر پائے تھے کہ انسپکٹر اور اس کے ساتھی تیزی سے بھاگتے ہوئے نیچے اترے۔ سلیم ایک بار پھر حرکت میں آیا۔ بدر کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ گیلری کے آخری سرے پر آیا۔ سامنے بنی ہوئی کھڑکی کا پٹ کھول کر اس نے باہر دیکھا۔ کھڑکی برابر والی بلڈنگ کے برابر کھلتی تھی اور اس کے چھجے سے دوسری بلڈنگ کی بالکونی تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سلیم بنا کسی تامل کے چھجے پر پہنچ گیا۔

"جلدی کرو کمبخت، ورنہ یہ راستہ بھی بند ہو جائے گا۔" اس نے بدر سے کہا۔

بدر کے چھجے پر پہنچنے کے بعد سلیم نے کھڑکی بند کر دی۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ دوسری بلڈنگ کی بالکونی میں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بدر کو وہاں تک پہنچنے میں مدد دی۔ بالکونی میں تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے زینے تک پہنچے۔ سلیم نے رک کر اپنے چہرے سے بارش کا پانی پونچھا اور آرام سے زینہ اتر کر سڑک پر پہنچے جو بالکل سنسان تھی۔ اگلے موڑ پر پہنچتے ہی ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی انہیں مل گئی۔

"امپیریل ہوٹل چلو۔" سلیم نے ٹیکسی والے سے کہا۔

ہوٹل پہنچنے میں انہیں چند منٹ لگے۔ تمام راستے وہ خاموش بیٹھے رہے۔ ٹیکسی سے اتر کر وہ ڈائننگ ہال میں پہنچے جو اس وقت تقریباً خالی تھا۔ سلیم نے باتھ روم کا رخ کیا۔ ہاتھ منہ دھو کر جب وہ اطمینان سے بیٹھے تو بدر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شکر ہے کہ بچ گئے۔ ورنہ اس وقت قتل کے جرم میں حوالات میں ہوتے۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بال بال بچے ہیں۔" سلیم نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔

کافی کا آرڈر دے کر سلیم نے جیب سے سلمیٰ کے خطوط کا بنڈل نکالا اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے بدر کو دیکھا۔

"استاد، اگر پکڑے جاتے تو یہی خطوط پھانسی کا پھندا بن جاتے۔" بدر نے غصے میں کہا۔ "تم کسی دن مروا دو گے۔"

"لیکن اب یہی خطوط شاید اس پُراسرار معاملے کو حل کرنے کا سبب بن جائیں۔" سلیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "فی [illegible]

[illegible] پہچانا نہ ہو [illegible] میرا خیال ہے وہ ہمارا چہرہ نہیں دیکھ سکا ہوگا۔" بدر نے پریشان ہو کر کہا۔

"خیال تو میرا بھی یہی ہے پیارے لیکن تم انسپکٹر جاوید کو نہیں جانتے۔ بلا کا تیز ہے۔"

☆☆☆

کھانے سے فارغ ہو کر سلیم نے خطوط کا بنڈل نکالا اور اسے پڑھنے لگا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے وہ تمام خطوط جیب میں ڈال لیے۔

"کیا بات ہے؟" بدر نے پوچھا۔

"ساری محنت بے کار گئی۔ ان خطوط میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سلمیٰ نے وقتاً فوقتاً احسان کریم کو خط لکھ کر کسی معاملے کی تحقیقات کے بارے میں پوچھا ہے یا پھر بل کی ادائیگی کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احسان اس کی ہدایت پر تحقیقات کر رہا تھا لیکن ان خطوط سے یہ نہیں پتا چلا کہ کس بارے میں۔"

"میں احسان کریم کے دفتر کا کرایہ نامہ لیتا آیا ہوں۔" بدر نے جیب سے کاغذ نکال کر کہا۔ "اس سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے صرف تیرہ ماہ قبل یہ دفتر کھولا ہے۔"

"صرف تیرہ ماہ؟" سلیم نے اچانک کہا۔ "ذرا ٹھہرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ سلمیٰ کے والد کی موت سے صرف دو ماہ قبل اور سلمیٰ نے اس کے باوجود کسی مسئلے کی تحقیقات پر احسان کریم کو مامور کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے احسان کریم کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ کس نے دیا؟"

"اور احسان کریم، سلمیٰ سے بھاری رقوم کیوں وصول کر رہا ہے؟" بدر نے یاد دلایا۔

"ہاں گیس بم کی برآمد سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ احسان کریم اسے لوٹنے والوں میں شامل ہے۔" سلیم نے اعتراف کیا۔

"اگر احسان کریم نے سلمیٰ کے باپ کی موت سے صرف دو ماہ پہلے اپنا دفتر کھولا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسے یہ علم رہا ہو کہ سلمیٰ کے والد کسی حادثے کا شکار ہونے والے ہیں؟" بدر نے اچانک پوچھا۔ سلیم نے حیرت زدہ ہو کر بدر کو دیکھا۔

"بہ خدا تم نے بڑی اہم بات سوچی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ سلمیٰ کے والد کو کسی سازش کے تحت قتل کیا گیا ہو؟"

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ ایک حادثے کا شکار ہوئے تھے؟"

"ہاں، وہ کار کے حادثے میں ہلاک ہوئے تھے۔" سلیم نے کہا۔ "اور کار ان کا سیکریٹری محمود ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ خود بھی شدید زخمی ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ یا پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"یہ محمود کون ہے؟"

"اس کے متعلق مجھے زیادہ نہیں معلوم لیکن مرحوم سعید اختر نے اس کے نام پچاس ہزار کی رقم چھوڑی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس پر بڑا اعتماد تھا۔" سلیم نے کہا۔ "لیکن ٹھہرو... ایک خط میں سلمیٰ نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔" سلیم نے جیب سے خطوط نکال کر ایک خط باہر نکالا۔ "یہ رہا، سلمیٰ نے لکھا ہے کہ "جہاں تک محمود کا تعلق ہے میں نے ڈیڈی کی موت کے بعد اس کی شکل نہیں دیکھی اور نہ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ پولیس نے اس پر کسی شبے کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن میں یہ بھی فراموش نہیں کر سکتی کہ حادثے کے وقت کار وہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسی لیے میں اس سے ملنا بھی نہیں چاہتی اور میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ایک خط کے ذریعے اس پر واضح کر دیا ہے۔"

"لیکن اس سے تو کچھ واضح نہیں ہوتا۔" بدر نے کہا۔

"فکر نہ کرو، آج میں بہت کچھ معلوم کر لوں گا۔" سلیم نے جواب دیا۔ "آؤ ہم آج کی رات ضائع نہیں کریں گے۔"

"لیکن اب کہاں کا ارادہ ہے؟"

"پہلے رحمان کورٹ چلیں گے جہاں ہمیں آج رات گزارنی ہے۔ اس کے بعد ہمیں سلمیٰ کو پانچ لاکھ روپے کی امانت واپس کرنی ہے۔"

جب وہ رحمان کورٹ پہنچے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے سلیم نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا اور بدر کو روک کر کہا۔

"آنکھیں کھلی رکھنا سمجھیں۔"

دونوں بارش کی وجہ سے فٹ پاتھ کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔ ٹیکسی انہوں نے کچھ فاصلے پر چھوڑ دی تھی۔ سلمیٰ لاج کے قریب پہنچ کر انہوں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ سلمیٰ کی خواب گاہ میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ بہت خاموشی سے آگے بڑھتے رہے لیکن رحمان کورٹ کے پاس پہنچ کر اچانک سلیم نے بدر کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

"کیا بات ہے؟" بدر نے آہستہ سے پوچھا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

''کوئی ہمارے دروازے پر موجود ہے۔ پورچ کے نیچے۔'' اس نے پستول نکالتے ہوئے کہا۔

بدر نے غور سے اندھیرے میں دیکھا۔ سلیم کا خیال صحیح تھا، کوئی رحمان کورٹ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بدر نے بھی اپنا پستول نکال لیا۔ سلیم اور بدر دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ سناٹے میں دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز ابھری۔

''کسی نے دروازہ کھول لیا ہے۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔ ''سنو۔'' کوشش کے باوجود کچھ دیر تک بدر کچھ نہ سن سکا پھر اچانک سناٹے میں کسی نے آہستہ سے پکارا۔

''محمود، محمود....'' آواز سلمیٰ کی تھی۔ وہ حیرت زدہ ہو کر تاریکی میں گھورنے لگے۔

سلیم پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا، اس کی ٹارچ کی روشنی اچانک سلمیٰ کے خوفزدہ چہرے پر پڑی۔ وہ دروازے کے اندر جھانک رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ بدحواس ہوکر سلمیٰ لاج کے گیٹ کی طرف بھاگی۔

''اسے جانے دو۔'' سلیم نے دروازے کی سمت بھاگتے ہوئے کہا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے پیر سے دھکا مار کر دروازہ کھولا اور ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

دوسرے ہی لمحے سلیم زور سے اچھلا، کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ بدر گھبرا کر آگے بڑھا تو اس نے کسی عقاب.... کو پھڑپھڑا کر فضا میں غائب ہوتے دیکھا۔ سلیم نے لپک کر ٹارچ اٹھائی اور دوسرے ہی لمحے وہ رحمان کورٹ کے ہال میں تھے۔ سلیم کی ٹارچ اچانک فرش پر پڑے ہوئے ایک جسم پر رک گئی۔

''لائٹ آن کرو بدر۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''اور دروازہ بند کر دو۔'' روشنی ہوتے ہی بدر نے فرش پر پڑے ہوئے شخص کو فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی پُراسرار اجنبی تھا جسے رات کو سلیم نے ہتھکڑیاں پہنائی تھیں لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بدر کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

فرش پر پڑے ہوئے شخص کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''کیا یہ....؟'' بدر نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں یہ مرچکا ہے۔'' سلیم نے آہستہ سے کہا۔

☆☆☆

''زہریلے پنجے۔'' بدر نے غصے سے کہا۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

ہاں، اس بدنصیب کو نہیں معلوم تھا کہ کمرے کے اندر موت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ ٹھاکر نے عقاب کے پنجوں میں کوئی زود اثر زہر لگا کر کمرے میں چھوڑ دیا تھا تاکہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوں، وہ حملہ کر دے۔ یہ انتظام ہمارے لیے کیا گیا تھا اور یہ صرف ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ غریب ہم سے پہلے کمرے میں داخل ہوگیا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ جیسے ہی میں نے ٹارچ جلائی وہ مجھ پر بھی جھپٹا تھا۔ وہ تو میں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لیا۔'' سلیم نے کہا۔ ''خیریت یہ ہوئی کہ سلمیٰ ہم سے پہلے کمرے میں داخل نہیں ہوئی۔''

''خدا کی پناہ۔ وہ درندہ ہے.... درندہ....'' بدر نے غصے میں مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

''شکر کرو یہ بدقسمت ہم سے پہلے اندر آ گیا تھا ورنہ اس کے بجائے ہماری لاش پڑی ہوتی۔'' سلیم نے کہا۔

''لیکن سلمیٰ یہاں کیا کر رہی تھی؟'' بدر نے جھنجلا کر پوچھا۔

''اوہو، بڑی فکر ہے جناب کو؟'' سلیم نے کہا۔

''کمال ہے، اگر وہ مر جاتی تو؟''

''آہ کتنی گہری محبت ہے مجھے پتا ہی نہیں تھا۔''

''تمہیں مذاق سوجھا ہے اس وقت بھی؟''

''چلو تمہیں تکلیف ہوئی ہے تو کچھ نہیں کہوں گا۔'' سلیم نے کہا۔ ''ویسے میں جانتا ہوں کہ سلمیٰ یہاں کیوں آئی تھی۔'' سلیم نے کہا۔ ''اور میں اس کی تصدیق بھی کر لیتا لیکن اس وقت سلمیٰ سے ملنا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ وہ بے حد خوفزدہ ہوگی اور شاید کچھ نہیں بتائے گی۔''

''اب اس کا کیا کرو گے؟'' بدر نے فرش پر پڑی ہوئی لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

''دو راتوں سے ہمارے حصے میں صرف لاشیں ہی آ رہی ہیں اور ہم ان کا ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ اگر انسپکٹر جاوید یہاں پہنچ گیا اور اس نے لاش برآمد کر لی تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔''

''تم سے خدا سمجھے۔ کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔'' بدر نے جز بز ہوکے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سلیم نے درویشوں کی طرح کہا۔ ''مجھے ان لاشوں کا بندوبست کرنا ہے تم یہیں ٹھہرو، میں فون کر کے آتا ہوں۔''

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک بند کار رحمان کورٹ کے سامنے [illegible] دو لاشیں تھیں۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ بالائی منزل پر پہنچے جہاں سلیم نے دو بیڈ روم فرش کر رکھے تھے۔ بدر اتنا تھکا ہوا تھا کہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرا تاریک تھا اور کوئی اس کے شانے ہلا رہا تھا۔ بدر اچھل کر بیٹھ گیا۔

''کک....کون ہے؟''

''شش۔ اس طرح چیخنے کی ضرورت نہیں، میں ہوں۔ ٹھاکر نہیں آ گیا۔'' سلیم نے ہنس کر کہا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' بدر جھنجلا کر بولا۔ ''اب کیا ہو گیا؟''

''آؤ دکھاتا ہوں تمہیں۔'' اس نے دریچے کے پاس سے آواز دی۔

بدر اٹھ کر اس کے پاس پہنچا تو اس نے رحمان کورٹ کے بالکل سامنے ایک کار کو کھڑے دیکھا جس میں تین افراد موجود تھے اور ان کی نگاہیں رحمان کورٹ پر مرکوز تھیں۔ اس نے کار فوراً پہچان لی۔

''ٹھاکر۔'' بدر نے سرگوشی کی۔

''ہاں، وہ یہ اطمینان کرنے آئے ہیں کہ تم جہنم رسید ہوئے یا نہیں۔''

''جہنم رسید وہ خود ہوں گے۔'' بدر نے غصے سے جواب دیا۔

''وہ اپنے عقاب کے زہریلے پنجوں کا کارنامہ دیکھنے آئے ہیں۔ آؤ ہم ان کی تسلی کر دیں۔'' سلیم نے آگے بڑھ کر لائٹ جلا دی اور روشنی میں بدر کے ساتھ دریچے میں کھڑا ہو گیا۔

کار میں بیٹھے ہوئے افراد نے چونک کر ان کی سمت دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے کار اسٹارٹ ہوئی اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

''بے چاروں کو بڑی مایوسی ہوئی۔'' بدر نے کہا۔

''ہاں انہیں معلوم نہ تھا کہ ہم اتنے سخت جان ہیں۔''

صبح ہوتے ہی سلیم نے پھر بدر کو جگا دیا۔

''اب کیا مصیبت آئی ہے؟'' اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

''آئی تو نہیں، آنے والی ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''اب اٹھو بھی نو بج رہے ہیں۔''

''یار میں انسان ہوں، گدھا نہیں۔'' بدر چلایا۔

''میں نے کبھی غور نہیں کیا۔'' سلیم نے بے پروائی سے کہا۔ ''جلدی سے اٹھ جاؤ۔''

''لعنت ہے ایسی زندگی پر۔'' بدر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم تو سونے بھی نہیں دیتے۔ اب کہاں چلنا ہے؟'' سلیم نے لفافہ اس کے سامنے کر دیا جس پر کیپٹن ابرار احمد۔ 37 ناور اسٹریٹ کا پتا تحریر تھا۔ لفافہ خالی تھا۔

''میں اس لفافے کا کیا کروں؟''

''اس کو چاٹ کر ناشتا کر لو۔'' سلیم نے جھنجلا کر کہا۔ ''یار تم بستر تو چھوڑو، ہمیں اس پتے پر چلنا ہے۔''

''خوب.... لیکن وہاں جاکر ہم کیا کریں گے؟''

''جھک ماریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ابھی تیار ہو جاتا ہوں۔'' بدر نے اس طرح کہا جیسے وہ جھک مارنے کا عادی ہو۔

بدر نے جلدی سے غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے تیار ہو گیا۔

''یہ لفافہ؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''یہ لفافہ مجھے اس بدنصیب کی جیب سے ملا تھا جو زہریلے پنجے کا شکار ہو گیا۔''

''اوہ تو اس کا نام ابرار احمد ہے؟''

''خیال تو یہی ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''اور اب یہ بھی سمجھ میں آ تا جا رہا ہے کہ سلمیٰ رات کو محمود.... محمود کیوں پکار رہی تھی۔''

''میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا ہے۔'' بدر نے کہا۔

''اندر پہنچ ہو تو سمجھ میں بھی آئے۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے سلمیٰ نے اپنے دریچے سے محمود کو ہمارے مکان میں آتے دیکھا ہوگا۔''

''کیا مطلب.... کیا رات مرنے والا شخص محمود تھا۔'' بدر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''نہیں، بظاہر تو وہ کیپٹن ابرار احمد تھا۔'' سلیم نے کہا۔ ''میں کل کی نہیں ایک رات پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ تمہیں یاد ہے وہ شخص جو ہتھکڑیوں کے باوجود بھاگ گیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ یقیناً اس کا کوئی اور ساتھی بھی مکان میں چھپا ہو گا؟''

''ہاں مجھے یاد ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ اس رات دوسرا شخص جسے ہم نہیں دیکھ سکے، محمود ہی ہوگا اور شاید وہ رحمان کورٹ کے عقبی راستے سے فرار ہوا ہوگا۔ سلمیٰ نے یقیناً اسے فرار ہوتے ہوئے اور رات کو اسے کیپٹن ابرار کے ساتھ دوبارہ رحمان کورٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اسی لیے وہ محمود کو آواز دے رہی تھی۔''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

''چلیں، مان لیا کہ یہ صحیح ہے لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ جسے ہم کیپٹن ابرار سمجھ رہے ہیں، وہ محمود نہیں ہے؟''

''اس لیے کہ محمود نوجوان آدمی ہے۔ میں نے سعید اختر کی موت پر اس کی تصویر اخبار میں دیکھی تھی اور کیپٹن ابرار احمد ادھیڑ عمر تھا۔''

''پھر ہم ابرار احمد کے پتے پر کیوں جا رہے ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق شاید محمود سے ہے۔''

''ہوں... چلیں... میں آپ کو کچھ دیر کے لیے شرلاک ہومز تسلیم کرلوں گا۔''

☆☆☆

37۔ ناور اسٹریٹ ایک پرانی طرز کا دو منزلہ بنگلا تھا۔ جب وہ گیٹ کھول کر احاطے میں داخل ہوئے تو بظاہر وہاں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ چند لمحوں تک وہ ادھر ادھر کا جائزہ لیتے رہے پھر سلیم دروازے کی طرف بڑھا۔

''آؤ... دیکھتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

دستک دینے پر ایک بوڑھے ملازم نے دروازہ کھولا۔

''کیپٹن ابرار موجود ہیں؟'' سلیم نے پوچھا۔

''نہیں صاحب، وہ رات کو آئے ہی نہیں۔''

''اچھا تو کیا ان کے دوست موجود ہیں؟'' سلیم نے پوچھا۔ بدر نے حیرت سے اسے دیکھا حالانکہ سلیم نے اندھیرے میں تیر مارا تھا۔

''آپ محمود صاحب کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟'' ملازم نے پوچھا۔

''ہاں... ہاں... میں ان کا دوست ہوں۔'' سلیم نے خوش ہو کر کہا۔

''جی ہاں، وہ تو موجود ہیں۔'' ملازم نے کہا۔ ''اوپر اپنے کمرے میں ہیں۔''

سلیم بغیر انتظار کیے اندر داخل ہو گیا۔ زینے طے کر کے وہ اوپر پہنچے۔ بدر کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سلیم نے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

''کون ہے، آ جاؤ۔'' اندر سے کسی نے کہا۔

وہ دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ میز پر بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے اپنا قلم میز پر رکھ کر پستول اٹھالیا۔

''دروازہ بند کر دو۔'' اس نے دونوں کو زد میں لیتے ہوئے کہا۔ سلیم اطمینان سے آگے بڑھا۔

''مسٹر محمود...؟''

''ہاں مجھے محمود کہتے ہیں۔'' [illegible]

[illegible] ہاتھ جیب سے دور رکھو ورنہ میرا نشانہ بے خطا ہے۔'' سلیم کرسی گھسیٹ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ بدر نے بھی اس کی تقلید کی۔ چند لمحوں تک وہ محمود کو گھورتا رہا پھر مسکرا دیا۔

''اتنا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تمہیں یہ کیسے معلوم کہ میں یہاں ہوں؟''

''کیپٹن ابرار نے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔'' سلیم نے کہا۔

''ابرار نے؟'' محمود نے چونک کر کہا اور اسی لمحے سلیم نے اچانک میز کو زوردار دھکا دیا۔ محمود کی کرسی الٹی اور گرنے سے بچنے کے لیے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا پستول سلیم کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ بدر حیران رہ گیا۔

''اب خاموشی سے اٹھو اور ادھر بیٹھ جاؤ۔'' سلیم نے بڑے سفاکانہ لہجے میں حکم دیا۔ محمود کے پاس تعمیل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''میں تمہیں پہچان گیا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم... تم رحمان کورٹ کے نئے کرایے دار ہو۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''تم نے... تم نے وہ زہریلے پنجوں والا پرندہ ہال میں بند کیا تھا جس نے ابرار کو ہلاک کر دیا۔ میں خوش قسمت تھا جو بچ گیا۔ تم قاتل ہو... تم سلمٰی کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو۔ میں تمہیں...''

''خبردار جو اپنی جگہ سے جنبش کی۔'' سلیم نے پستول کی نال بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا خیال غلط ہے محمود۔ وہ زہریلا پرندہ کسی نے ہمارے لیے ہال میں بند کیا تھا۔ یہ صرف تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم دونوں ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔''

''تمہارا خیال ہے، میں یقین کر لوں گا؟'' محمود نے نفرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''ہمیں اس کی پروا نہیں لیکن تم یہ بتاؤ کہ تمہیں سلمٰی کی نگرانی کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''مجھے کیا ضرورت ہے؟''

''پھر تم نے رحمان کورٹ کرایے پر لینے کی کوشش کیوں کی... اور رات کو وہاں سے سلمٰی کی حرکتوں پر کیوں نظر رکھ رہے تھے؟'' سلیم نے ترش لہجے میں پوچھا۔

''میں اس سے محبت کرتا ہوں۔'' محمود نے آہستہ سے

ہوئی کہ حادثے میں، میں خود بھی شدید زخمی ہوا تھا ورنہ شاید مجھ پر بھی قتل کا شبہ کرلیا جاتا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''ندیم نے سلمٰی کو اس طرح مجھ سے بدظن کیا کہ سعید صاحب کی موت کے بعد اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ ندیم نے اسے یقین دلایا کہ میں نے دانستہ حادثے کی سازش کی تھی تاکہ سعید صاحب کی دولت پر قبضہ کرسکوں۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر سلمٰی سے تعلقات استوار کر لیے اور اب وہ اس پر اندھا اعتماد کرتی ہے پھر وہ خاصا خوبصورت بھی ہے اور لڑکیوں کو رام کرنے کا ماہر بھی۔''

''اس کے باوجود کہ سعید صاحب نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ سلمٰی اس پر اعتماد کرتی ہے؟''

''اوہ، تم ندیم ارشد کو نہیں جانتے۔ وہ بے حد مکار ہے۔ اس نے سلمٰی پر جادو کر دیا ہے اور اس نے سعید صاحب کو انتقاماً قتل نہیں کیا ہے۔ وہ سلمٰی سے شادی کر کے اصل انتقام لینا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہر لمحے اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے۔''

''تم نے ان پراسرار لوگوں کے متعلق کب پتا لگایا جو

[illegible] رہ گیا۔ [illegible] وہ [illegible] رہا ہے۔

''اور ہم بھی سلمٰی کے دوست ہیں محمود۔'' سلیم نے جواب دیا۔ ''تم یقین کرو کہ ہم اس کے خیرخواہ ہیں۔ ہمیں جب یہ اندازہ ہوا کہ اس کے خلاف کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے تو ہم نے اسے ناکام بنانے کا تہیہ کرلیا۔ صرف اسی لیے ہم نے رحمان کورٹ میں رہائش اختیار کی ہے۔'' محمود چند لمحوں تک انہیں گھورتا رہا۔

''لیکن تم لوگ کون ہو؟''

''ہم... ہم خدائی فوجدار ہیں۔'' سلیم نے ہنس کر کہا۔ ''لیکن نہ ہم قتل کرتے ہیں نہ کسی بے سہارا لڑکی کو لوٹتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں جو شرافت کی نقاب اوڑھ کر گھناؤنے جرم کرتے ہیں۔''

محمود نے کچھ دیر رک کر انہیں دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔ ''نہ جانے کیوں تم پر یقین کرنے کو دل چاہتا ہے؟''

''اس لیے کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ اگر تم ہم سے تعاون کرو تو ہم سلمٰی کو اس سازش سے بچا سکتے ہیں۔ کوئی بدمعاش اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے اور میرا خیال ہے ہم دونوں اس کا نام جانتے ہیں۔''

''ندیم ارشد۔'' محمود نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''لیکن تم ثابت کیسے کرو گے؟''

''ہاں، یہی تو مشکل ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سارا ڈراما اسی کا رچایا ہوا ہے۔'' محمود غصے کے عالم میں ٹہلنے لگا۔

''وہ سلمٰی کا تایازاد بھائی ہے اور سعید اختر صاحب نے اسے بچپن سے ہی گود لے لیا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سال قبل ان میں شدید جھگڑا ہوا تھا اور خان صاحب نے اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ انہوں نے اسے کچھ رقم دے کر یہ کہہ دیا تھا کہ وہ انہیں اپنی شکل دوبارہ نہ دکھائے۔ انہوں نے وصیت نامے میں بھی تبدیلی کر دی تھی اور ندیم کو ہر چیز سے محروم کر دیا تھا۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن یقین ہے کہ خان صاحب کی موت کا بھی وہی ذمے دار ہے۔ اس نے کسی طرح کار میں کچھ گڑبڑ کر دی تھی جس سے یہ حادثہ ہوا... میں جانتا ہوں کہ یہ حادثہ اتفاقیہ نہیں تھا۔''

''لیکن کیوں...؟'' سلیم نے پوچھا۔

''اس لیے کہ سعید اختر صاحب مجھ سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتے تھے۔ وہ مجھ پر بے حد مہربان تھے اور یہ بات ان کی وصیت سے ثابت ہوئی ہے لیکن وہ تو خیریت

Monthly Digest
مکتبہ اہلاً و سہلاً
Sole Distributor
SUSPENSE
سسپنس
SARGUZASHT
سرگزشت
PAKEEZA
پاکیزہ
JASOOSI
جاسوسی
ویلکم بک شاپ
WELCOME BOOK SHOP
P.O.Box 27869
Karama, Dubai
Tel: 04-3961016
Fax: 04-3961015
Mobile: 050-6245817
E-mail: welbooks@emirates.net.ae
JD Group of Publications

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"۔۔۔لیکن صرف چند روز قبل۔" محمود نے جواب دیا۔ "میں رحمان کورٹ میں چھپ کر سلمٰی کی نگرانی کرتا رہا۔ اس رات جب مجھے معلوم ہوا کہ کوئی اور بھی میری طرح سلمٰی کے معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے تو میں نے اس مکان کو کرائے پر حاصل کرنا چاہا لیکن تم سبقت لے گئے۔" اس نے سلیم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ جو لوگ سلمٰی کو دھمکی دے کر اس سے رقم وصول کر رہے ہیں ان کا تعلق بھی ندیم سے ہی ہے۔ اسکی گھناؤنی سازش کوئی اور نہیں کر سکتا لیکن میں انہیں ایسا سبق دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

"ہم اس سلسلے میں تمہارے ساتھ ہیں محمود۔" سلیم نے اسے یقین دلایا۔ "تم نے اچھا کیا کہ ہمیں حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ تم نے احسان کریم کا نام سنا ہے؟"

محمود نے اسے حیرت سے گھورا۔ "احسان کریم... نہیں تو۔"

"وہ ایک ریٹائرڈ پولیس آفیسر تھا جس نے ایک انویسٹی گیشن ایجنسی کھولی ہوئی تھی۔ کل سہ پہر ندیم ارشد نے اسے قتل کر دیا۔"

"کیا...؟" محمود اچھل پڑا۔

"احسان کریم بھی ندیم کا شریک کار تھا اور وہ ان لوگوں کے ساتھ تھا جو سلمٰی کو لوٹ رہے ہیں لیکن ندیم چاہتا کیا ہے؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"اور ہمیں بھی اب تک اس سازش کا مقصد نہیں معلوم ہو سکا ہے۔" سلیم نے بتایا۔ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ندیم نے احسان کریم کو قتل کیا ہے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسے پھنسانے کا صرف ایک طریقہ ہے۔"

محمود اب بڑی دلچسپی سے سلیم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو لیکن تم جو کچھ بھی کہہ رہے ہو وہ حقیقت پر مبنی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم واقعی سلمٰی کے خیر خواہ ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم ندیم ارشد کا جرم ثابت کر دو تو میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں... تم جو کہو گے میں کروں گا۔" سلیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہمیں اسے پھانسنے کے لیے جال بچھانا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ کیا تمہارے پاس فون ہے؟"

"ہاں۔" محمود نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"تب ... [illegible] ... گھنٹے کے اندر اندر تم سے رابطہ کروں گا۔ ... اس دوران میں یہاں موجود رہنا۔ ذرا اپنا نمبر تو بتاؤ۔"

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟" محمود نے اسے کاغذ پر اپنا نمبر لکھ کر دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، فی الحال تمہارا ساتھ چلنا مناسب نہیں ہو گا۔ بعد میں شاید میں خود تمہیں بلا لوں۔" سلیم نے جواب دیا۔

"میں بے چینی سے انتظار کروں گا۔" محمود نے کہا۔ اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔ سلیم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ بدر بڑے تحمل کے ساتھ یہ گفتگو سن رہا تھا۔ سلیم جیسے ہی باہر نکلا اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔" سلیم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

کچھ دور چل کر انہیں ٹیکسی مل گئی۔ سلیم دانستہ اپنی کار استعمال نہیں کر رہا تھا۔

"سیدھے چلتے رہو۔" سلیم نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی۔ کچھ دیر بعد اس نے اطمینان سے سگریٹ جلا کر کش لیا اور بدر کی طرف دیکھا۔

"ذرا احتیاط سے۔ پیچھے دیکھو۔ یہ کار جو تعاقب میں آ رہی ہے، اس کے ڈرائیور کو پہچانتے ہو؟"

بدر نے گھوم کر دیکھا۔ تعاقب میں آنے والی کار کو ندیم ارشد ڈرائیو کر رہا تھا۔

☆☆☆

کافی دیر تک وہ بلا مقصد ادھر سے اُدھر گھومتے رہے۔ راستے میں ایک جگہ سلیم نے اچانک ٹیکسی رکوائی اور وہ دونوں ایک کیفے میں داخل ہو گئے۔ کافی پینے کے بعد اس نے بل ادا کیا۔ پھر کیفے کے عقبی دروازے سے دوسری سڑک پر نکل کر وہ کیپٹل مارکیٹ میں داخل ہوئے۔ مارکیٹ سے گزرتے ہوئے جب وہ مین روڈ پر آئے تو اس نے دوسری ٹیکسی روکی۔

"کشمیر روڈ۔" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

اس مرتبہ ان کا تعاقب نہیں ہو رہا تھا۔ رحمان کورٹ کے پاس وہ ٹیکسی سے اترے تو بدر کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کا رخ سلمٰی لاج کی طرف تھا۔ بدر جانتا تھا کہ جب سلیم کوئی پلان بنا لیتا ہے تو اسے ظاہر کیے بغیر تیزی سے اس پر عمل کرتا ہے اس لیے وہ خاموش رہا۔ ان کی گھنٹی کے جواب میں بوڑھے خانساماں نے دروازہ کھولا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

Registered with CBR
Govt. of Pakistan
MoB: 0300-2219514,0344-2609828
Tel: 021-34519074
SMS
75080

digestpk.blogspot.com

’’مس سلمیٰ ہیں؟‘‘

’’جی ہاں۔‘‘

’’ان سے کہو کہ رحمان کورٹ کے نئے کرایے دار ملنے آئے ہیں۔ ہمیں بہت ضروری کام ہے۔‘‘ اس نے خانساماں کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

’’اندر آ جائیں صاحب، میں سلمیٰ بی بی کو اطلاع کرتا ہوں۔‘‘ ملازم نے انہیں ایک خوبصورت سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود زینے طے کر کے اوپر چلا گیا۔ مشکل سے دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ وہ واپس آ گیا۔

’’تشریف لائیے۔‘‘ اس نے انہیں اوپر آنے کا اشارہ کیا۔

گھر میں مکمل سناٹا طاری تھا۔ وہ زینے طے کر کے اوپر پہنچے۔ خانساماں نے دروازے پر دستک دی۔

’’آ جائیے۔‘‘ سلمیٰ کی مترنم آواز سنائی دی۔ وہ سلمیٰ کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہی کمرا تھا جس میں انہوں نے انسپکٹر جاوید کو سلمیٰ سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔

سلمیٰ ان کی طرف..... پشت کیے دریچے کے پاس کھڑی تھی۔ خانساماں انہیں اندر چھوڑ کر چلا گیا تو وہ ان کی سمت گھومی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

’’فرمائیے آپ نے کیسے زحمت کی؟‘‘ سلمیٰ نے سرد لہجے میں پوچھا۔ سلیم مسکرا دیا، وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

’’مس سلمیٰ ہم آپ کے نئے پڑوسی ہیں۔‘‘ اس نے کہا۔ ’’رات آپ رحمان کورٹ تشریف لائی تھیں۔ ہم نے سوچا کہ...‘‘ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ سلمیٰ کا چہرہ اچانک فق ہو گیا۔

’’میں... میں... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔‘‘

’’آپ رات کو رحمان کورٹ نہیں آئی تھیں؟‘‘ سلیم نے پھر پوچھا۔

’’جی نہیں۔‘‘ سلمیٰ نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

’’اچھا۔‘‘ سلیم نے کہا اور اچانک ہی ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی تصویر کا فریم اٹھا لیا جس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ سلیم بہت غور سے سعید اختر مرحوم کی تصویر کو دیکھنے لگا۔

’’آپ اس تصویر کو اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟‘‘ سلمیٰ نے بے چینی سے پوچھا۔

’’میں سوچ رہا ہوں...‘‘ سلیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ’’کہ کیا یہ حقیقت ہے۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔‘‘

سلمیٰ نے صوفے کو اس طرح پکڑ لیا جیسے اس کے لیے کھڑا [illegible] رہنا مشکل ہو رہا ہو۔

’’آپ کا مطلب کیا ہے؟‘‘

’’میرا خیال ہے آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی ہیں مس سلمیٰ۔‘‘ سلیم نے آہستہ سے پُراسرار انداز میں جواب دیا۔ سلمیٰ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

’’تم... تم... کون ہو؟‘‘ اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

’’آپ ہمیں اپنا دوست اور ہمدرد تصور کر سکتی ہیں۔‘‘ سلیم نے جواب دیا۔ ’’ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں مس سلمیٰ۔ بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں سب کچھ بتا دیں۔‘‘ سلیم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے تک وہ سلیم کی آنکھوں میں دیکھتی رہی جیسے حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہو پھر اس کی نظریں جھک گئیں اور ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

’’آپ نہیں بتانا چاہتی تو میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ آپ کی مرضی ہے۔‘‘ سلیم نے کہا۔ ’’لیکن ہمیں سب کچھ معلوم ہے مس سلمیٰ... ہم جانتے ہیں کہ آپ کے والد کا انتقال کیسے ہوا اور آپ کیوں رات کی تاریکی میں لاکھوں روپے کی رقم ان لوگوں کو ادا کر رہی ہیں جو آپ کے پاس چوروں کی طرح آتے ہیں۔‘‘ سلمیٰ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں لیکن وہ پھر بھی خاموش رہی۔

’’آپ ہمیں نہیں جانتی ہیں اس لیے اعتماد نہیں کر رہی ہیں۔‘‘ سلیم نے پھر کہا۔ ’’یہ قدرتی بات ہے لیکن آج رات آپ ہمیں سب کچھ بتا دیں گی اور آپ اس بات پر شکر ادا کریں گی کہ ہم نے اس معاملے میں مداخلت کی۔ یہ میرا وعدہ ہے مس سلمیٰ اور آج رات ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔‘‘

وہ ایک لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر دروازے کی سمت بڑھ گیا۔ خاموشی سے اتر کر نیچے آ گئے۔ دروازے سے باہر نکل کر وہ رحمان کورٹ کی طرف چند قدم ہی چلے تھے کہ اچانک سلیم نے بدر کا بازو پکڑ کر گھسیٹا اور چلایا۔

’’لیٹ جاؤ۔‘‘ بدر نے کسی قریب آتی ہوئی کار کی آواز سنی اور فوراً ہی فٹ پاتھ پر سلیم کے ساتھ گر پڑا۔ گولیاں ان کے سر پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئیں۔ حملہ آوروں کی کار اپنی فائرنگ کا انجام دیکھنے کے لیے نہیں رکی۔ گولیاں سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے چلائی گئی تھیں۔

جب وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے تو بدر کے پیر کانپ رہے

’’ہم [illegible]‘‘ سلیم نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

’’جی ہاں... اور اگر وہ ابھی ہمارا جسم چھلنی کر گئے ہوتے تو کون بدحواس ہوتا؟‘‘ بدر نے غصے سے کہا۔

’’صبر... صبر... میرے دوست۔‘‘ سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ’’ان کی بدحواسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کسی حد تک خوفزدہ ہو چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آج رات وہ ہمارے جال میں آسانی سے پھنس جائیں گے۔‘‘

’’فی الحال تو ہم ان کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔‘‘

’’نہیں پیارے، ہم ان کے جال کو توڑ کر باہر نکل چکے ہیں، آؤ۔‘‘ اب ان کا رخ رحمان کورٹ کی طرف نہیں تھا۔ انہوں نے اطمینان سے ہوٹل میں لنچ کیا اور ہاسٹل میں جا کر سو گئے۔

☆☆☆

جب وہ کھانا کھا کر رحمان کورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔

رحمان کورٹ کے عقب میں ایک بالکل سنسان گلی تھی جس میں تمام کوٹھیوں کے عقبی دروازے کھلتے تھے۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر ایک پائیں باغ تھا۔ جس کے بعد اصل عمارت شروع ہوتی تھی۔ یہ تمام پرانے طرز کی بنی ہوئی کوٹھیاں تھیں جن میں شہر کے متمول گھرانے آباد تھے۔ سلیم اور بدر کے ساتھ اب محمود بھی تھا جسے اس نے فون کر کے بلا لیا تھا۔

سلیم بڑی خاموشی اور احتیاط سے قدم رکھتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے دونوں کو ہدایت کر دی تھی کہ ذرا بھی آہٹ نہ ہونے دے۔ اپنی ننھی ٹارچ کی مدد سے وہ زینے طے کر کے بالائی منزل پر پہنچے۔ بدر نے تاریکی میں ٹھوکر کھائی۔

’’ہشت، آواز بالکل نہیں۔‘‘

’’کیا مصیبت ہے اندھیرے میں صرف تمہیں نظر آتا ہے مجھے نہیں۔‘‘ بدر نے جھلا کر کہا۔

’’گھبراؤ نہیں ڈیئر، آج فیصلہ ہو جائے گا۔‘‘ سلیم نے مسکرا کے کہا۔

’’آپ آخر کچھ بتاتے کیوں نہیں؟‘‘ محمود نے پوچھا۔ ’’کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟‘‘

’’بس یہ سمجھ لو کہ آج صیاد خود اپنے دام میں گرفتار ہونے والا ہے۔‘‘ سلیم نے کہا۔

’’اور اس صیاد کا نام سلیم ہے جس نے دو شریف آدمیوں کو بے وقوف بنا کر اپنے دام میں گرفتار کر رکھا ہے۔‘‘ بدر نے جھنجلا کر کہا۔ سلیم آہستہ سے ہنسا۔

’’تم بھی محمود کی طرح بے تاب ہو رہے ہو۔‘‘

’’جی نہیں میں تو وہ احمق ہوں جو آنکھ بند کر کے جناب کی پیروی کرتا رہتا ہے۔‘‘

’’اگر آنکھ بند کر کے کرتے ہو تو پھر یقیناً احمق ہو۔‘‘ سلیم نے کہا۔

وہ تاریکی میں ٹٹولتے ہوئے بالائی منزل کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ پردے بھی کھلے ہوئے تھے اس لیے سڑک کی روشنی ہلکی ہلکی اندر آ رہی تھی۔ سلیم آہستہ سے قدم رکھتا ہوا دریچے کے پاس پہنچا اور باہر جھانکنے لگا۔ سلمیٰ کی خواب گاہ میں روشنی ہو رہی تھی۔

’’وہ اب تک جاگ رہی ہے۔‘‘ سلیم نے آہستہ سے کہا۔ محمود اور بدر بھی اس کے برابر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے دل کسی انجانے واقعے کے انتظار میں زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

’’آخر کرنا کیا ہے؟‘‘ محمود نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

’’تم دونوں خاموشی سے دیکھتے رہو۔‘‘ سلیم نے کہا۔ ’’اور خبردار جب تک میں نہ کہوں کچھ نہ کرنا۔‘‘ اچانک سلمیٰ اپنے دریچے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

’’اوہ... سلمیٰ بھی کسی کی منتظر ہے۔‘‘ محمود نے کہا۔

’’تم دونوں پیچھے ہٹو۔‘‘ اچانک سلیم نے کہا۔ ’’جلدی کرو... خبردار تم سامنے نہ آنا۔ بدر لائٹ جلا دو۔‘‘ بدر نے لائٹ کا سوئچ آن کیا اور محمود کے ساتھ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

’’آخر بات کیا ہے؟‘‘ محمود نے پھر سوال کیا۔

’’اس نے مجھے دریچے کے سامنے کھڑا دیکھ لیا ہے۔‘‘ سلیم نے کہا۔ ’’اور اب وہ یہاں ضرور آئے گی۔‘‘

’’کون... سلمیٰ؟‘‘ محمود نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

’’ہاں... سلمیٰ۔‘‘ سلیم نے کہا۔ ’’میں نے آج دوپہر جو کچھ اس سے کہا تھا وہ بے اثر نہیں ہو سکتا۔ اس نے ضرور غور کیا ہوگا اور اب اسے یقین ہو گیا ہوگا کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اس لیے وہ ضرور آئے گی... لو شاید وہ آ رہی ہے۔‘‘ وہ لپک کر کھڑکی کے پاس آ گئے اور دیوار کی آڑ سے دیکھنے لگے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے سلمیٰ کو اپنے مکان کے گیٹ

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ تیز تیز قدم رکھتی ہوئی رحمان کی طرف آ رہی تھی۔

"یہ خدا وہ واقعی یہاں آ رہی ہے۔" محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" محمود کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں سلیم کو دیکھ رہا تھا۔

سلیم تقریباً بھاگتا ہوا نیچے گیا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ذرا دیر بعد سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بدر نے حیرت سے دیکھا کہ محمود کے چہرے پر وحشت سی طاری ہو رہی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ واقعی سلمٰی سے محبت کرتا ہے اور اس کے سامنے آنے کے تصور سے بدحواس ہو رہا ہے۔

"اندر چلو، وہیں پر بات کریں گے۔" سلیم کی آواز سنائی دی۔

دوسرے ہی لمحے سلیم دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے آنے والی لڑکی بدر اور محمود کو دیکھ کر جھجکی چونکہ سلیم درمیان میں تھا اس لیے وہ سلمٰی کا چہرہ نہیں دیکھ سکے اور اسی لمحے اچانک کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ کسی نے لائٹ آف کر دی تھی۔

بدر چونک کر پلٹا لیکن اچانک کسی سخت چیز کا بھرپور وار اس کی کھوپڑی پر ہوا۔ بدر چکرا کر لڑکھڑایا اور فرش پر گر پڑا۔ دوسرے ہی لمحے کوئی اور بھی پوری قوت سے ساتھ بدر پر گرا۔ بدر کا سانس گھٹ کر رہ گیا۔ ایک دم کراہ اٹھا اور اس نے فوراً ہی پلٹ کر اندھیرے میں اس شخص کو دبوچ لیا جو اسے دبائے ہوئے تھا۔

اسی لمحے کمرے کی روشنی اچانک جل اٹھی اور بدر نے حیرت سے اپنے حملہ آور کو دیکھا۔

"محمود...؟" اس نے غصے سے کہا لیکن پھر اس کا سر چکرا گیا۔ کمرے میں محمود کے علاوہ چار آدمی اور موجود تھے۔ دو نے سلیم کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جکڑ رکھا تھا۔ سلمٰی بستر پر اوندھے منہ پڑی سسکیاں لے رہی تھی اور ایک شخص نے اسے اپنے پستول کی زد میں لے رکھا تھا۔

"تم خود کو بہت عقلمند تصور کرتے تھے سلیم۔" محمود نے ہتک آمیز لہجے میں کہا۔ "اور اپنی دانست میں ندیم کو پھانسنے کے لیے جال بچھا رہے تھے آخر خود ہی پھنس گئے۔" محمود نے زوردار قہقہہ لگایا۔ "اس کو بھی زد میں لیے رہو۔" محمود نے بدر کی طرف اشارہ کیا۔

سلیم نے خود کو چھڑانے کی جدوجہد کی لیکن محمود نے [illegible]

گولی ماردوں گا۔" محمود نے غرا کر کہا۔ سلیم بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے مکار ہو۔" اس نے کہا۔ "زندگی میں پہلی بار میں نے دھوکا کھایا ہے۔"

"اور یہ آخری بار بھی ہوگا۔" محمود نے کہا۔

"میں واقعی احمق ہوں۔" سلیم نے بے بسی کے عالم میں کہا۔ بدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سلیم کو اس حالت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ جب سلمٰی، ندیم کو اتنا پسند کرتی ہے تو وہ اسے بلیک میل کر کے کیوں لوٹے گا؟" سلیم نے کہا۔ "اور مجھے اب یاد آ رہا ہے آج صبح میں تمہارے کمرے میں داخل ہوا تو تم کوئی دستاویز تیار کر رہے تھے۔ میں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور بعد میں جب میں مس سلمٰی کے کمرے میں رکھی ہوئی ان کے والد کی تصویر دیکھ رہا تھا تو اس پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اور تمہاری تیار کردہ دستاویز کی تحریر بالکل مشابہ تھی۔ مجھے اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم دراصل خان صاحب کی جعلی تحریر کے ذریعے کوئی دستاویز تیار کر رہے تھے۔ اگر تم آج ان کی جعلی تحریر تیار کر سکتے ہو تو تم نے پہلے بھی یقیناً ایسی جعلسازی کی ہوگی۔ تم ان کے سیکریٹری تھے اور وہ تم پر اعتماد کرتے تھے۔" محمود نے ایک بےہنگم قہقہہ لگایا۔

"تم واقعی احمق ہو۔ اگر تم نے یہ اندازہ کر لیا تھا تو پھر مجھ پر بھروسا کیوں کیا؟"

"ہاں اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ سعید اختر خان صاحب کی موت کے بعد سلمٰی کو ان کا ایک خط بھی ملا ہوگا جس میں یہ ہدایت ہوگی کہ اسے ان کی موت کے بعد کھولا جائے اور وہ جعلی خط بھی تم نے تیار کیا ہوگا؟" محمود اب دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید نفرت جھلک رہی تھی۔

"تم اتنے احمق تو نظر نہیں آتے۔" محمود نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔

"آہ۔ میں واقعی احمق ہوں۔ ورنہ مجھے یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اس جعلی خط میں کیا تحریر کیا ہوگا۔ تم نے بہت مکاری سے اس میں یہ اعتراف کیا ہوگا کہ خان صاحب نے کروڑوں کی جائداد بہت سے لوگوں کو فریب دے کر حاصل کی ہے اور یہ کروڑوں روپے دبی ہیں جو انہوں نے شریف

[illegible] وصیت [illegible] معلوم ہو [illegible] ان کی رقم واپس کر دے تاکہ ان کی روح جہنم کے عذاب سے بچ جائے۔ سلمٰی جو اپنے باپ کو بہت نیک اور ایماندار تصور کرتی تھی اس انکشاف سے دم بخود رہ گئی ہوگی، صدمے سے اس کا برا حال ہو گیا ہوگا اور باپ کی ہدایت کے مطابق اس نے ایک پرائیوٹ سراغرساں احسان کریم کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔ جس نے ان لوگوں کا سراغ لگایا ہوگا جن کو لوٹ کر خان صاحب نے یہ دولت جمع کی تھی اور باپ کی وصیت کے مطابق وہ ان لوگوں کو وہ رقم رات کی تاریکی میں واپس کرتی رہی۔ آہ... شاید اسی لیے اسے اپنے مرحوم باپ سے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ اس نے رات کو ان کی تصویر پیروں سے روند ڈالی لیکن آخر وہ اس کے باپ تھے اس لیے سلمٰی نے دوبارہ اس تصویر کو سینے سے لگایا اور محبت سے بوسہ دیا۔ بےچاری سلمٰی۔"

"تم... تمہیں یہ سب کچھ معلوم تھا؟" اچانک محمود نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں لیکن سلمٰی تو اپنے باپ کو بہت گناہ گار اور بدکردار تصور کرتی تھی۔ وہ یہ راز کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ صرف احسان کریم کو اس کا علم تھا اور مرحوم سعید اختر خان کی جعلی تحریر میں یہ خط تم نے تیار کیا تھا...... احسان کریم تمہارا شریک کار تھا اور اسی لیے تم نے احسان کریم کو بھی قتل کر دیا۔" اچانک سلیم کے لہجے میں سختی آ گئی۔ بدر حیرانی سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔

ایک لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے محمود گولی چلا دے گا لیکن اس نے دانت پیس کر سلیم کو دیکھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "اور یقیناً یہ تمام باتیں تمہیں اس چڑیل نے بتائی ہیں۔" اچانک وہ مسہری کی طرف جھپٹا اور اس نے پوری قوت سے سلمٰی کے بال پکڑ کر اسے اٹھا لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس طرح پیچھے ہٹا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

بستر پر پڑی ہوئی لڑکی سلمٰی نہیں تھی۔ اچانک سلیم کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

"ساری چالاکی تمہارے حصے میں نہیں آئی ہے محمود۔" سلیم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اپنے جال میں خود پھنس چکے ہو۔ یہ لڑکی سلمٰی نہیں ہے۔ سلمٰی اس وقت پولیس کی حفاظت میں ہے۔" اس وقت تک محمود اپنے حواس میں آ چکا تھا۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" اس نے [illegible] بلند کیا لیکن دوسرے ہی لمحے سلیم نے اپنی جگہ سے [illegible] لگائی اور ان دونوں آدمیوں کے ساتھ فرش پر گر گیا۔

گولی چلنے کا زوردار دھماکا ہوا۔ ایک دلخراش چیخ [illegible] میں بلند ہوئی۔

"گولی چلا دوں گا اگر کسی نے ہلنے کی کوشش کی [illegible]" دروازے پر سے ایک آواز ابھری۔

انسپکٹر جاوید پستول ہاتھ میں لیے دروازے سے [illegible] ہوا۔ محمود فرش پر تڑپ رہا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا اور اس کے زخمی ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

انسپکٹر جاوید اور اس کے ساتھیوں نے تمام مجرموں [illegible] ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

دروازے پر آہٹ ہوئی اور سلمٰی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکوں [illegible] سلیم صاحب۔" اس نے کہا۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آج رات آپ [illegible] اس عذاب سے نجات دلا دوں گا۔" سلیم نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں، مجھے یاد ہے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جاوید اور اس کے آدمی مجرموں کو لے کر نیچے جا چکے تھے۔ سلیم اطمینان سے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ بدر بالکل خاموش تھا۔

"کیا بات ہے پیارے... تم کیوں چپ بیٹھے ہو؟" سلیم نے اچانک پوچھا۔

"کیا قوالی گانا شروع کر دوں؟"

"ارے... تم اتنے خفا کیوں ہو؟"

"خوب... بہت خوب... شروع سے لے کر آخر تک مجھے بےوقوف بناتے رہے اور اب..." سلیم نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"شروع سے نہیں ڈیئر صرف آخر میں۔"

"جی ہاں اور آخر میں انعام بھی تو جناب کو ملا۔ اس نے میرا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔" سلیم نے اٹھ کر بدر کو سینے سے لگایا۔

"صبح ہم سلمٰی کے ساتھ ناشتا کریں گے جانِ من۔ وہ اصرار کر کے تمہیں بھی بلا گئی ہے۔"

بدر مسکرا دیا، وہ جانتا تھا کہ سلیم سچ کہہ رہا ہے۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

الجھی ڈور

سلیم انور

ہر بدلتے دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں... ایک زمانہ تھا کہ ترقی کا راز جسمانی محنت اور زمین کو گردانا جاتا تھا... جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا... ترقی حاصل کرنے کے بنیادی نکتے بھی تبدیل ہوگئے... آج کے دور میں دولت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ذہن ہے۔ آپ اپنی ذہنی طاقت سے بہت زیادہ دولت کما سکتے ہیں... اور ہر وہ چیز حاصل کرسکتے ہیں جو آپ کی نگاہ کا خاص مرکز ہو...

سب کچھ حاصل کرنے کی ہوس میں مبتلا شخص کی پرفریب حیلہ سازیاں

وہ سیاہ اور سفید دھبوں والا چھوٹا سا پلا اچانک ہی ایک کیاری کی آڑ سے نکل کر دوڑتا ہوا مسز جمنا سورتی کی مرسیڈیز کے سامنے آگیا تھا۔ اس وقت مسز جمنا سورتی جوہو کے ساحل پر واقع اپنے بنگلے کے ڈرائیو وے میں داخل ہورہی تھی۔ وہ کوئی پالتو پلا نہیں تھا بلکہ آوارہ پلوں میں سے کوئی ایک تھا جو سڑکوں پر دندناتے پھرتے ہیں اور وہ یونہی ٹہلتا ہوا ادھر آن نکلا تھا۔

اس پلے نے مرسیڈیز کو آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن کار کی آواز سن کر دوڑ پڑا تھا۔ البتہ مسز جمنا نے اسے کیاری کی آڑ سے نکلتے ہوئے بروقت دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی پوری طاقت سے اپنا پیر بریک پیڈل پر رکھ دیا۔ بریک دباتے ہی کار کے نیچے سے کسی چیز کے تڑخنے کی آواز سنائی دی اور پھر... جمنا کو احساس ہوا کہ کار کے بریک بالکل بھی کام نہیں کررہے۔

یہ پلے کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت براہ راست مرسیڈیز کے پہیوں کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا۔ چھوٹا قد ہونے کے باعث کار کی باڈی اس کے اوپر سے گزر گئی اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچی۔ وہ ایک چیخ مار کر دوڑتا ہوا باہر سڑک کی جانب بھاگ گیا۔

شاید جمنا بھی پلے کے چیخنے کے ساتھ خود بھی چیخنے لگتی اگر وہ ایک ذہین اور ٹھنڈے دماغ کی عورت نہ ہوتی لیکن اس نے اپنے حواس پر مکمل قابو رکھا تھا۔

کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ وہ اس وقت ڈرائیو وے کا موڑ کاٹ رہی تھی۔ جمنا نے کار کے گیئر تبدیل کرتے ہوئے اسے نیوٹرل میں ڈال دیا۔ کار ڈرائیو وے سے نکل کر لان کی گھاس کو روندتے ہوئے ایک بڑی سی جھاڑی میں جا گھسی اور جھاڑی نے بریک کا کام کرتے ہوئے کار کو روک دیا۔

جمنا کار کے رکتے ہی نیچے اتر کر تیزی سے اپنے بنگلے کے داخلی دروازے کی جانب چل پڑی۔ اندر داخل ہونے کے بعد اس نے فوراً ہی اپنے مکینک کو فون کیا جو برسوں سے اس کے لیے کام کرتا تھا۔

مکینک کچھ ہی دیر میں اپنا ریکنگ ٹرک لیے وہاں آن پہنچا۔ اس نے جمنا کی مرسیڈیز کو جھاڑی سے باہر نکالا اور اسے جیک پر اٹھانے کے بعد اس کا جائزہ لینے کے لیے کار کے نیچے چلا گیا۔

''آپ کا خیال درست ہے مسز سورتی!'' مکینک نے بتایا۔ ''آپ کی کار کی بریک لائن کو مکمل طور پر کاٹا گیا ہے۔ اگر آپ کو اپنے ڈرائیو وے کے بجائے چلتے ٹریفک میں اچانک بریک لگانے پڑ جاتے تو زبردست ٹکر ہوجاتی اور حادثہ اتنا ہولناک ہوتا کہ شاید آپ کی جان پر بن جاتی۔''

''شکریہ پیٹر!'' جمنا نے کہا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ بریک لائن کا ٹوٹنا اتفاقی نہیں؟''

''میں پورے یقین سے یہ بات کہہ رہا ہوں مسز سورتی!'' مکینک نے کہا۔ ''بریک لائن کی دھات پر ریتی کے گھسنے کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔ ''کیا آپ چاہتی ہیں میں پولیس کو اس بارے میں خبر کردوں مسز سورتی؟''

''نہیں، شکریہ پیٹر!'' جمنا نے کہا۔ ''میں اس معاملے سے خود نمٹ لوں گی۔ تم کار اپنے گیراج لے جاؤ اور اس میں نئی بریک لائن ڈال دو۔ اگر مجھے باہر جانے کی ضرورت پیش آئی تو میں دوسری گاڑیوں میں سے کوئی ایک استعمال کرلوں گی۔''

جب مکینک اس کی کار لے گیا تو جمنا نے گیراج میں سے ایک اسٹیشن ویگن نکالی اور چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک ساحلی پبلک کارڈ فون بوتھ پر جا پہنچی۔

اس نے گھر کے فون کو استعمال کرنے کا رسک نہیں لیا۔ اس کے بڑے سے بنگلے میں کئی فون ایکسٹینشنز، بہت سے ملازم اور بہت سے کان تھے جو اس کی گفتگو سن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ فون لائن پر باہر کہیں آواز ریکارڈ کرنے والے آلے کے نصب ہونے کا گمان بھی تھا۔

جمنا اس فون کال کو قطعی پرائیویٹ رکھنا چاہتی تھی۔

اس نے اپنے ایک قریبی اور پرانے دوست ہری ناتھ کا نمبر ڈائل کیا جو ''بمبئی ٹائمز'' میں بہ طور فیچر رائٹر کام کرتا تھا اور جس کا دفتر نیوز ٹاور بلڈنگ میں تھا۔

''ہری اسپیکنگ۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔

''تھینک گاڈ!'' جمنا نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ہری! میں جمنا سورتی بول رہی ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اور یہ مدد بہت جلدی چاہیے۔''

''میں حاضر ہوں، جمنا! تم یہ خوبی جانتی ہو کہ تم مجھ پر

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

مکمل بھروسا کرسکتی ہو۔'' ہری نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔'' جمنا نے بتایا۔ ''بلکہ میں یقین سے کہہ رہی ہوں کہ کوئی مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے اور اس نے ایک گھنٹے قبل بھی مجھے مارنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے مدد بھی چاہیے اور تحفظ بھی مگر میں پولیس کو اطلاع نہیں کرنا چاہتی۔''

''پولیس کو اطلاع کیوں نہیں کرنا چاہتیں تم؟'' ہری نے پوچھا۔ ''کیا تم اسے جانتی ہو جو تمہیں قتل کرنے کے درپے ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ میں اسے جانتی ہوں۔'' جمنا نے جواب دیا۔

''کون ہے وہ؟'' ہری نے بے تابی سے پوچھا۔

''میری بہن۔''

☆☆☆

ہری ایک گھنٹے کے اندر ہی اپنے پرانے دوست اور نامور سراغ رساں شیام کمار کے ہمراہ جوہو ساحل پہنچ گیا۔

اس سے قبل ہری نے فون پر شیام کو جمنا کے بارے میں آگاہ کردیا تھا۔ ''مجھے پوری بات تو معلوم نہیں ہے لیکن وہ خاصی خوف زدہ لگ رہی تھی اور میرے لیے اتنا جاننا ہی کافی تھا۔ میں اس سے برسوں سے واقف ہوں۔ وہ نہایت باشعور اور جرأت مند خاتون ہے۔ میرے خیال میں اسے واقعی مدد کی ضرورت ہے اور اس معاملے میں تم ہی اس کی مدد کرسکتے ہو۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں تمہیں یہ کیس ہاتھ میں لینے پر رضامند کرلوں گا اور وہ راضی بھی ہوگئی ہے۔ فیس کی جہاں تک بات ہے تو اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، کرشنا موتی کا شمار دولت مندوں میں ہوتا تھا۔''

''لیکن معاملہ کیا ہے؟'' شیام نے پوچھا۔

''میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ جمنا خود تمہیں ساری بات بتائے۔'' ہری نے کہا۔ ''میں آدھے گھنٹے بعد تمہیں تمہارے دفتر سے لے لوں گا اور ہم دونوں اس کے بنگلے پر جائیں گے۔''

جب جمنا نے ہری کی کار کو اپنے ڈرائیو وے میں داخل ہوتے دیکھا تو خود ہی دروازہ کھولنے پہنچ گئی۔

پینتالیس سال عمر ہونے کے باوجود جمنا ایک دلکش جسم اور حسین چہرے کی مالک تھی۔ اس کی زلفیں سیاہ، آنکھیں نیلی اور چہرہ بیضوی تھا۔ اس [illegible] ایک سادہ [illegible] لیکن قیمتی [illegible] پہنا ہوا تھا۔ [illegible]

''ہری! اندر آجاؤ... اور آپ بھی مسٹر شیام۔'' جمنا نے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لے آئے۔''

جب وہ اندر ہال میں پہنچے تو جمنا نے ہری کا ہاتھ تھام لیا اور متشکرانہ لہجے میں بولی۔ ''ٹھیک ہے ہری کہ تم اتنی جلدی آگئے۔ میں اچانک ہی خوف زدہ ہوگئی ہوں۔ یہ کوئی اچھا خیال نہیں ہے کہ کوئی آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''

''اب سب ٹھیک ہوجائے گا جمنا!'' ہری نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''میں انڈیا کے بہترین سراغ رساں کو تمہارے پاس لے آیا ہوں۔ یہ تمہاری بھرپور مدد کریں گے۔ اب تم اطمینان سے بیٹھ کر پوری بات شیام کے گوش گزار کردو۔''

''پیچھے لان میں سمندر کے رخ پر ایک سمر ہاؤس بنا ہوا ہے۔'' جمنا نے کہا۔ ''وہاں کوئی ہمارے قریب نہیں آسکے گا۔ میں نے وہیں پر مشروبات کا انتظام کردیا ہے۔''

''زبردست!'' شیام نے کہا۔ ''تو پھر وہیں چلتے ہیں۔''

☆☆☆

جب وہ لوگ سمر ہاؤس کی جانب جارہے تھے تو اس عظیم الشان بنگلے کے ایک فون پر ایک عورت کوئی نمبر ڈائل کررہی تھی۔

جب دوسری جانب فون اٹھالیا گیا تو وہ عورت بولی۔ ''میں نے سوچا تمہیں خبر کردوں۔ وہ اخبار کا آدمی ابھی ابھی یہاں پہنچا ہے۔ اس نے یقیناً اسے باہر کہیں سے فون کرکے بلایا ہے۔''

''تمہاری مراد ممبئی ٹائمز کے ہری سے ہے؟''

''ہاں وہی ہے۔ وہی جس کے بارے میں تم نے مجھے نظر رکھنے کو کہا تھا... لیکن وہ تنہا نہیں آیا، اس کے ہمراہ ایک لمبا تڑنگا شخص بھی ہے جو دیکھنے میں طاقت ور بھی لگتا ہے۔ اس کے بال سرخی مائل ہیں۔ وہ خاصا قدآور ہے۔''

''کیا تم نے اس شخص کا نام سنا؟''

''میرا خیال ہے کہ اس نے اسے شان یا شری رام یا ایسے ہی کسی نام سے پکارا تھا۔ میں زیادہ قریب نہیں تھی اس لیے صحیح نام نہیں سن سکی۔'' عورت نے جواب دیا۔

''وہ شیام ہوسکتا ہے۔ پرائیویٹ سراغ رساں شیام۔ وہ اور ہری پرانے دوست ہیں۔ تم اس پر بھی نگاہ رکھنا اور دھیان رہے وہ بہت چالاک ہے۔ اگر انہوں نے اسے اس معاملے میں ڈال دیا ہے تو پھر ہمیں اپنے کام میں تیزی دکھانی

ہوگی۔''

''اور نہیں۔'' عورت نے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ میں اس بارے میں کیا محسوس کرتی ہوں۔''

''ہمیں کیا کرنا ہے، اس بارے میں تم بھی اتنا ہی جانتی ہو جتنا کہ مجھے علم ہے۔'' فون پر کہا گیا۔ ''اب فون بند کردو، اس سے قبل کہ کوئی دوسرا ایکسٹینشن اٹھالے اور ہماری گفتگو سن لے۔ اب وہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور سن گن لو کہ وہ کیا باتیں کررہے ہیں۔''

پھر دوسری جانب سے فون رکھ دیا گیا۔

☆☆☆

عقبی لان کے چھوٹے سے سمر ہاؤس کا فرش ٹائلوں کا بنا ہوا تھا اور چھت کو سہارا دینے کے لیے لکڑی کے خوب صورت سفید ستون بنائے گئے تھے۔ وہاں سے ساحل کا منظر بے حد حسین لگ رہا تھا۔

جمنا نے مشروب کے گلاس ہری اور شیام کو پیش کیے پھر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بولی۔ ''تم لوگ شاید یہ خیال کرو کہ میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہوں۔ بعض اوقات میں خود بھی اپنے بارے میں یہی سوچتی ہوں لیکن آج صبح جب مجھے پتا چلا کہ میری کار کی بریک لائن کاٹی گئی ہے تو میں نے فیصلہ کیا کہ اب مزید انتظار کرنے اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا وقت نہیں رہا۔''

''ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ بریک لائن اتفاقیہ ٹوٹ گئی ہو؟'' ہری نے پوچھا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ میرا مکینک پیٹر اپنے کام میں مہارت رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بریک لائن کاٹی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ کسی نے مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''آپ بتائیں۔'' شیام نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کو کیونکر یقین ہے کہ وہ قتل کی کوشش ہی تھی؟''

جمنا نے بنگلے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ دوسری منزل پر جو کارنر کی کھڑکی ہے، وہ میرا بیڈ روم ہے۔ میں رات بھر ائرکنڈیشنر چلائے رکھنا پسند کرتی ہوں۔ چونکہ سلور سینڈز بنگلوز کے بلڈر نے تمام کنڈومینیم سمندر کے رخ پر بنائے ہیں، اس لیے رات کو خاصا شور سنائی دیتا ہے۔'' اس نے چند لمحے توقف کیا پھر بولی۔ ''سرد موسم میں ائرکنڈیشنر ہیٹنگ کے لیے ریورس سائیکل میں کام کرتا ہے۔ کمرے میں ایک آتش دان بھی ہے جو گیس پر کام کرتا ہے اور جسے میں کبھی کبھی استعمال بھی کرتی ہوں۔ دو ہفتے گزرے کہ سوتے ہوئے نصف شب کے قریب اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں عام طور پر گہری نیند سوتی ہوں لیکن اس رات کوئی چیز مجھے ڈسٹرب کررہی تھی اور یہ میری خوش قسمتی تھی۔ ائرکنڈیشنر بند کردیا گیا تھا اور گیس کا ہیٹر آن کردیا گیا تھا اور کمرے میں گیس بھری ہوئی تھی۔'' یہ کہہ کر جمنا خاموش ہوگئی۔

''اوہ!'' شیام نے کہا۔ ''اگر آپ کی آنکھ نہ کھلتی تو گیس نے منٹوں میں آپ کو بے ہوش کردینا تھا۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بھی ایک اتفاق نہیں تھا؟''

اس بات پر جمنا دیر تک براہ راست شیام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''بے شک، مجھے پورا یقین ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے خود اسے ہی آن کیا تھا اور اس موسم میں، میں تو گیس ہیٹر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سوجانے کے بعد کوئی اور میرے کمرے میں آیا تھا۔''

''اوکے۔'' شیام نے کہا۔ ''آپ کے علاوہ اور کون کمرے میں داخل ہوسکتا ہے؟''

''کوئی بھی۔'' جمنا نے صاف صاف بتایا۔ ''البتہ اس واقعے کے بعد سے میں اپنے بیڈ روم کے دروازے کو لاک رکھتی ہوں۔ اس سے پہلے میں کبھی دروازہ لاک نہیں رکھتی تھی۔ ضرورت بھی کیا تھی؟ کوئی بھی ملازم کمرے میں آسکتا تھا۔''

شیام اور ہری خاموشی سے جمنا کی بات سن رہے تھے۔

''جہاں تک مجھے پولیس کے طریقۂ کار کے بارے میں معلوم ہے، وہ جب کسی قاتل کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیشہ دو باتوں کی کھوج میں رہتے ہیں۔ ایک موقع جو کہ میرے کیس میں کوئی مدد نہیں کرسکتا کیونکہ موقع کا امکان تو بالکل میسر تھا۔'' جمنا نے کہا۔

''اور دوسری بات مقصد ہے۔'' شیام نے کہا۔ ''کیا یہ بات مددگار ثابت ہوسکتی ہے؟''

''بے شک ثابت ہوتی ہے۔'' جمنا نے پُریقین لہجے میں کہا۔ ''صرف ایک فرد ہے جس کے پاس مجھے قتل کرنے کی کوشش کا جواز موجود ہے اور جو مجھے حقیقت میں مردہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور جیسا کہ میں ہری کو بتاچکی ہوں، وہ میری بہن ہوسکتی ہے۔''

''تو پھر تمہاری بہن مجھے کہاں مل سکتی ہے؟'' شیام نے جاننا چاہا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' جمنا نے کہا۔ ''اسی کام کے لیے تو آپ کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

شیام نے اپنا مشروب ختم کرنے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور بولا۔ ”آپ کو اس کی وضاحت کرنا ہو گی۔“

”میں شیام کو بتا چکا ہوں کہ مجھے بھی کبھی معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کوئی بہن بھی ہے۔“ ہری نے اپنا خالی گلاس دوبارہ بھرتے ہوئے کہا۔

”کسی کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہے۔“ جمنا نے کہا۔ ”ماسوائے میرے، کرشنا اور وکیل کے۔“

”کرشنا جمنا کا شوہر تھا جس کا گزشتہ سال انتقال ہو چکا ہے۔“ ہری نے وضاحت کی۔

”کرشنا کا ہارٹ فیل ہونے سے انتقال ہو گیا تھا۔ وہ عمر میں مجھ سے خاصا بڑا تھا اور تمام دولت، یہ بنگلا، ٹرسٹ کے فنڈز سب اسی کے تھے۔“ یہ کہہ کر جمنا نے قدرے توقف کیا۔ دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیے لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔

”کرشنا اور میں دونوں ہی یتیم تھے۔“ جمنا نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ”فرق یہ تھا کہ میری پرورش یتیم خانے میں ہوئی تھی جبکہ کرشنا ایک محل میں پروان چڑھا تھا جہاں اتارنی بھی تھے اور ٹرسٹی بھی۔ اور اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی آنٹی بھی تھیں۔ جس وقت ہماری شادی ہوئی اس وقت کرشنا کی آنٹی کے انتقال کو ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ جہاں تک ہمارے علم میں تھا، ہم دونوں کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔“

”کوئی بھی نہیں تھا؟“ شیام نے حیرانی سے پوچھا۔

”میرے والدین دونوں ہی کار کے ایک حادثے میں مر گئے تھے۔ میرے والد ملازمت پیشہ تھے۔ انہوں نے معمولی سی انشورنس کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ریاست نے میری بہن اور مجھے ایک یتیم خانے میں ڈال دیا اور ہمیں الگ الگ فوسٹر ہومز نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ جس وقت میں اتنی بڑی ہوئی کہ اپنے بارے میں کھوج لگا سکوں تو کسی کے پاس بھی اس بات کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا کہ میرے والدین یا میرے رشتے دار عزیز کون تھے یا کون ہو سکتے تھے۔“

”لیکن نام کا تو یقینی طور پر سراغ لگایا جا سکتا ہے؟“ ہری نے کہا۔

”میرے والدین اس ریاست میں حال ہی میں منتقل ہوئے تھے کہ جب ان کا حادثے میں انتقال ہو گیا۔ میری شادی کے بعد کرشنا اور میں نے ان کا سراغ لگانے کی بہت [illegible]

[illegible] کوشش کی لیکن [illegible] کے متعلق [illegible] وہ یہ تھا کہ مجھ سے ایک برس چھوٹی ایک بہن کی جسے کسی نے گود لے لیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ گود لینے والے کون تھے اور وہ کہاں چلے گئے تھے۔“

”لیکن یتیم خانے والے تو یقینی طور پر اپنا ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں۔“ شیام نے کہا۔

”یقیناً رکھتے ہیں لیکن کئی برس قبل وہاں زبردست آگ لگی تھی جس میں ان کا بیشتر ریکارڈ جل کر تباہ ہو گیا اور اس خاک ہونے والے ریکارڈ میں وہ سب بھی شامل تھا جس کی ہمیں ضرورت تھی۔ آپ کو میری اس بات پر یقین کرنا ہو گا کہ ہم اس بارے میں کچھ تلاش نہیں کر سکے۔“

شیام بولا۔ ”ایسی باتیں رونما ہو جاتی ہیں لیکن ایک بات اب بھی مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔“

”میں جانتی ہوں کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ جمنا نے کہا۔ ”اگر میں اپنی بہن کے متعلق کوئی سراغ ڈھونڈنے میں ناکام رہی تھی تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ میرا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئی؟ میرے پاس کرشنا کی تمام دولت اور اس کے تعلقات تھے جو میری مدد کر سکتے تھے اور تب بھی میں اس کا سراغ نہیں لگا سکی۔ پھر بھلا اس نے مجھے کیسے تلاش کر لیا؟“

”میں یہی بات سوچ رہا تھا۔“ شیام نے اقرار کیا۔

”آپ ایک بات بھول گئے۔“ جمنا نے اسے یاد دلایا۔ ”جب میری اور کرشنا کی شادی ہوئی تو اس کا مقام اور اس کی دولت دونوں ہی اہمیت رکھتے تھے۔ یہ ایک سماجی تقریب تھی۔ شادی کی تقریب کے فیچرز اخبارات کے سوشل صفحات اور اس کی بڑی بڑی تصاویر نیوز میگزینوں میں شائع ہوئی تھیں۔ ملک میں ہر کسی نے میری تصویریں دیکھی ہوں گی اور اس بارے میں پڑھا بھی ہو گا کہ میں ایک یتیم تھی۔ اس وقت اس بارے میں کوئی بات بھی راز میں نہیں رکھی گئی تھی۔“

”بات یہیں سے کھلی ہو گی۔“ شیام نے اتفاق کیا۔

”مجھے علم ہے کہ بات یہیں سے کھلی تھی۔“ جمنا نے کہا۔ ”یہ بات شادی کے عین بعد کی ہے جب مجھے وہ خط ملا تھا۔“

”خط...“ شیام نے کہا۔ ”کیسا خط؟“

”میری بہن کا خط۔ وہ خط جس میں مجھے دھمکی دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اب وہ جان گئی ہے کہ میں کون ہوں۔ اس نے خط میں رقم کا مطالبہ کیا تھا۔“

”لیکن جمنا! اس خط کے بعد تمہیں یقیناً [illegible] پر پتا [illegible] [illegible] اور جمنا نے [illegible] مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”کاش میں جان سکتی۔“ جمنا نے کہا۔ ”خط پر کسی کا نام تحریر نہیں تھا۔ آخری سطر یہ تھی... مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا۔ میں خود فون کروں گی۔ یہ خط ایک معمولی اسٹیشنری کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا تھا اور اس پر احمد آباد شہر کی مہر تھی۔ ہم نے اس کا سراغ لگانے کی کوشش کی۔ یقین کریں، ہم نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔“

”کیا میں وہ خط دیکھ سکتا ہوں؟“ شیام نے کہا۔

”وہ خط ہمارے وکیل کے پاس ہے۔“ جمنا نے بتایا۔ ”ہمارے دیگر کاغذات بھی اسی کے پاس ہیں۔ میں آپ کو ایک ہدایتی رقعہ دوں گی جس میں اس سے کہا جائے گا کہ وہ خط آپ کو دکھا دیا جائے لیکن میں نہیں سمجھتی کہ وہ خط کوئی مدد دے سکے گا۔“

”اس خط میں کیا لکھا ہے؟“

”مختصراً بتاتی ہوں کہ اس میں مجھے دھمکی دی گئی ہے مسٹر شیام۔ اس میں لکھا ہے کہ خط میری بہن کی جانب سے ہے۔ وہ بیمار اور غریب ہے۔ اسے بے حد رقم درکار ہے اور یہ اس کا حق ہے اور وہ یہ رقم حاصل کر کے رہے گی چاہے مجھے یہ آئیڈیا پسند آئے یا نہ آئے۔“

”پھر اس کے بعد کیا ہوا؟“ شیام نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ جمنا نے بتایا۔ ”کچھ بھی نہیں مسٹر شیام! میں اور کرشنا اس خط کا مقصد سمجھ نہیں سکے۔ میں نے وہ خط کرشنا کو دکھا دیا تھا۔ ہم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ ہمارے درمیان کوئی راز نہیں تھا۔ ہم انتظار کرتے رہے لیکن پھر دوسرا کوئی خط نہیں آیا۔ نہ ہی کسی نے فون کیا اور نہ ہی کسی قسم کا رابطہ ہوا۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ ہری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہ ہی میری سمجھ میں آ رہی ہے۔“ شیام نے کہا۔ اب اس کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ ”اسے معاملے کو جاری رکھنا چاہیے تھا۔ اس قسم کا رابطہ اور پھر اس کے بعد خاموشی... یہ کوئی سسپنس نہیں بنتا۔“

”میں جانتی ہوں۔ ہم بھی کچھ سمجھ نہیں پائے تھے۔“

”کیا وہ آپ سے خوف زدہ تھی؟“ شیام نے پوچھا۔

”اسے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ جمنا نے حقیقی رنجیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ جو کچھ بھی مانگتی، ہم اسے دے دیتے۔ کرشنا نے تو احمد آباد کے اخبارات میں اشتہار بھی شائع کرایا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے ہمارا گھر حاضر ہے اور اس سے التجا کی گئی تھی کہ وہ ہم سے رابطہ کرے لیکن اس نے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا۔ کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔“

”تو پھر اب وہ آپ کو کیوں قتل کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟“ شیام نے پوچھا۔ ”یہ سب کچھ پانچ سال قبل اس وقت ہوا تھا جب آپ کی شادی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے اسے اسی وقت آپ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ کیا آپ وضاحت کر سکتی ہیں کہ اب آپ کو قتل کرنے سے اسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جو اس وقت آپ کے پاس آنے سے اسے حاصل نہیں ہو سکتا تھا؟“

”اوہ ہاں۔“ جمنا نے کہا۔ ”میں بے وقوف نہیں ہوں مسٹر شیام! اس کا ایک مقصد ہے۔ مجھے کرشنا سے ورثے میں کروڑوں روپے ملے ہیں... اور میری بہن میری تنہا وارث ہے۔“

☆☆☆

ایک گھنٹے بعد شیام جمنا مورتی کے وکیل کے دفتر میں موجود تھا۔ شیام کا دفتر وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

جمنا سے یہ بات طے پا گئی تھی کہ شیام عارضی طور پر جمنا کے بنگلے میں منتقل ہو جائے گا تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ شیام نے اپنی سیکریٹری روزی کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ دفتر میں اس کا بیگ تیار رکھے تاکہ جب وہ وکیل کے پاس سے فارغ ہو کر آئے تو فوری طور پر جمنا مورتی کے بنگلے کے لیے روانہ ہو جائے۔

جمنا کا سینئر وکیل کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا، لہٰذا شیام کو وکیل کے نائب سے رابطہ کرنے کو کہا گیا۔ اسسٹنٹ گوپال نامی ایک نوجوان تھا۔ گوپال، شیام کو اپنے دفتر کے لیگل کانفرنس روم میں لے گیا اور ایک موٹی سی فائل نکال کر اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولا۔ ”میرے خیال سے یہی وہ کاغذ ہے جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔“ ساتھ ہی اس نے فولڈر میں سے وہ کاغذ علیحدہ کرتے ہوئے شیام کی جانب بڑھا دیا۔

خط دبیز پلاسٹک کوٹنگ میں تھا۔ شیام نے خط پر اس چیز کے نشانات بھانپ لیے کہ کسی وقت اس پر انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے کے لیے پاؤڈر چھڑکا گیا تھا۔ یہ خط ایک عام سے کاغذ پر ایک جانب لکھا گیا تھا اور یہ ایک ہی صفحے پر مشتمل تھا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

شیام نے خط پڑھنا شروع کیا:

"ڈیئر سس، ڈیئر سسٹر، پیاری بہن (؟) یا محبت سے عاری بہن۔ میں نے اخبارات میں تمہیں دیکھا۔ تم اور وہ امیر آدمی جس سے تم نے شادی کی ہے۔ تم نے میرا خیال کیوں نہیں کیا؟ میں نے تمہیں یاد رکھا ہے۔ تمہیں شیواجی کا یتیم خانہ یاد ہے؟ یاد ہے کہ ہم بہنیں ہیں؟ اب تم دولت مند ہو اور میں کیسی ہوں۔ میں غریب اور بیمار ہوں۔ تمہارے پاس جتنی دولت ہے، مجھے اس میں سے کچھ چاہیے۔ مجھے وہ چاہیے جو میرا حصہ ہے ورنہ تمہیں نقصان ہو سکتا ہے۔ یا پھر تمہیں افسوس ہی ہوگا۔ مجھے اپنا حصہ چاہیے اور تم اس بارے میں غور کرو۔ تمہیں حقیقت میں اس بارے میں غور کرنا ہوگا۔ جب میں تیار ہوں گی تو میں تمہیں کال کروں گی۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا میں تمہیں خود کال..... کروں گی۔"

خط کا مکمل متن بس یہی تھا۔ خط میں گرامر کی کمزوریاں تھیں البتہ مطلب بالکل واضح تھا۔

گوپال نے خط کا لفافہ ایک اور پلاسٹک کی شیٹ میں رکھا ہوا تھا۔ خط پر پتا بھی ٹائپ شدہ تھا اور اس پر ڈاک کی مہر احمد آباد سینٹرل کی لگی ہوئی تھی۔ لفافے پر واپسی کا کوئی پتا درج نہیں تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے اس کا سراغ لگانے کی کوشش کی تھی اور انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔" نوجوان وکیل گوپال نے بتایا۔ "اس وقت میں اس فرم سے وابستہ نہیں ہوا تھا۔"

"لیکن اب آپ موتی اسٹیٹ سے تو بہ خوبی واقف ہو گئے ہوں گے؟"

"بالکل سر!" گوپال نے جواب دیا جو اب خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ "اس قسم کی فرم میں سینئر پارٹنر عام طور پر اپنے اختیارات جو کہ معمول کے معاملات کے ہوتے ہیں، اپنے جونیئرز کو منتقل کر دیتے ہیں۔"

"اب میں مسٹر اینڈ مسز کرشنا موتی کے آخری وصیت نامے کو دیکھنا چاہوں گا۔" شیام نے کہا۔

"آئی ایم سوری مسٹر شیام۔ حقیقت میں مجھے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ میں وہ کاغذات آپ کو دکھا سکوں۔"

"کم از کم آپ اس بارے میں مجھے ایک بات کا جواب تو دے سکتے ہیں مسٹر گوپال۔" شیام نے کہا۔ "جمنا موتی نے مجھے بتایا ہے کہ وصیت نامے کی رو سے ان کی موت کی صورت میں جمنا موتی کی بہن رادھا ان کی تمام جائداد اور دولت کی تنہا وارث ہوگی۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟"

"اگر یہ بات مسز کرشنا موتی نے آپ سے کہی ہے تو [illegible] اس کی تردید [illegible] سکتا۔" گوپال نے جواب دیا۔

"اوہ کم آن مسٹر گوپال۔" شیام نے کہا۔ "مجھے قانونی آنا کانی مت دو۔ مجھے جمنا موتی کی بات پر رتی بھر بھی شبہ نہیں ہے۔ جو میں جاننا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آیا یہ قانونی طور پر لازمی ہے؟ اگر جمنا موتی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو کیا یہ وصیت نامے قانونی طور پر برقرار رہیں گے؟"

نوجوان وکیل گوپال کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ دیر کے بعد گویا ہوا۔ "میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ وصیت عدالت میں ضرور پیش کی جائے گی۔ یہ ایک غیر معمولی صورت حال ہے۔ مسٹر یا مسز موتی دونوں کی جانب سے کوئی دوسرا وارث نہیں ہے۔ جس بہن کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ چند ایک غیر اہم عطیات اور ذاتی موروثی اشیا کے علاوہ تمام کی وارث ہوگی اور سب کچھ اس کے نام ہو جائے گا۔ یہ وصیت نامے اسی فرم نے تیار کیے تھے اور یہ برقرار رہیں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہن ابھی تک تلاش نہیں کی جا سکی ہے۔" شیام نے کہا۔ "کیا ہوگا اگر اسے مسز جمنا موتی کی موت کے وقت تک تلاش نہ کیا جا سکا؟"

"اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔" گوپال نے پُر وثوق لہجے میں کہا۔ "تمام جائداد اور مال و دولت اس وقت تک ٹرسٹ کی ملکیت رہے گی جب تک بہن یا اس کے وارث سامنے نہیں آ جاتے یا انہیں تلاش نہیں کر لیا جاتا۔"

"تھینک یو۔" شیام نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں فی الوقت بس یہی جاننا چاہتا تھا۔"

☆☆☆

شیام جب وکیل کے دفتر سے نکل کر واپس اپنے دفتر پہنچا تو اس کی سیکریٹری کملا دیوی نے اس کے کپڑوں اور ضروری اشیا کا بیگ تیار کر رکھا تھا جو وہ عموماً مختصر قیام کے لیے استعمال میں لاتا تھا۔ اس کا دوست ہری بھی وہیں موجود تھا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" ہری نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ جو کوئی بھی جمنا کو مارنا چاہتا ہے، وہ ایک اور کوشش ضرور کرے گا اور میں اس کی حفاظت کے لیے تمہارے ساتھ رہ کر اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ جب اسے اپنی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی تو تم دونوں میں سے کوئی بھی حقیقت میں اس کو تحفظ فراہم نہیں کر سکے گا۔" شیام کی سیکریٹری کملا

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

دیوی نے اچانک کہا۔
شیام اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ بولا۔ ''تمہاری مراد اس وقت سے ہے جب وہ سو رہی ہوگی۔''

''بالکل یہی مطلب ہے۔ جب وہ اپنے بیڈروم میں سو رہی تھی تو کسی نے غیر محسوس طریقے سے اسے مارنے کی کوشش کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ چلنا چاہیے۔ میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں رہوں گی۔ میں اور ہری اس بات پر متفق ہیں کہ جلد ہی اس کو مارنے کی ایک اور کوشش ہو سکتی ہے۔''

''بے شک۔'' ہری نے اتفاق کیا۔ ''چونکہ دونوں مرتبہ مارنے کی کوشش اس کے گھر پر ہو چکی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل کا اس گھر میں بے دھڑک آنا جانا ہے... یا کم از کم اسے پتا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو لیکن میں کملا کو کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' شیام نے کہا۔

''مجھے کوئی خطرہ نہیں ہوگا شیام۔'' کملا نے کہا۔ ''تمہیں تو معلوم ہے کہ اس کا قتل ایک حادثہ ہونا چاہیے۔ اگر وہ اس کی بہن ہے تو وہ بے پاؤں کمرے میں آکر ہم دونوں کو شوٹ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ قانون کے مطابق آپ اس کے وارث نہیں بن سکتے جسے آپ نے قتل کیا ہو۔ جمنا کا قتل ایک حادثہ ہوگا، تب ہی اس کی بہن کو کسی مشکل کے بغیر وراثت مل سکتی ہے۔ کمرے میں دو افراد کی موجودگی میں اس قتل کو ایک ممکنہ حادثہ قرار دینا بے حد مشکل ہوگا۔''

''میں جمنا کو فون پر کہہ دیتا ہوں کہ وہ گھر میں دو مہمانوں کے بجائے تین مہمانوں کا انتظام کرلے۔''

جب وہ تینوں سلور سینڈز بنگلوز پہنچے تو سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ ان تینوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کمروں کا انتظام کیا گیا تھا البتہ رات کو کملا نے جمنا کے بیڈروم ہی میں قیام کرنا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد جمنا نے ملازمہ سے کہا کہ وہ مشروبات اور کافی کا بندوبست سمر ہاؤس میں کردے۔ پھر وہ کھانے کی میز سے اٹھ کر سمر ہاؤس کی جانب چل دیے۔

''یہ حقیقت میں واحد جگہ ہے جہاں میں خود کو محفوظ تصور کرتی ہوں۔'' جمنا نے گھاس پر چلتے ہوئے کہا۔ ''اگر کسی نے گفتگو سننے والے آلات اس گھر میں لگا رکھے ہیں، تب بھی میں یہاں ایک پورٹیبل ریڈیو آن رکھتی ہوں تاکہ گفتگو صاف سنائی نہ دے۔ اگر آلات نصب نہ ہوں اور کوئی چھپ کر سن گن لینے کی کوشش کرے تو یہاں کنارے پر واقع اونچے کنڈومنیمز سے آنے والی روشنیاں اتنی چمک پیدا کر رہی ہوتی ہیں کہ کوئی سایہ بھی حرکت کرتے ہوئے دکھائی دے سکتا [illegible] محفوظ ہوں۔''

''آپ کو شک ہے کہ کوئی ہماری باتیں سننا چاہتا ہے؟'' شیام نے پوچھا۔ ''کیا کسی ملازم پر...؟''

''فی الوقت تو میں ہر ایک پر شک کر رہی ہوں۔'' جمنا نے کہا۔ ''میں آپ کو تمام ملازمین کے بارے میں بتا دوں گی، بعد میں آپ ان سے مل بھی سکتے ہیں۔''

''یقیناً میں ان سب سے ملنا بھی چاہوں گا۔'' شیام نے کہا۔

''میں چاہوں گی کہ آپ خاص طور پر باورچن پر ضرور توجہ دیں۔ اس کا لب ولہجہ غیر ملکیوں کا سا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بچپن میں کسی غیر ملکی جوڑے نے گود لے لیا ہو۔''

''آپ کو کیوں شبہ ہے کہ وہ آپ کی بہن ہو سکتی ہے؟''

''صرف بات کی وجہ سے مسٹر شیام۔'' جمنا موروتی نے کہا۔ ''گرمیوں کے دن تھے جب میں نے صبح سویرے اسے سوئمنگ پول سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ جب مہمان قیام پذیر نہ ہوں تو ملازموں کو سوئمنگ پول استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اس کی داہنی ران پر اسٹار کی شکل کا ایک ٹیٹو موجود ہے۔ میری بہن کی ران پر بھی ایسا ہی اسٹار گودا گیا تھا۔ جب ہم دونوں چھوٹے تھے تو اس کی ران پر ایک اور میری ران پر دو اسٹار گودے گئے تھے۔ یہ ٹیٹو ایک ہی آدمی نے گودے تھے اور یہ اسٹار بالکل ایک جیسے تھے۔''

''اوہ!'' ہری نے شرارتی لہجے میں کہا۔ ''مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''اور نہ ہی میں تمہیں وہ اسٹارز دکھانے کا کوئی ارادہ رکھتی ہوں۔'' جمنا نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں میری بات پر ہی یقین کرنا ہوگا۔ دونوں اسٹارز ایک جیسے ہیں۔''

''عموماً اس قسم کے نشانات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔'' شیام نے کہا۔ ''لیکن میں اس باورچن کا بیک گراؤنڈ چیک کر لوں گا اور کچھ؟''

''ایک عورت اس بیوٹی پارلر میں کام کرتی ہے جہاں سے میں اپنے بال بنواتی ہوں۔ اس کی شکل وصورت میری طرح ہے۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز، اس کا قہقہہ لگانا بالکل مجھ جیسا ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا تو خود بھی ٹھٹکا گئی۔ بعض اوقات میں نے اسے پُراسرار نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا ہے۔ مجھے اس کے سوا اور

[illegible] ''باورچن کے علاوہ گھر میں اور کتنے ملازم ہیں؟'' شیام نے پوچھا۔

''دو ملازمائیں ہیں لیکن وہ نوجوان لڑکیاں ہیں۔ پھر راجو ہے جو میرے شوہر کا ذاتی ملازم تھا۔ اب وہ داروغہ اور شوفر دونوں کا کام کرتا ہے۔ پھر انجلو ہے جو کہ گاڑیوں کو دھوتا ہے، لان کی صفائی اور تراش خراش کرنے کے علاوہ سوئمنگ پول کی صفائی بھی کرتا ہے۔ میں نے اسے بعض اوقات باورچن کے ساتھ انگریزی میں بات چیت کرتے ہوئے سنا ہے۔''

''کیا آپ نے پولیس سے مدد لینے کے بارے میں سوچا؟'' شیام کی سیکریٹری کملا دیوی نے سوال کیا۔

''میں نے یہ بات سوچی تھی لیکن کیا وہ میرے کہنے پر یقین کرلیں گے؟ یہ سب کچھ عجیب وغریب اور پُرتخیل لگتا ہے... حتیٰ کہ مجھے خود بھی۔'' جمنا نے جواب دیا۔

''پولیس چیف گووندا آنند مختلف ٹائپ کا افسر ہے۔'' شیام نے کہا۔ ''ہم برسوں تک اچھے دوست رہے ہیں۔ میں اس سے کہہ کر آپ کے تمام ملازمین اور دیگر لوگوں جن پر آپ کو شبہ ہو، ان سب کا پولیس ریکارڈ چیک کرادوں گا۔''

گو اس وقت رات ہو چکی تھی لیکن شہر کے ساحل پر واقع بلند عمارتوں کی روشنیوں سے لان پر تقریباً دن کا سا سماں لگ رہا تھا۔

وہ باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک کسی شے کے گرنے کی آواز آئی۔ کوئی چیز ہوا میں اڑتی ہوئی لان میں آئی تھی۔ شیام نے اپنی کرسی سے بجلی کی سی سرعت سے ایک جست لگائی۔ اس کی پھرتی پر اس کے ساتھی ہری اور کملا دیوی بھی ششدر رہ گئے۔ شیام نے پلک جھپکتے میں اس شے کو زمین پر سے ایک ہاتھ میں اٹھا لیا اور سمندر کی سمت پانی میں پھینک دیا۔

وہ شے ایک چھپاکے سے پانی میں گری اور پانی میں ایک دھماکا ہوا۔ پانی فوارے کی طرح اچھلا اور اس کی پھوار وہاں سمر ہاؤس تک آئی جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے۔

☆☆☆

شیام کے علاوہ وہ تینوں دیر تک اپنی کرسیوں پر سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھے رہے۔

''اوہ مائی گاڈ!'' جمنا نے سب سے پہلے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا تھا؟''

''یہ بم تھا، جمنا۔'' ہری نے جواب دیا۔

''بم تو نہیں بلکہ ہینڈ گرینیڈ ٹائپ کا پٹاخہ تھا۔ آپ بلیک مارکیٹ میں سے خرید سکتے ہیں۔'' شیام نے بتایا۔ ''... نے بنگلے کے عقب سے اسے ہم پر اچھالا تھا۔ خوش قسمتی ... میں اسے پھٹنے سے پہلے پانی میں پھینکنے میں کامیاب ہو ... میرا خیال ہے کہ ہمیں فوری طور پر اندر بنگلے میں چلے ... چاہیے۔''

وہ چاروں سمر ہاؤس سے اٹھ کر واپس بنگلے میں ... گئے۔ شیام نے اندھیری جگہوں اور جھاڑیوں کا اچھی طر ... جائزہ لیا۔ اگرچہ وہاں کسی کے چھپے رہنے کا امکان تو نہیں ... لیکن پھر بھی احتیاط لازم تھی۔

جمنا موروتی انہیں بیسمنٹ میں واقع اسٹڈی میں لے آ ... جسے وہ اپنے دفتر کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ یہاں ... ائیر کنڈیشنر چل رہا تھا، یہ کمرا آرام دہ اور محفوظ تھا۔

''کیا ہم یہ جگہ چھوڑ دیں؟'' جمنا نے پوچھا۔

''میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔'' شیام ... کہا۔ ''فوری طور پر دوسرے کسی حملے کا امکان نہیں ہے۔ میں گووندا آنند سے ملنے کے لیے پولیس ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں۔ مجھے اس وقت تمام ملازموں اور ان تمام لوگوں کی جن کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، فہرست چاہیے۔ میں ان کی چھان بین کراتا ہوں۔ مجھے زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے لگیں گے۔ آپ تینوں ایک ساتھ رہیے اور ایک دوسرے کو نظر میں رکھیے۔''

''میں ابھی تک اس سے خوف زدہ ہوں جو کچھ باہر ہوا ہے۔'' جمنا نے کہا۔

''آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے مسز موروتی۔'' شیام نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''حقیقت میں یہ اتنا خطرناک نہیں جتنا کہ آپ سمجھ رہی ہیں۔ جس نے بھی اسے پھینکا تھا اسے معلوم تھا کہ مجھے اتنی مہلت مل جائے گی کہ میں وہ بم پانی میں پھینک سکوں۔ اس نے یہ حرکت بڑے حساب کتاب سے کی تھی۔ وہ درحقیقت ہمیں خوف زدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ ہم گھبراہٹ میں کوئی احمقانہ حرکت کر بیٹھیں۔ یہ آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش نہیں تھی۔ کم از کم اس مرتبہ ایسا نہیں تھا۔''

''تم یہ بات کیونکر کہہ سکتے ہو شیام؟'' ہری نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ بم کی ہلاکت ایک حادثہ نہیں ہو سکتی۔'' شیام کی سیکریٹری کملا دیوی نے کہا۔

''میرا بالکل یہی مطلب تھا۔'' شیام نے کہا۔ ''یہ حادثہ نہیں قتل ہوتا۔''

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

''بہرحال، مجھے آپ لوگوں پر مکمل اعتماد ہے اور آپ لوگ اس میں مہارت رکھتے ہیں۔ ہری اور کملا دیوی کی موجودگی میں، میں خود کو محفوظ تصور کرسکتی ہوں۔'' جمنا نے شیام سے کہا۔

''یہ لوگ آپ کے ساتھ رہیں گے۔ ہری کے پاس اسلحہ موجود ہے اور یہ اسے استعمال کرنا بھی جانتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

☆☆☆

شیام نے اپنی جیب سے کاغذ نکال کر پولیس چیف کی میز پر رکھ دیا اور بولا۔ ''کوئی جمنا سورتی کو قتل کرنا چاہتا ہے اور یہ وہ تمام نام اور پتے ہیں جو مسز جمنا سورتی نے اپنے ذاتی ریکارڈ میں سے دیے ہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کا نام اس فہرست میں موجود نہ ہو لیکن جو کوئی اس سے واقف ہے، اس کا نام اس میں ہے۔ ان میں سے کسی نے اسے سرہاؤس کے لان میں ہماری موجودگی کی خبر دی ہوگی جبھی تو وہ گرینیڈ ہم پر پھینکا گیا تھا۔''

''بظاہر تو یہی لگتا ہے۔'' گووند نے اتفاق کیا۔

''میں نے فہرست میں بیوٹی پارلر والی خاتون روزی کا نام بھی شامل کردیا ہے۔ اس کے علاوہ جمنا کے والدین کے نام، اس یتیم خانے کا نام و پتا جہاں اس کی پرورش ہوئی تھی... اور وہ تمام کچھ جس سے مدد مل سکے کہ اسے کس نے گود لیا تھا، اس کاغذ پر درج ہے۔'' شیام نے کہا۔

''میں فوری طور پر روزی نامی اس عورت کا ریکارڈ چیک کراتا ہوں۔'' گووند نے کہا۔ ''باقی لوگوں کے بارے میں تفصیلات میں صبح تک معلوم کرلوں گا۔''

چیف گووند نے اپنی میز پر موجود فون اٹھایا اور ایک منٹ تک کسی سے بات کرتا رہا۔ پھر فون رکھنے کے بعد شیام کی جانب پلٹا اور بولا۔ ''میں نے ریکارڈز میں بات کی ہے۔ یہ بیوٹی پارلر والی روزی کا نام ذہن میں کھٹک رہا ہے۔ چند منٹ بعد اس کے بارے میں معلومات مل جائیں گی۔''

دس منٹ بعد ایک نائٹ ڈیوٹی کلرک نے ریکارڈ سے ایک لفافہ لاکر گووند کی میز پر رکھ دیا۔ گووند نے لفافے میں موجود فولڈر نکال کر اس میں موجود کاغذات کا سرسری جائزہ لیا اور پھر وہ فولڈر شیام کی طرف بڑھا دیا۔

شیام نے فولڈر کے کاغذات کی ورق گردانی شروع کردی۔

''اس کا بیک گراؤنڈ دلچسپ ہے۔'' شیام نے فولڈر پڑھتے ہوئے کہا۔ [illegible] مرتبہ میری جوانا رکھنے کے جرم میں گرفتار ہوچکی ہے۔ تین بار پارٹیوں میں ہلڑ بازی کے الزام میں گرفتار ہونے کے بعد اگلے روز رہا ہوئی ہے۔ کال گرل ہونے کا شبہ ہے۔ ایک غیر ملکی سیاح سے ہزار ڈالرز ہتھیانے کا الزام بھی ہے۔''

''ہاں۔'' شیام نے کہا۔ ''مجموعی طور پر ایک ماڈرن کردار کی حامل رہی ہے۔ لیکن پانچ سال قبل اس کے تمام طور طریقوں میں یکسر تبدیلی آگئی۔ یہ اسی دور کی بات ہے جب جمنا نے کرشنا سورتی سے شادی کی تھی۔ اس نے بیوٹی اسکول میں داخلہ لے لیا تھا اور پھر باقاعدگی سے ملازمت کرنے لگی۔ کیا یہ ایک اتفاق ہوسکتا ہے؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' گووند نے کہا۔ ''ہمارے ریکارڈ میں ایسی کوئی بات نہیں جو اسے مسٹر اینڈ مسز کرشنا سورتی سے کسی طور منسلک کرتی ہو۔ روزی کی پیدائش اور پرورش ہمارے ریکارڈ کے مطابق دہلی میں ہوئی تھی۔ دس سال قبل وہ ممبئی آگئی تھی۔ ریکارڈ سے کہیں ظاہر نہیں ہورہا کہ اسے گود لیا گیا تھا۔ اگر تم چاہو تو میں صبح اس بارے میں بھی چھان بین کرالوں گا۔''

''میں تو چاہوں گا۔'' شیام نے کہا۔ ''اس دوران میں روزی سے کچھ گپ شپ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا پتا میں نے لے لیا ہے۔ تم اس دوران ملازموں کے بارے میں مکمل چھان بین کرلو۔ میں صبح تمہیں پھر فون کروں گا۔''

روزی کا بیوٹی پارلر اندھیری ویسٹ کے علاقے میں تھا لیکن اس کی رہائش باندرہ کی ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ میں تھی۔ یہ جگہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے صرف چند میل کے فاصلے پر تھی۔

شیام اپنی کار سست رفتاری سے چلاتے ہوئے باندرہ کی جانب جارہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اسے احساس ہوا کہ سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی غیر ملکی کار اس کا تعاقب کررہی ہے۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ سیاہ کار واقعی اس کا پیچھا کررہی ہے تو اس نے اپنی کار بے مقصد ادھر ادھر کی سڑکوں پر گھمانا شروع کردی۔

سیاہ کار بدستور اس کے تعاقب میں تھی۔ شیام اسے ڈاج نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس طرح تعاقب کرنے والے کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ اب اپنی اصل منزل یعنی روزی کے فلیٹ کی جانب روانہ ہوگیا۔

روزی جس عمارت میں رہتی تھی، وہ بیس یونٹ پر مشتمل ایک پرانی اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔

شیام نے اپنی کار عمارت کے برابر میں پارک کردی۔

[illegible] آگے نکل گئی۔ شیام نے کار چلانے والے کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن سڑک پر گھنے درخت اور اندھیرا ہونے کے باعث وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ کار چلانے والی شخصیت کوئی مرد ہے یا عورت۔

شیام کو یقین تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، آگے جاکر گاڑی کہیں روک کر اس کی عمارت سے واپسی کا انتظار ضرور کرے گا۔

شیام عمارت میں داخل ہوگیا۔ کوریڈور میں لگے ہوئے بورڈ سے اسے پتا چل گیا کہ روزی کا اپارٹمنٹ دوسری منزل پر ہے۔ جب وہ اس کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو جھری سے روشنی دکھائی دینے پر اس نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا لیکن گھنٹی کی آواز سنائی نہیں دی۔ تب شیام نے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ جب کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے دوبارہ دستک دی۔

بالآخر کوئی دروازے کی جانب آیا۔ پھر دروازہ تھوڑا سا کھلا اور ایک عورت کی شکل دکھائی دی۔ شیام قدرے پیچھے ہٹ گیا تاکہ عورت اسے اچھی طرح دیکھ سکے۔

اس دوران شیام خود بھی اس عورت کا جائزہ لینے لگا۔ اس عورت کے بال سنہری تھے۔ آنکھیں سیاہ اور چمک دار تھیں۔ وہ جمنا سورتی کی طرح نظر آرہی تھی لیکن دوسری جانب اسے جمنا سورتی سے بالکل غیر مماثل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔

''روزی؟'' شیام نے پوچھا۔

''کون ہے؟'' اندر کمرے سے کسی مرد نے پوچھا۔

شیام نے فوراً ہی اپنا پیر کھلے ہوئے دروازے میں اڑا دیا تاکہ عورت دروازہ بند نہ کرسکے لیکن عورت نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شیام اس عورت کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔ ''میں بیوٹی پارلر میں تمہاری ایک کسٹمر کا دوست ہوں۔'' شیام نے کہا۔ ''تمہاری بہترین کسٹمرز میں سے ایک کا... بلکہ ایک بے حد بہترین کسٹمر کا۔''

''یہ آوارہ گرد اس وقت رات کو یہاں کیا کرنے کے لیے آیا ہے؟'' اندر سے اسی مرد کی آواز آئی۔ ''اس سے کہو کہ یہاں سے دُم دبا کر بھاگ جائے ورنہ میں اس کا بھرکس نکال دوں گا۔''

عورت بدستور شیام کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''اس معاملے میں تمہارے لیے ڈھیروں رقم ہوسکتی ہے، روزی۔'' شیام نے کہا۔ ''بے شمار دولت!''

''تم نے یہ کس طرح سوچا کہ میں برائے فروخت ہوسکتی ہوں بگ مین؟'' روزی نے پہلی مرتبہ مدھم گلوگیر آواز میں کہا۔

''یہ اس قسم کی رقم نہیں ہے۔'' شیام نے بھی مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ واقعی ایک بڑی رقم ہے۔ اتنی بڑی رقم کہ تم نے کبھی اس کا خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا۔''

''میں نے کہا نا کہ اس آوارہ گرد کو باہر پھینک دو۔'' کمرے میں موجود مرد کی آواز آئی۔

روزی نے دعوت دینے والی نظروں سے شیام کو دیکھا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ کھول دیا۔

''اگر تم اسے باہر پھینک سکتے ہو تو پھینک دو۔'' روزی نے پلٹ کر مرد سے کہا۔

وہ شخص کاؤچ سے اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکال لیا تھا۔ وہ شخص یقینی طور پر نشے کی حالت میں تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور اس کی حرکات بے ہنگم سی تھیں۔

شیام نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اس شخص کی وہ کلائی دبوچ لی جس ہاتھ میں اس نے چاقو دبایا ہوا تھا اور وہ کلائی مروڑ دی۔ اس شخص کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ پھر شیام نے اس شخص کے جبڑے پر ایک کھرا ہاتھ رسید کردیا۔ وہ شخص منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

''تم کیا چاہتی ہو... میں اسے کہاں پھینکوں؟'' شیام نے روزی سے پوچھا۔

روزی نے دروازے کی سمت باہر ہال کی جانب اشارہ کردیا۔ شیام نے اس شخص کا ایک ہاتھ اور ایک پیر اپنی

کارکردگی

''مجھے فخر ہے کہ میں نے تیس سال تک کرکٹ کھیلی اور کبھی پچیس سے کم رنز نہیں بنائے اور تین سے کم وکٹیں نہیں لیں۔'' جارج نے اپنے دوستوں کو بتایا۔

''کاش... میں بھی یہ بات کہہ سکتا۔'' ٹیڈ نے بے حد افسردگی سے کہا۔

''کیوں نہیں کہہ سکتے۔'' ہیری نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ ''آخر جارج نے بھی تو یہ بات کہی ہی ہے۔''

وسیم احمد، کراچی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

گرفت میں لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا ہال میں لے گیا۔ پھر واپس آکر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

روزی چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''اوکے! اب بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟''

''میں بتادوں گا۔'' شیام نے کہا۔ ''یہ کون تھا؟''

''کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔'' روزی نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''عرصہ ہوا میں اس سے عاجز آچکی ہوں لیکن ان دنوں کوئی عورت کر بھی کیا سکتی ہے؟ اب تم مجھے اس بڑی رقم کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس کے بارے میں سننا چاہتی ہوں۔''

''تمہارے بیوٹی پارلر پر جمنا سورتی نامی ایک کسٹمر آتی ہے۔'' شیام نے کہا۔

''ہاں، میں انہیں جانتی ہوں۔''

''کیا کبھی کسی نے تم سے کہا کہ تم ان سے ملتی جلتی ہو؟'' شیام نے پوچھا۔ ''میرا مطلب جمنا سورتی سے ہے۔ کیا تمہارے خیال میں تم ان سے مشابہ ہو؟''

روزی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بغور شیام کو دیکھ رہی تھی۔

''رقم کا تعلق اسی معاملے سے ہے۔'' شیام نے کہا۔

''رہنے دو۔'' روزی نے کہا۔ ''میں سمجھی کہ تم کوئی نئی بات کر رہے ہو۔''

''کیا مطلب؟'' شیام نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں روزی۔ تم چند سوالوں کے جواب دے دو تو اس سے ایک بہت بڑی رقم تمہارے ہاتھ آسکتی ہے۔''

''یقیناً۔'' روزی نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے۔ سورتی کے لاکھوں میں سے آدھی رقم۔ تم اسی کی بات کر رہے ہو نا؟ لیکن میں یہ کام نہیں کروں گی۔'' یہ کہہ کر روزی نے قدرے توقف کیا۔

''تم کیا کام نہیں کرو گی؟'' شیام نے جاننا چاہا۔

''میں یہ ثابت نہیں کرنا چاہوں گی کہ میں جمنا سورتی کی عرصے سے کھوئی ہوئی چھوٹی بہن ہوں۔ یہ ڈھونگ کسی طور نہیں چل سکے گا۔''

☆☆☆

اس بات نے شیام کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔ وہ پورے ایک منٹ تک کچھ کہہ نہیں پایا۔

بالآخر وہ گویا ہوا۔ ''تمہارے ذہن میں یہ آئیڈیا کیونکر آیا؟ میں نے تو کسی بہن کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔''

''تم نے بات تو نہیں کی لیکن...... لیکن تم بات کرنے جارہے تھے تم سے خیال میں [illegible] سے واقف نہیں ہوں۔''

''کیسی روٹین؟''

''وہی روٹین جو دوسرے سراغ رساں نے اختیار کیا تھا۔ کم از کم اس نے یہی کہا تھا کہ وہ ایک سراغ رساں ہے۔ تم بھی یہی کہنے جارہے تھے کہ میں اس کی بہن کا روپ دھار لوں اور بڑی رقم ہتھیا لوں۔ لیکن صرف میں یہ بات جانتی ہوں کہ یہ ڈھونگ نہیں چلے گا۔''

''تمہاری سوچ بہت آگے نکل گئی ہے۔'' شیام نے کہا۔ ''میں یہ مشورہ نہیں دینے جارہا تھا کہ تم وہ بن جاؤ جو تم حقیقت میں نہیں ہو۔ ہاں، یہ بات درست ہے کہ مجھے جمنا سورتی کی بہن کی تلاش ہے لیکن میری تلاش اس کی اصلی بہن کی ہے ورنہ اور کوئی نہیں۔ اور وہ دوسرا سراغ رساں کون ہے جس کا ابھی تم نے تذکرہ کیا تھا؟''

''میں نے تمہیں پہچان لیا ہے شیام۔'' روزی نے کہا۔ ''میں تمہاری تصویر اخباری اشتہار میں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔ اس دوسرے شخص نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ سراغ رساں ہے لیکن میں اس کی تصدیق نہیں کرسکتی۔ اس نے کہا تھا کہ جمنا سورتی اپنی چھوٹی بہن کو اپنی آدھی دولت دینے کے لیے رضامند ہے، اگر اس کی بہن ظاہر ہوجائے۔ اس نے مزید کہا کہ میں دیکھنے میں اس کی بہن لگتی ہوں۔ وہ مجھے ایسا روپ اور معلومات فراہم کردے گا کہ جمنا کو یقین آجائے گا کہ میں اس کی بہن ہوں۔ اس کے پاس اپنے نام، تاریخیں اور ثبوت موجود ہیں جن کی بنیاد پر میں اسے قائل کرسکتی ہوں۔''

یہ باتیں سن کر شیام کو یقین آگیا کہ جمنا سورتی کی زندگی کو حقیقی خطرہ لاحق ہے۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' شیام نے کہا۔ ''یہ کوئی راز نہیں کہ اگر جمنا سورتی کی بہن مل جاتی ہے تو وہ ڈھیروں دولت کی حق دار قرار پائے گی۔ تم ایسا موقع ہاتھ سے کیوں کھونا چاہتی ہو؟''

''میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ مجھے ترغیب نہیں ہوئی تھی۔ مجھ جیسی عورت کو اس قسم کی دولت صرف ٹی وی کے لیٹ نائٹ شوز ہی میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ ڈھونگ نہیں چل سکتا۔''

یہ کہہ کر اس نے قدرے توقف کیا۔ شاید سوچ رہی تھی کہ آگے کیا کہے۔ پھر وہ بولی۔ ''میرا پولیس ریکارڈ ہے۔''

''تو کیا ہوا؟'' شیام نے کہا۔ اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اس کے پولیس ریکارڈ کے بارے میں پہلے [illegible] سے واقف ہے۔

''میں ایک فرضی کہانی پر کس طرح قائم رہ سکتی ہوں؟ ان کے پاس میرے پرنٹس موجود ہیں۔ اگر کسی نے پہلی مرتبہ ہی تحقیقات کیں تو راز فاش ہوجائے گا اور سویٹ جمنا تحقیقات ضرور کرائے گی...... بشرطیکہ وہ دنیا کی بے وقوف ترین عورت نہ ہو۔ سچ ظاہر ہوجائے گا اور کھیل زیرو ہوجائے گا۔''

''تمہاری اس بات میں تک ہے۔'' شیام نے اعتراف کیا۔

''دوسری طرف شاید یہ کھیل میرے لیے ابھی ختم نہیں ہوا۔ شاید روزی اب بھی اس منظر میں سما سکتی ہے۔''

''مجھے سمجھاؤ۔'' شیام نے کہا۔

''تم دونوں سراغ رسانوں کی آمد سے میں پُریقین ہو گئی ہوں کہ جمنا سورتی کو حقیقت میں اپنی بہن کی تلاش ہے۔ تمہارا کہنا ہے کہ تم اس کی نمائندگی کر رہے ہو۔ دوسرے سراغ رساں کا کہنا ہے کہ وہ ایک بہروپ کو اصل روپ میں ثبوت کے ساتھ پیش کرسکتا ہے۔ فرض کرو کہ میں اپنا ذہن تبدیل کرلیتی ہوں؟ فرض کرو کہ وہ تمام ثبوت حاصل کرلیتی ہوں جو مجھے بھی چاہئیں؟ تمہارے خیال میں سویٹ جمنا مجھے اس کے عوض کیا ادائیگی کرے گی؟''

''وہ ایک بڑی دولت ہوگی۔'' شیام نے اقرار کیا۔ ''لیکن وہ کون شخص ہے جو یہ ثبوت فراہم کرے گا؟''

''میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ تمہیں یہ بات بتا دوں۔'' روزی نے کہا۔

شیام سمجھ گیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے، اس پر ڈٹی رہے گی۔

''فی الوقت وہی ایک نام ہے جو میرے لیے دولت کی نوید لا سکتا ہے۔'' روزی نے کہا۔ ''اور میں اس نام کو ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتی۔ تم جمنا کے پاس جاؤ اور اس کی آفر مجھے لا کر دو۔ اگر اس نے بڑی رقم کی پیشکش کی تو پھر میں دیکھوں گی کہ میں کیا کرسکتی ہوں۔''

شیام سمجھ گیا کہ اب وہ روزی سے مزید اور کوئی معلومات حاصل نہیں کرسکتا۔ اس نے جمنا سے اس بارے میں بات کرنے کا وعدہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ اپارٹمنٹ سے باہر آگیا۔

ابھی اس نے عمارت کے داخلی دروازے سے باہر فٹ پاتھ پر قدم رکھا ہی تھا کہ وہ شخص جسے اس نے روزی کے اپارٹمنٹ سے اٹھا کر باہر ہال میں پھینکا تھا، اپنی جانب لپکتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر دبا ہوا تھا اور وہ اب بھی نشے کی کیفیت میں تھا۔ شیام نے نہ صرف بروقت جھکائی دیتے ہوئے خود کو اس کے حملے سے بچالیا بلکہ اس کی راہ میں اپنی ٹانگ بھی اڑا دی۔

وہ شخص جھونک میں اٹک کر لڑکھڑا گیا اور سیدھا سڑک پر جاگرا۔ اسی دوران ایک تیز رفتار کار اسے ٹکر مارتی ہوئی نکل گئی۔

وہ ایک چھوٹی سیاہ رنگ کی کار تھی۔

ٹکر اتنی زوردار تھی کہ اس شخص کا جسم اڑتا ہوا سامنے ایک درخت کے تنے سے جا ٹکرایا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

☆☆☆

لوگ جائے حادثہ کی جانب دوڑ پڑے۔ شیام کو علم تھا کہ کوئی نہ کوئی پولیس اور ایمبولینس کو فون کردے گا۔ وہ مزید اس معاملے میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اس شخص کے مڑے تڑے جسم پر ڈالی تو سمجھ گیا کہ وہ مرچکا ہے۔ کسی نے بھی اس شخص کو شیام کی جانب لپکتے، اس پر حملہ کرتے یا شیام کو ٹانگ اڑاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ اطمینان کے ساتھ پارکنگ لاٹ میں موجود اپنی کار کی جانب چل پڑا۔

کار چلاتے وقت اس کے ذہن میں خیالات کی جنگ جاری تھی۔ اسے اس بات کا سو فیصد یقین نہیں تھا کہ وہ سیاہ کار جس نے روزی کے بوائے فرینڈ کو ٹکر ماری تھی، وہی سیاہ کار تھی جس نے پولیس ہیڈ کوارٹرز سے روزی کی قیام گاہ تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ نہ ہی اسے اتنا موقع مل سکا تھا کہ وہ دیکھ سکتا کہ وہ چھوٹی سی کار کون چلا رہا تھا...... اور ڈرائیور کوئی مرد تھا یا کوئی عورت!

اگر یہ وہی کار تھی تو کیا ڈرائیور کا نشانہ وہی شخص تھا جسے اس نے ٹکر مار کر ہلاک کردیا تھا یا وہ شیام کو نشانہ بنانا چاہتا تھا؟

لیکن جس سوال کا جواب سب سے پہلے درکار تھا، وہ اس شخص کی شناخت تھی جس نے روزی کو جمنا سورتی کی گمشدہ بہن کا روپ اختیار کرنے کی پیشکش کی تھی۔

وہ شخص جو کوئی بھی تھا، منصوبہ ساز، بے حد خطرناک اور بے رحم شخص تھا۔ وہ غالباً جمنا سورتی اور اس کی بہن کی جانب سے لکھے گئے خط اور اس بہن کی تلاش کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ وہ بے حد خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

جمنا سورتی اور اس کے آنجہانی شوہر نے پولیس فورس سے لے کر پرائیویٹ ایجنسیوں تک جن کی بھی خدمات

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

حاصل کی تھیں، ان میں سے بیشتر ان حقائق سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ یہ بات اب راز نہیں تھی۔

اس شخص نے روزی کو نئی شناخت کے جو ثبوت فراہم کرنے کی پیشکش کی تھی، وہ ایک بڑا سوال تھا۔ آیا اس کے پاس وہ ثبوت حقیقت میں موجود ہیں؟ اور وہ ثبوت اس کے پاس کہاں سے آئے ہیں؟ صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ اصلی بہن کے لیے کام کر رہا ہو۔ لیکن اگر ایسی بات تھی تو پھر انہیں روزی کی کیا ضرورت تھی؟ اصل راد ھا سامنے کیوں نہیں آئی؟

یقیناً ایک چالاک شخص جس کے پاس دولت ہو اور جو اس کہانی سے واقف ہو، اسے جعلی کاغذات خریدنے یا تیار کرانے میں کیا دشواری پیش آسکتی ہے؟ اور ان دستاویزات سے وہ بیشتر لوگوں کو بہ آسانی بے وقوف بنا سکتا ہے۔

پھر روزی کو پیشکش کی کیا ضرورت تھی؟ شاید اس شخص کو روزی کے ماضی کے پولیس ریکارڈ کے بارے میں علم نہیں ہو گا اور اس نے یہ بھی نہیں سوچا ہو گا، روزی کے علم میں یہ بات نہیں ہو گی کہ جمنا موری نے اپنی تمام وراثت اپنی گمشدہ بہن کے نام کی ہوئی ہے۔

یہ ایک پُر پیچ تانا بانا تھا جو کہ جمنا موری کے گرد بُنا گیا تھا اور اب خود شیام بھی اس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔

شیام واپس سلور سینڈز بنگلوز پہنچ گیا۔ بنگلے کا مرکزی داخلی دروازہ بند تھا۔ دروازہ جمنا موری اور ہری نے کھولا۔

شیام نے فیصلہ کیا کہ وہ جمنا کو صبح سے پہلے اب تک کی تفصیلات سے آگاہ نہیں کرے گا تاکہ وہ رات کو سکون کی نیند سوتی رہے۔

رات جب جمنا موری اور کملا دیوی گہری نیند سو گئیں تو شیام اور ہری نیچے اسٹڈی میں چلے گئے۔ وہ ایک محفوظ جگہ تھی۔ شیام نے اس روز کی تمام کارگزاری ہری کے گوش گزار کر دی۔

''وہ جو کوئی بھی فرد ہے، اپنے مقصد کے حصول کے لیے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کر رہا۔'' ہری نے کہا۔

''ہاں اور میں نہیں سمجھتا کہ روزی کے فلیٹ میں موجود شخص جس نے باہر فٹ پاتھ پر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، اسے کار کی ٹکر سے اتفاقیہ مارا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو علم تھا کہ وہ شخص بہت کچھ حقیقت جانتا ہے اور اس نے اسے راستے سے ہٹانے کا یہ سنہری موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا... اور یہ قتل کی واردات بھی قرار نہیں دی جا سکتی۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ سیاہ کار تمہیں کچلنا چاہتی ہو۔'' ہری

نکلتے دیکھا تو کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ اتنے میں اس شخص نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا اور کار کے ڈرائیور نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا۔ وہ تیزی سے آیا اور اس نے اس شخص کو ٹکر مار دی۔ اگر وہ مجھے مارنا چاہتا تو کار گھما کر فٹ پاتھ پر چڑھ جاتا اور مجھے ٹکر مارتا ہوا نکل جاتا۔ لیکن اس نے کار نہیں گھمائی اور اسی شخص کو ٹکر ماری جسے وہ مارنا چاہتا تھا۔''

''کیا تم نے ڈرائیور کی شکل دیکھی تھی؟'' ہری نے پوچھا۔

''نہیں، میں اس کی شکل نہیں دیکھ پایا۔ وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے گمشدہ بہن ہی ہو۔ البتہ یہ یقین ہے کہ وہ روزی نہیں تھی کیونکہ اسے تو میں اوپر اس کے فلیٹ میں چھوڑ کر آیا تھا۔''

''کیا روزی ان لوگوں کا اگلا شکار نہیں ہو سکتی؟'' ہری نے کہا۔

''یقینی طور پر ہو سکتی ہے لیکن وہ اتنی اسمارٹ ہے کہ کسی مدد کے بغیر اپنی جان کی حفاظت خود بھی کر سکتی ہے۔ میں ایک ہی وقت میں جمنا موری اور روزی کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی جمنا موری میری کلائنٹ ہے۔''

''ٹھہرو۔'' ہری نے کہا۔ ساتھ ہی اس نے لیمپ کا بلب بجھا دیا۔ ''پانی کی جانب سے کوئی اس طرف آرہا ہے۔''

☆☆☆

انہوں نے غور سے دیکھا تو اندھیرے میں ایک نہیں دو سائے آتے دکھائی دیے۔

شیام اور ہری تیزی سے اٹھے اور مکان کے عقبی دروازے سے لان میں چلے گئے۔ لان سے ایک دروازہ گراؤنڈ فلور کے کچن میں کھلتا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دو سائے اس دروازے تک پہنچتے، شیام اور ہری نے لپک کر ان کا راستہ روک لیا۔

''ٹھہر جاؤ۔'' شیام نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ دونوں خواتین تھیں۔ وہ آپس میں نہایت دھیمے لہجے میں باتوں میں اس حد تک مگن تھیں کہ انہیں شیام اور ہری کی آمد کا احساس بھی نہیں ہو پایا۔ شیام کی آواز سنتے ہی وہ دونوں اچھل پڑیں اور ایک کی تو چیخ بھی نکل گئی۔ دبلی پتلی نوجوان عورت کا پرس ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا اور اس میں موجود اشیا نکل کر پتھر یلے فرش پر پھیل گئیں۔

''میں ابھی چلانا شروع کر دوں گی اور گھر سے مدد طلب

کروں گی۔'' ...

... ہری نے کہا۔ ''تم بھی اسی گھر میں قیام پذیر ہیں۔ اندھیرے کے باعث تمہیں شناخت نہیں کر پائے۔ یہ باورچن ہے اور یہ ملازماؤں میں سے ایک ہے شیام۔'' آخری جملہ ہری نے شیام سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اور آپ وہ دونوں مہمان ہو... مسٹر شیام اور مسٹر ہری۔'' نوجوان عورت نے کہا۔

''تم اتنی رات کو کہاں سے آرہی ہو؟'' شیام نے پوچھا۔

''میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ باہر گئی تھی۔'' نوجوان عورت نے قدرے نخوت سے کہا۔ ''اور اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے مسٹر۔ میں مسز جمنا کی ملازمہ ہوں، آپ کی نہیں۔''

''آل رائٹ جوہی۔'' باورچن نے نوجوان عورت سے کہا۔ ''مسٹر شیام بھی مسز جمنا موری کے لیے کام کر رہے ہیں اور میرے خیال سے انہیں پوچھنے کا اختیار ہے۔''

''انہوں نے پوچھا اور میں نے جواب دے دیا۔'' عورت نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر جھک کر فرش پر گری ہوئی اشیا سمیٹ کر اپنے پرس میں ڈالنے لگی۔ ہری بھی اکڑوں بیٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

''کیا تم دونوں ایک ساتھ باہر گئی تھیں؟'' شیام نے باورچن سے پوچھا، پھر خود ہی اپنی بات کی نفی کرتے ہوئے بولا۔ ''نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم دونوں ایک ڈبل ڈیٹ پر گئی ہو گی۔''

اس بات پر باورچن نے بے ساختہ ایک قہقہہ بلند کیا اور بولی۔ ''اوہ نہیں، میں اپنی بوڑھی آنٹی سے ملنے کے لیے گئی تھی جو ساؤتھ بیچ پر ایک فلیٹ میں رہتی ہیں۔ میں ہفتے میں دو تین بار ان سے ملنے کے لیے چلی جاتی ہوں کیونکہ وہ اکیلی رہتی ہیں اور خود کو بے حد تنہا محسوس کرتی ہیں۔ بس نے مجھے کارنر پر اتار دیا تھا۔ عین اسی وقت جوہی بھی اپنے دوست کی کار سے اتری تھی۔ اتفاقی طور پر ہم ساتھ ہی گھر کی جانب چل پڑے۔''

''اچھا!'' شیام نے کہا۔ ''اور تم جوہی... تم اور تمہارا دوست کہاں گئے تھے؟''

''اس بات سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔'' جوہی نے اپنی اشیا سمیٹنے کے بعد انہیں پرس میں منتقل کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہم ایک ساتھ اچھا وقت گزارنا چاہتے تھے اور وہ ہم نے گزار لیا۔ اب تم اس سے کیا اخذ کرنا چاہتے ہو؟''

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے بنگلے میں داخل ہو گئی۔ ایک لمحے بعد باورچن بھی اس کے پیچھے چل دی۔

شیام اور ہری واپس اسٹڈی میں آگئے۔

''لڑکی بڑی دلیر لگتی ہے۔'' شیام نے تبصرہ کیا۔

''بے شک۔'' ہری نے کہا۔ ''اسے اپنی فہرست میں ٹاپ پر لے جاؤ۔''

''کیا مطلب؟''

''جب میں اس کے پرس کی گری ہوئی اشیا سمیٹنے میں اس کی مدد کر رہا تھا تو میں نے زمین پر سے نوٹوں کی ایک گڈی بھی اٹھائی تھی جو ایک پیپر کلپ میں دبی ہوئی تھی۔ ایک ملازمہ کے پاس نوٹوں کی گڈی کا کیا کام؟''

☆☆☆

وہ دونوں بقیہ تمام رات اسٹڈی میں کاؤچ پر اونگھتے اور کروٹیں بدلتے رہے۔

شیام کی آنکھ صبح اس وقت کھلی جب اس نے کچن میں برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی۔ باورچن فلورا نے کافی چولہے پر چڑھا دی تھی۔ جب کافی کی مہک شیام کے نتھنوں سے ٹکرائی تو وہ باتھ روم سے فارغ ہو کر سیدھا کچن میں چلا گیا۔

فلورا اسے دیکھ کر مسکرا دی اور اسے اسٹرانگ کافی کا گرم کپ تھما دیا۔

صبح کی روشنی میں شیام نے فلورا کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وہ ایک ہینڈسم عورت تھی لیکن کسی طور پر جمنا موری سے مشابہ نہیں تھی۔ البتہ اس کے چہرے سے ذہانت کا اظہار ہو رہا تھا اور وہ ایک پُروقار عورت تھی۔ اس نے کافی کے ساتھ سلائس اور مکھن بھی شیام کے سامنے رکھ دیے۔ شیام نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''آپ لوگ یہاں مس جمنا کی بہن کے سلسلے میں آئے ہیں نا؟'' فلورا نے پوچھا۔

شیام حیرت زدہ رہ گیا۔ ''میں اعتراف تو کرتا ہوں لیکن تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟''

''میں یہاں اس وقت سے کام کر رہی ہوں جب مالکن اور صاحب کی شادی ہوئی تھی۔'' باورچن فلورا نے بتایا۔ ''جب وہ اس بارے میں آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور پھر وکیل کی بار بار آمد و رفت تو یہ ناممکن تھا کہ معاملہ سمجھ میں نہ آئے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ملازمین تو گفتگو سنتے رہتے ہیں۔''

''وہ ملازمہ جوہی جو رات تمہارے ساتھ تھی، کیا وہ بھی

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

اسی وقت سے یہاں کام کر رہی ہے؟"

"نہیں، اسے یہاں آئے ہوئے صرف چار ماہ ہوئے ہیں۔ اس وقت کے ملازمین میں سے اب صرف راجو ہے جو صاحب کا پرانا نمک خوار ہے۔ بہن کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"مجھے علم ہے کہ ان لوگوں نے پرائیویٹ سراغ رسانوں کی خدمات بھی حاصل کی تھیں۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ وہ کون تھے؟" شیام نے کافی کا کپ دوبارہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان کے ناموں کا علم نہیں ہے۔" فلورا نے جواب دیا۔ "وہ سراغ رساں یہاں گھر پر کبھی نہیں آئے تھے۔ وکیل گوپال نے انہیں شہر ہی میں کہیں سے ہائر کیا تھا۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ وہ اپنی کارکردگی کی رپورٹ براہِ راست مسٹر گوپال کو دیا کرتے تھے یا مسٹر کرشنا موری کو۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ لوگ بہن کی تلاش کے لیے بے حد اپ سیٹ رہتے تھے۔ اگر یہ بات اہمیت رکھتی ہے تو شاید مسز جمنا موری کو یاد ہو کہ وہ سراغ رساں کون تھے۔"

"میں ان سے پوچھ لوں گا۔" شیام نے کہا۔ "بائی دا وے۔۔۔ جوہی کا بوائے فرینڈ کون ہے جس کے ساتھ رات وہ باہر گئی تھی؟"

فلورا نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ "میں اس معاملے میں بھی آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ میں نے تو اسے قریب سے بھی کبھی نہیں دیکھا۔ وہ کوئی نوجوان ہے اور وہ اسے بوبی یا گوپی کے نام سے پکارتی ہے۔۔۔"

"یہ میں خود اسی سے پوچھ لوں گا۔" شیام نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فلورا نے کچن کا ایکسٹینشن فون اٹھا لیا اور بات کرنے کے بعد شیام کو اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "آپ کا فون ہے مسٹر شیام!"

شیام نے حیرت سے ریسیور اٹھایا اور بولا۔ "ہیلو!"

دوسری جانب سے۔۔۔۔۔ گووند کی آواز آئی۔ "شیام! کیا کل رات تم روزی سے ملنے کے لیے اس کے فلیٹ پر گئے تھے؟"

"کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟" شیام نے پوچھا۔

"ہمارے پاس اپارٹمنٹ ہاؤس کے منیجر کا فون آیا تھا۔ یہ تقریباً آدھے گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے روزی کے فلور کے لوگوں نے جگایا تھا۔ روزی کے فلیٹ [illegible] دروازہ [illegible] اندر [illegible] جب [illegible] وہاں پہنچا [illegible] الٹ پلٹ پایا۔"

"اور روزی؟"

"وہ کچن کے فرش پر منہ کے بل خون میں نہائی ہوئی تھی۔ اسے تین گولیاں ماری گئی ہیں۔"

"کیا وہ مر چکی ہے؟" شیام نے پوچھا۔

"یہ اچھا سوال ہے۔" گووند نے کہا۔ "جب ہم نے اسے اسپتال پہنچایا تو اس وقت تک وہ زندہ تھی اور آخری خبریں آنے تک دو ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ مر چکی ہو کیونکہ اس کی حالت کافی خراب تھی۔"

"کیا اس نے کوئی بات کی؟"

"شیام! جس طرح اسے گولیاں لگی ہیں، اس لڑکی کی سانسیں برقرار رہنا بھی ایک معجزہ ہے۔۔۔ بات کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ وہ جب سے بے ہوش ہے۔ اگر اس نے بات کی ہوتی تو تمہارے خیال میں کیا بات کرتی؟"

"کاش، مجھے معلوم ہوتا۔ اسے کب گولیاں ماری گئی تھیں؟" شیام نے پوچھا۔

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسے فرش پر گرے دیر ہو گئی تھی۔ اسے لگ بھگ نصف شب کے قریب گولیاں ماری گئی تھیں لیکن یہ ایک اندازہ ہے۔" گووند نے بتایا۔

"میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔" شیام نے کہا۔ "اگر وہ ہوش میں آجاتی ہے اور بات کرنے کے قابل ہو جاتی ہے تو میں اس کی بات سننے کے لیے وہاں پر موجود رہنا چاہتا ہوں۔"

"سیکیورٹی کی غرض سے اس کے کمرے پر گارڈز کا پہرا ہے۔"

"تو تم بھی وہاں پہنچ جاؤ اور مجھے کمرے میں اندر لے جانا۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

شیام نے فون بند کر دیا اور ہری کو تازہ ترین صورتِ حال بتانے کے لیے کچن سے نکل گیا۔ فلورا الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی لیکن شیام سے کچھ نہیں پوچھا۔

صبح سویرے کا وقت تھا، اس کے باوجود شیام کو اسپتال کی پارکنگ میں جگہ تلاش کرنے میں قدرے دشواری پیش آئی۔

گووند اس منزل پر بنے نرسوں کے کاؤنٹر پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آگے کوریڈور میں ایک کمرے کے باہر ایک باوردی پولیس مین کرسی پر بیٹھا پہرا دے رہا تھا۔

[illegible] وہ اسے [illegible] ایمرجنسی [illegible] سے یہاں لے آئے ہیں اور ایک گولی کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے جو اس کی ریڑھ کی ہڈی کے نزدیک پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت ایک ڈاکٹر اور ایک نرس اندر اس کے پاس موجود ہیں۔"

دروازے پر پہرا دینے والے باوردی پولیس مین نے انہیں کمرے کے اندر جانے سے نہیں روکا۔ البتہ اندر موجود نرس نے ان کی آمد پر نہ صرف غصے سے انہیں گھورا بلکہ گووند کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔ "گیٹ آؤٹ۔ کیا تمہیں زخمی عورت۔۔۔ کی کیفیت کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہے؟ ہم یہاں کام کر رہے ہیں۔"

"ہم بھی اپنی ڈیوٹی کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔" گووند نے کہا۔ "آئی ایم سوری سسٹر۔"

ڈاکٹر جو اس وقت مریضہ پر جھکا ہوا تھا، اس نے سر اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور نرس سے بولا۔ "انہیں یہاں رہنے دو، جولیا۔ انہیں بھی ضروری کام ہے۔ اس کے سوا میں نہیں سمجھتا کہ اب کوئی فرق پڑے گا۔"

پھر وہ گووند سے مخاطب ہوا۔ "آئی ایم سوری، چیف! میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کو کچھ بتانے کے قابل ہے۔ اب صرف چند منٹوں کی بات رہ گئی ہے۔ میرے خیال میں وہ اب ہوش میں کسی صورت نہیں آئے گی۔"

روزی کا چہرہ اس طرح پھیکا پڑ چکا تھا جیسے اس کے جسم کا تمام خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا اور اسے خون بھی چڑھایا جا رہا تھا لیکن ڈاکٹر کی تمام تر کوششوں کے باوجود مریضہ کی نبض ڈوب رہی تھی۔

"ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ ہم کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن اسے بہت گہرے زخم آئے ہیں اور خون بھی بہت زیادہ بہہ گیا ہے۔"

ابھی ڈاکٹر یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ روزی کے جسم نے ہلکا سا جھٹکا لیا اور پھر ساکت ہو گیا۔ ڈاکٹر اور نرس روزی پر جھک گئے۔ پھر ڈاکٹر نے افسردگی سے سر ہلا دیا۔ "آئی ایم سوری۔"

"بہتر ہوگا کہ لاش کو آٹوپسی روم میں پہنچا دیا جائے۔" گووند آنند نے ڈاکٹر سے کہا۔ "کورونر اپنی نگرانی میں اس کا معائنہ کرے گا۔"

"ابھی نہیں، گووند۔" شیام نے کہا۔ "فی الوقت لاش کو کسی طور پر یہاں سے ہٹایا نہ جائے۔"

"تم یہ کیوں کہہ رہے ہو شیام؟" گووند نے کہا۔ "کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"یقیناً۔" شیام نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ لاش ابھی کچھ دیر یہیں موجود رہے اور آپ تینوں اس کے پاس اسی طرح مصروف رہیں جیسے اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں باہر کاؤنٹر سے فون کرنے اور روزی کو جمنا موری کے اخراجات پر کسی پرائیویٹ اسپتال میں منتقل کرنے کے انتظامات کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ باہر موجود اسٹاف میں سے بیشتر میری اس گفتگو کو سن لیں گے تاکہ اگر بعد میں کوئی ان سے سوال کرے تو یہ بات انہیں یاد رہے۔ ساتھ ہی میں مریضہ کے ایک اور آپریشن کے لیے باہر سے اسپیشلسٹ بلانے کی بات بھی کروں گا۔"

"تم چاہتے ہو قاتل یہ سمجھے کہ روزی ابھی تک زندہ ہے۔" گووند نے کہا۔ "میں تمہارا مقصد سمجھ گیا لیکن تم اس کے مرنے کی خبر کو کتنی دیر تک چھپا سکو گے؟"

"یہ بات زیادہ دیر تک نہیں چھپانی۔" شیام نے کہا۔ "جب پرائیویٹ اسپتال کی ایمبولینس یہاں آجائے گی تو ہم چاروں لاش کو اسٹریچر پر ڈال کر لفٹ کے ذریعے نیچے لے جائیں گے۔ لاش کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا ہو گا اور نرس پلازما کی بوتل تھام کر ساتھ چل رہی ہوگی۔ لفٹ میں ہم چاروں اور اسٹریچر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔

"جب لفٹ نیچے پہنچے گی تو ایک الجھانے والی صورتِ حال کھڑی ہو جائے گی۔ روزی کے چہرے پر سے ماسک ہٹایا جا چکا ہوگا۔ کہانی یہ ہوگی کہ روزی کو لفٹ میں ہوش آگیا تھا اور اس نے چند الفاظ ادا کیے تھے جو صرف میں سن پایا اور پھر اس کی روح نے اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر تم سب اس کی لاش کو مردہ خانے میں لے جانا۔"

"یہ ایک پرانی چال ہے جو کہ کارگر ہو سکتی ہے۔" گووند نے کہا۔ "لیکن اس طرح تم خود کو ٹارگٹ بنا رہے ہو۔"

نصف گھنٹے بعد تمام کارروائی اسی طرح عمل میں لائی گئی۔ اسپتال کا عملہ اور وزیٹرز اس تمام کارروائی کے چشم دید گواہ تھے۔

شیام اور گووند اس وقت اسپتال کے مرکزی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑے۔۔۔۔ کار کا انتظار کر رہے تھے۔

"یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ تم نے خود کو ٹارگٹ بنایا ہے۔" گووند نے کہا۔ "اور میری دعا ہے، یہ آخری بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ اپنے چند آدمی تمہاری نگرانی پر مامور کر دوں تاکہ کوئی تمہیں گزند نہ پہنچا سکے۔"

"مجھے واپس سلور سینڈز بنگلوز جانا ہے۔ اگر راستے میں

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

کسی نے میرا تعاقب کیا اور تمہارے آدمی اس کی نگاہ میں آ گئے تو سب معاملہ چوپٹ ہو جائے گا۔''

اتنے میں گووند کی کار آ گئی اور وہ اس میں سوار ہو کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

شیام نے بھی پارکنگ لاٹ سے اپنی کار نکالی اور جمنا مورتی کے بنگلے کی جانب روانہ ہو گیا۔ سورج نکل چکا تھا اور سڑکوں پر ٹریفک کا رش ہو گیا تھا۔ شیام نے اس بات کا دھیان رکھا ہوا تھا کہ کوئی چھوٹی سیاہ کار اس کا تعاقب تو نہیں کر رہی لیکن اسے ایسا کچھ دکھائی نہیں دیا۔

اسے یقین تھا کہ روزی کا قاتل اسپتال میں جا کر معلومات ضرور کرے گا اور اسے یہ بات پتا چل جائے گی کہ شیام نے روزی کے ادا کیے کچھ آخری الفاظ سنے تھے۔ وہ سمجھ جائے گا کہ روزی نے مرتے وقت یقیناً اس کا نام لیا ہو گا۔ اس لیے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہو گی کہ جمنا مورتی کو ٹھکانے لگا دے۔

شیام انہی سوچوں میں ڈوبا جوہو کے ساحلی علاقے میں واقع سلور سینڈز بنگلوز پہنچ گیا۔ جب اس نے اپنی کار جمنا مورتی کے بنگلے کے ڈرائیو وے میں داخل کی تو اسے یقین ہو گیا کہ کسی نے یہاں تک اس کا پیچھا نہیں کیا۔

بنگلے کا داخلی دروازہ ہری نے کھولا۔ ہری کے چہرے پر عیاں بوکھلاہٹ کو دیکھتے ہی شیام سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔

''تھینک گاڈ تم آ گئے شیام۔'' ہری نے قدرے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے گووند کو فون کیا تھا تو اس نے بتایا کہ تم راستے میں ہو اور ادھر ہی آ رہے ہو۔''

''بات کیا ہے؟'' شیام نے جاننا چاہا۔

''جمنا مورتی... وہ غائب ہے۔ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔'' ہری ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

''اغوا سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ میں تمہیں اور کملا کو اس کی نگرانی پر چھوڑ گیا تھا۔ کملا تو خیریت سے ہے؟''

''کملا بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' ہری نے جواب دیا۔ ''وہ اور جمنا رات دیر سے سوئی تھیں۔ دونوں آدھے گھنٹے پہلے نیچے آئی تھیں۔ باورچن ناشتا لگا رہی تھی اور جمنا یقیناً ٹہلنے کے لیے سمر ہاؤس چلی گئی تھی۔ اسے وہاں گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ میں اور کملا اسے تلاش کرنے سمر ہاؤس کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔''

ہری نے کاغذ کی ایک شیٹ شیام کی طرف بڑھا دی۔

شیام نے غصے کے اندر وہ کاغذ لے لیا۔

☆☆☆

جب شیام نے وہ کاغذ پڑھا تو اسے احساس ہوا کہ قاتل نے اس کی توقع سے کہیں زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بے حد اسمارٹ تھا اور اس نے اس کھیل میں شیام کو تقریباً مات دے دی تھی۔

وہ پیغام ایک عام سے کاغذ پر ٹائپ کیا گیا تھا۔ شیام کو یقین تھا کہ کاغذ پر کسی کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود نہیں ہوں گے۔

پیغام یہ تھا:

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ لہٰذا وہی کچھ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ ہدایت پر من وعن عمل کرنا۔ مسز جمنا مورتی میری تحویل میں ہے اور اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

سب سے پہلے تم دو کروڑ کی رقم کا انتظام کرو۔ تمام نوٹ چھوٹے ہونے چاہئیں۔ یہ رقم تم سبز رنگ کے اس بریف کیس میں رکھ دینا جو مسز جمنا مورتی کے بیڈ روم کی الماری میں موجود ہے۔ رقم کے حصول کے لیے فکر مند مت ہو۔ مسز جمنا مورتی کے وکیل کے پاس ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پاور آف اٹارنی موجود ہے۔ جب تم انہیں یہ پیغام دکھاؤ گے تو وہ تمہیں یہ رقم دے سکتے ہیں۔ یہ ایک ایمرجنسی ہے... اوکے۔

آج دوپہر ٹھیک دو بجے یہ بریف کیس تمہاری کار میں موجود ہونا چاہیے۔ تم اپنی کار ڈرائیو کر کے مالابار ہلز کے قریب واقع نہرو پارک میں لے جانا۔ وہ بچوں کا پارک ہے۔ بریف کیس لے کر پارک میں چلے جانا۔ وہاں تالاب کے قریب سب سے آخری بینچ پر بریف کیس رکھ دینا اور آگے بڑھتے ہوئے تالاب کی دوسری سمت نکل جانا۔ وہاں رک کر پانچ منٹ انتظار کرنا۔ ایک آدمی وہ بریف کیس میرے پاس لے آئے گا۔ تب میں... جمنا کو رہا کر دوں گا۔

اگر تم پولیس لے کر آئے یا تم نے کوئی مداخلت کی یا اس آدمی کا پیچھا کیا تو اس کی نگرانی کرنے والا مجھے فون کر دے گا اور میں مسز جمنا مورتی کو قتل کر دوں گا۔''

مکمل پیغام یہی تھا۔

''اب تم کیا کرو گے؟'' ہری نے پوچھا۔ ''ہم اسے یہ سب کچھ کرنے نہیں دے سکتے۔''

''میں بالکل وہی کروں گا جیسا کہ اس پیغام میں کہا گیا ہے۔'' شیام نے بتایا۔ ''مجھے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

نہیں آ رہا ہے۔

''جس کسی نے بھی جمنا مورتی کو ہلاک کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا، وہی اغوا کرنے والا بھی ہے اور روزی کا قاتل بھی۔ اور اسی نے روزی کو جمنا کی گمشدہ بہن رادھا کا بہروپ اختیار کرنے کو کہا تھا۔''

''لیکن اغوا کیوں کیا؟'' شیام کی سیکریٹری کملا دیوی نے پوچھا۔

''وہ سمجھتا ہے کہ اغوا کے ذریعے اسے دو کروڑ روپے مل جائیں گے جس کی مدد سے وہ نہ صرف بہ آسانی فرار ہو سکے گا بلکہ اپنے دفاع کے لیے اخراجات بھی دل کھول کر کر سکے گا۔ اس سے ایک بات کی اسے اور ضمانت مل جائے گی کہ رقم پہنچنے تک میں پولیس کو خبر نہیں کروں گا۔''

''میں نے اس بارے میں تو سوچا بھی نہیں۔'' ہری نے کہا۔

''ایک بات اور۔'' شیام نے کہا۔ ''جب دو کروڑ روپے اس کے ہاتھ میں آ جائیں گے تو وہ جمنا مورتی کو زندہ نہیں چھوڑے گا کیونکہ وہ اس شخص کو پہچان چکی ہے اور اس کی شناخت کر دے گی۔ دوسری جانب اگر اس نے فرضی بہن کا انتظام کر رکھا ہے تو جمنا مورتی کی ہلاکت سے نہ صرف وہ راستے سے ہٹ جائے گی بلکہ اس کی موت کا الزام بھی بہن کے سر نہیں جائے گا۔ اغوا کے بعد قتل ہونا کوئی حادثہ تو قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن پولیس کو جمنا مورتی کی وارث بہن سے اس کی موت کا ربط قائم کرنے میں بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''کیا تم اب بھی وہ رقم اسے پہنچاؤ گے؟'' کملا دیوی نے شیام سے پوچھا۔

''قاتل تک پہنچنے کے لیے مجھے یہ سب کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔'' شیام نے جواب دیا۔ ''اور جمنا کو بچانا بھی ہے۔''

''وہ کس طرح؟''

''یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ مجھے تم دونوں کی یہاں بنگلے پر ضرورت ہو گی۔''

''تاوان کے پیغام سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اندر کا آدمی ملوث ہے۔ باہر کے کسی آدمی کو کیسے پتا چل سکتا ہے کہ جمنا اپنا سامان کہاں رکھتی ہے یا وکیل کے پاس پاور آف اٹارنی ہے؟''

''اندر کا آدمی نہیں اندر کی عورت!'' شیام نے کہا۔ ''تم دونوں اسے کسی کمرے میں بند کر دینا۔ میری مراد نوجوان ملازمہ جوہی سے ہے۔ جب میں چلا جاؤں تو تم بنگلے کے اندر جانا اور ہری تم اس نوجوان وکیل گوپال کو فون کرنا کہ میں تاوان کے پیغام کے ساتھ اس کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ پھر تم جوہی کو پکڑ لینا اور اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا۔ بعد میں تم تینوں گیراج میں سے ایک کار لے کر سیدھے نہرو پارک چلے آنا۔ وہیں گیٹ کے باہر پارکنگ لاٹ میں کار روک کر اسی کے اندر بیٹھے رہنا۔ کار اس طرح پارک کرنا کہ اندر تالاب تمہاری نظروں کے سامنے رہے۔''

''اگر جوہی ساتھ نہ جانا چاہے تو؟'' کملا دیوی نے پوچھا۔

''وہ جائے گی۔'' ہری نے کہا۔ ''یہ میں دیکھ لوں گا۔ میں اسے رشوت کی پیشکش کروں گا۔ اگر راضی نہ ہوئی تو اسے

کرکٹ + رشوت

کرکٹ کھیلنے میں جارج کی مصروفیت حد سے گزر گئی۔ انتہا یہ ہوئی کہ وہ اتوار کے دن بھی کرکٹ کھیلنے میں لگا رہتا۔ ایک روز یہ صورتِ حال اس کی بیوی کی برداشت سے باہر ہو گئی اور وہ پھٹ پڑی۔

''ہر وقت کرکٹ، ہر وقت کرکٹ! میں تو کہتی ہوں، اگر تم کسی اتوار کو کرکٹ کھیلنے نہ گئے تو شاید میں خوشی سے مر ہی جاؤں گی۔''

''میں خوب سمجھتا ہوں۔'' جارج نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے رشوت دینے کی کوشش کر رہی ہو۔''

خوش فہمی

ایک مشہور بیٹسمین ایک مقامی ٹیم کی طرف سے بحیثیت مہمان کھیل رہا تھا۔ باؤلر کو متاثر کن کارکردگی دکھانے کی فکر تھی۔ اس نے پوری جان لگا کر بال کرائی اور پہلی ہی گیند پر مشہور بیٹسمین کی آف اسٹمپ اکھاڑ دی۔

''نو بال۔'' امپائر نے پکارا اور پھر باؤلر سے سرگوشی میں کہا۔ ''آہستہ میرے بچے... آہستہ، لوگ تمہاری باؤلنگ دیکھنے نہیں آئے، وہ اس کی بیٹنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔''

طارق احمد کا تحفہ میانوالی سے

digestpk.blogspot.com

روزی کے قتل میں ملوث ہونے کی دھمکی دوں گا۔ اگر پھر بھی راضی نہ ہوئی تو اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کار میں ڈال دوں گا اور اگر اس نے بریف کیس اٹھانے والے فرد کو شناخت کرنے کا کوئی بھی اشارہ دیا تو پھر اسے بولنا بھی پڑے گا۔ کیسا آئیڈیا ہے نا؟"

"بالکل بکی آئیڈیا ہے۔" شیام نے کہا۔ "کملا اب تم جا کر الماری سے وہ ہرے رنگ کا بریف کیس مجھے لا دو۔ دو بجے سے پہلے مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔"

☆☆☆

وکیل گوپال اپنے دفتر میں شیام کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے درشت چہرے کے ساتھ تاوان کا پیغام پڑھا اور بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ پیغام اصلی ہے؟"

"قطعی کوئی شبہ نہیں۔" شیام نے پریقین لہجے میں کہا۔ "اگر میں نے دوپہر تک مطلوبہ رقم نہیں پہنچائی تو وہ مسز جتنا موری کو مار ڈالیں گے جیسا کہ پیغام میں کہا گیا ہے۔"

"اس صورت میں ہمیں فوری طور پر رقم کا بندوبست کرنا ہوگا۔" گوپال نے کہا۔

"کیا تم اتنی بڑی رقم کا بندوبست کر لو گے؟"

"بالکل۔" گوپال نے جواب دیا۔ "پاور آف اٹارنی کی رو سے یہ دفتر اس رقم کو حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ میں یہ رقم بہ آسانی لے سکتا ہوں۔ آنجہانی کرشنا موری ایک بہت بڑی رقم نقدی کی صورت میں ایک سیف ڈپازٹ بکس میں محفوظ رکھتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیوی نے اس انتظام کو تبدیل نہیں کیا اور وہ رقم بدستور بینک میں محفوظ ہے۔ ہمیں بس یہ کرنا ہوگا کہ اسٹرانگ روم میں جا کر وہ رقم اس ہرے بریف کیس میں ڈالنا ہوگی جو تم اپنے ساتھ لائے ہو۔"

"یہ تو بہت آسان کام ہے۔" شیام نے کہا۔ "پھر میں یہ رقم نہرو پارک لے جاؤں گا۔"

"نہیں۔" وکیل گوپال نے کہا۔ "اس طرح نہیں ہو گا۔"

"لیکن تاوان کے پیغام میں تو یہی کہا گیا ہے۔" شیام نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ رقم تم ہی پارک میں لے جانا۔ البتہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" گوپال نے کہا۔ "اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یا کسی اور کو اس فرم کے ایک کلائنٹ کی ملکیت دو کروڑ روپے یونہی لے جانے کی اجازت دے دوں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ یہ رقم جہاں جائے گی، میں بھی وہاں جاؤں گا۔"

ہے..."

"پیغام میں لکھا ہے کہ تعاقب نہ کیا جائے اور نہ ہی پولیس کو لایا جائے۔" وکیل گوپال نے کاغذ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں پولیس نہیں ہوں اور نہ ہی میں تمہارا تعاقب کروں گا۔ میں تمہارے ساتھ تالاب کے کنارے تک چلوں گا اور بریف کیس سے دور ہی رہوں گا۔"

"لیکن..."

"ایسا ہی کرنا ہوگا ورنہ ہم رقم مہیا نہیں کریں گے۔" گوپال نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "مجھے کیا پتا کہ تاوان کا یہ پیغام تم نے خود ہی تحریر نہیں کیا ہے؟"

پھر شیام کے چہرے کے بدلتے تاثرات بھانپ کر وہ تیزی سے بولا۔ "اوہ... میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تم نے تحریر کیا ہے لیکن تم اس فرم کے سینئر پارٹنرز سے بہ خوبی واقف ہو۔ اگر وہ شہر سے باہر نہ گئے ہوئے ہوتے تو وہ اس معاملے کو خود ہینڈل کرتے۔ وہ بھی ساتھ جانے پر اصرار کرتے، لہٰذا مجھے بھی اصرار کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میں یہ نہیں چاہتا کہ اس معاملے کو پیشہ ور لوگوں پر چھوڑ دیا جائے لیکن اگر تم بضد ہو تو پھر میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب چلتے ہیں۔ ہمیں رقم بھی لینی ہے۔ اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" گوپال نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تب شیام نے دیکھا کہ گوپال نے سبز رنگ کی قمیص اور اس سے میچ کرتی ہوئی سبز پتلون پہنی ہوئی تھی۔ چلتے ہوئے گوپال نے وکیلوں کا مخصوص کوٹ بھی پہن لیا جو کہ اس کے لباس پر جچ رہا تھا۔

☆☆☆

دوپہر ٹھیک دو بجے پیغام کے مطابق شیام نے رقم سے بھرا ہرے رنگ کا بریف کیس نہرو پارک کے تالاب کے کنارے بنی ہوئی آخری بنچوں میں سے ایک پر رکھ دیا۔

پھر وہ اور گوپال تالاب کے کنارے ٹہلتے ہوئے آخری کنارے تک چلے گئے۔ دوپہر کی وجہ سے پارک تقریباً سنسان تھا۔

شیام کو امید تھی کہ ہری اور کملا دیوی اس کی ہدایت کے مطابق جوہی کو ساتھ لے آئے ہوں گے اور ان کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔

وہ پندرہ منٹ تک تالاب کے آخری سرے پر کھڑے

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

رہے۔ شیام نے گردن گھما کر دیکھا تو تاوان کی رقم کا بریف کیس بدستور اسی بینچ پر موجود تھا جہاں اس نے چھوڑا تھا۔

”کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔“ وکیل گوپال نے اچانک کہا۔ ”اغوا کرنے والے کو وہ بریف کیس اب تک اٹھا لینا چاہیے تھا۔ پیغام میں وقت اور جگہ کے بارے میں واضح طور پر ہدایت درج تھی۔ اسے تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟“

”مجھے معلوم نہیں۔“ شیام نے کہا۔ ”ہم بس یہی کر سکتے ہیں کہ مزید کچھ دیر انتظار کریں۔“

شیام کو خود بھی پریشانی شروع ہو گئی تھی۔ معاملات اس کی توقع کے مطابق نہیں ہو رہے تھے۔ خاص طور پر جب سے وکیل گوپال نے اس کے ہمراہ چلنے کی بات کی تھی۔ اسے اس بات کی قطعی توقع نہیں تھی۔

”اگر اغوا کرنے والا کچھ دیر تک نہیں آتا تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔“ وکیل گوپال نے کہا۔

”یہ بُرا ہو گا۔“ شیام نے کہا۔

”ہمارے پاس اور کوئی چوائس نہیں ہو گی کہ بریف کیس اٹھا کر واپس لے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بھولا بھٹکا تجسس کی بنا پر اسے اٹھالے۔“ گوپال نے کہا۔

”مزید پندرہ منٹ انتظار کر لیتے ہیں۔“ شیام نے کہا۔ اس کیس کو حل کرنے کے لیے اس کا پورا منصوبہ خاک میں مل رہا تھا اور اسے سوچنے کے لیے وقت درکار تھا۔

جب اس نے پہلی بار تاوان کا پیغام پڑھا تھا تو اسے خاصا یقین تھا کہ وکیل گوپال اس کیس میں بڑی حد تک ملوث ہے۔ اگر وہ حقیقی قاتل اور اغوا کرنے والا نہیں ہے تو یقیناً اس کا ساتھی ضرور ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس پورے پلاٹ کا ماسٹر مائنڈ ہو۔

قاتل جو کوئی بھی تھا، اسے بہت سی باتوں کے جاننے کے مواقع تھے جن تک کسی اجنبی کی رسائی ناممکن تھی... اور وکیل اس تصویر میں بالکل فٹ بیٹھ رہا تھا۔ وہ جمنا مورتی کی گمشدہ بہن اور اس کی تلاش کی تمام کوششوں سے بخوبی واقف تھا۔ اسی نے ان پرائیویٹ سراغ رسانوں کی خدمات مستعار لی تھیں جنہوں نے گمشدہ بہن کی تلاش کی تھی... اور ممکن ہے کہ اس تلاش کے چند حقائق جمنا اور کرشنا مورتی سے چھپا لیے ہوں جو ان کے علم میں آئے ہوں۔ اسے معلوم تھا کہ جمنا کو روزی پر اپنی بہن ہونے کا شبہ تھا اور اس کے پاس روزی کو فراہم کرنے کے لیے خفیہ ثبوت موجود تھے۔

البتہ گوپال کو روزی کے پولیس ریکارڈ کے بارے میں

[illegible]

تبدیل کر لیا۔ اپنی کھوج کے نشانات مٹانے کے لیے اس نے روزی اور اس کے بوائے فرینڈ کو قتل کر دیا۔

پھر جو نقد ہاتھ لگ سکے، اس کے حصول کے لیے اس نے اغوا کا پلان بنایا۔ اسے سیف ڈپازٹ بکس میں ایک بڑی رقم کی موجودگی کا علم تھا۔ یہ بات کسی اجنبی کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یہ رقم شیام کو دے سکتا تھا اور پھر پارک سے خود اٹھا کر لے جاتا پھر جمنا مورتی کو قتل کر دیتا۔ اس طرح گمشدہ بہن اس کی وارث بن جاتی۔ گوپال کو اب یہ کرنا پڑتا کہ روزی کی جگہ جمنا کی کوئی اور بہن تلاش کر لیتا اور اس کے ساتھ مل کر رقم بانٹ لیتا۔

یہ سب کچھ شیام کو سہل اور منطقی لگ رہا تھا۔

اگر جمنا مورتی کے گھر میں موجود جوہی اس کا رابطہ تھی تو وہ اسے اس وقت پہچان لے گی جب وہ تاوان کی رقم کا بریف کیس اٹھائے گا اور وہ جوہی کو ہری اور کملا دیوی کی تحویل میں چھوڑ کر وہاں سے چمپت ہو جائے گا... لیکن بعد میں ہری اور کملا دیوی تو اسے شناخت کر لیں گے۔

اگر گوپال قاتل تھا تو اس نے شیام کو مات دے دی تھی۔ اب اسے بس یہی کرنا تھا کہ اغوا کرنے والے کے نہ آنے کی صورت میں بریف کیس اٹھا کر واپس لے جاتا۔ شیام اس بات پر نہ تو کوئی اعتراض کر سکتا تھا اور نہ ہی اسے روک سکتا تھا۔ وہ شخص جمنا مورتی کا وکیل تھا۔ تاوان کی رقم اسی نے فراہم کی تھی اور قانونی طور پر وہ اس رقم کو واپس لے سکتا تھا۔

ایک بار شیام سے جدا ہونے کے بعد وہ جمنا مورتی کو قتل کر سکتا تھا۔ پھر یہ اس کی مرضی تھی کہ تمام رقم لے کر فرار ہو جاتا یا اسے واپس بینک میں رکھ دیتا اور جمنا کی وارث بہن کو سامنے لانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا۔

”وقت پورا ہو گیا۔“ گوپال نے کہا۔ ”آؤ چلتے ہیں شیام۔“

”تھوڑا اور انتظار کر لو۔“

”اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ اغوا کرنے والے کے پاس پہنچنے کے لیے خاصا وقت تھا اور وہ ابھی تک نہیں آیا۔ یہ رقم میری ذمے داری ہے اور میں اسے مزید اس طرح یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔“ یہ کہہ کر گوپال واپس اس بینچ کی جانب چل پڑا جہاں رقم سے بھرا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔

شیام کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس

[illegible]

اپنے پیشے سے کئی سال منسلک ہونے کے ناتے شیام کو پہلی بار یہ خیال آ رہا تھا کہ کیا اسے اپنی ٹکر کا مقابل مل گیا ہے؟

اس پر یہ اضطراری کیفیت طاری ہو رہی تھی کہ وہ اس رقم کو اپنی تحویل میں لے لے اور وکیل کو دینے سے انکار کر دے۔ لیکن اسے احساس تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ گوپال معصوم بھی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ معصوم نہیں تھا، تب بھی شیام کو ثبوت پیش کرنے کے لیے للکار سکتا تھا اور اس دوران جمنا مورتی جہاں کہیں بھی چھپا کر رکھی گئی تھی، ہلاک ہو سکتی تھی۔

جب وہ بینچ کے نزدیک پہنچے تو گوپال نے نوٹوں سے بھرا وہ سبز بریف کیس اٹھا لیا۔

”اب تم مجھے واپس دفتر پہنچا دو شیام۔“ گوپال نے کہا۔ ”میں اس کا دھیان رکھوں گا۔ اس دوران ہم انتظار کریں گے کہ اغوا کرنے والا دوبارہ کب رابطہ کرتا ہے۔“

عین اسی لمحے ایک کورنیل تیزی سے پارک کی پارکنگ لاٹ سے نکل کر گیٹ کے سامنے آ گئی۔ ہری اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور کملا دیوی برابر کی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان جوہی موجود تھی جس کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ عیاں تھی۔

”یہی تمہارا مطلوبہ آدمی ہے، شیام۔“ ہری نے اپنے دوست کو وہیں سے آواز دی۔ ”اس لڑکی نے اسی کی جانب اشارہ کیا ہے۔“

”کیا؟“ وکیل گوپال نے چونکتے ہوئے کہا۔

تب جوہی نے ایک زوردار چیخ ماری اور بلند آواز سے بولی۔ ”نہیں، اس کی بات کا یقین مت کرنا۔ میں نے ایسا کچھ اشارہ نہیں کیا... کوئی اس کی بات کا یقین...“

”لیکن اب تم نے اشارہ دے دیا ہے۔“ شیام نے جواباً چیخ کر کہا۔

تب اسے اپنی پشت پر ریوالور کی نال کی چبھن محسوس ہوئی۔ گوپال نے نہ جانے کس وقت اپنی پتلون میں چھپایا ہوا ریوالور نکال کر اس کی کمر پر لگا دیا تھا۔ ریوالور پر اس کی گرفت بھی مضبوط تھی۔

”کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، ورنہ میں شیام کو گولی مار دوں گا۔“ گوپال نے کہا۔ ”اور میں تم لوگوں کو بھی مارنے سے دریغ نہیں کروں گا۔“

پھر اس نے وہ سبز بریف کیس نیچے رکھ کر شیام کا ریوالور نکالتے ہوئے اسے نہتا کر دیا اور وہ ریوالور اپنی جیب میں رکھنے کے بعد رقم سے بھرا ہوا بریف کیس دوبارہ اٹھا لیا۔

اسرائیل کے علاوہ

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

ٹورنٹو سے لنڈی کوتل تک

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ

(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 5500 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 4500 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر یا ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے۔ مقامی حضرات دفتر میں نقد ادائیگی کر کے رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

رابطہ: ثمر عباس

(فون نمبر)

(0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی

فون: 35895313 فیکس: 35802551

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/

digestpk.blogspot.com

"جوہی اور ہری تم دونوں کار سے نیچے اتر آؤ۔" گوپال نے حکم دیا۔ "جلدی کرو... اور کملا...! تم کار میں بیٹھی رہو۔ تم میری یرغمال ہو۔ اگر انہوں نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو تمہاری موت یقینی ہوگی۔"

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔" جوہی نے کہا۔

گوپال نے جوہی کی بات کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ پھر وہ بریف کیس اٹھا کر کار کی جانب دوڑ پڑا۔ گیٹ کے نزدیک پہنچ کر وہ رکا۔ اس نے پلٹ کر شیام اور ہری کی جانب دیکھا اور چیختے ہوئے انہیں وہیں رکنے کو کہا۔ پھر لپک کر کار میں سوار ہوگیا۔ اس نے اپنا ریوالور کملا... پر تان لیا تھا۔ بریف کیس کو کار کی عقبی نشست پر رکھنے کے بعد اس نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے خالی ہاتھ سے گیئر تبدیل کیا اور کار کو واپس سڑک کی جانب گھمانے لگا۔

گوپال کے ذہن میں یہ شائبہ تک نہیں تھا کہ ہری کے پاس بھی ریوالور ہوسکتا ہے۔

ہری نے اپنی کمر میں اڑسا ہوا ریوالور نکال کر شیام کو تھما دیا۔ وہ کار سے بہ مشکل پچاس فٹ کے فاصلے پر تھے۔ شیام نے کار کے عقبی ٹائروں کا نشانہ لیتے ہوئے باری باری دو فائر کیے اور کار کی جانب دوڑ پڑے۔

کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس دوران کملا چھلانگ مار کر کار سے نیچے اتر آئی تھی۔ وہ ان کی جانب دوڑ پڑی۔

اس سے قبل کہ گوپال سنبھل پاتا، شیام قلانچیں بھرتا ہوا اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ گوپال کو اتنی مہلت نہیں مل سکی کہ وہ اپنا ریوالور استعمال کرسکتا۔ اس نے شکست تسلیم کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

شیام نے اس کا ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا اور اسے ہاتھ اٹھائے کار سے نیچے آنے کا حکم دیا۔

"اوکے!" شیام نے کہا۔ "تم نے جمنا مورتی کو کہاں چھپایا ہوا ہے؟ اس کی نگرانی کون کر رہا ہے... اس کی گمشدہ بہن؟"

اس بات پر گوپال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اس کی بہن کو مرے ہوئے کئی برس ہوچکے ہیں۔" گوپال نے کہا۔ "اور یہ بات صرف مجھے معلوم ہے۔ جمنا مورتی کی بہن میری ماں تھی۔"

☆☆☆

شیام نے پولیس کی مدد سے جمنا مورتی کو گوپال کے اپارٹمنٹ سے بازیاب کرلیا جہاں اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر رکھا گیا تھا۔

"میں شاید یہ بات کبھی سمجھ نہ پاؤں گی۔" بعد میں جمنا مورتی نے پولیس چیف کے روبرو کہا۔ "اگر وہ واقعی میرا بھائی [illegible] میں مناسب جواز کے ساتھ اسے وہ کچھ دے [illegible] کی اسے ضرورت تھی۔"

"اس قسم کے لوگ کبھی مناسب جواز پر یقین نہیں رکھتے۔" گووند نے کہا۔ "اگر اس کی ماں زندہ ہوتی یا وہ ایک فرضی ماں سامنے لاتا، تب بھی اس نے آپ کو قتل کر دینا تھا۔ آپ ایک دلکش خاتون ہیں۔ آپ دوبارہ شادی کرسکتی ہیں اور آپ کے یہاں اولاد بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے بہترین چانس یہی تھا کہ آپ کو ہلاک کردے... اور تب میرے خیال سے اس پر انکشاف ہوا کہ وہ کون ہے اور وارث ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ آپ کے مرنے کے بعد وہ قانونی وارث ہوجاتا۔"

"ایک قاتل اور ایک چور کا ذہن آپ کی طرح کا نہیں ہوسکتا مسز جمنا مورتی۔" شیام نے کہا۔ "اس کے علاوہ گوپال اور آپ کی بہن دونوں ہی آپ سے نفرت کرتے تھے۔ گوپال کا کہنا ہے کہ جو خط آپ کو موصول ہوا تھا، وہ اصلی تھا۔ گوپال کا اپنی ماں سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا لیکن جب اس نے خط کے ذریعے سراغ لگایا تو وہ دوبارہ اپنی ماں تک پہنچ گیا۔ پھر جب ہارٹ اٹیک کے نتیجے میں اس کی ماں کی موت واقع ہوگئی تو اس نے تنہا دولت سمیٹنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اس میں کامیاب ہوجاتا اگر کار میں موجود جوہی، ہری اور کملا دیوی کو اس کی جانب اشارہ کرکے نہ بتاتی۔"

"اس نے کوئی اشارہ نہیں کیا تھا۔" ہری نے انکشاف کیا۔ "جب تم دونوں تالاب کے کنارے جا رہے تھے تو اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ البتہ اس کا جسم تن گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ پھر ہم تمہاری واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ تب میں نے ایک رسک لینے کا فیصلہ کیا اور جوں ہی تم دونوں پلٹے، میں نے ٹنگاتے ہوئے وہ حرکت کر ڈالی جو تمہارے علم میں بھی ہے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا جو وہ حرکت کر ڈالی۔" گووند نے کہا۔

"اگر تم ایسا نہ کرتے تو شاید وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوجاتا اور ہم لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے۔" کملا دیوی نے کہا۔

شیام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے عرصے کے بعد ایسا مقابل ٹکرایا تھا جس نے اسے ٹنگی کا ناچ نچا دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گوپال جیسے شاطر کو شاید ہی کبھی بھول پائے گا۔

http://jasoosinovelsurdu.blogspot.com/